بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

الحمد للہ ولہ المنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و
خزینۂ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ مسمّٰی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد پنجم مشتمل بر تفسیر پارہ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... مَعارف القرآن (جلد پنجم)

تصنیف .... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر .... مکتبہ رحمانیہ
اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مطبع .... خضر جاوید پرنٹرز

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین جلد پنجم تفسیر "معارف القرآن"

پارہ ⑯، ⑰، ⑱، ⑲

سورۂ کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مؤمنون، نور، فرقان، شعراء، نمل

پارہ ⑯ قَالَ اَلَمۡ

بقیہ قصہ موسیٰ با خضر علیہما السلام ۱۲
بیان تاویلات واقعات مذکورہ ۱۳
بیان تاویل واقعہ اوّل ۱۳
بیان تاویل واقعہ دوئم، سوم، خاتمہ کلام ۱۴
لطائف ومعارف ۱۵
پہلی دلیل، دوسری دلیل، تیسری دلیل ۱۶
قصہ ذوالقرنین ۲۲
سفرِ اوّل ۲۵
سفرِ دوم ۲۶
سفرِ سوم ۲۷
ذکرِ تعمیر سدِ آہنی برائے انسداد خروج یاجوج وماجوج ۲۷
دیوارِ ذوالقرنین اور دنیا کی پانچ بڑی دیواروں کا ذِکر ۳۱
دیوارِ اوّل ...... دیوارِ چین ۳۱
دیوارِ دوم ...... دیوارِ سمرقند ۳۱
دیوارِ سوم ...... دیوارِ آذربائیجان ۳۱
دیوارِ چہارم ...... دیوارِ تبت ۳۲
دیوارِ پنجم ۳۲
یاجوج ماجوج کون ہیں ۳۳
مرزائے قادیان کا ہذیان ۳۵
تتمہ قصۂ ذوالقرنین ۳۶
وذکر انہدام دیوار ذوالقرنین وخروج یاجوج وماجوج ونفخ صُور ۳۶
خاتمۂ سُورت بر توحید ورسالت وتذکیر آخرت ۳۸
شانِ نزول ۴۰

تفسیر سورۂ مریم (علیہا السلام)

فائدہ: متعلقہ بہ نماز جنازہ غائبانہ ۴۲
قصہ اوّل۔ حضرت زکریا وحضرت یحییٰ علیہما السلام ۴۴
قصہ دوم۔ حضرت عیسیٰ ومریم علیہما السلام ۵۱
پہلی صفت ... عبدیت ۵۵
اور دوسری صفت، اور تیسری صفت، اور چوتھی صفت ۵۶
اور پانچویں صفت ۵۶
اور چھٹی صفت، اور ساتویں صفت، اور آٹھویں صفت ۵۷
قول مبرم وفیصلہ محکم دربارۂ حقیقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ۵۹
لطائف ومعارف ۶۳
حدیث ذبح موت ۶۶
قصہ سوم۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۶۸
قصہ چہارم۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۷۱
قصہ پنجم۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ۷۲
قصہ ششم۔ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام ۷۳
ذکر وصف عام جنس انبیاء کرام علیہم السلام ۷۴

ذکر حال و مآل اہل سعادت و اہل شقاوت ۷۶
ذکر احاطۂ علم و قدرت و اثبات وحدانیت و بیان عبودیت
ملائکہ برائے ترغیب عبادت و طاعت ۷۷
اثبات معاد و بیان حال و مآل اہل طاعت و اہل معصیت . ۸۰
کفار کے ایک مغالطہ کا جواب ۸۳
منکرین حشر کے ایک اور تکبر اور تمسخر کا جواب ۸۵
ابطال عقیدۂ ابنیت و بیان ضلال و وبال منکرین وحدانیت
و منکرین قیامت برائے تسلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸۸
خاتمۂ سورت ۹۱
مشتمل بر بشارت اہل ایمان و طاعت و نذارتِ اہل طغیان
و خصومت ۹۱
و بودن آں از اعظم مقاصدِ نزولِ کتاب ہدایت و اغراضِ بعثت ۹۱

تفسیر سورۂ طٰہٰ

تقریر رسالت و وحدانیت ۹۳
تفصیل قصۂ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۹۶
عطائے خلعت نبوت و رسالت ۹۸
عطائے معجزات ۱۰۰
پہلا معجزہ، دوسرا معجزہ ۱۰۱
تذکیر انعامات و احسانات ۱۰۵
پہلا احسان ۱۰۵
دوسرا احسان، تیسرا احسان، چوتھا احسان ۱۰۶
پانچواں احسان، چھٹا احسان، ساتواں احسان ۱۰۷
آٹھواں احسان ۱۰۷
ربوبیت خداوندی پر موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ ۱۰۹
تفسیر آیت مذکورہ بعنوان دیگر ۱۱۱
بیان مبداء و معاد ۱۱۳
ذکر مذاکرۂ دیگر درمیان موسیٰ علیہ السلام و فرعون لعین ۱۱۶
میدان مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں کو ناصحانہ خطاب ۱۱۸
مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب ۱۲۱
بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فرعون کا تعاقب اور اس
کی غرقابی ۱۲۳
موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی اور گوسالہ پرستی کا واقعہ . ۱۲۸
لطائف و معارف، سحر، معجزہ ۱۳۴
سحر اور معجزہ میں فرق ۱۳۵
حکایت مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ ۱۳۵
مُردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو خواب میں جواب ۱۳۶
اثبات رسالت محمدیہ و تہدید معاندین و ترہیب از عذاب
آخرت ۱۳۸
منکرین آخرت اور مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب . ۱۴۰
ذکر قصہ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تنبیہ معترضین مستکبرین ۱۴۵
لطائف و معارف ۱۵۰
تہدید و تنبیہ اہل غفلت بر عدم عبرت از ہلاک اُممِ سابقہ
مع مشاہدۂ آثار ہلاکت در اثنائے سفر تجارت ۱۵۳

پارہ ⑰ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

تفسیر سورۂ انبیاء (علیہم السلام)

خبر دادن رب العزت از قرب قیامت برائے تنبیہ اہل غفلت ۱۵۸
از محاسبۂ آخرت و تہدید منکرین نبوت و جواب دادن از
اعتراضات بر آیات رسالت ۱۵۸
و آگاہیدن از انجام ظالمین اُمم سابقہ برائے عبرت و نصیحت ۱۵۸
بیان توحید و ابطالِ شرک ۱۶۴
دلیل تمانع کی پہلی تقریر ۱۶۸
اتفاق کی دوسری صورت ۱۶۹
اختلاف کی صورت، پہلی صورت، دوسری صورت ۱۷۰
تیسری صورت ۱۷۱

برہان تمانع کی دوسری تقریر، پہلی صورت، دوسری صورت ۱۷۲
توحید اور اسلام ۱۷۴
دلیل توحید ۱۷۵
فائدۂ علمیہ ونحویہ ۱۷۶
بیان دلائل قُدرت برائے اثبات وحدانیت ۱۸۰
قسم اوّل ۱۸۱
قسم دوم، قسم سوم، قسم چہارم، قسم پنجم، قسم ششم ۱۸۳
بیان فناء عالم ورجوع ہمہ بسُوئے خلاقِ عالم وجواب از
شماتت اعداء بموت سرورِ عالم سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸۴
شانِ نزول ۱۸۴
بیان انجام استہزاء وتمسخر ببارگاہِ رسالت وتہدید بہ عذاب
آخرت ۱۸۷
تفصیل احوال انبیاء سابقین برائے اثبات توحید وقیامت ۱۹۰
قصہ موسیٰ وہارون علیہما السلام ۱۹۰
قصہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۹۳
ذکر ہجرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۹۸
لطائف ومعارف ۱۹۸
عتاب کردن جہود آتش را کہ چرا نمی سوزی وجواب او ۲۰۲
”کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور
آگ کا جواب“ ۲۰۲
جواب دادن آتش بادشاہ جہود را بامر بادشاہِ حقیقی ۲۰۳
”بادشاہ حقیقی (حق تعالیٰ) کے حکم سے بادشاہِ مجازی کو
آگ کا جواب دینا“ ۲۰۳
ایک کرامت ۲۰۴
قصہ حضرت لوط علیہ السلام ۲۰۵
قصہ حضرت نوح علیہ السلام ۲۰۶
قصہ داؤد وسلیمان علیہما السلام ۲۰۷
ذکر بعض معجزات وکرامات حضرت داؤد وحضرت سلیمان علیہما السلام ۲۰۹
قصہ ایوب علیہ السلام ۲۱۱
قصہ حضرت اسمٰعیل وادریس وذوالکفل علیہم السلام ۲۱۲
قصہ یونس علیہ السلام ۲۱۳
قصہ زکریا علیہ السلام ۲۱۶
قصہ حضرت عیسیٰ ومریم علیہما السلام ۲۱۷
بیان اجماع انبیاء کرام علیہم السلام بر توحید خداوندانام ۲۱۷
بیان قرب قیامت وخروج یاجوج ماجوج وفناءِ عالم وبیان ذلت
وخواری اہل غفلت وبیان عزت وکرامت اہل سعادت ۲۱۹
آیت ہٰذا کی تفسیر میں دوسرا قول، تیسرا قول ۲۲۰
لطائف ومعارف ۲۲۳
مرزائے قادیان کا ایک استدلال ۲۲۳
مرزائیوں سے ایک سوال ۲۲۸
بشارتِ وراثت زمین برائے عباد صالحین ۲۳۱
شیعہ کیا کہتے ہیں؟ ۲۳۳
اہلسنت والجماعت کہتے ہیں ۲۳۴
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۲۳۴
خاتمۂ سورت بر اتمام حجت بہ تنزیل کتاب ہدایت وبعثت
رسولِ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۳۶

تفسیر سورۂ حج

آغاز سورت بحکم تقویٰ کہ آں بہترین زادِ آخرت است
وتخویف از زلزلۂ قیامت کہ ذکر آں غفلت است ۲۴۰
زلزلۂ مذکورہ میں مفسرین کے اقوال ۲۴۱
اثبات حشر ونشر وابطال شبہات مجادلین ومنکرین قیامت ۲۴۴
مذمت مذبذبین ومترددین در بارۂ دین متین ۲۴۷
بیان فلاح اہل ایمان وخیبت وخسران دشمنان بدسگالان ۲۴۸
بیان فیصلۂ اختلافِ ملل واُمم در روز قیامت ۲۵۱

صابئین کے بارے میں تین قول ۲۵۲
مذمت کفارلئام برمزاحمت اہل اسلام وزیارت مسجد حرام
وبیان بعض احکام متعلقۂ آں مقامِ واجب الاحترام ۲۵۷
سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ میں اقوال ۲۵۸
شعائر ۲۶۲
تتمۂ کلام سابق (یعنی اہل ایمان کی طرف سے مدافعت) ۲۶۴
اجازت جہاد و وعدۂ نصرت وتمکین براعدائے دین...... ۲۶۵
تسلیۂ رسالت مآب وتہدید کفار براستعجالِ عذاب و
وعدۂ مغفرت ورزق کریم برائے اہلِ طاعت و وعید
عذاب جحیم برائے اہل معصیت ۲۷۰
ذکر فتنۂ شیطان برائے امتحان مخلصان ومنافقان ۲۷۴
شانِ نزول ۲۷۵
اس قصہ کے بارہ میں علماء کے دوگروہ ۲۷۵
آمدیم برسر مطلب ۲۸۰
آیت ہٰذا کی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ ۲۸۵
دوسری اور تیسری تفسیر ۲۸۷
تتمہ بیان سابق ۲۸۷
بشارت مہاجرین ومجاہدین ونعمائے آخرت ووعدۂ فتح
ونصرت وتنبیہ برکمال قدرت وحکمت ۲۸۸
بیان بعض دلائل کمال قدرت وحکمت بالغہ وکمال تسخیر..... ۲۹۱
تہدید مجادلین دربارۂ احکام شریعت ۲۹۳
بیان مثال معبودات باطلہ برائے ابطال شرک ۲۹۵
خاتمہ سورت برترغیب اعمال وتاکید اعتصام بملت اسلام . ۲۹۷

پارہ ⑱ قَدْ اَفْلَحَ

تفسیر سورۂ مؤمنون

صفات مؤمنین مفلحین ۳۰۱
اوّل صفت خشوع ۳۰۱
دوسری صفت اعراض عن اللّغو ۳۰۱
تیسری صفت اداء زکوٰۃ ۳۰۱
چوتھی صفت عفت وعصمت ۳۰۲
پانچویں اور چھٹی صفت اداء امانت اور ایفائے عہد........ ۳۰۲
ساتویں صفت نماز کی پابندی ۳۰۳
ذکر مبدأ ومعاد ودلائل توحید ۳۰۴
قصہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ۳۰۸
قصہ قوم عاد یا قوم ثمود ۳۱۱
قصہ بعض دیگر اُمم سابقہ بطریق اجمال ۳۱۲
قصہ موسیٰ وہارون علیہما السلام ۳۱۳
قصہ مریم وعیسیٰ علیہما السلام ۳۱۴
اتحاد رسل در بارۂ حکم توحید وتقویٰ واکل حلال ومحاسن اعمال
وتحذیر وتخویف از مخالفت پیغمبران وذم متکبرین وہوا پرستاں ۳۱۵
ذکر صفات اہل صدق وایمان ۳۱۷
ترغیب براعمالِ خیر وبیان حال ومآل اہل طغیان ۳۱۹
بیان اسباب جہالت وضلالت متکبرین ومعرضین ۳۲۱
تذکیر انعامات وذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت . ۳۲۵
تلقین دُعا وآداب تبلیغ ودعوت وذکر احوال واہوال آخرت
برائے تخویف اہل شقاوت ۳۲۹
خاتمۂ سورت برتہدید اہلِ غفلت ازحساب آخرت ۳۳۲

تفسیر سورۂ نور

تمہید اجمال احکام سورت دربارۂ عفت وعصمت ۳۳۷
حکم اوّل۔ حدِ زنا ۳۳۷
حکم دوم۔ نکاح زانی وزانیہ ۳۴۱
حکم سوم۔ حدِ قذف ۳۴۳
حکم چہارم۔ لعان ۳۴۵
اختلاف روایات درشانِ نزول ۳۴۶

بیان براءت ونزاہت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا از افک وتہمت
ونصیحت مؤمنین وفضیحت منافقین ۳۴۹
حکم پنجم۔ استیذان ۳۵۶
حکم ششم۔ متعلق بہ نظر وبصر ۳۵۸
زینت کے معنی ۳۶۱
لطائف ومعارف ۳۶۵
حکم ہفتم وحکم ہشتم ۳۶۷
حکم ہفتم۔ بابت نکاح مجرّداں ۳۶۸
حکم ہشتم۔ صبر وضبط نفس برائے حفاظتِ عفت ۳۶۸
حکم نہم۔ مکاتبت واعانت مملوک ۳۶۸
حکم دہم۔ ممانعت از اکراہ واجبار علی الزنا ۳۶۹
خاتمۂ احکام عشرۂ مذکورہ بر امتنان ہدایت ونصیحت ۳۷۰
آیت نُور در بارۂ تمثیل نُور ہدایت وظُلمت فِسق وفجور
وانوار قلوب اہل ہدایت وظُلمت قلوب اہلِ ضلالت ۳۷۱
اعمالِ کُفّار کی دو مثالیں ۳۷۸
لطائف الاشارات ۳۷۹
ذِکرِ تسبیح کائنات عالم ۳۸۱
ذِکرِ مہتدین وغیر مہتدین یعنی مخلصین ومنافقین ۳۸۴
بشارت حکومت ووعدۂ خلافت برائے اہلِ ایمان واطاعت ۳۸۷
پہلا وعدہ، دوسرا وعدہ، تیسرا وعدہ ۳۹۰
فوائد ولطائف ۳۹۲
خاتمۂ کلام وفذلکۃ المرام ۳۹۹
حضرات شیعہ کے اعتراضاتِ شنیعہ اوران کے جوابات .. ۳۹۹
تاویل اوّل ۳۹۹
تاویل دوم ۴۰۰
تاویل سوم ۴۰۰
حکم یازدھم۔ متعلق بہ استیذان ۴۰۳
حکم دوازدھم۔ متعلق بہ تَستُّر ۴۰۵
حکم سیزدھم۔ متعلق باہمی اکل وشرب ۴۰۶
حکم چہاردھم۔ متعلق بہ سلام اہل خانہ ۴۰۷
حکم پانزدھم۔ متعلق بآداب مجلس نبوی ﷺ ۴۰۹

تفسیر سورۂ فرقان

توحید ورسالت وقیامت ۴۱۲
منکرین نبوت کے اعتراضات اوراُن کے جوابات ۴۱۴
منکرین نبوت کا پہلا شُبہ اوراس کا جواب ۴۱۴
منکرین نبوت کا دوسرا شُبہ اوراس کا جواب ۴۱۵
منکرین نبوت کا تیسرا شبہ اوراس کا جواب ۴۱۸
تفصیلی جواب ۴۱۹
تنبیہ برمنشاء انکار رسالت وبیان بعض احوال واھوال
روز قیامت ۴۲۰

پارہ ⑲ وَقَالَ الَّذِيْنَ

منکرین نبوت کا چوتھا شبہ اوراس کا جواب ۴۲۴
منکرینِ نبوت کا پانچواں شبہ اوراس کا جواب ۴۲۷
ذکر قصص انبیاءِ کرام علیہم السلام ۴۲۹
قصۂ اوّل موسیٰ علیہ السلام باقومِ او ۴۳۰
دوسرا قصۂ قوم نوح علیہ السلام ۴۳۰
قصہ سوم۔ مشتمل بر ذکر قصۂ قوم عاد وثمود واصحاب رَس و
دیگر اُمم ۴۳۱
قصہ چہارم۔ قوم لوط علیہ السلام ۴۳۱
تشنیع کُفّار براستہزاء سیّد الابرار ۴۳۲
ذکر دلائل توحید وعجائب قدرت وصنعت ۴۳۶
قسم اوّل۔ استدلال بنظر درحالت سایہ ۴۳۶
آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول ۴۳۹
آیت ہذا کی تفسیر میں تیسرا قول ۴۴۰

قسم دوم۔ از دلائل توحید ۴۴۰
قسم سوم۔ از دلائل توحید ۴۴۱
قسم چہارم۔ از دلائل توحید ۴۴۲
آیت ہذا کی دوسری تفسیر ۴۴۲
قسم پنجم۔ از دلائل توحید، استدلال بہ خلقت انسانی ۴۴۳
بیان جہالتِ مشرکین ومنکرین نبوت ۴۴۳
تتمۂ دلائل توحید ۴۴۵
مدح عباد رحمان وذکر شمائل اہلِ ایمان وعرفان ۴۴۷

تفسیر سورۂ شعراء

ذکرِ حقانیت کتابِ مبین وتہدید معاندین ومستہزئین ۴۵۵
قِصّۂ اوّل۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۴۵۸
ذکر عطائے منصب نبوّت ورسالت وحکمِ تبلیغ ودعوت ۴۵۸
فرعون کے دوسرے الزام کا جواب ۴۵۹
مکالمۂ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام با فرعون در بارۂ ربوبیت خداوندِ کون ۔ ۴۶۱
موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب ۴۶۲
فرعون کا جواب ۴۶۲
موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا جواب ۴۶۳
فرعون کا جواب ۴۶۴
موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تیسرا جواب ۴۶۴
فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور مغرورانہ اور ظالمانہ تہدید ۔ ۴۶۵
ساحرانِ فرعون کا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ ۴۶۸
ذکر کرشمۂ قُدرت خداوند جلیل در نجات بنی اسرائیل
وغرقابی فرعون در دریائے نیل ۴۷۱
لطائف ومعارف ۴۷۳
قِصّہ دوم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام با قوم اُو ۴۷۶
قِصّہ سوم۔ حضرت نوح علیہ السلام با قوم اُو ۴۸۰
قِصّہ چہارم۔ حضرت ہود علیہ السلام با قوم اُو ۴۸۳
قِصّہ پنجم۔ صالح علیہ السلام با قوم ثمود ۴۸۵
قِصّہ ششم۔ حضرت لُوط علیہ السلام با قوم اُو ۴۸۷
قِصّہ ہفتم۔ اَصحابُ الایکہ ۴۸۹
خاتمہ سورت: مضمون حقانیت قرآن برائے اثبات رسالت
نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم ۴۹۳
ابطال کہانت ۴۹۶
تتمۂ ابطال کہانت ۴۹۷
ابطال شاعریت ۴۹۸
حکایت ۴۹۸
شان نزول ۵۰۰
لطائف ومعارف ۵۰۰

تفسیر سورۂ نمل

حقانیت قرآن واثبات رسالت وترغیب بر اعمال آخرت ۵۰۳
قِصّہ اوّل۔ حضرت مُوسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۵۰۵
قِصّہ دوم داؤد علیہ السلام اجمالاً وسلیمان علیہ السلام تفصیلاً ۵۰۹
ذکر قصہ شکر ودیگر ۵۱۰
قِصّہ سوم۔ ملکۂ سبا بروایت ھُدھُد ۵۱۵
لطائف ومعارف ۵۲۲
قِصّہ چہارم۔ حضرت صالح علیہ السلام با قوم اُو ۵۲۳
قصہ پنجم۔ حضرت لوط علیہ السلام با قوم اُو ۵۲۵
خاتمۂ قِصص بر حمد وشکر بر ہلاکت اعداء انام وسلام بر برگزیدگان
خداوندانام ۵۲۶
برائے یادداشت ۵۲۸

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنۡ

بولا، میں نے تجھ کو نہ کہا تھا؟ تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا۔ کہا اگر

سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّىۡ

تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے پیچھے، پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھیو۔ تو اتار چکا میری طرف سے

عُذۡرًا ﴿۷۶﴾ فَانۡطَلَقَا ۟ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهۡلَ قَرۡيَةِ ۨاسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا

الزام۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے

فَاَبَوۡا اَنۡ يُّضَيِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ

وہ نہ مانے کہ ان کو مہمان رکھیں پھر پائی اس میں ایک دیوار گرا چاہتی تھی اُس کو

فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَـتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ

سیدھا کیا۔ بولا (موسیٰ علیہ السلام) اگر تو چاہتا لیتا اس پر مزدوری۔ کہا اب جدائی ہے

بَيۡنِىۡ وَبَيۡنِكَ‌ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاۡوِيۡلِ مَا لَمۡ تَسۡتَطِعْ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ﴿۷۸﴾

میرے تیرے بیچ۔ اب جتاتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو نہ ٹھہر سکا۔

اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ فَاَرَدْتُّ اَنۡ

وہ جو کشتی تھی سو تھی کتنے محتاجوں کی محنت کرتے تھے دریا میں سو میں نے چاہا کہ

اَعِيۡبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمۡ مَّلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ غَصۡبًا ﴿۷۹﴾ وَ

اُس میں نقصان ڈالوں اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ لے لیتا ہر کشتی چھین کر۔ اور

اَمَّا الۡغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ يُّرۡهِقَهُمَا طُغۡيَانًا

جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان پر، پھر ہم ڈرے کہ اُن کو عاجز کرے زبردستی

وَّكُفۡرًا ۚ‏ ﴿۸۰﴾ فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ

اور کفر کرکر۔ پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے اُن کو ان کا رب۔ اس سے بہتر ستھرائی میں اور لگاؤ رکھتا

رُحۡمًا ﴿۸۱﴾ وَ اَمَّا الۡجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیۡنِ یَتِیۡمَیۡنِ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ وَ

محبت میں۔ اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی، رہتے اس شہر میں اور

کَانَ تَحۡتَہٗ کَنۡزٌ لَّہُمَا وَ کَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ

اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ تھا نیک۔ پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں

اَشُدَّہُمَا وَ یَسۡتَخۡرِجَا کَنۡزَہُمَا ٭ۖ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ۚ وَ مَا فَعَلۡتُہٗ عَنۡ

اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا مہربانی سے تیرے رب کی۔ اور میں نے یہ نہیں کیا

ع ۱۰/۱۲ اَمۡرِیۡ ؕ ذٰلِکَ تَاۡوِیۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَّلَیۡہِ صَبۡرًا ﴿۸۲﴾ؕ ع

اپنے حکم سے یہ پھیر ہے ان چیزوں کا جن پر تو نہ ٹھہر سکا۔

بقیہ قصہ موسیٰ با خضر علیہما السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ ... الٰی ... ذٰلِکَ تَاۡوِیۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَّلَیۡہِ صَبۡرًا ﴿۸۲﴾﴾

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے یکا یک ایک معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا۔ تو ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور بے اختیار کہہ اٹھے: ﴿لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا نُّکۡرًا﴾ "آپ نے تو بڑی ہی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی" تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا: اے موسیٰ علیہ السلام کیا میں نے تم سے پہلے ہی اوّل مصاحبت میں یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے اوّل بار کہہ دیا تھا۔ چوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دوبارہ عہد شکنی تھی اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے اس مرتبہ مزید تنبیہ کے لیے لفظ ﴿لَکَ﴾ اور بڑھا دیا یعنی تم ہی سے تو کہا تھا پھر کیوں بھول گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اس قسم کے تحیر خیز واقعات پر صبر کرنا اور خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے اس لیے آخری بات کہہ دی خیر اب تو جانے دیجیے لیکن اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا بے شک آپ میری طرف سے عذر کی حد اور انتہا کو پہنچ چکے ہیں آپ ایسا کرنے میں معذور ہوں گے اور میری طرف سے آپ کو کوئی الزام نہ ہوگا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقع دینے سے حجت پوری ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی بار بار مخالفت سے شرم آئی۔ اور ان کی ملامت سے ڈرے اس لیے ان سے یہ آخری بات کہہ ڈالی کہ اگر تیسری بار آپ سے پوچھوں تو آپ کو جدا کرنے کا اختیار ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔

پھر دونوں آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں پر پہنچے اور ان سے ملے اور کہا کہ ہم مسافر ہیں اور تمہارے مہمان

ہیں تو اس بستی والوں سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ صبر کیا اور بھوکے پڑے رہے۔ پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ یعنی جھکی ہوئی تھی۔ گرنے کے قریب تھی۔ پس خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو سیدھا کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ دیوار سیدھی ہوگئی۔ یہ خارقِ عادت امر ان کی کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر خضر علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ایسے سنگ دل اور بے مروت اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور مفت ان کا کام کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور اس سے ہم کھانا کھا لیتے آپ نے ایسے بخیلوں اور تنگ دلوں سے جنہوں نے مہمان مسافر کا کوئی حق نہ سمجھا، اُجرت کیوں نہ لے لی جس سے ہمارا کھانے پینے کا کام چل جاتا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے تم نے خود کہہ دیا تھا کہ اگر میں پھر پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ لہٰذا آپ حسب وعدہ مجھ سے علیحدہ ہو جایئے آپ کا میرے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا لیکن جُدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت سے خبر دار کیے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو۔ یہ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو اس کا بھلا ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آئے۔ (موضح القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علوم کی کوئی حد نہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اور اللہ کے بعضے بندے ملائکہ کی طرح ہیں جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مسجود ملائک بنایا۔ واللہ اعلم۔

بیان تاویلات واقعات مذکورہ

خضر علیہ السلام نے یہ ارادہ فرمایا کہ جدا ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہر فعل کی مصلحت سے آگاہ کر دیں اور ان تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں جن پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ علیہ السلام نے ان کو بُرا جانا۔

بیان تاویل واقعۂ اوّل:

وہ جو کشتی تھی وہ چند محتاجوں کی تھی جو سمندر میں کرایہ پر چلاتے تھے اور اس کے ذریعہ دریا میں محنت اور مزدوری کرتے تھے اور اسی پر ان کی گزران تھی۔ سو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں تا کہ کوئی غاصب اس کو عیب دار سمجھ کر نہ چھینے اور عیب کو دیکھ کر اس پر دست اندازی نہ کرے اور ان لوگوں کے آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار ہونے کی وجہ سے غصب نہ کر سکے اور یہ مساکین بعد میں تختہ لگا کر اس کشتی کو درست کر لیں گے

گر خضر در بحر کشتی را شکست   صد درستی در شکست خضر ہست

یہ باعث تھا میرے اس کشتی توڑنے کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

بیان تاویل واقعۂ دوئم:

اور وہ جو لڑکا تھا جس کو میں نے مار ڈالا تھا سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ ایماندار تھے اور اللہ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا اگر بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے غیر معمولی محبت تھی سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں گرفتار کر دے۔ یعنی جب بالغ ہو تو والدین کو بھی کفر پر مجبور کرے اور وہ اس کی خوبصورتی اور محبت کی وجہ سے اس سے جُدا ہونا گوارا نہ کریں۔ اور کفر اختیار کر بیٹھیں اور ہلاکت دائمی میں گرفتار ہوں پس اس طرح لڑکے کا مارا جانا ان کے حق میں مصیبت بنا اور باطن میں اللہ کی رحمت بنا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تو تمام کر دیا جائے اور ان کا پروردگار اس نالائق اور بدبخت بیٹے کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو از راہ پاکیزگی اس لڑکے سے بہتر ہو یعنی کفر اور شرک اور معصیت اور بداخلاقی اور بداعمالی سے پاک ہو اور ایمان اور توحید اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور از راہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔ اور احسان اور صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس لڑکے کے مارے جانے کے بعد ان دونوں نیک بختوں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور وہ ایک نبی سے بیاہی گئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک اُمت کو ہدایت دی اس طرح سے یہ نیک بخت لڑکی اس بدبخت لڑکے کا بدلہ ہوگئی ہر بچہ ابتداءً اگرچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ خارجی اثرات کی وجہ سے بعض آدمیوں کی شروع سے ہی بنیاد بُری پڑ جاتی ہے مگر اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا اس لڑکے کی بابت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ اس بچہ کی افتاد اور بنیاد بُری ہے بڑا ہو کر خود بھی گمراہ ہوگا اور ماں باپ کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے گا اگر یہ زندہ رہا تو اس کے سبب اس کے ماں باپ ہلاک اور تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے ان کی راہ سے اس روڑہ کو نکال دیا گیا اور حضرت خضر علیہ السلام کا اس لڑکے کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے تھا۔

تاویل واقعۂ سوم:

اور رہی وہ دیوار جس کو میں نے مفت سیدھا کر دیا وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جن سے اجرت لینا مناسب نہ تھا اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو لوگ اس خزانے کو لوٹ لے جاتے اور ان کو بسبب صغر سنی اور کمزوری کے کچھ نہ ملتا اور ان دونوں کا باپ ایک مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلہ میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی سو تیرے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی قوت یعنی عقل اور بلوغ اور جوانی کو پہنچ جائیں اور اس وقت اپنا خزینہ اور دفینہ نکالیں از روئے مہربانی پروردگار نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا اور ایک اشارہ میں سیدھی ہوگئی اس لیے میں نے اللہ کے حکم سے یہ دیوار مفت سیدھی کر دی اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جائے اس پر مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

خاتمۂ کلام:

جب خضر علیہ السلام نے تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں تو اخیر میں یہ کہا لیجیے یہ ہے باطنی حقیقت ان چیزوں کی کہ جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ میں صبر کی طاقت نہ رہی۔ آپ شریعت کے ظاہری احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے۔ شریعت میں اس قسم کے

افعال کے جواز کی گنجائش نہیں ہوتی اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھا۔﴿ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ﴾(البقرہ:۱۴۸) اور حسب وعدہ میں نے آپ کو ان واقعات کی تاویلات سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ان سے رخصت ہوئے۔

لطائف ومعارف

① خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن مَلْکان تھا اور کنیت ان کی ابو العباس تھی اور خضر بفتح خاء اور کسر ضاد۔ ان کا لقب تھا۔ شاہی خاندان سے تھے دنیا کو ترک کیا اور زہد اور درویشی کی راہ اختیار کی۔ ظاہر میں ذوالقرنین کے وزیر تھے لیکن در پردہ فقیر اور درویش تھے اور خضر اس لیے ان کا نام ہوگیا کہ ایک صاف اور چٹیل زمین ان کے بیٹھنے سے سرسبز ہوگئی اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خضر کو اس لیے خضر کہا گیا کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے اردگرد کی زمین سرسبز ہو جاتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام عابر یا خضرون تھا اور صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان تھا۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۰۹ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

② جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ تھے بنی آدم میں سے نہ تھے۔ (مزید اقوال کی تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام دیکھیں)۔

یہ ناچیز کہتا ہے کہ حقیقت حال تو اللہ کو معلوم مگر خضر علیہ السلام کے جو افعال حق تعالیٰ نے ذکر فرمائے تو وہ ملائکہ مدبرات امر سے یعنی کارکنان قضاء وقدر سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کرام علیہم السلام کا علم اور قسم کا ہے اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا علم اور قسم کا ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھلا دیا کہ ہمارے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ جو ملائکہ کی طرح ہمارے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ در پردہ کیا ماجرا ہے۔ خضر علیہ السلام اگرچہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہو اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کیے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کیے گئے اور عجب نہیں کہ اسی غلبہ ملکیت کی وجہ سے خضر علیہ السلام عام نظروں سے محجوب ومستور کر دیئے گئے ہوں جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح خضر علیہ السلام بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ خضر علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے اگرچہ انسان ہوں۔ مگر عملی طور پر نمونہ ملائکہ ہیں اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہاں جا کر دیکھیں کہ خضر علیہ السلام کو جو علم دیا گیا ہے وہ دوسری قسم کا ہے تم اس سے واقف نہیں بلکہ وہ ایسا علم ہے جو بظاہر علوم نبوت اور علوم شریعت کے خلاف ہے اور تم اس کو دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے بلاشبہ اے موسیٰ علیہ السلام! تم ہمارے رسول عظیم اور کلیم ہو اور بلاشبہ اس وقت تمام روئے زمین پر تمہارا ہی مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس بات کو ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہارا علم محیط نہیں تم ہمارے مقرب خاص بندے ہو۔ تمہیں خاص طور پر احتیاط لازم ہے مبادا تمہاری زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے کہ جس میں خلاف حقیقت کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ یا واہمہ بھی نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا ہے وہ خدا کے دریائے بے پایاں کا ایک قطرہ ہے جب سوال کیا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ خدا کے علم محیط پر محول کر دیا جائے۔

③ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی ہیں جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ ولی تھے نبی نہ تھے اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ نبی تھے پھر نا معلوم کہ وہ رسول تھے یا رسول نہ تھے صرف نبی تھے علماء کا جو گروہ ان کی نبوت کا قائل ہے وہ حجت اور استدلال میں چند اُمور ذکر کرتا ہے۔

پہلی دلیل:

یہ کہ حق تعالیٰ خضر علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں: ﴿اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ (الکہف:۶۵) یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور رحمت سے نبوت مراد ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔

جواب: نبوت بے شک اللہ کی رحمت ہے مگر ہر رحمت کا نبوت ہونا ضروری نہیں جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اسی طرح ہدایت اور ولایت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسری دلیل:

قائلین نبوت دوسری دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا ہے:

﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (الکہف:۶۵) اللہ تعالیٰ نے خود خضر علیہ السلام کو بلا واسطہ معلم کے تعلیم دی اور یہ شان نبی کی ہے۔

جواب: علم لدنی اور الہام ربانی سے نبی ہونا لازم نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ﴾ (القصص:۷) اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف اللہ کی وحی اور الہام کا ذکر ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں اور علیٰ ہٰذا قرآن کریم میں حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتوں کا کلام اور خطاب اور بشارت مذکور ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

تیسری دلیل:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے خضر علیہ السلام سے درخواست کی حالانکہ نبی کو غیر نبی سے علم سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر نبی کو نبی کے اتباع اور پیروی کی ضرورت ہے۔

جواب: نبی کو علوم نبوت اور علم ہدایت اور علوم شریعت میں غیر نبی کی تعلیم اور اس کے اتباع کی ضرورت نہیں مگر یہ جائز ہے کہ نبی ماسوائے علوم نبوت کے کوئی دوسرا علم غیر نبی سے حاصل کرے اور اس دوسرے علم میں اس کی پیروی کرے یہ نبوت کے منافی نہیں ہے جن علوم سے نبوت کو تعلق نہ ہو تو اگر نبی کو ان میں سے کسی علم کی ضرورت اور حاجت ہو تو وہ غیر نبی کے اتباع سے حاصل کر سکتا ہے اور حدیث جس میں خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اس کی مؤید ہے۔

④ نیز علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یا مر چکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشمۂ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مر چکے ہیں۔ بہرحال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اس پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

حافظ ابو عمرو بن صلاح اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اور اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق اسی پر ہے اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر علیہ السلام کے دیدار اور ان کے ساتھ یک جا جمع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال جمہور علماء کرام اور عامہ اہل صلاح و اولیائے عظام بالاتفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے جن میں ابو یعلیٰ حنبلی اور قاضی ابو بکر بن عربی اور ابو بکر بن عیاش اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ضرور حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور آپ کے ہمراہ جہاد کرتے حالانکہ یہ امر کہیں ثابت نہیں۔ نیز آیت ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ (الانبیاء: ۳۴) سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی بشر کے لیے خلود اور دوام نہیں اور نیز بخاری کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ ارشاد فرمایا: ((لا یبقی ممن ھُوَ علی وجہِ الارض الیٰ مائۃ سنۃ))۔ کہ جو لوگ اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سو سال کے بعد باقی نہ رہیں گے اور وفات کے قول کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

مگر اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ استدلال نہایت ضعیف اور کمزور ہے یہ استدلال اگر صحیح ہو جائے تو اس سے تو ملائکہ اور جنات اور شیاطین سب کی وفات بھی ثابت ہوسکتی ہے بلکہ دجال کی موت بھی ثابت ہوسکتی ہے حالانکہ وہ بالاجماع زندہ ہے اور ایک جزیرہ میں محبوس ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ طویل العمر ہیں۔ انہوں نے چشمۂ حیات سے پانی پیا ہے اور وہ ولی کامل ہیں معمر (طویل العمر) اور محجوب عن الابصار یعنی عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کا متعدد احادیث میں ذکر آیا ہے جن کا حافظ عسقلانی نے فتح الباری ص ۳۱۱ جلد ۶ میں ذکر کیا۔ وہ روایتیں اگرچہ زیادہ مستند نہیں لیکن موضوع اور بے اصل بھی نہیں اور اس بارہ میں زیادہ مشہور حدیث تعزیت ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک سفید ریش بزرگ حضور پُرنور علیہ السلام کے جنازہ پر آئے اور روئے اور لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور غائب ہو گئے ان کے جانے کے بعد ابو بکر صدیق اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے کہا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اور یہ حدیث مستدرک حاکم میں جابر بن عبد اللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (دیکھو تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲۶۱)

اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے: ((فقال ابوبکر و علی ھذا الخضر)) (ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما نے کہا یہ خضر علیہ السلام ہیں)۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۱ ج ۶ ذکر حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں جو زمین والوں کے لیے امان ہیں ان چار میں سے دو زمین میں ہیں۔ خضر اور الیاس علیہما السلام۔ یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں یہ دو نبی تو زمین میں ہیں اور دو نبی آسمان پر زندہ ہیں ادریس اور عیسیٰ علیہما السلام۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۰ ج ۶۔ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہ السلام۔ اور دیکھو تفسیر مظہری ص ۲۰۰ جلد ۶ پر مجدد صاحب کا کلام نقل کیا ہے۔ جو لطیف ہے۔)

خلاصۂ کلام یہ کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں اور متفقہ طور پر حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی ملاقاتوں کو بیان کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی یہ حکایتیں حدِ تواتر کو پہنچی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۱۰ ج ۶)

اور یہ امر قطعی اور بدیہی اور مسلم ہے کہ اولیاء کرام اہل کشف اور اہل الہام ہیں اور بلاشبہ یہ گروہ صادقین اور سچوں کا گروہ ہے۔ اس گروہ صادقین کے متفقہ مشاہدات اور مکاشفات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ کی جنس سے ہے حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہٗ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی حلال و حرام اور یجوز اور لا یجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور افعال مکلفین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت و ارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلاشبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً و نقلاً اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے: ((اریٰ رؤیاکم قد تواطئت علی العشر الاواخر)) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارہ میں عشرۂ اخیرہ پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کا خواب کاذب نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب اہل الہام اور اہل کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لامحالہ حق ہوگی خاص کر جب علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ اُمور تکوینیہ میں سے ہے۔ لہٰذا اس بارہ میں اہل کشف اور اہل الہام کے قول کو ترجیح ہوگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

⑤ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب مقام مجمع البحرین پہنچے تو دونوں مچھلی کو بھول گئے اور وہ بھنی ہوئی مچھلی خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور وہاں اس نے اپنے لیے سرنگ اور طاق بنالیا موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو معجزے ✽ ہوئے ایک تو بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا اور دوسرا یہ کہ پانی کا منجمد ہو جانا اور مچھلی کے لیے ایک طاق بن جانا مردہ کا زندہ ہو جانا اور پھر دریا میں خشک راہ کی طرح سرنگ بن جانا یہ سب آیات قدرت اور دلائل نبوت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ یہی نشانی بتلائی تھی۔ کہ جہاں وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہو جائے اور یہی ان کے ملنے کی جگہ ہے اس قسم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

✽ قیل کان الحوت المشوی وحیاتہٗ بما ذکر معجزۃ موسیٰ او خضر علیھما السّلام کذا فی شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاری علی صحیح البخاری من کتاب العلم ص ۲۲۷ جلد ۱۔ (وکذا فی شرح القسطلانی ص ۲۲۷ ج ۱)

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ... إِلٰى قوله تعالىٰ ... فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (البقرہ:۶۷ تا ۷۳)

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کے کسی ٹکڑے کو مقتول پر لگادو خود ہی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتادے گا۔“

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا تھا جو زمین پر ڈالنے سے اژدھا بن جاتا تھا یہ بھی ایک قسم کا احیاء موتی تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور مچھلی کے زندہ ہوجانے کی نظیر آنحضرت ﷺ کے معجزات میں بھی موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور ایک بھنی ہوئی بکری لاکر آپ ﷺ کے سامنے رکھی جس میں زہر ملایا ہوا تھا آپ ؐ نے اس میں سے ایک دست کو لیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے نہ کھایئے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ مچھلی کے معجزہ سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو فقط زندہ ہوگئی اور اس بکری کے دست نے آپ ﷺ سے باتیں کیں اور دشمنوں نے جو زہر اس میں ملایا تھا اس سے آپ کو آگاہ کردیا اور علیٰ ہذا استون حنانہ کا رونا اور پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور درختوں کا آپ ؐ کے حکم سے رواں ہونا یہ ایک مردہ کے فقط زندہ ہوجانے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ جمادات زندہ ہوکر بول رہے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں سواد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ نے جو معجزات آنحضرت ﷺ کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے سواد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے امام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مُردوں کو باذنِ الٰہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپ ﷺ کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا) اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے خشک ستون کو زندہ کردیا جس سے سہارا لگا کر آنحضرت ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر تیار ہوگیا تو وہ جو خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سُنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ ﷺ کی مفارقت کے صدمہ سے رونا یہ اس کی کمال محبت کی دلیل ہے اور کمال معرفت کی دلیل ہے اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنالینا اور مچھلی کے چھونے سے پانی کا خشک اور منجمد ہوجانا اور اس کے لیے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لیے خشک راستے ہوگئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت پیاس لگی راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام ونشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر سیراب ہوگیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لیے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آگئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے کنارے پر کھڑے ہوکر یہ کلمات پڑھے۔ یا علی .... یا عظیم .... یا حلیم .... یا کریم۔ پھر کہا بسم اللہ پڑھ کر گزرو اور پار ہوجاؤ۔ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہوگئے اور جانوروں کے کُھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بحمد اللہ فتح یاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہوکر خشکی پر

آ گئے اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی خطیب رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں: کہ اس قسم کی کرامات کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ (دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۳۱۹ جلد ۲)

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ﴿۸۳﴾

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو۔ کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اسی کا کچھ ذکر۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ

ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں، اور دیا تھا ہر چیز کا اسباب۔ پھر پیچھے پڑا ایک

سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ

اسباب کے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ، پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی

حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ۬ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ

ندی میں، اور پائے اس کے پاس ایک لوگ، ہم نے کہا اے ذوالقرنین! یا لوگوں کو تکلیف دے، اور

اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

یا رکھ ان میں خوبی۔ بولا جو کوئی ہو گا بے انصاف سو ہم اس کو مار دیں گے

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ

پھر اُلٹا جاوے گا اپنے رب کے پاس، اور مار دے گا اس کو بُری مار۔ اور جو کوئی یقین لایا اور کیا

صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ اِۨلْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ؕ﴿۸۸﴾ ثُمَّ

بھلا کام، سو اس کو بدلے میں بھلائی ہے، اور ہم کہیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی۔ پھر لگا

اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى

ایک اسباب کے پیچھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ، پایا کہ وہ نکلتا ہے

قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا

ایک لوگوں پر کہ نہیں بنا دی ہم نے ان کو اس سے ورے کچھ اوٹ۔ یوں ہی ہے اور ہمارے

بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ

قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دو آڑ کے بیچ،

وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوۡا

پائے ان سے ورے ایک لوگ لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات۔ بولے

یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ

اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج! دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو کہے تو ہم ٹھہرا

لَكَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ

دیں تجھ کو کچھ محصول اس پر کہ بنا دے تو ہم میں ان میں ایک آڑ۔ بولا جو مقدور دی مجھ کو

فِیۡهِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّةٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَهُمۡ رَدۡمًا ﴿۹۵﴾ ۙ

میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں، بنادوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دھابا(اوٹ)

اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ

پکڑاؤ مجھ کو تختے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دو پھانکوں تک پہاڑ کے کہا دھونکو

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡهِ قِطۡرًا ﴿۹۶﴾ ؕ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا

یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ، کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا تانبا۔ پھر نہ سکے

اَنۡ یَّظۡهَرُوۡهُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ

کہ اس پر چڑھ آویں، اور نہ سکے اس میں سوراخ کرنا۔ بولا یہ ایک مہر ہے

رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَهٗ دَکَّآءَ ۚ وَ کَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿۹۸﴾ ؕ

میرے رب کی، پھر جب آوے وعدہ میرے رب کا گرادے اس کو ڈھا کر۔ اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔

وَ تَرَکۡنَا بَعۡضَهُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ

اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں دھنستے، اور پھونک مارے صور میں،

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾

پھر جمع کر لاویں ہم ان کو سارے۔ اور دکھا دیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے۔

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے، اور نہ سکتے تھے

سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ ع

سُننا۔

قصۂ ذوالقرنین

بود شاہے در زمان پیش زیں
ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ... الیٰ ... كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾﴾

ربط: شروع سورت میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا جو قریش کے دوسرے سوال کا جواب تھا۔ اب اخیر سورت میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جو قریش کے تیسرے سوال کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل اور نیک دل بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک کی حکمرانی اور فرمانروائی عطا کی تھی اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے زیر فرمان تھے ظاہر میں وہ بادشاہ تھا مگر باطنی طور پر وہ اصحاب کہف سے زیادہ فقیر اور درویش تھا بادشاہت اور ولایت۔ امیری اور فقیری دونوں کا جامع تھا عجیب بادشاہ کہ اپنی نوع کا مجمع البحرین * تھا۔ جس میں ظاہری اور باطنی سلطنت کے دونوں دریا جمع تھے۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ دُنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب) پر پہنچ گیا اور مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کا فرمانروا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے تھے۔ (فتح الباری ص ۲۷۲ ج ۶ وعمدۃ القاری ص ۲۷۳ ج ۷)

یہ ناچیز کہتا ہے۔ دونوں توجیہیں درست ہیں ظاہر کے اعتبار سے تو وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کے دونوں کناروں پر پہنچ گیا اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور باطنی اور معنوی طور پر یہ وجہ بھی درست ہے کہ اس کو علم ظاہر اور باطن دونوں عطا ہوئے تھے اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور ہر ظاہر کے تحت ایک بطن ہوتا ہے اور یہ باطن اس ظاہر کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے کہ ذوالقرنین اگرچہ ظاہر میں

* گزشتہ قصہ کے ساتھ ربط اور مناسبت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قصہ میں یہ مذکور تھا: ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ (الکہف: ۶۰) گویا ذوالقرنین بھی ایک قسم کا مجمع البحرین تھا۔

بادشاہ تھا مگر باطنی اور معنوی طور پر روئے زمین کو خانقاہ بنائے ہوئے تھا۔

اصحابِ کہف کافر وظالم فرماں رواسے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین یاجوج ماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کر رہا تھا کہ کوئی کافر اور ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہو کر فتنہ وفساد برپا نہ کر سکے اصحاب کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھمکاتا ہوا چلا گیا۔

ذوالقرنین کا یہ قصہ جس طرح اس کی سلطنت اور شان وشوکت کے بیان پر مشتمل ہے اسی طرح اس کی کرامتوں اور خارق عادت کارناموں کے بیان پر بھی مشتمل ہے جو اس کے ولی کامل ہونے کے دلائل ہیں بلکہ اس کے احوال اور اعمال پر نظر کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ذوالقرنین بھی خضر علیہ السلام کی طرح نمونۂ ملائکہ ہو جس میں شان ملکیت بکسر اللام بمعنی بادشاہت اور شانِ ملکیت بفتح لام بمعنی فرشتہ ہونے کی کچھ صفت اور شان اس میں ودیعت کر دی گئی ہو اور یہ خیال اس لیے ہوا کہ بعض علماء نے خضر علیہ السلام کی طرح ذوالقرنین کو بھی فرشتہ بتایا ہے اور صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین فرشتہ تو نہ تھا بلکہ فرشتہ صفت انسان تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قوت اور قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا۔

ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا اور مصافحہ کیا اور دُعا کی درخواست کی ان کی دُعا کی برکت سے مشرق ومغرب کا سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارق عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ علم وحکمت بھی عطا فرمائی اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے تھے قریش نے یہود کی تلقین سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کون سا بادشاہ ہے جس نے مشرق ومغرب کا سفر کیا اور اس کا قصہ کیا ہے ان آیات میں ان کے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ ایک بادشاہ تھا اور مرد صالح تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق ومغرب کی حکومت اور خارق عادت شان وشوکت سے نوازا تھا اور ہر طرح کے ساز وسامان اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ (الکہف: ۸۴) جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے اقطارِ ارض اور جوانب عالم کو مسخر کر دیا تھا اور تمام راستوں کا علم اس کو عطا کر دیا تھا۔

(عمدۃ القاری ص ۳۳۸ جلد ۷ وزاد المسیر ص ۱۸۴ جلد ۵)

روایت کیا گیا کہ چار آدمی تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے جن میں سے دو مؤمن تھے اور دو کافر تھے دو مؤمن ذوالقرنین اور سلیمان علیہما السلام تھے اور دو کافر بخت نصر اور نمرود تھے، اور پانچویں فرمانروا امام مہدی علیہ السلام ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے پہلے چار بادشاہ امم سابقہ میں سے تھے اور پانچویں بادشاہ اُمتِ محمدیہ میں سے یعنی (امام مہدی علیہ السلام) ہوں گے۔ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف: ۹)

اور یہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جس کو سکندر بھی کہا گیا ہے۔ یہ سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا بادشاہ ہے اور سکندر یونانی سے دو ہزار سال قبل گزرا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ ذوالقرنین وہی سکندر یونانی تھا جس نے اسکندریہ کو تعمیر کیا۔ سو یہ

گمان بالکل غلط ہے اس لیے کہ ذوالقرنین جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا وہ مرد مؤمن اور دیندار اور انصاف شعار بادشاہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوا اور وہ کافر اور مشرک تھا اور ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اور وہ فقط بیت المقدس تک پہنچا تھا مشرق و مغرب تک نہ پہنچا تھا اور نہ اس نے یاجوج ماجوج کے روکنے کے لیے کوئی دیوار بنائی تھی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر کیا ہے نہ کہ سکندر یونانی کا لہٰذا دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ (دیکھو عمدۃ القاری ص ۳۳۷ ج ۷ و فتح الباری ص ۲۷۰ جلد ۶ و قسطلانی ص ۱۱۱ جلد ۷ و تفسیر ابوداؤد)

اور اس ذوالقرنین کا زمانہ سلطنت نمرود * کے بعد ہے۔ (دیکھو روح البیان ص ۲۹۰ جلد ۵ اور روح المعانی ص ۲۷ جلد ۶)

یا یوں کہو کہ گزشتہ قصہ میں طلب علم کے لیے سفر کا بیان تھا۔ اب اس قصہ میں انتظام مملکت اور قیام معدلت اور مغرورین ومتکبرین اور مفسدین کی سرکوبی کے لیے سفر کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کامل وہ ہے جو خدا کے ماننے والوں کے ساتھ نرمی کرے اور ظالموں اور مفسدوں کو سزا دے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! قریش مکہ یہود کے کہنے سے امتحاناً آپ ﷺ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں کہ شاید آپ ﷺ کی نبوت میں قدح کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے اس کا مختصر حال ذکر کروں گا۔ اب آگے اس کا قصہ شروع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک جلیل القدر بادشاہ تھا تحقیق ہم نے اس کو زمین میں بڑی قدرت اور غلبہ دیا تھا یعنی ہم نے اس کو اپنی رحمت اور عنایت سے روئے زمین کی حکومت عطا کی تھی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کو اس کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے جو حکمرانی اور ملکی فتوحات اور دشمنوں کی سرکوبی میں کام آسکیں۔ زادالمسیر ص ۱۸۴ جلد ۵ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ابر کو مسخر کر دیا تھا کہ ابر پر سوار ہو کر جہاں چاہتا جاتا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا تھا اور ہر قسم کے اسباب و وسائل اس کے لیے مہیا کر دیے تھے اور زمین کی اطراف و جوانب اور اس کے راستوں کا علم بھی اس کو عطا کر دیا تھا۔ (دیکھو عمدۃ القاری ص ۳۳۸ جلد ۷)

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو وہ تمام چیزیں عطا کیں جو سلطنت کے لیے درکار ہوتی ہیں اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے اور زمین کی تمام راہیں اس کے لیے آسان کر دیں کہ جہاں چاہے وہاں پہنچ سکے۔ مشرق سے مغرب تک کا سفر اس کے لیے آسان کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں ریل اور ہوائی جہاز اور تار برقی عجیب عجیب چیزیں خدا کی قدرت سے انسان کے لیے مہیا ہو گئیں تو کیا عجب ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کسی مقبول بندے کے لیے اس سے بڑھ کر عجیب عجیب سامان مہیا کر دیئے ہوں جو کسی صنعت اور کاریگری کے محتاج نہ ہوں جیسے احادیث میں آیا ہے کہ اخیر زمانہ میں امام مہدی تمام روئے زمین کے مالک اور فرماں روا ہوں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کو تمام روئے زمین کا مالک بنا دے اور اس کے لیے اسباب و وسائل مہیا فرما دے اسی طرح اللہ تعالیٰ

---

* قال الآلوسی واستشکل کون ذی القرنین فی زمن ابراهیم علیه السلام بان نمرود کان فی زمانه ایضا. ورایت فی بعض الکتب القول بان ذالقرنین ملک بعد نمرود وینحل به الاشکال کذا فی روح المعانی ص ۲۷ جلد ۱۶ وقال الشیخ اسماعیل الحقی وکان ذوالقرنین بعد نمرود فی عهد ابراهیم علیه السلام علی ما یاتی... الخ (کذا فی روح البیان ص ۲۹۰ ج ۵)

نے ذوالقرنین کے لیے ہر ضرورت کی چیز مہیا کر دی تھی۔ زمین اس کے لیے لپیٹ دی گئی تھی۔ دم کے دم میں ہزاروں میل طے کر لیتا تھا جو خدا امریکہ اور روس کے لیے سامان مہیا کر سکتا ہے وہ ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی مہیا کر سکتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ ذوالقرنین نے اپنی عمر کے تین سفر کیے ایک مغرب کی طرف دوسرا مشرق کی طرف اور تیسرے سفر کی سمت اور جہت بیان نہیں کی ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا آئندہ آیات میں ان تین سفروں کا بیان ہے۔

سفرِ اوّل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ . . . الی . . . وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ﴾

پس جب حق تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا جس سے وہ اپنے عزائم کو پورا کر سکے تو اس نے سفر شروع کیا۔ پہلا سفر اس کا یہ ہوا کہ اس نے بارادۂ فتوحات ملک مغرب کی راہ لی اور ایسا راستہ اختیار کیا کہ جو اسے مغرب تک پہنچا دے یہاں تک کہ جب سفر کرتے کرتے اور درمیانی ممالک کو فتح کرتے کرتے سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا۔ یعنی سمت مغرب میں منتہائے آبادی میں پہنچا جہاں آبادی ختم ہوتی تھی تو اس نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا یعنی ظاہر نظر میں اس کو ایسا دکھائی دیا جیسے سمندر کا مسافر غروب کے وقت یہ دیکھتا ہے کہ آفتاب سمندر میں ڈوب رہا ہے حالانکہ آفتاب آسمان پر ہوتا ہے مگر سمندر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے اسی طرح ذوالقرنین نے اس جگہ پر پہنچ کر سورج کو اپنی نگاہ میں ایسا پایا کہ وہ کیچڑ کے سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے ورنہ عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ آفتاب جیسا جسم عظیم جو زمین سے کئی ہزار گنا بڑا ہے اور زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین کے ایک چشمہ میں ڈوب جائے۔ نیز آفتاب تو ہر وقت حرکت میں رہتا ہے آفاق پر سے گذرتا ہے کہیں اس کا طلوع ہوتا ہے اور کہیں اس کا غروب ہوتا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین جب ساحل غربی پر پہنچا تو وہ ایسی جگہ تھی کہ وہ دلدل اور کیچڑ تھی کسی آدمی کا وہاں گذر نہ تھا آگے زمین نہ تھی یہ جگہ زمین کا کنارہ تھی آگے سوائے پانی کے کچھ نہ تھا اس لیے اس کو ایسا نظر آیا کہ سورج کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس وقت اس کی نگاہ میں سوائے کیچڑ اور دلدل کے کچھ نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: ﴿ وَجَدَهَا تَغْرُبُ ﴾ یعنی اپنی نگاہ میں سورج کو ایسا پایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ﴿ كَانَتْ تَغْرُبُ ﴾ کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا بلکہ یہ بتلایا کہ ذوالقرنین نے اس کو ایسا پایا۔ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سورج فی الواقع سیاہ کیچڑ میں گھس گیا تھا یا اس کے اندر اتر گیا تھا یا اس میں جا کر چھپ گیا تھا۔ کیچڑ کے ایک چشمہ میں اتنی گنجائش کہاں سے آئی کہ وہ آفتاب جیسے جرم عظیم کو اپنے اندر سما سکے آفتاب تو زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین سے ملاصق اور ملا ہوا نہیں اور اس قدر بڑا ہے کہ زمین کے چشمہ میں نہیں آ سکتا اور نہ اس میں اُتر سکتا ہے۔

فائدہ: ایک قراءت میں ﴿ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ﴾ کے بجائے ﴿ عَيْنٍ حَامِيَةٍ ﴾ آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ گرم چشمہ میں آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے پایا اور اس کو ایسا نظر آیا کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوا اور یہ دونوں قراءتیں معروف ہیں معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین برابر چلتا رہا یہاں تک کہ جب خشکی کی حد ختم ہو گئی اور جہاں تک آدمی جا سکتا تھا وہاں تک ذوالقرنین پہنچ گیا تو اس جگہ پہنچ کر ذوالقرنین نے آفتاب کو سیاہ

کیچڑ یا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبتے ہوئے پایا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس سے آگے جانے کا ذکر نہیں فرمایا ظاہر تو یہ ہے کہ اس سے آگے نہیں گیا اور ممکن ہے کہ شاید آگے بھی گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ اور پھر اس جگہ جہاں پانی کی کیچڑ میں اس کو سورج ڈوبتا ہوا نظر آیا وہاں اس نے ایک قوم کو آباد پایا جو کافر تھی جیسا کہ اگلی آیت ﴿ وَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ ... الخ ﴾ (الکہف: ۸۷) اس پر دلالت کرتی ہے تو ہم نے ذوالقرنین سے بطور الہام یا کسی نبی کے ذریعے یہ کہا اے ذوالقرنین تجھ کو اس کافر قوم کے بارہ میں اختیار ہے یا تو ان کافروں کو سزا دے یعنی ان کو کفر کی سزا میں قتل کرے یا قید کرے یا غلام بنا دے یا یہ کہ تو ان پر احسان کرے کہ فدیہ لے کر ان کو زندہ چھوڑ دے۔ بہر حال تجھ کو اختیار ہے ان دو باتوں کے درمیان۔ ذوالقرنین نے عرض کی کہ میں اوّل اس قوم کو ملت ابراہیمی کی دعوت دوں گا لیکن اس دعوت کے بعد جو شخص کفر اور شرک کر کے اپنی جان پر ظلم کرے گا سو عنقریب ہم یعنی میں اور میرے ارکان دولت اور حکام حکومت دُنیا میں اس کو سزا دیں گے یعنی اس کو قتل کریں گے یہ سزا تو دنیا میں ہوگی پھر وہ مرنے کے بعد آخرت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا جائے گا پھر اللہ عز وجل اس کو دوزخ کی سزا دے گا اور میری دعوت کے بعد جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کو نیک بدلہ ملے گا۔ اور ہم بھی دنیا میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں گے یعنی اس کو مشقت اور محنت میں نہ ڈالیں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ رعایت اور نرمی کا معاملہ کریں گے اور جو میری دعوت سے روگردانی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ عادل فرماں روا کی یہی راہ ہے کہ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔

سفرِ دوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ ... الی ... بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ﴾

پھر اس سفر سے فارغ ہو کر اور مغربی ممالک کو فتح کر لینے کے بعد ایک دوسری راہ چلا یعنی مغرب الشمس سے مطلع الشمس کی راہ لی تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کرے اور ان کو دین حق کی دعوت دے اور جو اس سے سرتابی کرے اس کو ذلیل و خوار کرے پس برابر چلتا رہا یہاں تک کہ جب مسافت قطع کر کے زمین کے اس مقام پر پہنچا جہاں اول طلوع آفتاب سے دھوپ پڑتی ہے یعنی جہت مشرق میں منتہائے آبادی پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لیے ہم نے سورج سے ورے کوئی پردہ اور بچاؤ نہیں رکھا تھا یعنی وہ لوگ جنگلی اور وحشی تھے۔ حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے خیمے اور مکانات نہیں رکھتے تھے۔ کوئی ستر اور لباس نہیں رکھتے تھے ننگے رہتے تھے ان کا لباس ہی آفتاب تھا گھر بنانا نہیں جانتے تھے کہ سورج کی دھوپ سے بچ سکیں۔ زیر زمین سرنگیں بنا رکھی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان میں گھس جاتے۔ اور زوال کے بعد طلب معاش کے لیے غاروں سے باہر نکلتے اور الغرض ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح ہے جو ہم نے بتلا دیا ہے اور باقی اس ذوالقرنین کے پاس جو لشکر اور ساز و سامان تھا ہم اس سے پورے باخبر ہیں ہمارا علم اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے ہمارے سوا کسی کو کیا معلوم مطلب یہ ہے کہ فی الحقیقت واقعہ اتنا ہے جتنا ہم نے بتلا دیا ہے باقی تاریخ والے اس کے سوا جو کہتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ یقینی نہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو یہ شوق ہوا تھا کہ دیکھے دنیا کہاں تک بستی ہے مشرق اور مغرب تک پہنچا مگر اللہ تعالیٰ کے ملک کی حد نہ پا سکا یہ سفر بھی تمام ہوا اس کے بعد ایک اور سفر کا بیان ہوتا ہے۔

سفرِ سوم

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ ... الیٰ ... کَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ۝﴾

ذکرِ تعمیر سدِ آہنی برائے انسداد خروج یاجوج وماجوج:

پھر مشرق ومغرب کے سفر سے فارغ ہو کر مشرق ومغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف ایک تیسری راہ کے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ چلتا چلتا دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا جس کی پشت پر یاجوج ماجوج کی زمین تھی توان پہاڑوں کے پیچھے اس نے عجیب وغریب قوم پائی جو کم عقلی کی وجہ سے کسی بات کے سمجھنے کے قریب بھی نہ پہنچتے تھے یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے تھے اور وحشی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے تھے ورنہ عاقل آدمی قرائن سے کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتا ہے پھر غالباً انہوں نے کسی ترجمان کے ذریعہ سے یا اشاروں اور کنایوں کے ذریعے سے ذوالقرنین سے عرض کیا: اے شاہِ ذوالقرنین! بے شک یہ یاجوج ماجوج کی قوم جو اس درہ کے پیچھے رہتی ہے یہ بڑے ہی مفسد اور فتنہ پرواز لوگ ہیں جو زمین میں تباہی اور اودھم مچانے والے ہیں جن کا کام ہی لوٹ مار اور قتل وغارت ہے۔ مردم خور ہیں آدمیوں کو بھی کھا جاتے ہیں اور کھیتوں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں۔ (زاد المسیر صفحہ ۱۹۱ جلد ۵)

مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں وہ ہم جیسے انسان ہیں مگر درندگی میں وہ درندوں سے بڑھ کر ہیں ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں سو کیا آپ ہم کو اجازت دیں گے کہ ہم لوگ آپ کے لیے کچھ چندہ جمع کریں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایسی مضبوط اور مستحکم دیوار کھڑی کر دیں کہ جو ان کو ہماری طرف آنے سے روک دے۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو دسترس عطا کی ہے وہ تمہارے اس چندہ سے کہیں بہتر ہے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی جسمانی اور عملی قوت سے میری مدد کرو جس طرح سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللهُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ﴾ (النمل: ۳۶) اسی طرح ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میں تم سے مال نہیں چاہتا۔ ہاتھ پیر کے کام میں میری مدد کرو میں تم سے مالی امداد نہیں چاہتا بلکہ عملی امداد چاہتا ہوں تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور پھر وہ تمہاری سرزمین میں نہ آسکیں انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے کس قسم کی قوت واعانت چاہتے ہیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ مزدور اور عمدہ معمار اور سامان عمارت انہوں نے کہا کہ وہ سامان عمارت کیا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ تم لوگ بجائے پتھروں کے میرے پاس لوہے کے ٹکڑے اور لوہے کی چادریں اور لوہے کی سلیں لاؤ جن کی قیمت ہم تم کو عطا کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے لوہے کی سلیں اور چادریں اور ٹکڑے لا کر حاضر کر دیئے اور موٹی موٹی لکڑیاں بھی لا کر موجود کر دیں۔ اور بجائے پتھروں کے لوہے کے ٹکڑوں کو چن دیا اور بیچ میں لکڑیاں اور کوئلے رکھ دیئے اس طرح پہاڑ کی چوٹی تک ان کو چن دیا۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے کناروں کا درمیانی خلا پُر کر کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اس میں آگ لگا کر پھونک مارو یعنی خوب دھونکو یہاں تک کہ جب دھونکتے دھونکتے ان لوہے کے ٹکڑوں کو آگ اور انگارہ بنا دیا تو کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں گرم لوہے پر اس کو بہا دوں تاکہ وہ اس کے درازوں میں گھس کر اس کو بالکل ہموار اور ایک شے بنا دے اور عجب نہیں کہ اس عظیم مقدار میں تانبے کا پگھلنا ذوالقرنین کی کرامت ہو جیسے داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ﴾ (سبا: ۱۰) اور سلیمان علیہ السلام کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَ اَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ﴾ (سبا: ۱۲) اسی طرح کیا عجب ہے کہ ذوالقرنین کے لیے بطور کرامت اور بطریق خرق عادت تانبے کو پگھلا دیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

چنانچہ ان کے حکم کے مطابق وہ تانبا لایا گیا اور آلات کے ذریعے یا بطور کرامت اور خرق عادت اُوپر سے اس پر چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ وہ تانبا اس لوہے سے پیوست ہوگیا اور پہاڑ کی مانند ایک آہنی دیوار تیار ہوگئی جس کا طول وعرض خدا ہی کو معلوم ہے روئے زمین پر اب تک ایسی بلند اور چکنی دیوار نہیں بنی تھی پھر چونکہ یہ دیوار نہایت بلند اور چکنی اور چوڑی اور مضبوط تھی۔ اس لیے یاجوج ماجوج کے لیے یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ کر ادھر سے اُدھر آسکیں یا سیڑھی لگا کر اُوپر چڑھ سکیں اور پھر اس سے دوسری جانب اُتر سکیں۔ اور وہ دیوار اس قدر سخت تھی کہ اس میں سوراخ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

پس جب قیامت کے قریب خروج یاجوج و ماجوج کی بابت میرے پروردگار کا وعدہ آئے گا تو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو ہموار کر دے گا یعنی اس سدآہنی کو یاجوج و ماجوج کی راہ سے ہٹالے گا۔ اور اس روک کو ان سے ہٹا دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ بالکل صحیح اور درست ہے یعنی میرے پروردگار کا یہ وعدہ ہے کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج اس دیوار کو توڑ کر ایک دم آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور دریا کے دریا پی کر خشک کر دیں گے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب خروج یاجوج و ماجوج کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور بلاشبہ ہونے والا ہے اور سدّ کو توڑ کر یاجوج و ماجوج کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ان شاء اللہ سورۂ انبیاء کے اخیر میں اس کا ذکر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی اور احادیث صحیحہ میں یاجوج ماجوج کے خروج کو علاماتِ قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے اور یہ احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہیں اور تمام صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے اور جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح علاماتِ قیامت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور جو بات قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہو اس کا انکار بلاشبہ کفر ہے اور ایسی قطعیات میں تاویل کرنا الحاد اور زندقہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ذوالقرنین نے لوگوں کی فرمائش پر ایک آہنی دیوار بنادی قرآن اور حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آہنی دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور یاجوج و ماجوج اس کے پیچھے بند رہیں گے قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی تب وہ یاجوج ماجوج وہاں سے نکلیں گے اور ان کا یہ نکلنا نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے بعد ہوگا۔ بالآخر یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے غیر معمولی موت مریں گے۔ جس کی تفصیل احادیث میں ہے اب رہا یہ امر کہ وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار دنیا کے کس خطہ میں ہے اور وہ پہاڑ کہاں واقع ہے سو وہ خدا ہی کو معلوم ہے اور جس چیز کی خدا خبر دے اس پر ایمان لانا فرض ہے جس خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق سے پورا باخبر ہے ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے مکان اور باغ کی خبر نہیں اور جن لوگوں نے دیوارِ ذوالقرنین کا مقام معین کیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں محض ان کے خیالات اور تخمینے ہیں یا عیسائیوں یا یہودیوں کے لکھے ہوئے جغرافیے ہیں خدا اور اس کے رسول نے اس کے بارے میں کوئی تعین نہیں فرمایا جس سے یقینی طور پر اس دیوار کا مقام اور محل متعین کیا جاسکے اور ظن اور تخمینہ اہل عقل کے نزدیک تسلی بخش نہیں۔

﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِيۡ مِنَ الۡحَقِّ شَيۡـًٔا﴾ (النجم: ۲۸) (ذوالقرنین کا قصہ یہاں ختم ہوا)

اب آئندہ آیت میں دنیا کے فناء و زوال کا ذکر ہے کہ یہ دیوار قیامت کے قریب تک قائم رہے گی اور جب قیامت قریب ہوگی تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور اس کے پیچھے سے یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے۔

ایک شبہ: آج کل سائنس دان اور ماہرین انکشافات اور فضلائے جغرافیہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا ہے مگر ہم کو کہیں اس دیوار کا پتہ نہ ملا اور نہ کہیں یاجوج ماجوج کا پتہ لگا۔

جواب: اس شبہ کے جواب میں ہمارے ان مصنّفین نے جو مغربی علوم اور تحقیقات سے مرعوب ہیں اس دیوار کا پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اور اٹکل کے تیر چلائے ہیں مگر خود ان کو اپنے لکھے ہوئے پر یقین اور اطمینان نہیں لیکن اس شبہ بلکہ اس وسوسہ کا صحیح جواب وہ ہے جو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حسین جسر طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے الحصون الحمیدیہ میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دیوار کی اور جس قوم کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی تصدیق فرض ہے مگر ہم کو اس دیوار کا موقع اور محل معلوم نہیں۔ بلاشبہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں بڑے بڑے سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ حائل ہوں اور فضلاء جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا اور ہم بر اور بحر اور خشکی اور تری کا احاطہ کر چکے ہیں اور اب کوئی جگہ ہم سے بچی ہوئی نہیں رہی سو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے قابل تسلیم نہیں ساری زمین کو چھان ڈالنا اور دیکھ ڈالنا تو بڑی بات ہے ابھی تک پوری آباد زمین کو بھی نہیں دیکھا جا سکا زمین کا بہت سا حصہ ابھی ایسا باقی ہے جہاں تک ان کا قدم نہیں پہنچا ابھی تک اطراف زمین میں بہت سے پہاڑ اور وادیاں ایسی موجود ہیں کہ ان تک فضلاء جغرافیہ کی رسائی نہیں ہوئی خصوصاً شمال کی طرف برفانی پہاڑوں کے پیچھے اور منطقہ باردہ کی جانب ایسی زمین موجود ہے جہاں آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا جیسا کہ خود اہل جغرافیہ کا بیان ہے پس ممکن ہے کہ انہیں اطراف میں یہ قومیں آباد ہوں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سدِ ذوالقرنین شمال کی طرف ہے اور جو لوگ نقشہ زمین سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں سائبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت سے برفانی پہاڑ ہیں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں اور اس زمانہ میں کوئی ان پر سے نہیں گزر سکتا اور ان پہاڑوں کے اس طرف زمین موجود ہے جو منتہائے عرض تک چلی گئی ہے پس یہ امر ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے نیچے کوئی پست زمین ہو اور پستی کی وجہ سے وہاں برف اتنا کم رہتا ہو کہ آدمی وہاں رہ سکے اور وہیں یاجوج و ماجوج کی قوم آباد ہو اور ہمارے اور ان کے درمیان بڑے بڑے برفانی پہاڑ اور سمندر حائل ہوں اور ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج و ماجوج کی اس طرف آمد کے لیے کسی وادی سے کوئی راستہ ہو کہ وہ لوگ پہاڑوں کی طرف سے آکر آس پاس کی قوموں کو قتل و غارت کرتے ہوں اور یہ دیکھ کر ذوالقرنین نے اس وادی کا راستہ سد کے ذریعے بند کر دیا ہو اور پہاڑوں کی پرلی جانب ان کو دھکیل دیا ہو اور پھر اس سد کی وجہ سے ان کا ادھر آنا بند ہو گیا ہو پھر جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو ممکن ہے کہ جوی اور ارضی حوادث کی وجہ سے وہ برف پگھل جائے اور یاجوج و ماجوج کو سد ذوالقرنین کے توڑنے کا موقع مل جائے اور سد کو توڑ کر وہ قومیں اسی راستے یا کسی اور راستے سے دنیائے آبادی کی طرف نکل پڑیں اور یہاں آکر اودھم مچائیں اور فساد برپا کریں جیسا کہ آیات اور احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

بہر حال قرآن اور حدیث نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ عقلاً اور عادتاً محال نہیں اور قدرت خداوندی کے تحت داخل ہیں۔ پس جو امور عقلاً ممکن اور جائز الوقوع ہوں اور نصوص شرعیہ سے ان کا وجود اور وقوع ثابت ہو ان کی تصدیق فرض اور لازم ہے اس لیے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج سد ذوالقرنین کو توڑ کر نکلیں گے اور فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات کا یہ دعویٰ کہ ہم

پوری زمین سے اچھی طرح واقف ہیں اور ہو چکے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جو قابل تسلیم نہیں امریکہ اور روس کے متصل ہی ایسے جزیرے ملیں گے کہ جن کی ان ماہرین اکتشافات کو بالکل خبر نہیں یا پوری خبر نہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کا چکر لگا لیا ہے اور ہم کونے کونے سے واقف ہو گئے ہیں زبان سے اس قسم کا دعویٰ کر دینا بہت آسان ہے لیکن ثابت کر دکھانا بہت مشکل ہے۔

سائنس کے تجربوں سے دن بدن ثابت ہوتا جاتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ان کو بھی پورا نہیں دیکھا تھا روزمرہ کا تجربہ بتلا رہا ہے کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے ذرا اور آگے بڑھ آئندہ چل کر تجھ کو اپنی بار بار دیکھی ہوئی چیزوں کے وہ خواص اور آثار معلوم ہوں گے جو موجودہ علم اور تجربہ سے بالا اور کہیں بالا ہوں گے غرض یہ کہ ہر فلسفی اور سائنس دان ہمہ دانی کا نعرہ لگاتا ہے اور قدم قدم پر جدید تجربہ اور جدید انکشاف ہمہ دانی کے دعوے پر ایک تازیانہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے مدعی ہمہ دانی اس جدید انکشاف نے تجھ پر واضح کر دیا کہ تیرا گذشتہ دعویٰ غلط تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قصۂ ذوالقرنین قطعاً ثابت ہے اس لیے کہ نزول قرآن کے وقت جو علماء توریت اور انجیل موجود تھے ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ قصہ متواترہ ہے قطعاً ثابت ہے اس قصہ کے تواتر کے لیے فقط اتنی بات کافی ہے کہ علماء اہل کتاب نے بطور امتحان آپ ﷺ سے اس قصہ کا سوال کیا اور علیٰ ہذا جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ بھی حق اور صدق ہے اگرچہ اس کا ہمیں موقع اور محل معلوم نہیں اب اگر کوئی شخص محض اس بناء پر انکار کرے کہ ہمیں اس دیوار کا علم نہیں یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو وہ ایک جنگلی پہاڑی کی طرح ہے کہ جس نے کبھی ریل اور تار اور ٹیلیفون اور ہوائی جہاز نہ دیکھا ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے ان چیزوں کا ذکر کرے اور وہ سن کر یہ کہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک گھنٹہ میں چالیس پچاس میل یا پانچ سو میل کی مسافت کیسے قطع ہو سکتی ہے یا ہزار یا دس ہزار میل پر ٹیلیفون سے کیسے باتیں ہو سکتی ہیں اس قسم کی باتیں اس کے غافل اور جاہل ہونے کی دلیل ہیں لیکن اس کی ان باتوں سے ٹیلیفون کا عدم ثابت نہیں ہو سکتا کیا عقلاً یہ جائز نہیں کہ جس طرح آج سے پانچ سو برس پہلے ان سائنسدانوں کو دنیا کے چوتھے براعظم یعنی امریکہ کا پتہ نہ چلا اور یہ طویل و عریض آبادی ان لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رہی اور فلاسفہ اور سائنسدان اس کے وجود سے واقف نہ ہوئے کیا اس طرح یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کوئی پانچواں براعظم موجود ہو جہاں یاجوج و ماجوج کے ٹڈی دل رہتے ہوں اور ہمارے اور ان کے درمیان سد ذوالقرنین کے علاوہ ایسے بر و بحر حائل ہوں کہ جہاں اب تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی اکتشافات جدیدہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں اور روز بروز عجیب و غریب اُمور منکشف ہو رہے ہیں تو کیا عجب ہے کہ آئندہ چل کر اس دیوار کا اور قوم یاجوج و ماجوج کا انکشاف ہو جائے خوب سمجھ لو کہ آسمان و زمین کے خالق نے اور اس کی وحی سے اس کے برگزیدہ نبی برحق اور مخبر صادق نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ عقلاً ایک امر ممکن ہے اس پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے اور خدا اور اس کے رسول نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ حق اور صدق ہے ضرور اپنے وقت پر ظاہر ہو گی اور محض اپنی لاعلمی اور ناواقفیت اور عدم وجدان اور عدم علم اور عدم معرفت کی بنا پر کسی چیز کے وجود سے انکار کرنا جہالت اور نادانی ہے اور اگر باوجود کامل تلاش کے مثلاً اگر کسی کو زید نہ ملے تو اس سے زید کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ بہرحال مخبر صادق جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس نے دیوار کے وجود کی خبر دی ہے تو ہم پر اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے خواہ وہ چیز ملے یا نہ ملے جس خدا نے اس زمین کو پیدا کیا اور پھر ایک نیک بندہ ذوالقرنین کو پیدا کیا اور اپنی زمین پر اس کو فرماں روا بنایا تو کیا فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات زمین کے بارہ میں خدا سے زیادہ باخبر ہو

گئے کہ جس زمین کو خدا نے پیدا کیا وہ تو ایک خطۂ زمین اور ایک قوم کے وجود کی خبر دے رہا ہے اور یہ فضلاء جغرافیہ نہایت ڈھٹائی سے اس کا انکار کر رہے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک انسان ضعیف البنیان کا کسی چیز کو نہ پانا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ یہ شئے فی الواقع موجود نہیں کسی چیز کا نہ پانا اس چیز کے عدم کی دلیل بلکہ نہ ملنے کی وجہ سے کسی چیز کے وجود کا انکار کر دینا جہالت اور کوتاہ نظری کی قطعی دلیل ہے۔

دیوارِ ذوالقرنین اور دنیا کی پانچ بڑی دیواروں کا ذِکر

قرآنِ کریم نے دیوارِ ذوالقرنین کا ذکر کیا مگر اس کا موقع اور محل نہیں بتایا کہ وہ کس جگہ بنی تھی۔

مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے تاریخی واقعات کے ذیل میں دنیا کی چند بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کیا ہے اور اپنے خیالات اور گمان اور تخمینہ سے اس کو دیوارِ ذوالقرنین قرار دیا مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مفسر تفسیر حقانی نے اپنی تفسیر میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اس سلسلہ میں پانچ دیواروں کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس کو تفصیل درکار ہو وہ اصل تفسیر حقانی کی مراجعت کرے۔

دیوارِ اوّل ...... دیوارِ چین:

جس کو بقول مؤرخین فغفور چین نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام سے تخمیناً دو سو پینتیس برس پہلے بنایا تھا جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے جس کے پیچھے کچھ وحشی قومیں آباد تھیں جو چین کے ملک پر تاخت و تاراج کیا کرتی تھیں ان کو یاجوج و ماجوج سے تعبیر کرتے تھے چونکہ یہ دیوار اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور ایک کافر کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام سے دو سو پینتیس برس پہلے گزرا ہے اس لیے یہ دیوار سدِ ذوالقرنین نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ دیوار آہنی تھی نیز ذوالقرنین حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے گزرا ہے اور وہ مردِ مؤمن تھا کافر نہ تھا اور فغفور باخدا اور موحد نہ تھا اس کو ذوالقرنین قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

دیوارِ دوم ...... دیوارِ سمرقند:

یعنی وہ دیوار جو سمرقند کے قریب ہے یہ ایک مستحکم دیوار ہے جو لوہے کی چادروں اور اینٹوں سے بنائی گئی ہے نہایت مستحکم اور بلند ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔

خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا وہ اس دیوار کو دیکھ کر آئے اور آ کر اس کا حال بیان کیا یہ دیوار جبل الطی کا درّہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی بعض لوگ اس دیوار کو سدِ ذوالقرنین کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس دیوار کو یمن کے کسی حمیری بادشاہ نے بنایا تھا۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ حمیری بادشاہ ذوالقرنین تھا اور تبع یمانی اس کی اولاد میں سے تھا جس پر اس کو فخر تھا لہٰذا بعض علماء کا خیال ہے کہ یہی دیوارِ ذوالقرنین ہے۔ واللہ اعلم

دیوارِ سوم ...... دیوارِ آذربائیجان:

جو آذربائیجان کے سرے پر بحیرۂ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ کو بند کرنے کے لیے اور غیر قوموں کی آمد کو روکنے کے لیے بنائی گئی تھی یہ دیوار آذربائیجان اور آرمینیہ کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ دیوار پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی

تین سوگز ہے اس دیوار کو نوشیرواں نے بنایا یہ دیوار اب تک قائم ہے بعض علماء نے اسی دیوار کو سدذوالقرنین بتلایا ہے۔

دیوارِ چہارم ...... دیوارِ تبت:

یہ دیوارِ تبت کے شمالی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ جگہ خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک کنارہ ہے جس سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر اس کو بند کر دیا یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ یہ دیوار نزول قرآن کے بعد بنائی گئی۔

.... دیوارِ پنجم ......:

دُنیا کی پانچویں بڑی دیوار وہ ہے کہ جو بحیرہ روم کے مشرقی کنارہ پر ایشیائے کوچک کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں واقع ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار کب بنی اور اب تک قائم ہے یا نہیں یہ دیوار بھی بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

غرض یہ کہ یہ سب تاریخی قصے ہیں جو ہرگز قابل اعتماد و اعتبار نہیں۔

بہرحال یہ دنیا کی پانچ مشہور دیواریں ہیں جن کا تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں ذکر ہے اور مصنّفین نے اپنے اپنے خیال اور تخمینہ سے سدذوالقرنین کے مصداق بتلانے کی بڑی کوشش کی ہے کسی نے کسی دیوار کو اور کسی نے کسی دیوار کو۔ مگر سوائے اپنی خیالی قیاس آرائیوں کے۔ دلیل کسی کے پاس نہیں ہر ایک نے اپنی اپنی کہی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس سد (دیوار) کی قرآن عزیز نے خبر دی ہے قرآن اور حدیث میں اس کے کیا اوصاف ذکر کیے گئے ہیں تا کہ اس سے تعیین مصداق کا فیصلہ ہو سکے وہ اوصاف حسب ذیل ہیں۔

اوّل: اس سد (دیوار) کا بانی اللہ تعالیٰ کا کوئی مقبول بندہ اور مرد صالح اور مرد مومن ہے جو ایمانداروں اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں کو جزاءِ حسنیٰ کی بشارت سناتا ہے اور کافروں اور ظالموں کو عذاب خداوندی سے ڈراتا ہے۔

دوم: اس کا بانی ایسا جلیل القدر بادشاہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک کا فرماں روا ہے اور حکومت اور سلطنت کے تمام اسباب ظاہری اور باطنی منجانب اللہ اس کے لیے مہیا ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ (الکہف: ۸۴) مطلب یہ ہے کہ وہ فرمانروائے مشرق و مغرب ایسا سعادت مند ہے کہ تائید ربانی اور تمکین یزدانی اس کے ساتھ ہے اور فتح و کامرانی کا جھنڈا اس کے آگے آگے ہے کسی میں اس کے مقابلہ کی تاب نہیں شاہان عالم اس کی عظمت و ہیبت کے سامنے دم بخود ہیں۔

سوم: وہ دیوار آہنی ہے پگھلے ہوئے تانبے سے تیار ہوئی ہے اینٹ اور پتھر سے نہیں بنائی گئی۔

چہارم: یہ کہ اس دیوار کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں اور وہ دیوار بہت بلند اور مستحکم ہے اور بطور خرقِ عادت اور بطریق کرامت تیار ہوئی ہے اس لیے کہ اتنی بلند دیوار جو ازاوّل تا آخر لوہے کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہو اور اس میں اس طور سے آگ سلگائی گئی ہو کہ اس کے سب ٹکڑے آگ بن گئے ہوں اور پھر ان میں ہزاروں من بلکہ ہزاروں ٹن پگھلا ہوا سیسہ ڈالا گیا ہو بظاہر یہ تمام اُمور اسباب ظاہری کے دائرہ سے باہر ہیں ایسی دھکتی ہوئی آگ کے قریب تو کوئی جاندار نہیں جا سکتا اور ایسی آگ میں پھونک مارنا اور پگھلے ہوئے تانبے کا اس پر ڈالنا ظاہر اسباب میں ممکن نہیں۔ لہٰذا سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عجیب و غریب دیوار اس نیک دل بادشاہ کی کرامت تھی یا اس نبی برحق کا معجزہ تھا جس کے ہاتھ پر ذوالقرنین نے بیعت کی تھی کہ جب اس قدر طویل و عریض لوہے کی دیوار آگ ہو جائے تو کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کے پاس بھی جا سکے اور پاس جا کر اس میں پھونک مار سکے اور اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال

سکے۔ یہ اللہ کی رحمت تھی کہ اس نے نافخین (پھونک مارنے والوں) کے ابدان واجسام کو اس شدید گرمی اور حرارت سے محفوظ رکھا اور انہوں نے اپنا کام کیا۔

پنجم: یہ کہ یاجوج وماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں نہ وہ اس پر چڑھ سکتے ہیں نہ اس پر کوئی سیڑھی لگا کر اِدھر سے اُدھر اُتر سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں۔ البتہ قیامت کے قریب زمانہ میں یہ لوگ اس دیوار میں نقب لگانے پر قادر ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

ششم: یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں اس دیوار میں کچھ تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے۔

ہفتم: یہ کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج ہر روز اس دیوار کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ دیوار بحکم الٰہی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ یعنی دبیز اور موٹی ہو جاتی ہے مگر قیامت کے قریب ایک روز وہ ان شاء اللہ کہہ کر اس دیوار کو چھیلیں گے تو ان شاء اللہ کی برکت سے اس میں وسیع سوراخ کھل جائے گا اور اگلے روز اس دیوار کو توڑ کر باہر نکل سکیں گے۔

ہشتم: یہ کہ یاجوج وماجوج باوجود انسان ہونے کے عام انسانوں سے قوت میں بہت زیادہ ہیں اور عددی کثرت میں تو اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں اور عام بنی آدم میں وہ نسبت ہے جو ایک اور ہزار میں ہے اور سب کافر ہیں اور جہنمی ہیں۔

نہم: یہ کہ ان کا خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوگا اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاص لوگوں کو کوہِ طور پر لے جائیں گے اور باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہو جائیں گے۔

دہم: یہ کہ یاجوج وماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مر جائیں گے ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ ایک نَغَفٌ (طاعونی کیڑا) پیدا کر دے گا جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ دس اوصاف ہیں جن میں سے اول کے پانچ اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیثِ صحیحہ اور مشہورہ میں مذکور ہیں۔

پس جو شخص ان اوصاف کو ملحوظ اور پیش نظر رکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ مؤرخین نے جن دیواروں کا پتہ بتایا ہے مجموعی طور پر یہ اوصاف کسی دیوار میں بھی نہیں پائے جاتے پس مؤرخین نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں اور ان دیواروں میں سے کوئی دیوار دیوار ذوالقرنین کا مصداق نہیں اور احادیث صحیحہ وصریحہ کا انکار گمراہی ہے اور ان میں تاویل کرنا الحاد اور بے دینی ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اس کی صحیح اور واقعی جگہ اسی کو معلوم ہے ہم اس کی خبر پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی تعیین کو اس کے علم کے حوالہ اور سپرد کرتے ہیں جیسا کہ ہم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام روح المعانی سے نقل کر چکے ہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں:

لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں جمہور علماء تفسیر وحدیث کا قول یہ ہے کہ یاجوج وماجوج بنی نوع انسان کی دو قوموں یا دو قبیلوں کا نام ہے آدم اور حوا علیہما السلام کی اولاد سے ہیں اور یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں جو ترک کا جد اعلیٰ ہے اور ترک اس خاندان کی ایک شاخ ہے جو سد ذوالقرنین کے اس طرف ترک کر دیئے گئے تھے یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ گویا کہ لفظ ترک متروک سے مشتق ہے اور یہ لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں اور اس قدر کثیر اور بے شمار ہیں کہ ان میں اور اہلِ بہشت میں وہ نسبت ہے کہ جو

ایک اور ہزار میں ہے۔ امم سابقہ ولاحقہ میں سے جس قدر افراد دوزخ میں جائیں گے ان تمام کے مقابلہ میں اکثریت یاجوج وماجوج کی ہوگی۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کیجیے عرض کریں گے کہ کس قدر؟ ارشاد ہوگا۔ ہر ہزار سے ایک کم ہزار۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو ہیں مگر حوا کے پیٹ سے نہیں گویا کہ وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ بات سوائے کعب احبار رضی اللہ عنہ کے اور کسی سے منقول نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج ترکوں کے دو قبیلے ہیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ یاجوج وماجوج دو قومیں ہیں اور یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جو بطن حواء سے پیدا ہوئی اور ان کے حالات اور صفات کے بارہ میں جو آثار اور اخبار وارد ہوئے ہیں ان پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت وشکل کے اعتبار سے آدمی اور انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی طبیعت کے لحاظ سے وحشی درندہ اور حیوان ہیں اور افعال اور اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا کہ قوم یاجوج وماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے وہاں کے باشندوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی آہنی دیوار قائم کردیں جس سے ان کا راستہ بند ہوجائے اور ہم ان کے شر سے محفوظ ہوجائیں۔ چنانچہ ذوالقرنین نے ایک آہنی دیوار بنا کر ان کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل دیا۔

قرآن کریم میں یاجوج وماجوج کا ذکر اجمالاً اور مختصراً آیا ہے اور احادیث میں کچھ تفصیل آئی ہے۔ بہرحال قرآن وحدیث سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں قیامت سے پہلے اس سے باہر نہیں آسکتے جس طرح دجال اکبر ایک جزیرہ میں محبوس اور مقید ہے اور اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نزول میں اس کا اپنے جزیرہ سے خروج ہوگا۔ اسی طرح یاجوج ماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے محبوس ہیں ان کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا اس وقت یہ مفسد قوم دنیا پر خروج کرے گی اور دنیا میں اودھم مچائے گی بالآخر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مرجائے گی اور شان اور صفت اور اس طاقت کی کوئی قوم اب تک ظاہر نہیں ہوئی اور نہ اب تک کسی کو اس قوم کا پتہ لگ سکا ہے حسب وعدۂ خداوندی قیامت کے قریب اس قوم کا ظہور اور خروج ہوگا۔ خروج دجال کے بعد قوم یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا اور اس زمانہ کے بعض روشن خیال مصنف یہ خیال کرتے ہیں کہ یاجوج وماجوج سے چینی یا روسی یا دوسری وحشی قومیں مراد ہیں جو کہ منگولیا اور منچوریا یا کوریا کے قریب آباد ہیں یا وہ تاتاری اور چنگیزی لوگ مراد ہیں جنہوں نے خلافت بغداد کو درہم برہم کیا یا وہ وحشی قومیں مراد ہیں جو آرمینیہ کے پہاڑوں کے قریب رہتی ہیں ان مصنفین کا خیال یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ان وحشی اور درندہ صفت قوموں کو یاجوج ماجوج کہا جاتا ہے مگر اب وہ تعلیم یافتہ اور متمدن ہوگئے ہیں اور اب وہ یاجوج وماجوج نہیں رہے اور نہ وہ اب کسی دیوار کے پیچھے بند ہیں وہ آہنی دیوار یا تو ختم ہوگئی ہے یا ان یاجوج وماجوج نے اپنے خروج کے لیے کوئی دوسرا راستہ نکال لیا ہے اور اب باقاعدہ پاسپورٹ لے کر ہمارے ملکوں میں آجارہے ہیں یہ سب خرافات ہے قرآن اور احادیث میں یاجوج ماجوج کی جن صفات کا ذکر ہے وہ صفات ان قوموں پر منطبق نہیں ہوتیں۔

از روئے قرآن وحدیث یاجوج وماجوج اس دیوار کے پیچھے بند ہیں وقت معین سے پہلے ہمارے ملکوں میں نہیں آسکتے۔ اور جو وحشی

ہمارے ملکوں میں آتے جاتے ہیں وہ اصل میں یاجوج ماجوج نہیں اور جو اصلی اور واقعی یاجوج وماجوج ہیں وہ دیوار کے پیچھے بند ہیں اور یہ متمدنین جن کو یاجوج ماجوج خیال کرتے ہیں وہ یہ یاجوج ماجوج نہیں جن کی قرآن وحدیث میں خبر دی گئی ہے تاتاریوں [1] اور وحشیوں کو یاجوج وماجوج سمجھ لینا ایک خام خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

مرزائے قادیان کا ہذیان:

مرزائی یہ کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور جب ان کا خروج ہو چکا تو اس کے لیے مسیح کی آمد ضروری ہے اور وہ مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی ہے تھوڑی دیر کے لیے اگر قادیان کے اس ھذیان اور دلخراش سماعت کو بادل ناخواستہ برداشت کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً ہلاک ہو جائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں دفعتاً کوئی طاعونی کیڑا نمودار ہوگا جس سے سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور تمام دنیا متعفن اور بدبودار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بڑی لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور بعد ازاں ایک بارش ہوگی جس سے زمین دھل جائے گی یہ مضمون بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

مرزائی بتلائیں کہ اگر یاجوج وماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو مرزا صاحب نے انگریز اور روس کے لیے کب بددعا کی اور کس شہر کے انگریز اور روسی لوگ مرزا صاحب کی بددعا سے ایک رات میں ہلاک ہوئے اور صبح ہوتے ہی سب کے سب مردہ پائے گئے اور کس مہینہ اور کس سال میں لمبی گردن والے پرندوں نے ان کی لاشوں کو کون سے سمندر میں لے جا کر ڈالا۔

مرزا قادیان تو یاجوج وماجوج (عیسائی اقوام) کی عروج اور ترقی کے لیے دعا ہی کرتا ہوا مر گیا اور اپنے مریدوں کو ان کی وفاداری اور دعا کی وصیت کر گیا۔

کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسیح زماں اور مہدی دوراں یاجوج ماجوج کے عروج اور بقاء کے لیے دعا کرے گا اور اپنی امت کو ان کے لیے دعا کا حکم دے گا نیز مرزا قادیان کے نزدیک دجال سے بااقبال قومیں مراد ہیں تو سوال یہ ہے کہ مرزائے قادیان جو مدعی مسیحیت ہے یہ بتلائے کہ اس نے بااقبال قوموں میں سے کس دجال کو قتل کیا نزول مسیح کا اہم مقصد قتل دجال ہے۔ خود مرزا ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۴۷ میں لکھتا ہے: لکل دجال عیسٰی۔ (دیکھو افادۃ الافہام ص۔ ۱۵ جلد ۲)

حیرت کا مقام ہے کہ مرزا بااقبال قوموں کو دجال بتاتا ہے اور بجائے انکے مقابلہ اور مقاتلہ کے ان کی دعا گوئی اور خوشامد میں مصروف ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

---

[1] علامہ آلوسیؒ روح المعانی ص ۴۲ جلد ۱۶ میں لکھتے ہیں: یعلم مما تقدم ومما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ بطلان مَایزعمہُ بعض الناس من انھم التاتار الذین اکثروا الفساد فی البلاد وقتلوا الاخیار والاشرار ولعمری ان ذلک الزعم من الضلالۃ بمکانٍ وان کان بین یاجوج ماجوج واولئک الفکرۃ مشابھۃ تامۃ لاتخفی علی الواقفین علیٰ اخبار مایکون وماکان ابطال مایزعم بعض الناس من انھم التاتار۔ انتھٰی

تتمہ قصۂ ذوالقرنین

وذکر انہدام دیوار ذوالقرنین وخروج یاجوج وماجوج ونفخ صُور

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ... الی... لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا یہ قول نقل فرمایا تھا: ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ کہ یہ دیوار اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت ہے عرصہ دراز تک باقی رہے گی مگر جب خروج یاجوج ماجوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ یاجوج وماجوج کی قوم جو اب اس سد کے پیچھے بند ہے نکل پڑے گی۔

اب آئندہ آیات میں خروج یاجوج ماجوج کے وعدہ کا وقت ذکر فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کے قریب پورا ہوگا اور اس کے چند روز بعد صور پھونک دیا جائے گا اور بساط عالم لپیٹ دی جائے گی۔

یا یوں کہو۔ کہ گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا قول نقل کیا کہ یہ دیوار اگرچہ کتنی ہی مضبوط اور مستحکم کیوں نہ ہو مگر فنا سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اب حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے جو کہا وہ ٹھیک کہا اور واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دیں گے اور یاجوج وماجوج کا بند کھول دیں گے اس روز جو حالت پیش آئے گی آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب اس آہنی دیوار کے انہدام اور یاجوج وماجوج کے خروج کا وقت موعود آئے گا اور حسبِ وعدہ یہ مفسد قوم اس دیوار کو توڑ کر نکل پڑے گی تو اس روز ہم اس مفسد قوم کو ایسی حالت میں کر چھوڑیں گے کہ وہ کثرت ازدحام سے ایک دوسرے میں خلط ملط اور گڈمڈ ہو جائیں گے۔

یعنی اس دیوار کے منہدم ہوتے ہی اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور ٹڈی دل کی طرح امنڈ پڑیں گے اور ایک دوسرے میں گھس پڑیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہے کہ یہ دیوار بن گئی اور یہ روک قائم ہوگئی۔ اسی کی رحمت سے یہ دیوار اور روک ایک میعاد معین تک قائم رہے گی۔

البتہ قیامت کے قریب جب خروج یاجوج وماجوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ روک ہٹا دی جائے گی اور یاجوج ماجوج دُنیا میں پھیل پڑیں گے اور خوب قتل وغارت کریں گے اور دُنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں دست دعا دراز کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو غیبی وباء سے ہلاک کر دے گا جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اور ان کے اس تموج اور اضطراب کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔

حتیٰ کے اوّل بار صور پھونکا جائے گا جس سے سارا عالم فناء ہو جائے گا پھر چالیس سال بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے میدانِ حشر میں حساب وکتاب کے لیے جمع کریں گے کہ کوئی باقی نہ رہے گا اور اس روز حساب وکتاب اور فیصلہ سے پہلے دوزخ کو کافروں کے روبرو کر دیں گے۔ تاکہ داخل ہونے سے پہلے اس کو دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے اور

جان لیں کہ یہی وہ جہنم ہے جس کو ہم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور اب ان کو اسی میں داخل ہونا ہے اور یہ کافر جن کی آنکھوں کے سامنے دوزخ کر دی جائے گی وہ لوگ ہیں کہ جن کی آنکھیں دنیا میں ہماری یاد سے پردہ میں تھیں یعنی ہماری آیاتِ قدرت کے دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے تھے کہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور بہرے بھی بنے ہوئے تھے کہ بغض اور عداوت کی وجہ سے حق کو سن بھی نہیں سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسا گروہ سوائے جہنم کے اور کس لائق ہے اور آیت میں آنکھ اور کان سے عقل کی آنکھ اور کان مراد ہیں اصل آنکھ اور کان دل کے ہیں اور سر کے آنکھ اور کان اس کے تابع ہیں۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ

اب کیا سمجھے ہیں منکر؟ کہ ٹھہرا دیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ

ہم نے رکھی ہے دوزخ منکروں کی مہمانی۔ کہہ ہم بتا دیں تم کو کن کے کیے بہت

أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ

اکارت۔ جن کی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں

أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَ

کہ خوب بناتے ہیں کام۔ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور

لِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

اس کے ملنے سے سو مٹ گئے ان کے کیے، پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن تول۔

ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

یہ بدلہ ہے ان کا دوزخ، اس پر کہ منکر ہوئے اور ٹھہرائیں میری باتیں اور میرے رسول ٹھٹھا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ

جو لوگ یقین لائے ہیں اور کیے ہیں بھلے کام اُن کو ہیں ٹھنڈی چھاؤں کے باغ

نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ

مہمانی۔ رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی۔ تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو

مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَ لَوْ

کہ لکھے میرے رب کی باتیں، بیشک دریا نبڑ چکے ابھی نہ نبڑیں میرے رب کی باتیں ، اور اگر

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ

دوسرا بھی لاویں ہم ویسا اس کی مدد کو۔ تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

تمہارا صاحب ایک صاحب ہے۔ پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے ، سو کرے کچھ کام نیک

وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲/۹ ۳

اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا۔

خاتمہ سورت بر توحید و رسالت و تذکیر آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ... الى ... وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ﴾

ربط: سورت کا آغاز توحید اور رسالت اور تذکیر آخرت سے ہوا تھا اب سورت کو انہی تین مضامین پر ختم کرتے ہیں اور جن لوگوں نے از راہ تمرد و سرکشی، احکام خداوندی کے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا ان پر تہدید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدا کے بیشمار علوم پر مشتمل ہے اور اخیر میں ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (الکہف:۱۱۰) سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں خدا اور فرشتہ نہیں مگر خدا تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ صاحب وحی ہوں احکام شریعت میں میری اطاعت کرو مگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ظاہرًا اور باطنًا ذرہ برابر کسی کو شریک نہ کرو اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے سمندروں کی بھی ایک حد ہے مگر اللہ کے کلمات اور اس کے علوم کی کوئی حد نہیں اور بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے ﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵) لہٰذا کسی توریت اور انجیل کے عالم کو اپنے علم پر فخر اور ناز کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا پھر ان کافروں نے یہ گمان کیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو اور مسیح اور عزیر علیہما السلام کو اپنا کارساز ٹھہرالیا ہے۔ کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ان کو کچھ نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت اور شفاعت کریں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے خوب سمجھ لیں کہ تحقیق ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کیا ہے وہاں پہنچتے ہی طرح طرح کے عذاب سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تم کو خبر دوں ان لوگوں کی کہ جو باعتبار اعمال کے خسارہ اور گھاٹے میں ہیں وہ ایسے لوگ ہیں

جن کی دُنیاوی زندگی میں تمام کری کرائی محنت اور جدوجہد بیکار گئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافر بہت سے اعمال اپنے گمان میں اچھے سمجھ کر کرتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم کو ہمارے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ مگر ان کا یہ گمان غلط ہے کفر کی نحوست سے وہاں سب اعمال بے کار ثابت ہوں گے اور ان کی دنیاوی زندگی کی تمام کوشش اکارت جائے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔ یعنی دلائل توحید کا انکار کیا اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا یعنی قیامت اور دارِ آخرت کا انکار کیا اور اگر کچھ مانا بھی تو شریعت کی ہدایت اور منشاء کے مطابق نہ مانا۔ اور اپنے زعم اور خیال کے مطابق آخرت کو مانا پس اس کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے یعنی جو کام ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں وہ سب حبط اور ضبط ہو جائیں گے۔ اور بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور ایک دم امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ پس قیامت کے دن ہم ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ بے جان اور بے روح ہوں گے اور اپنے اندر کوئی وزن نہ رکھیں گے اور جب وزن کے لیے لائے جائیں گے تو ان کا کچھ وزن نہ ہوگا اور جن اعمال کو وہ اپنے زعم میں نیک اور موجب ثواب سمجھتے تھے وہ سب بے وزن ثابت ہوں گے دُنیا میں ان اعمال کی ظاہری صورت سے شبہ ہوتا تھا کہ ان اعمال میں کچھ وزن ہے لیکن قیامت کے دن حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سب بے جان اور بے وزن ہیں میزان اعمال تو قیامت کے دن نیک و بد۔ مؤمن و کافر سب کے لیے قائم ہو جائے گی۔ مگر کافر جب اپنے اعمال کو لے کر آئیں گے اور ان کو تولا جائے گا تو ان میں کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ ایمان اور اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے تمام اعمال مردہ اور بے جان ہوں گے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی (کافر) لایا جائے گا اور اس کو تولا جائے گا مگر وہ مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف:۱۰۵)۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خود کافروں کا بھی کوئی وزن نہ ہوگا اور نہ ان کے اعمال میں کوئی وزن ہوگا۔ کیونکہ وہ اعمال ایمان سے خالی ہوں گے بدی کے پلہ میں ان کے کفریات اور سیئات کو رکھا جائے گا اور ان کے قائل کرنے کے لیے ان کے گمان کے مطابق جو ان کے نزدیک ان کی نیکیاں تھیں ان کو بھی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیا جائے گا۔ مگر ان میں کوئی وزن بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا یہ پلہ ہلکا رہے گا اور کفر کا پلہ بھاری رہے گا بلکہ وہی رہے گا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کے تولے بغیر ہی انہیں جہنم میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا اس لیے کہ اعمال کا تولنا اس لیے ہوتا ہے کہ نیکیوں اور بدیوں کی مقدار الگ الگ معلوم ہو جائے اور جن کے پاس سوائے کفریات اور سیأت کے کچھ نہ ہو تو تولنے کی کیا ضرورت ہے ایسے لوگ تو بغیر وزن ہی کے دوزخ کے مستحق ہیں۔ اس تقدیر پر میزان اعمال صرف ایمانداروں کے لیے ہوگی مگر صحیح قول وہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ قیامت کے دن مومن اور کافر سب کے اعمال کا وزن ہوگا جس سے مقصود عدل و انصاف کا ظاہر کرنا ہوگا اور لوگوں کی حجت اور معذرت کو قطع کرنا ہوگا کافروں کے اعمال بھی میزان اعمال میں تولنے کے لیے رکھے جائیں گے مگر ان کا کوئی وزن اور ثقل نہ ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ... الآیۃ﴾ (المومنون:۱۰۳) یعنی ان کے اعمال کا اکارت ہونا اور ان کا بے وزن

ہونا یہ ان کی سزا ہے یعنی جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کا اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا۔ لہٰذا اب اس کفر اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان اور اہل اخلاص کا حال بیان کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے مطابق انہوں نے نیک کام کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی ان کو نکالے گا اور نہ وہاں سے اکتا کر جگہ بدلنا چاہیں گے۔ بعض مرتبہ انسان ایک جگہ طویل قیام سے اُکتا جاتا ہے ان لوگوں کو ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گی اس لیے کبھی اس بات کی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علوم کا غیر محدود اور لامتناہی ہونا بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجیے اگر سمندر میرے پروردگار کے علم و حکمت کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یعنی خدا تعالیٰ کے کلمات حکمت لکھنے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں۔ اگرچہ ہم ویسا ہی سمندر اور اس کی مدد کے لیے لے آویں۔ سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں گے مگر حق تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات حکمت غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

شانِ نزول:

یہود نے ایک مرتبہ مسلمانوں سے کہا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہو ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (البقرہ:۲۶۹) جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی تو اس کو خیر کثیر دی گئی نیز تم یہ بھی پڑھتے ہو ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۵) یعنی تم کو جو علم دیا گیا وہ قلیل ہے یہ دونوں باتیں جمع کیسے ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ خود اس بات کے مُقر ہیں کہ ہم کو توریت دی گئی جو کتاب حکمت ہے اور حکمت خیر کثیر ہے تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ توریت اگرچہ خیر کثیر ہے لیکن اللہ کے کلمات حکمت کے مقابلہ میں قلیل ہے تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کے سامنے ایک قطرہ ہے بلکہ یہ بھی نہیں اللہ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور مخلوق کا علم حادث اور متناہی ہے

علم ہا از بحر علمش قطرہ ایں چوں خورشید است وآنہا ذرہ
گر کسے در علم صد لقمان بود پیش علم کاملش ناداں بود

اور اے نبی! آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں فرشتہ نہیں اور غیب سے واقف نہیں البتہ اللہ کا نبی ہوں اللہ کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور تمہارے سوال پر جو میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا سو اللہ نے مجھ کو بذریعہ وحی کے اس پر مطلع کیا۔ منجملہ دلائل نبوت، یہ بھی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے۔ لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک سے توبہ کرو اللہ کی طرف سے میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اس کا بندہ ہوں۔ عبدیت اور بشریت میں تمہارے ساتھ شریک ہوں مگر نبوت اور رسالت کے اعتبار سے سب سے بلند اور برتر ہوں حتیٰ کہ جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام بھی میرے وزیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا ہے ظاہری طور پر میں تمہاری طرح بشر ہوں اور مخلوق ہوں مگر باطنی طور پر متخلق باخلاق الٰہی ہوں اور اندازہ بشری سے خارج ہوں۔ نصاریٰ کی طرح میری توصیف میں مبالغہ مت کرو کہ مقام نبوت کو مقام الوہیت کے ساتھ ملا دو خدا خدا ہے میں اس کا بندہ ہوں۔ لہٰذا تم صرف اس کو پُوجو اور مجھ کو صرف اس کا نبی مانو میں تم کو

اس کا حکم سناتا ہوں سو جس شخص کو اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا اور خوشنودی اس کا مقصود ہو تو اس کو چاہیے کہ خدا کے رسول ﷺ کی ہدایت اور اس کی شریعت کے مطابق کچھ نیک کام کرے جس سے صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے اگرچہ وہ شرک کتنا ہی صغیر اور خفی کیوں نہ ہو۔ حتی الوسع ہر قسم کے شرک سے بچتا رہے ظاہراً اور باطناً کسی درجہ میں بھی کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ کرے اور کوئی عمل کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے بناوٹ سے نہ کرے اس لیے کہ ریا چھوٹا شرک ہے اور عمل کو غارت اور تباہ کرنے والا ہے ۔

کلید درِ دوزخ است آں نماز　　　　که در چشم مردم گذاری دراز

شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک جلی اور ایک شرک خفی۔ شرک جلی یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادت میں کسی کو شریک کرے اور شرک خفی یہ ہے کہ نمود اور شہرت کے لیے کام کرے اور بعض مرتبہ وہ شرک اس قدر خفی ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں کوہ صفا پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اور جو کام خالص اللہ کے لیے ہو اور غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو وہ اخلاص ہے۔ ؏

چیست اخلاص آنکه از غیر خدا　　　　فرد آئی در خلاء و در ملا

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ۔

عبادت باخلاص نیت نکواست　　　　وگرنہ چہ آیدز بے مغز پوست

چہ زُنار مغ در میانت چہ دلق　　　　کہ در پوشی از بہر پندار خلق

بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت　　　　گرش باخدا درتوانی فروخت

اَللّٰهُمَّ انی اعوذبك من ان اشرك بك شيئا وانا اعلم به و استغفرك ولاحول ولاقوة اِلّا باللّٰه ______
نعوذ باللّٰه من الرياء فی العمل ونعتصم به من وقوع الزلل ______ آمين يا ربّ العٰلمين ○

الحمد للّٰہ آج بتاریخ ۱۹ ذوالحجۃ الحرام ۱۳۸۹ھ یوم پنجشنبہ قبل از مغرب سورۂ کہف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فَلِلّٰهِ الحمد اوّلًا وَ اٰخرًا وظاهرًا باطنًا وصلى الله تعالٰى علٰى خير خلقه سيدنا محمد وعلٰى آله واصحابه اجمعين وعلينا مَعَهُمْ۔ يا ارحمَ الرحمين وَ يا اكرم الاكرمين ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورۂ مریم (علیہا السلام)

یہ سورت مکی ہے اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اور اس سورت کا نام سورۂ مریم ہے کیونکہ اس سورت میں حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس لیے یہ سورت انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ گئے اور شاہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو بادشاہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا رسول جو کچھ لایا ہے اس میں سے جو تمہارے پاس ہے مجھے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس سُورت کی شروع کی آیتیں پڑھیں نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی اور اَساقفہ یعنی علماء اہل کتاب اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو کتابیں تھیں وہ بھیگ گئیں۔ نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی مشکوٰۃ کے نور ہیں۔ (رواہ احمد والبیہقی وابن ابی حاتم)

نجاشی رحمۃ اللہ علیہ صدق دل سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور جب اس کا انتقال ہوگیا تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور بعض روایات میں ہے کہ عرصہ تک اس کی قبر پر نور دیکھا گیا۔

فائدہ۔ متعلقہ بہ نماز جنازہ غائبانہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے نجاشی کے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہو۔ سو یہ نجاشی کی خصوصیت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بطور معجزہ نجاشی کا جنازہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی [1] حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

ربط: گزشتہ سورت میں عجیب عجیب واقعات کا ذکر تھا اس سورت میں بھی عجیب عجیب واقعات کا ذکر ہے۔ اس سورت میں سب سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ذکر فرمایا اس کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر کیے جن سے توحید اور رسالت اور مبداء اور معاد کا اثبات مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دیکھو کہ خدا پرستوں پر دُنیا میں کیسی کیسی رحمتیں اور کیسی کیسی نعمتیں مبذول ہوئیں اور کس طرح حق تعالیٰ نے اپنے مخلص اور وفادار بندوں کی دستگیری فرمائی اور آخرت کی نعمتیں تو وہم و گمان اور تصور سے بالا اور برتر ہیں۔ دیکھو کہ خدا کے مخلص بندے کیسے ہوتے ہیں ان کے نقشِ قدم پر چلو۔

---

[1] عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفّوا خلفهٗ فکبر اربعا وهم لایظنون الا ان جنازة بین یدیه رواه ابن حبان کذا فی نصب الرّایة وفی روایة فصلینا خلفهٗ ونحن لانری الاّ ان الجنازة قدّامنا۔ کذا فی فتح الباری صفحه ۱۵۱ ج ۳

آیاتھا ۹۸ ⑲ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ﴿۴۴﴾ رُکوعاتھا ۶

سورۂ مریم مکی ہے اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ

کٓھٰیٰعٓصٓ ○ یہ مذکور ہے تیرے رب کی مہر کا اپنے بندے زکریا پر۔ جب پکارا اپنے رب کو

نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ

چھپی پکار۔ بولا اے رب میرے! بوڑھی ہوگئیں ہڈیاں اور ڈیگ نکلی سر سے

شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ

بڑھاپے کی اور تجھ سے مانگ کر اے رب! میں محروم نہیں رہا۔ اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں

مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿٥﴾

سے اپنے پیچھے اور عورت میری بانجھ ہے سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا۔

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا

جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی اور کر اس کو اے رب! من مانتا۔ اے زکریا ہم تجھ کو

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ

خوشی سنا دیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحیٰی۔ نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی!

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ

بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہوگیا

الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ

یہاں تک کہ اکڑ گیا۔ کہا یوں ہی! فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تجھ کو بنایا میں نے

مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ

پہلے سے، اور تو نہ تھا کچھ چیز۔ بولا اے رب ٹھہرا دے مجھ کو کچھ نشانی، فرمایا تیری نشانی

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ

یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین رات تک چنگا بھلا۔ پھر نکلا اپنے لوگوں پاس

الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ⑪ يٰيَحْيٰى خُذِ

حجرے سے تو اشارت سے کہا ان کو کہ یاد کرو صبح و شام۔ اے یحییٰ اٹھا لے

الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ۙ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ

کتاب زور سے، اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکپن میں۔ اور شوق دیا اپنی طرف سے اور

زَكٰوةً ۭ وَ كَانَ تَقِيًّا ⑬ۙ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭

ستھرائی، اور تھا پرہیزگار۔ اور نیکی کرتا اپنے ماں باپ سے اور نہ تھا زبردست بے حکم۔

ع ۱۵ وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮ ع

اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو جی کر۔

قصۂ اوّل۔ حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② ... الٰی ... وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮ ﴾

ربط: حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نجار (یعنی بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھاتے تھے ان کے کوئی فرزند نہ تھا اور اعزاء اور اقرباء کی طرف سے یہ کھٹکا تھا کہ میرے بعد دین حق میں تغیر و تبدل کر ڈالیں گے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوتا رہا۔ اس لیے انہوں نے پچھلی رات میں نہایت عجز و زاری کے ساتھ ایک فرزند کی دعا مانگی کہ جو میرے بعد تیرے دین کی حفاظت کر سکے اور دعا کا آغاز اپنے ضعف اور ناتوانی سے کیا۔ ﴿ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ ... الخ ﴾ (مریم: ۳) "اے میرے پروردگار! میں بوڑھا ہو گیا، ہڈیاں کمزور ہو گئیں، اور سر کے بال سپید ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ بارگاہِ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابت دُعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کے معنی معلوم ہیں۔ یہ تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی خاص رحمت و عنایت کا اپنے خاص بندے زکریا پر جس وقت کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز

کے ساتھ پکارا جو دردمندی اور نیازمندی اور اخلاص سے معمور تھی۔ اس وقت جو اللہ کی خاص رحمت اور عنایت ان پر مبذول ہوئی ان آیات میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور پست آواز سے دعا اس لیے فرمائی کہ دعا کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے ہو۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ (الاعراف:۵۵) کیونکہ خدا تعالیٰ کے ہاں جہر اور اخفاء سب برابر ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى﴾ (طٰہٰ:۷) اور شاید لوگوں سے اس دعا کا چھپانا مقصود ہو کہ لوگ یہ دُعا سن کر مجھ کو احمق نہ بتلائیں کہ بڑھاپے میں کیا ہو گیا کہ اولاد کی دعا مانگ رہے ہیں اور وہ دعا یہ کی کہ اے میرے پروردگار بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کمزور اور سست ہو گئیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے آگ کی طرح چمک اٹھا اور میری یہ حالت اگرچہ اولاد کی دعا سے مانع ہے۔ مگر اے پروردگار! آپ سے دعا مانگنے میں کبھی محروم اور بے بہرہ نہیں رہا۔ آپ کی یہ گزشتہ الطاف وعنایات باوجود ظاہری اسباب کے فقدان کے مجھے دعا پر آمادہ کرتی ہیں اور میری یہ دعا کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں جس میں یہ امکان اور احتمال ہو کہ انبیاء اور اصفیاء کی جو دعا کسی دنیاوی غرض کے لیے ہو وہ بعض مرتبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ میری یہ دعا خالص دینی غرض کے لیے ہے اور اس درخواست کی اصل وجہ یہ ہے کہ تحقیق میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں اور رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں کہ وہ دین کی حفاظت میں اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور تیری مرضی کے مطابق دین کی خدمت نہ بجا لا سکیں۔ اے پروردگار! تیرے دین کی خدمت اور حفاظت کا خیال مجھے اسی دعا پر آمادہ کر رہا ہے اور میری بیوی تو شروع جوانی ہی سے بانجھ ہے۔ اور اب تو اٹھانوے برس کی بڑھیا ہے ظاہر اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ پس اے پروردگار ایسی حالت میں تو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے بلا اسباب عادیہ کے ایک ایسا وارث یعنی ایسا بیٹا عطا کر جو علم وحکمت میں میرا بھی وارث ہو اور مرنے کے بعد میرا قائم مقام ہو اور میرے طریقۂ ہدایت وارشاد کو جاری رکھ سکے اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو یعنی خاندان یعقوب کا سچا جانشین ہو اور تیرے دین کا پاسبان اور نگہبان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار! ایسا فرزند عطا فرما جو میرے علم کا اور آباء واجداد کے علم کا وارث ہو اور اے پروردگار میرے اس فرزند کو مقبول اور پسندیدہ بنا لے۔ جس سے تو بھی راضی ہو اور مخلوق بھی اس سے راضی ہو۔ یعنی ایسا فرزند عطا فرما کہ جو علم وحکمت کے ساتھ اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ بھی موصوف ہو تا کہ وہ تیرے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہو سکے۔ اور اولادِ یعقوب کے لیے تو نے جس کرامت اور برکت کا وعدہ کیا ہے وہ اس کا وارث ہو سکے۔ اے پروردگار اہل دُنیا کی طرح مطلق فرزند کا طلبگار نہیں بلکہ ایسے وارث کا آرزومند ہوں جو تیرے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ ہو اور تیرے دین کی حفاظت کرے۔

شیعہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری ہوتی ہے مگر ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں بلکہ علم وحکمت کی وراثت مراد ہے۔

① کیونکہ اس وقت یعقوب علیہ السلام کی اولاد لاکھوں کی تعداد میں موجود تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ایک فرزند تن تنہا تمام اولاد یعقوب کے اموال واملاک کے وارث بن جائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو انتقال کیے ہوئے دو ہزار برس سے زیادہ گزر چکے تھے کیا وہ مال اب تک بجنسہٖ غیر منقسم رکھا ہوا تھا۔

② نیز مال کی وراثت کی دعا کرنا فضول ہے ہر لڑکا اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہی ہے لہٰذا ﴿يَّرِثُنِيْ﴾ کہنا بے کار اور لغو ہوا۔ معلوم ہوا کہ مال کی وراثت مراد نہیں۔

③ نیز حضرت زکریا علیہ السلام تو نجار تھے جیسا کہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ جس سے وہ محنت کر کے روزانہ اپنی قوت لا یموت حاصل کرتے تھے۔ ان کے پاس کون سا مال و دولت رکھا تھا جس کی وہ فکر میں تھے کہ میرے بعد اس دولت کا کون وارث ہوگا۔ یہ فکر تو دنیاداروں کو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد میرے مال کا کیا ہوگا۔

④ مال کے وارث ہونے کے لیے اللہ سے بیٹا مانگنا شانِ نبوت کے بالکل منافی ہے مالی وراثت کی فکر تو دنیاداروں کو ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا مال و دولت فرزند کو مل جائے۔ اور ﴿اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ﴾ کمال بیقراری و بے تابی پر دلالت کرتا ہے کہ تولدِ فرزند کے لیے اس لیے بیتاب ہیں کہ بنی اعمام ان کے مال کے وارث نہ ہو جائیں تو یہ شان تو دنیاداروں کی ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کی۔

⑤ نیز احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام جو چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ اور وقف ہوتا ہے اور اس قسم کی روایت شیعوں کی کلینی میں بھی موجود ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آیت میں میراث نبوت مراد ہے مال کی وراثت مراد نہیں جیسا کہ ﴿وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل:۱۶) میں میراث سے میراثِ نبوت مراد ہے کہ جو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف سلیمان علیہ السلام کو ملی کیونکہ اگر میراث مالی مراد ہوتی تو تمام اولاد میں سے سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت تھی۔ نیز اس خبر دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیے کہ تمام ملتوں اور شریعتوں میں یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ مال میں بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے۔ پس اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو اس خبر دینے کی ضرورت نہ تھی اس کی خبر دینا لغو ہے اور کلام الٰہی لغو سے پاک ہے۔

وراثتِ انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ کی تفصیل سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے اور لفظِ وراثت اور میراث' مالی وراثت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کتاب و سنت میں میراث علمی پر بھی اس لفظ کا اطلاق بکثرت آیا ہے۔ جیسے آیت ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ (الاعراف:۱۶۹) اور آیت ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا﴾ (فاطر:۳۲) میں وراثتِ علمی مراد ہے۔ وراثت کے اصلی معنی قائم مقام اور متسلط ہونے کے ہیں اور اس کے لیے مال لازم نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا﴾ (مریم:۴۰)... وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ (الحجر:۲۳)... خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ (الانبیاء:۸۹)﴾ اس آیت میں میراثِ مالی کا مراد لینا ناممکن اور محال ہے بلکہ تسلط اور تصرف کے معنی مراد ہیں۔

حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا﴾ (فاطر:۳۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے وارث بنایا اپنی کتاب کا ان بندوں کو جن کو ہم نے چھانٹ لیا۔ اس جگہ وراثت مالی کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ (الاعراف:۱۶۹) یہاں بھی وراثت کتاب سے علم کتاب کی وراثت مراد ہے۔ نیز اول آیت میں بعد ﴿عِبَادِنَا﴾ کے ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ... الخ﴾ وارد ہے اور دوسری آیت میں بعد کتاب کے ﴿یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی﴾ (الاعراف:۱۶۹) وارد ہوا ہے۔ سو ﴿فَمِنْهُمْ﴾ کی تفریع سے ظاہر ہے کہ عطائے کتاب کے بعد لوگ تین حال پر ہو گئے کوئی ظالم رہا اور کوئی مقتصد اور کوئی سابق بالخیر۔

سو یہ تفریع کتاب کی وراثت علمی پر ہے نہ کہ اوراق کتاب اور اس کی قیمت پر شیعوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ لفظ ''وراثت'' دراصل وراثت مال کے لیے وضع ہوا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ وراثت کا اطلاق وراثتِ علم اور وراثت منصب اور وراثت تولیت اور وراثت

خلافت بمعنی قائم مقامی وتسلط سب پر شائع اور ذائع ہے۔ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ (الاعراف: ۱۳۷) اس کتاب میں بنی اسرائیل کا قوم فرعون کا وارث ہونا یعنی ان کے ہلاک اور غرقابی کے بعد ان کا قائم مقام ہونا مراد ہے۔ مالی وراثت مراد نہیں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور علیٰ ہذا القیاس ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (الاعراف: ۱۲۸) یہاں وراثتِ ارضی سے ان کا قائم مقام بنانا مراد ہے اور ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا﴾ (مریم: ۶۳) سو اس آیت میں جنت کی وراثت سے قائم مقام ہونے کے معنی مراد نہیں بلکہ اہل ایمان کو حاوی اور مسلط کر دینے کے معنی مراد ہیں۔ اور حدیث ((العلماء ورثة الانبیاء)) شیعوں کے نزدیک بھی مسلم ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وراثت سے علم اور حکمت کی وراثت مراد ہے اور علیٰ ہذا ﴿وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ میں علم ونبوت اور کمالات نفسانی کی وراثت مراد ہے۔

وراثتِ مالی مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام کے اُنیس بیٹے تھے۔ سب کے سب باپ کے وارث ہوئے۔ سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ جو خاص ان کی وراثت کا ذکر فرمایا۔ وہ وراثت علم ونبوت ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے۔

حق تعالیٰ نے بواسطہ فرشتہ کے فرمایا اے زکریا ہم نے تمہاری دعا قبول کی ہم تجھ کو ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے کوئی ان کا ہمنام یا ہم صفت نہیں پیدا کیا۔ یعنی اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کا نہیں رکھا یا یہ معنی ہیں کہ اس سے پہلے ہم نے اس صفت اور شان کا نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ صفت عفت اور پاکدامنی اور نزاہت میں ان کا مثل نہیں بنایا یعنی ان کی طبیعت کو عورتوں کی طرف نفسانی اور طبعی میلان سے پاک کر دیا۔

زکریا علیہ السلام نے جب یہ عظیم بشارت سنی تو فرطِ مسرت سے بطور تعجب عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے کہاں سے لڑکا پیدا ہوگا۔ کیا میں جوان بنا دیا جاؤں گا یا اسی بڑھاپے کی حالت میں بچہ ہوگا۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے جب یہ عظیم بشارت ملی تو فرط مسرت سے مزید طمانینت کے لیے اور استلذاذ کے طور پر اس کے متعلق سوالات شروع کیے کہ کیسے ہوگا۔ اور کس طرح ہوگا اور میری عورت تو شروع ہی سے بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ معلوم نہیں کہ بحالت موجودہ کس طرح اولاد ہوگی۔

فرشتہ نے زکریا علیہ السلام کو جواب دیا کہ تعجب مت کرو۔ اسی طرح ہوگا اور بحالتِ موجودہ تمہارے بیٹا ہوگا۔ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تحقیق اس سے پہلے میں تجھ کو پیدا کر چکا ہوں اور تو اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھا۔ پس جو خدا عدم محض سے پیدا کرنے پر قادر ہے اسے بڑھاپے میں لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اختیار ہے کہ جس عمر میں چاہے اولاد عطا فرمادے۔ کسی خاص عمر میں اولاد کا پیدا ہونا مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے وہ تو بغیر ماں باپ کے بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ بوڑھے ماں باپ سے اولاد پیدا کرنا اسے کیا مشکل ہے۔

زکریا علیہ السلام کو جب اطمینان ہوگیا تو عرض کیا: کہ اے میرے پروردگار! اس وعدہ پر میرا دل مطمئن ہوگیا ہے۔ لیکن میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجیے جو تیری بشارت کی آمد کی علامت ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ تیرے وعدہ کے ظہور کا وقت اب قریب آ گیا ہے تاکہ تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن اور تین رات لوگوں سے بات نہ کر سکے گا۔ حالانکہ تو بھلا چنگا صحیح اور تندرست ہوگا۔ یعنی بات نہ کرسکنا کسی مرض اور عذر کی وجہ سے نہ ہوگا بلکہ وہ حمل اور ولادت کی علامت ہوگی۔ یعنی باوجودیکہ تو

نہ گونگا ہوگا اور نہ تیری زبان میں کوئی نقص اور عیب ہوگا۔ تو بلا کسی مرض اور علت کے تین رات تک ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکے گا۔ تیری زبان بالکل بند ہو جائے گی اور تو لوگوں سے اشارے سے بات کر سکے گا۔ مگر باوجود اس کے اللہ کے ذکر پر تجھے قدرت ہوگی۔ اور یہ تیری عورت کے حمل کی نشانی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ کے ذکر میں تو زکریا علیہ السلام کی زبان چلتی مگر جب لوگوں سے کچھ کہنا چاہتے تو بند ہو جاتی۔ تین دن اور تین رات برابر یہی کیفیت رہی جب لوگوں سے بات کرتے تو اشارہ سے بات کرتے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

پس جب وہ وقت آیا تو زکریا علیہ السلام مسجد کی محراب سے اپنی قوم کے سامنے برآمد ہوئے اور زبان گفتگو سے رک گئی سمجھ گئے کہ بشارت کا وقت قریب آ گیا۔ باہر لوگ منتظر تھے دیکھا کہ چہرہ متغیر ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے نبی اللہ تم کو کیا ہوا۔ تو اس وقت اپنی قوم کو آہستہ اشارہ سے بتایا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح پڑھا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ حسبِ سابق اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہو یا یہ مطلب ہے کہ اس جدید نعمت کے شکر میں مزید تسبیح وتحمید میں مشغول ہو جاؤ۔ میں بھی اللہ کی حمد وثناء میں مشغول ہوں سب کو چاہیے کہ میرے ساتھ مل کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

غرضیکہ ہم نے حسبِ وعدہ اور حسبِ بشارت زکریا علیہ السلام کو ایک فرزند عطا کیا جس کا نام یحییٰ تھا۔ اور جب یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور سنِ شعور کو پہنچے تو ہم نے ان سے کہا: اے یحییٰ! کتاب تورات کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے۔ یعنی اس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرو اور ہم نے اس کو لڑکپن ہی سے فہم ودانش اور علم اور فراستِ صادقہ اور معرفت کاملہ دی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ بچپن میں لڑکوں نے آپ کو کھیلنے کے لیے بلایا۔ تو آپ علیہ السلام نے یہ کہا کہ ہم کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "حکم" سے حلم اور وقار اور سکون کے معنی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو ہم نے بچپن ہی سے علم وحکمت عطا کیا تھا۔ تاکہ وہ احکام شریعت کو خوب سمجھ سکیں یہ ایک صفت ہوئی۔ اور دوسری صفت یحییٰ علیہ السلام کو یہ عطا ہوئی کہ ہم نے اپنے پاس سے ان کو شفقت اور نرم دلی عطا کی یعنی بڑے رقیق القلب تھے۔ لوگوں پر شفقت فرماتے اور جب نماز پڑھتے تو زار وقطار روتے اور تیسری صفت ان کو یہ عطا کی کہ ان کو پاکیزگی اور پاک دلی عطا کی۔ زکوٰۃ سے طہارت قلب مراد ہے کہ دل گناہوں کے میلان سے پاک ہو جائے اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے عمل صالح مراد ہے۔ اور چوتھی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ طبعی اور جبلی طور پر پرہیزگار تھے خوف خداوندی کبھی ان کے دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اور پانچویں صفت ان کی یہ تھی کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اللہ پاک کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی طاعت نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) اور چھٹی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ یعنی تکبر اور نافرمانی کے شائبہ سے بھی پاک تھے۔ اور ساتویں صفت جو ان کو عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ ان پر اللہ کا سلام ہے۔ اور اس کی سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا۔ اور جس دن اٹھایا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اوّل تا آخر اللہ کی حفاظت میں محفوظ و مامون رہیں گے۔ اللہ کا سلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے طرفین حیات کو محیط ہے۔ جو ان کی فضیلت کی خاص دلیل ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین سلام ذکر فرمائے۔ پہلا سلام تو سلام تربیت ہے اور دوسرا سلام، سلام عصمت ہے۔ اور تیسرا سلام، سلامِ فضل ومشاہدہ ہے۔

تتمہ: یحییٰ علیہ السلام بالاتفاق شہید ہوئے۔ یہود نے ان کو قتل کیا اور زکریا علیہ السلام کی وفات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ طبعی موت

سے مرے یا وہ بھی شہید ہوئے۔ وہب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہود نے جب یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو زکریا علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں۔ زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو بھاگے اور ایک درخت کے شگاف میں داخل ہو گئے۔ یہود نے آ کر اس درخت پر آرا چلا دیا اور درخت کے ساتھ ان کے دو ٹکڑے کر دیئے زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور اُف تک نہ کی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۵۱ ج ۲)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ﴿۱۶﴾

اور مذکور کر کتاب میں مریم کا۔ جب کنارے ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ

پھر پکڑ لیا اُن سے ورے ایک پردہ۔ پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ پھر بن آیا

لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾

اس کے آگے آدمی پورا۔ بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر تو ڈر رکھتا ہے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى

بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا۔ کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا۔ بولی کہاں

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ

سے ہوگا لڑکا، اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہ تھی۔ بولا

كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ

یونہی فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور اس کو ہم کیا چاہیں لوگوں کو نشانی، اور

رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ

مہر ہماری طرف سے۔ اور ہے یہ کام ٹھہر چکا۔ پھر پیٹ میں لیا اس کو پھر کنارے ہوئی اس کو لے کر

مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ

ایک پرے مکان میں۔ پھر لے آیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں۔ بولی

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ
کسی طرح میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی بھولی بسری۔ پھر آواز دی اس کو اس کے
تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ
نیچے سے کہ غم نہ کھا کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ۔ اور ہلا اپنی طرف سے
بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ
کھجور کی جڑ اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں۔ اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی
عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ
رکھ۔ سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے رحمٰن کا ایک
صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا
روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے۔ پھر لائی اس کو اپنے لوگوں پاس گود میں۔ بولے
يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ
اے مریم! تونے کی یہ چیز طوفان اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ
سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ
برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار۔ پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو۔ بولے ہم کیونکر بات کریں
مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ
اس شخص سے کہ ہو ہے گود میں لڑکا۔ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا۔ مجھ کو اس نے کتاب دی
وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ
اور مجھ کو نبی کیا۔ اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں۔ اور تاکید کی مجھ کو
بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّا ۢ بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ
نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں جیتا۔ اور سلوک والا اپنی ماں سے اور نہیں بنایا مجھ کو

جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ
زبردست بدبخت۔ اور سلام ہے مجھ پر، جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں، اور جس دن
اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾
کھڑا ہوں جی کر۔

قصہ دوم۔ حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ... الٰی... وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾﴾

ربط: حق تعالیٰ نے گزشتہ رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ بحالت پیری ایک پیرِ ناتواں اور ایک بانجھ اور بوڑھی بیوی سے بلاسبب ظاہری ایک مبارک فرزند یعنی یحییٰ علیہ السلام کا تولد ہوا۔ اب اس سے زیادہ عجیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا اگر عجیب ہے۔ مگر والدین سے بچہ کا پیدا ہونا عادۃً قریب الی العقل ہے اور بغیر باپ کے محض ماں سے بچہ پیدا ہونا بہت ہی عجیب و غریب ہے جو اللہ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ولادت خواہ کسی طرح ہو وہ کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضاء پر موقوف نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ قادر مطلق ہے جس طرح چاہے پیدا کرے اور کوئی مولود معبود نہیں ہوسکتا۔ حق جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید اور اصلاح کے لیے بیان فرمایا اس لیے کہ یہود تو حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کو معاذ اللہ ولد الزنا بتاتے تھے اور نصاریٰ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بتلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کی مفصل کیفیت بیان کی تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ یہ مولودِ مسعود اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت کی نشانی ہے۔ معاذ اللہ ولد الزنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مولود مسعود کو خلاف عادت محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مبارک مولود قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے معبود نہیں چنانچہ اس مولود مسعود نے پیدا ہونے کے بعد جو پہلا کلام کیا سب سے پہلے اپنی عبدیت کا اقرار کیا ﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ اور اس کے بعد اپنی صفات بیان کیں جن میں اپنی نبوت کا اور اپنی برکت کا اور اپنی عبادت کا یعنی نماز اور زکوٰۃ اور اپنی تواضع اور اطاعت کا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوپر سلامتی کا ذکر فرمایا تاکہ سننے والے سن لیں کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور جو لوگ مجھے بے باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ سب غلط ہے ولادت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ من جانب اللہ عزت اور کرامت کی دلیل ہے۔ اور پھر شیر خوارگی کی حالت میں اپنے معجزانہ کلام کو ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾ (مریم: ۳۳) پر ختم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام تہمتوں اور عیبوں سے سلامتی عطا فرمائی۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام خدا نہیں کیونکہ خدا کو کسی کی سلامتی کی ضرورت نہیں نیز خدا ولادت اور موت اور بعث سے پاک اور منزہ ہے۔ اور ان تین وقتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ یہ تین وقت انسان

پر بہت سخت اور نازک ہیں۔ ان تین وقتوں میں انسان اللہ کی سلامتی کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی! آپ ﷺ اس کتاب یعنی قرآن کے اس خاص حصہ یعنی اس سورت میں مریم علیہا السلام کا قصہ لوگوں کو پڑھ کر سنایئے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہوکر ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ غسل کے لیے گئیں سوا پنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تاکہ اس پردہ کی آڑ میں غسل کرسکیں اور کوئی اس پردہ کے اندر نہ آسکے پس جب غسل کر چکیں اور کپڑے پہن لیے تو اس وقت ہم نے اس کے پاس ایک اپنا فرشتہ یعنی جبرئیل امین علیہ السلام کو بھیجا۔ پس وہ پورا آدمی بن کر مریم علیہا السلام کے سامنے نمودار ہوا۔ یعنی حضرت جبرئیل ایک نہایت حسین وجمیل اور خوبصورت نوجوان کی صورت میں مریم علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوئے آدمی کی صورت میں اس لیے نظر آئے تاکہ مریم علیہا السلام ان کو دیکھ کر ڈرے نہیں اور ان کا کلام سنیں اگر فرشتہ کی صورت میں نظر آتے تو مریم علیہا السلام ان کو دیکھ کر ڈر جاتیں اور بے ہوش ہو جاتیں۔ اور عجب نہیں کہ اس صورت میں مریم صدیقہ علیہا السلام کی عفت اور پاک بازی کا امتحان بھی مقصود ہو غرضیکہ مریم علیہا السلام نے جب غسل خانے میں ایک اجنبی اور بیگانہ آدمی دیکھا تو گھبرا گئیں اور بولیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو مرد متقی ہے تو میں تیرے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ مریم علیہا السلام اس کو بشر سمجھ کر گھبرائیں اور خدا کا واسطہ دیا کہ سامنے سے ہٹ جائے تو اس وقت جبرئیل امین علیہ السلام نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں جس سے تم ڈر رہی ہو۔ میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ (بھیجا ہوا) فرشتہ ہوں تاکہ تجھ کو خدا کے حکم سے پاک اور پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مجھ سے ڈرنے اور پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں میں ایسا نہیں جیسا کہ تیرا گمان ہے۔

مریم علیہا السلام کو اس کی نورانی صورت سے اور القاء ربانی سے یہ یقین ہوگیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہے کہ بغیر شوہر کے کیسے بچہ ہوگا اس لیے مریم علیہا السلام نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا اور مجھ کو تو کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یعنی میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ میں کبھی بدکار۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یونہی ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا کرے گا۔ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ وہ (یعنی بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا) مجھ پر آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اپنی تخلیق وتکوین میں آلات اور مواد اور اسباب کا محتاج نہیں۔ اسے بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنادیں۔ کہ اس کے حال کو دیکھ کر لوگ ہماری قدرت کو پہچانیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی جانب سے اسی بے باپ کے بچہ کو سامانِ رحمت بنائیں جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور قیامت کے دن شفاعت سے بہرہ یاب ہو یہ فائدہ خاص مؤمنین کے لیے ہے اور ﴿ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی قدرت کی نشانی ہونا یہ سب لوگوں کے واسطے ہے اور اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا علم الٰہی میں طے شدہ امر ہے۔ حضرت مریم فرشتے کی بات سے مطمئن ہوگئیں پھر اس گفتگو کے بعد جبریل امین علیہ السلام مریم علیہا السلام کے قریب آئے اور ان کے منہ میں یا گریبان میں پھونک ماری پس اسی وقت مریم علیہا السلام حاملہ ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سات مہینے حمل رہا اور بعض کہتے ہیں کہ قرارِ حمل اور ولادت سب ایک ہی ساعت میں واقع ہوئے۔

فرشتے عورت کو چھوتے نہیں اس لیے جبریل امین علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ اسی وقت حاملہ ہوگئیں۔ قرآن کریم میں نفخ روح کا ذکر ہے۔ مگر اس کی کیفیت کا بیان نہیں۔ اس لیے بیان کیفیت سے سکوت اولیٰ ہے۔ پس جب وضع

حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے اس حمل کو لے کر کسی دور جگہ جنگل یا پہاڑ میں چلی گئیں۔ غالباً وہ جگہ بیت لحم ہے۔ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

بیت المقدس میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرح ایک اور مرد صالح مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جس کا نام یوسف نجار تھا۔ اور وہ حضرت مریم علیہا السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ بڑا عابد و زاہد تھا۔ سب سے پہلے مریم علیہا السلام کے حمل کا حال یوسف نجار کو معلوم ہوا۔ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گیا کہاں عفیفہ اور پاکدامن کو کیا ہوا۔ ایک طرف تو ان کی عفت و براءت وطہارت ونزاہت کا اور ان کی کرامتوں کا خیال آتا اور دوسری طرف آثار حمل کو دیکھتا تو متحیر ہوتا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ زبان سے چپ رہتا مگر اندر ہی اندر طرح طرح کے خیالات آتے بالآخر ایک دن حضرت مریم علیہا السلام سے تعریضاً اور کنایۃً یہ سوال کیا۔ اے مریم علیہا السلام تیرے بارہ میں میرے دل میں خیال پیدا ہوا ہے میں نے اس کو بہت چھپانا چاہا مگر وہ مجھ پر غالب آیا میں اس کو تجھ پر ظاہر کر کے اپنے دل کو شفا دینا چاہتا ہوں۔ مریم علیہا السلام نے کہا' کہ وہ کیا خیال ہے:

قال هل يكون قط شجر من غير حب وهل يكون زرع من غير بذرٍ وهل يكون ولد من غير أب.

"یوسف نجار نے کہا: اے مریم علیہا السلام! کیا کوئی درخت بغیر گٹھلی کے اور کوئی کھیتی بغیر دانہ کے ہوسکتی ہے اور کیا کوئی فرزند بغیر باپ کے ہوسکتا ہے۔"

مریم علیہا السلام اس تعریض اور کنایہ کو سمجھ گئیں اور کہا کہ ہاں کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ خدا نے جب پہلی کھیتی کو پیدا کیا تو بیج کے بغیر پیدا کیا۔ اور پہلے درخت کو اپنی قدرت سے بغیر پانی کے پیدا کیا۔ اس نے اپنی قدرت سے پانی کو درخت کی زندگی کا ذریعہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پیدا کیا اور پھر ایک کو دوسرے کا سبب بنایا کیا تیرا یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ بغیر پانی کی مدد کے درخت اُگانے پر قادر نہیں۔

یوسف نجار نے کہا میرا ہرگز یہ اعتقاد نہیں۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ "ہوجا" سو وہ ہوجاتا ہے۔

مریم علیہا السلام نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ تخم اور دانہ کا اور کھیتی کا اور پانی کا اور بارش کا اور درخت کا ایک ہی خالق ہے اور وہ درخت اگانے میں کسی پانی اور دانہ کا محتاج نہیں۔ یوسف نجار نے کہا کیوں نہیں بیشک وہ قادرِ مطلق ہے۔

پھر مریم علیہا السلام نے کہا کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اور اس کی عورت کو بغیر مرد کے اور بغیر حمل کے پیدا کیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے یہ جوابات سن کر یوسف نجار کا دل مطمئن ہوگیا اور اس کے دل سے تمام شبہات دور ہوگئے۔ اور سمجھ گیا کہ یہ کوئی امر غیبی ہے جو تہمت اور بدگمانی سے پاک ہے۔ بلکہ کرامت خداوندی ہے جس سے مریم علیہا السلام کو عزت دینی مقصود ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی صفحہ ۵۴۶ ج ۵ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۶ ج ۳ و تفسیر درمنثور از سورۂ آل عمران صفحہ ۲۴ ج ۱۲ و روح المعانی ص ۷۴ ج ۱۶)

پھر جب ولادت کا وقت قریب آیا تو دردِ زہ نے ان کو مضطر اور مجبور کیا کہ وہ کھجور کے تنے سے آکر سہارا لیں یہ درخت جنگل میں تھا اور بالکل خشک ہوگیا تھا۔ جب دردِ زہ شروع ہوا تو مریم علیہا السلام چار و ناچار ایک درخت خرما کے تنے سے سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔

پریشانی کا عجیب عالم تھا ایک طرف تو بے سروسامانی اور دوسری طرف رسوائی اور بدنامی کا خیال اس لیے بولیں کہ کاش میں اس حالت سے پہلے ہی مرجاتی اور بھولی بھلائی ہوجاتی کہ کوئی میرا نام ونشان تک نہ جانتا فضیحت اور رسوائی کے خوف سے مریم علیہا السلام نے موت کی تمنا کی۔ شرم اور عار کے خیال نے فرشتوں کی بشارت کو فراموش کردیا۔ پس اس وقت فرشتے نے مریم علیہا السلام کو نیچے کی جانب سے آواز دی کہ تو غم نہ کر اور موت کی تمنا نہ کر تیرے پروردگار نے غیب سے یکا یک تیرے نیچے ایک نہر جاری کردی ہے اور تیرے کھانے پینے کا سامان کردیا ہے۔ پینے کے لیے نہر جاری کردی اور کھانے کے لیے خشک درخت کو میوہ دار کردیا۔ پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام بشارت کے لیے آئے تو مریم علیہا السلام کے سامنے آئے اس وقت تسلی کے لیے آئے تو سامنے نہیں آئے بلکہ وادی کے نیچے سے آواز دی مریم علیہا السلام اس وقت ایک ٹیلہ پر تھیں۔ اور نیچے جبریل علیہ السلام تھے وہاں ایک خشک نہر بھی تھی اللہ نے اپنی قدرت سے اس میں پانی جاری کردیا اور سوکھے درخت کو ہرا اور سرسبز کردیا اسی دم اس پر پھل آگئے اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ اے مریم علیہا السلام اس کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گا۔ زچہ کے لیے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے۔

اطباء نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے ایام نفاس میں رُطَب تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں الغرض جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی تسلی اور تسکین کے بعد یہ کہا۔ پس اے مریم علیہا السلام! تو اس پھل کو کھا اور اس پانی کو پی اور اس فرزند دلبند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر جو خدا بلا اسباب ظاہری خشک زمین سے پانی اور خشک درخت سے میوہ پیدا کرسکتا ہے وہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ حق تعالیٰ کی ان کرامتوں اور عنایتوں پر نظر کرو اور پریشانی اور غم دل سے نکال دو یکایک پانی کا جاری ہونا یہ تو پینے کا سامان ہوا اور خشک درخت سے یکدم تازہ کھجوروں کا گرنا یہ کھانے کا سامان ہوا۔ یہ تو لذت جسمانی ہوئی اور چونکہ پانی اور پھل کا ظہور بطور خرقِ عادت ہوا اس لیے یہ کرامت لذتِ روحانی کا سبب بنی۔

پس اے مریم علیہا السلام! یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی سے تو ڈر رہی ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر تو اس کے بعد کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا تو تم زبان سے کچھ نہ بولنا بلکہ اشارہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے واسطے ایسے روزہ کی نذر کی ہے۔ جس میں کلام کی ممانعت ہے۔ سو اس وجہ سے میں آج کسی آدمی سے زبان سے بات نہیں کروں گی۔

بنی اسرائیل میں روزہ کی حالت میں بولنا منع تھا ان لوگوں کا روزہ یہ تھا کہ کھانا اور پینا اور بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے ﴿فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہنا بلکہ لوگوں کو اشارہ سے یہ بات سمجھا دینا... الخ

قول کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی اشارہ سے۔ غرضیکہ فرشتہ کے اس کلام سے حضرت مریم علیہا السلام کو تسلی ہوگئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر جب مریم علیہا السلام کو ان بشارتوں اور کرامتوں سے سکون اور اطمینان ہوگیا تو مریم علیہا السلام اس بچہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بیت اللحم سے چلیں اور اپنی قوم کے پاس اس کو لے کر آئیں تو قوم پر یہ بات بہت گراں گزری کہ جب مریم علیہا السلام کی کہیں شادی نہیں ہوئی تو یہ بچہ کہاں سے لائی سو کہنے لگے کہ اے مریم یہ تو تو ایک عجیب اور انوکھی چیز لے کر آئی ہے۔ تیرے گھر والوں میں کبھی ایسا امر ہوا ہی نہ تھا۔ اس طرح بچہ کو برملا گود میں لے کر آنا بہت ہی شرم کا مقام ہے یہ تو کھلی بے باکی اور بے حیائی ہے۔ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ کوئی بُرا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی یہ اثر تجھ میں کہاں سے آیا۔ سچ بتا کہ کس کا ہے۔ مریم علیہا السلام کے باپ کا نام عمران تھا جو مسجد اقصیٰ کے امام تھے اور بڑے عابد وزاہد تھے اور ان کی ماں کا نام حنہ بنتِ فاقوذا تھا جن کا قصہ قرآن میں مذکور ہے۔ پس جب تیرے ماں باپ بھائی

بدکار نہ تھے تو تونے یہ نالائق حرکت کیسے کی۔ حدیث میں ہے کہ مریم علیہا السلام کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ جن کا زہد اور عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل تھا۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کا زہد اور عبادت بھی اپنے بھائی ہارون جیسا تھا اس بناء پر ان کو اختِ ہارون کہا گیا۔ اور ہارون نام حضرت ہارون پیغمبر علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام پیغمبروں اور صالحین کے نام پر رکھتے تھے جیسا کہ مسلمانوں میں ہزاروں آدمیوں کا نام محمد اور احمد رکھا گیا ہے اور اگر بالفرض ہارون سے مراد برادرِ موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں تو بھی محاورۂ عرب کے مطابق مریم علیہا السلام کو اختِ ہارون کہنا درست ہے کیونکہ مریم علیہا السلام حضرت ہارون کی نسل سے تھیں جیسے تمیمی کو یا اخا تمیم اور ہمدانی کو یا اخاہمدان کہتے ہیں اور قرآن کریم میں ہے ﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ﴾ اس طرح مریم علیہا السلام کو ﴿ يَاُخْتَ هٰرُوْنَ ﴾ کہنا صحیح ہے۔

پس مریم علیہا السلام اپنی قوم کی طعن و تشنیع کی یہ باتیں سن کر حسبِ ہدایتِ خداوندی خاموش ہو گئیں اور کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ کہنا ہو وہ اس سے کہو یہ بچہ تمہیں جواب دے گا وہ لوگ برہم ہو کر بولے کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں بچہ ہی ہے۔ جب حضرت مریم علیہا السلام نے بچہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم اس بچہ سے پوچھ لو تو اور غضبناک ہوئے کہ بجائے شرم کے ہم سے تمسخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شیر خوار بچہ سے پوچھ لو اور کہا ❶ جاتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی جھپٹے ہوئے آئے اور بچہ سے کہا کہ اگر تو من جانب اللہ مامور ہے تو اپنی حجت اور حقیقت بیان کر۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بول اٹھے اور کہا کہ میں بلاشبہ اللہ کا بندہ ہوں خدا اور خدا کا بیٹا نہیں۔ الغرض جب حضرت مریم علیہا السلام بچہ کو لے کر اپنی قوم میں آئیں تو بنی اسرائیل جمع ہو گئے اور حضرت مریم علیہا السلام پر طعن و تشنیع شروع کی اس وقت ❷ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پی رہے تھے اسی وقت دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں پہلو پر تکیہ لگا کر انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کیا اور جواب دینا شروع کیا اور کہا کہ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۲ ج ۱۱)

اور اپنی ذات کے لیے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہو گیا۔

پہلی صفت... عبدیت:

﴿ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾

یعنی میں اللہ کا خاص بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں معاذ اللہ ولد الزنا نہیں اور نہ معاذ اللہ میں عین خدا ہوں اور نہ خدا مجھ میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ خالقِ معبود کا ایک جسم نومولود کے ساتھ متحد ہونا بداہۃً محال ہے اس لیے کہ معبود قدیم ہے اور جسم نومولود حادث ہے۔ جو ابھی عدم سے وجود میں آیا ہے اور ظاہر ہے کہ قدیم نہ حادث کے ساتھ متحد ہو سکتا ہے اور نہ اس کا عین ہو سکتا ہے اور نہ اس میں حلول کر سکتا ہے۔

---

❶ قیل کان المستنطق لعیسٰی زکریا علیہ السلام۔ (کذا فی البحر المحیط ص ۱۸۷ ج ۶)

وقال الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ وقیل ان زکریا علیہ السلام اتاھا عند مناظرۃ الیھود ایاھا فقال لعیسٰی علیہ السلام انطق بحجتك ان کنت امرت بھا فقال عیسٰی علیہ السلام عند ذٰلك اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ۔ (تفسیر کبیر ص ۷۸۹ ج ۵)

❷ فقیل کان عیسٰی علیہ السلام یرضع فلما سمع کلامھم ترك الرضاعۃ واقبل علیھم بوجھہ واتکأ علی یسارہ واشار الیھم بسبابتہ الیمنی وقال اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۲ ج ۱۱)

① کیونکہ محل، حال کو محیط ہوتا ہے اور اپنے اندر اس کو سمو لیتا ہے۔

② نیز محل اور ظرف۔ حال اور مظروف سے مقدار میں زیادہ ہوتا ہے۔

③ نیز حال، محل کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک جسم حادث اور متغیر، قدیم اور واجب الوجود کا محل اور ظرف بن سکے اور اس کو اپنے احاطہ میں لے سکے یا اس کا جز بن سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود اگر چہ اس کلام سے ماں سے تہمت دور کرنا تھا مگر عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے تہمت کو دُور کیا کہ کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا یا اس کے لیے اولاد تجویز کرنا یہ خدا تعالیٰ پر اتہام ہے۔ اور وہ اس تہمت سے پاک ہے اسی طرح میری ماں کا حال ہے لوگ اس پر زنا کی تہمت لگا رہے ہیں مگر وہ اس سے بالکل پاک ہے ایسا مبارک اور صاحب کمال بچہ کہیں زنا سے پیدا ہو سکتا ہے اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں اس لیے کہ مولود معبود نہیں ہو سکتا لامحالہ عبد ہی ہوگا۔ اور اگر بقول نصاریٰ بطور فرض محال اس بات کو مان لیا جائے کہ ذاتِ خداوندی کے ناسوت کا عیسیٰ علیہ السلام میں حلول جائز اور ممکن ہے تو پھر کلمۃ اللہ کا حلول اور دخول زید اور ذات عمر میں بھی جائز ہونا چاہیے۔ سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قدیم اور ازلی نہ تھے۔ بلکہ حادث تھے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ پس اگر ایک جسم حادث اور طفل مولود میں خداوند معبود کا حلول اور دخول ممکن ہے تو پھر جسم فرعون اور جسم نمرود میں اور جسم گوسالہ میں معبود کا حلول کیوں محال ہے۔

اور دوسری صفت:

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے۔ یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب (انجیل) عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت کے منافی ہے۔

اور تیسری صفت:

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا۔ اور مجھ کو انجیل عطا کرے گا۔ اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے۔ ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔ اس لیے اس آنے والے واقعہ کو بصیغۂ ماضی تعبیر کیا اور بعض کا قول یہ ہے کہ اسی وقت اللہ نے ان کو کتاب دے دی اور نبی کر دیا۔ مگر یہ قول غایت درجہ بعید ہے۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں یہ حکم کر چکا ہے کہ آئندہ چل کر مجھ کو نبوت ملے گی اور مجھ پر انجیل نازل ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی تھا۔ حالانکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے۔

اور چوتھی صفت:

یہ ہے ﴿ وَ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ﴾ (مریم:۳۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے جس جگہ بھی ہوں جہاں بھی رہوں اور جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

اور پانچویں صفت:

یہ ہے ﴿ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴾ (مریم:۳۱) اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دُنیا

میں زندہ رہوں۔ اس لیے کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بندہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں رہتا البتہ قیامت کے قریب جب آسمان سے دوبارہ نازل ہوں گے تو پھر حسب دستور احکام شرعیہ کے مکلّف ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جو اس کے حکم کے مطابق اس کے مقررہ وقت پر ادا کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

اور چھٹی صفت:

یہ ہے ﴿وَ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ﴾

اللہ تعالیٰ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہے مجھ پر اس کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ بالفرض اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی باپ ہوتے تو خدمت اور احسان میں والدہ کی تخصیص نہ ہوتی بلکہ باپ کا بھی ذکر ہوتا جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ﴿وَ بَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ﴾ یعنی یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

اور ساتویں صفت:

یہ ہے ﴿وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا﴾

اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں بلکہ متواضع اور نیک بخت بنایا۔ اس لیے کہ معصیت شقاوت کا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بدبخت ہے اور متواضع اور نیک بخت ہونا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے تھے۔

اور آٹھویں صفت:

یہ ہے ﴿وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾

سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔

حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا مَسِّ شیطان سے محفوظ رہا اور مرنے کے بعد سوال قبر وغیرہ سے محفوظ رہا اور قیامت کے دن قیامت کی ہول اور دہشت سے محفوظ رہوں گا۔ مجھے کہیں خوف و غم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں یہ خارق عادت کلام کیا اور اپنی خداداد خصال کمال کو نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کیا۔

جب لوگوں نے ان کا یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس خارق عادت کلام کو سن کر لوگوں کو ان کی ماں کی براءت اور نزاہت معلوم ہو گئی اور اسی وجہ سے لوگوں نے مریم علیہا السلام پر زنا کی سزا قائم نہ کی اور مطمئن ہو گئے کہ یہ لڑکا معاذ اللہ ولد الزنا نہیں بلکہ قدرت خداوندی کی

ایک نشانی ہے۔ اور خوب سمجھ گئے کہ یہ بچہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ اوّل تو ایک نومولود بچہ کا خارقِ عادت طریقہ پر اس طرح گفتگو کرنا اور نہایت فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ایسا مؤثر کلام کرنا جس سے دشمن حیران اور سربگریباں رہ جائیں۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نومولود نہایت مبارک اور مسعود ہے اور یہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک اور منزہ ہے پھر یہ کہ جو مولود ایسی پاکیزہ خصال اور ایسی صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو وہ کیسے ولد الزنا ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ خود ان کے اقرار ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ (مریم:۲۸) سے کہ فرع کو اصل کے مطابق دیکھنا چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ آخری کلام تھا یہ خارقِ عادت کلام سن کر لوگوں نے ان کی والدہ کی براءت معلوم کر لی اور خاموش ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ کلام کر کے شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہو گئے پھر انہوں نے کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ اس مدت کو پہنچے جس میں بچے عادتاً باتیں کیا کرتے ہیں اس کلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بولنا کہیں ثابت نہیں ورنہ ضرور نقل ہوتا غرضیکہ عیسیٰ علیہ السلام اس کلام کے بعد شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہو گئے اور جب تک بولنے کی عمر تک نہ پہنچے اس وقت تک نہ بولے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی * صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱)

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا! سچی بات، جس میں جھگڑتے ہیں۔ اللہ

كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا

ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ پاک ذات ہے۔ جب ٹھہراتا ہے کچھ کام یہی

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا

کہتا ہے اس کو کہ ہو، وہ ہوتا ہے۔ اور کہا بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا، سو اسی کی بندگی کرو۔ یہ ہے

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ

راہ سیدھی۔ پھر کئی راہ ہو گئے فرقے ان میں سے۔ سو خرابی ہے

---

* قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ قد روی فی قصص هذه الآية عن ابن زيد وغيره انه لما سمعوا كلام عيسٰى اذعنوا وقالوا ان هٰذا لامر عظيم وروى ان عيسٰى علیہ السلام انما تكلم فى طفوليته بهٰذه الآية ثم عادَ الى حالة الاطفال حتى مشى على عادة البشر الى ان بلغ مبلغ الصبيان فكان نطقه اظهار براءة امه لا انه كان ممن يعقل فى تلك الحالة وهو كما ينطق الله تعالى الجوارح يوم القيامة ولم ينقل انه دام نطقه ولا انه كان يصلى وهو ابن يوم او شهر ولو كان يدوم نطقه وتسبيحه ووعظه وصلاته فى صغره من وقت الولاد لكان مثله مما لا ينكتم۔ (صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱)

وقال السيوطى رحمہ اللہ تعالیٰ. ثم امسك عيسٰى عن الكلام حتى بلغ مبلغ الناس. (تفسیر درمنثور ص ۲۶۶ ج ۴)

واخرج ابن ابى شيبة وابن ابى حاتم وابن عساكر من طريق مجاهد عن ابن عباس رضى الله عنهما قال تكلم عيسٰى علیہ السلام بعد الآيات التى تكلم بها حتى بلغ مبلغ الصبيان۔ (تفسیر درمنثور ص ۲۷۱ ج ۴)

لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡہَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۳۷﴾ اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَ اَبۡصِرۡ ۙ

منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا۔ کیا سنتے دیکھتے ہوں گے؟

یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۸﴾ وَ اَنۡذِرۡہُمۡ

جس دن آویں گے ہمارے پاس، پر بے انصاف آج کے دن صریح بھٹکتے ہیں۔ اور ڈر سنادے ان کو اس

یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ وَّ ہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۹﴾

پچھتاوے کے دن کا، جب فیصل ہوچکے گا کام، اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے۔

ع ۲۵ ۲ ۵ اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَ مَنۡ عَلَیۡہَا وَ اِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع

ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر، اور ہماری طرف پھر آویں گے۔

قول مبرم وفیصلۂ محکم دربارۂ حقیقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ذٰلِکَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ ... الی ... وَ اِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾﴾

یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ تفصیل سے بیان فرمایا تا کہ اصل حقیقت واضح اور منکشف ہو جائے۔ اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود اور نصاریٰ کے اختلاف کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: یہ ہیں عیسیٰ پسر مریم علیہما السلام جو فقط عورت سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں یہ فقط مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں ان کا کوئی باپ نہیں ان کی صحیح شان اور صفت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام وہ نہیں جن کو عیسائی خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نہ وہ ولد الزنا ہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں۔ میں بالکل سچی بات [1] بتلا رہا ہوں جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا اور جھوٹا اور جادوگر کہتے ہیں اور نصاریٰ میں کوئی ان کو اللہ اور کوئی ان کو ابن اللہ کہتا ہے۔ مگر وہ حقیقت میں اللہ کا بندہ ہے اور اس کا نبی ہے اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے۔ سچی اور حق بات یہ ہے جو بتلا دی گئی۔ اور اس کے سوا سب جھوٹ ہے۔ گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ثابت کیا اب آگے کی آیت میں نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کا ردّ فرماتے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی فرزند

---

[1] قول الحق کے بارے میں دو قراءتیں ہیں عاصم اور ابن عامر رحمہما اللہ کی قراءت میں قول الحق بفتح لام منصوب آیا ہے۔ ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ قراءت نصب کے بنا پر کرتا ہے۔ کما قال الزجاج هو مصدر (ای مفعول مطلق) ای قول قول الحق لان ما قبله یدل علیه وقیل مدح وقیل اغراء۔ اور باقی قراء نے قول الحق کو بضم لام مرفوع پڑھا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے هذا الکلام قول الحق اس قراءت پر ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ کلام حق ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۵ ج ۱۱)

بنائے اللہ اس سے پاک ہے اس لیے کہ یہ اس کے لیے نقص اور عیب ہے خدا تعالیٰ سب حاجتوں اور خواہشوں سے پاک ہے اور بیٹا باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اور خدا بے مثل اور بے چون وچگون ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ کام ہو جاتا ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو بیٹے اور بیٹی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اس کو بغیر باپ کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ اور منجملہ ۞ ان باتوں کے جو عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں لوگوں سے کہیں ایک بات یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دی کہ تحقیق اللہ میرا پروردگار ہے اور تم سب کا پروردگار ہے پس تم سب اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے جو اس راہ پر چلے گا وہ ہدایت پائے گا۔ پس اس حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح حال ظاہر ہو چکا ہے جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اس لیے کہ شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خارق عادت کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے۔ معاذ اللہ! خدا یا خدا کا بیٹا نہ تھے خدا کا مولود اور شیر خوار ہونا عقلاً محال اور ناممکن ہے اور معاذ اللہ نہ وہ ولد الزنا تھے اور ان کی والدہ ماجدہ تہمت سے بالکل پاک اور بری تھیں مگر باوجود اس کے یہود تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کاذب اور ساحر اور ولد الزنا تھا اور گہوارہ میں جو کلام کیا وہ سب جادو کا اثر تھا۔ اور دعویٰ نبوت کے بعد جس قدر معجزات دکھلائے وہ سب جادو تھے۔ اور نصاریٰ ۞ میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کے فرزند تھے اور بعض نصاریٰ اہل اسلام کی طرح ان کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں اور زیادہ تر نصاریٰ میں تین فرقے ہیں نسطوریہ اور یعقوبیہ اور ملکانیہ۔

فرقۂ نسطوریہ تو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو خدا کا بیٹا بتاتا ہے کہ آسمان سے آیا تھا باپ نے اس کو پھر آسمان پر بلا لیا اور اوپر اٹھا لیا۔ اور فرقۂ یعقوبیہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بعینہ اللہ تعالیٰ تھا بعینہ خدا آسمان سے اترا اور پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ اور فرقۂ ملکانیہ یہ کہتا ہے کہ مسیح بن مریم علیہما السلام تین خداؤں میں سے ایک خدا تھا اور نصاریٰ میں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول برحق تھے۔ اور صحیح نصرانی اور عیسائی یہی فرقہ ہے۔ اور یہی قول حق ہے جس کی قرآن اور حدیث نے مسلمانوں کو ہدایت کی اور یہی تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور نصاریٰ کا یہ فرقہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول برحق مانتا تھا۔ نصاریٰ کے تمام فرقوں میں یہی فرقہ حق پر تھا جو توحید کا قائل تھا اور تثلیث کا منکر تھا۔

پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کافروں پر جو اللہ پر افتراء کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں، سو ایسے کافروں کے لیے شدید عذاب ہے۔ بڑے دن کی حاضری کے وقت یعنی قیامت کے دن اور یہ کافر جو آج دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے۔ جس دن ہمارے پاس آئیں گے اس دن آنکھیں بھی کھل جائیں گی اور کان بھی خوب کھل جائیں گے۔ لیکن یہ ظالم لوگ آج تو کھلی گمراہی میں ہیں یعنی یہ کافر آج

۞ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ﴾ کا عطف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گزشتہ قول ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ پر ہے اور یہ کلام یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ﴾ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ اور تکملہ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا تعلق ﴿وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ ۘ﴾ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مریم علیہا السلام کا حال سنا دیجیے اور یہ بتلا دیجیے کہ میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی رب ہے۔ اسی کی بندگی کرو۔ (روح المعانی ص ۸۴ ج ۱۶)

۞ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۲۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۸۵ ج ۱۶ دیکھیں۔

تو دنیا میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں۔ نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ حق کو دیکھتے ہیں مگر جب قیامت کے دن ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور اے نبی آپ ﷺ ان کو حسرت کے دن سے ڈرایئے یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے جس روز نیک و بد سب ہی پچھتائیں گے اور حسرت میں مبتلا ہوں گے برے آدمی تو اپنی برائیوں پر حسرت کریں گے کہ ہم نے یہ برے کام کیوں کیے اور نیک لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرایئے جب کہ موت کو سب کے سامنے ذبح کر کے اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے لیے خلود اور دوام کا اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ موت کو چت کبرے مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان میں سب کے سامنے ذبح کیا جائے گا۔ اور لوگ دیکھتے ہوں گے۔ اور فریقین یعنی اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کو خلود اور دوام کا حکم سنا دیا جائے گا۔ تاکہ اہلِ جنت کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں خلود اور دوام ہے اور کفار کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں خلود اور دوام ہے موت اور فنا نہیں۔ رواہ البخاری و مسلم وغیرہما۔ سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب موت کے مینڈھے کو پل صراط پر کھڑا کر کے اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کو آواز دی جائے گی تو اہل جنت تو ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھیں گے ان کو ڈر ہو گا کہ کہیں جنت سے نکلنے کا حکم تو نہیں ہو گا۔ اور اہل دوزخ خوش ہو کر دیکھیں گے کہ شاید ہم کو اس جگہ سے خروج اور رہائی کا حکم ہو جائے تو پھر سب کے سامنے موت ذبح کی جائے گی اور یہ اعلان کر دیا جائے گا۔ کلاھما خلود فیما تجدون لاموت فیه ابدًا۔ ہر ایک اپنے ٹھکانہ میں ہمیشہ رہے گا کسی پر کبھی بھی موت نہ آئے گی۔ (فتح الباری صفحہ ٣٦٢ ج ١١)

اور وہ لوگ آج دُنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ لوگ یوم آخرت اور یوم حسرت پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن جب وہ دن سامنے آئے گا تو سوائے حسرت کے کچھ نظر نہ آئے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جب تک حشر کا دن ہے۔ مسلمان دوزخ سے نکل نکل کر بہشت میں جاویں گے۔ تب تک کافر بھی توقع میں ہوں گے۔ پھر موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت اور دوزخ کے بیچ سب کو دکھا کر ذبح کریں گے اور پکاریں گے کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہ پڑے ہمیشہ کو وہ دن ہے کہ کافر نا اُمید ہوں گے۔ (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اب تک کافروں کو بھی اُمید تھی کہ شاید گنہگار مسلمانوں کی طرح ہم بھی کسی وقت دوزخ سے نکل جائیں لیکن جب موت کو لا کر سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت کافر بالکل نا اُمید ہو جائیں گے اور حسرت سے ہاتھ ملیں گے لیکن اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ وقت گزر چکا۔ جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ﴾ سے وہ وقت مراد ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر سب کے سامنے اس کو ذبح کیا جائے گا۔ صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت ایک کبود (چت کبرے) مینڈھے کی صورت میں لائی جائے گی۔ پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان اس کو کھڑا کیا جائے گا۔ پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا اے اہلِ جنت! اس کی یہ آواز سن کر جنتی اپنی گردن اور اپنا سر اُوپر اٹھا کر دیکھیں گے وہ کہے گا کہ تم اس کو پہچانتے ہو جنتی جواب دیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے۔ یعنی خوب پہچان لیں گے کہ یہ موت ہے۔ پھر منادی ندا کرے گا کہ اے اہلِ نار! یہ آواز سن کر دوزخی اپنی گردن اٹھا کر دیکھیں گے۔ وہ منادی کہے گا کہ تم اس کو

پہچانتے ہو وہ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے پھر اس مینڈھے کو جنت اور دوزخ کے درمیان سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا پھر منادی ندا کرے گا۔ کہ اے اہلِ جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ رہو کبھی تم کو موت نہیں اور اے دوزخیو! ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو کبھی تم کو موت نہیں پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

﴿وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (مریم:۳۹)

پھر آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے دُنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور یہی مضمون صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے اس وقت جنتیوں کو خوشی پر خوشی ہوگی اور دوزخیوں کو غم پر غم ہوگا۔

ترمذی کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اگر کوئی خوشی سے مرتا تو جنتی مر جاتے اور اگر کوئی غم سے مرتا تو دوزخی مر جاتے (مگر موت کے ذبح ہو جانے کے بعد تو کسی کو موت نہیں) اسی لیے ایک روایت میں ہے کہ موت کے ذبح ہو جانے کے بعد دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر یہ کہے گا:

يا اهل الجنّة هو الخلود ابد الأبدين و يا اهل النّار هو الخلود ابدا الأبدين. (تفسیر ابن کثیر ص۱۲۲ ج۳)

"اے اہلِ جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خلود اور دوام ہے اور اے اہلِ دوزخ! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہے۔"

اے اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔ اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

غرضیکہ موت کے ذبح سے اہلِ جنت اور اہل نار کو یہ اطلاع دینی مقصود ہوگی کہ اب ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ اس ندا کو سن کر اہلِ جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر کوئی خوشی سے مر جاتا تو وہ مر جاتے اور اہل دوزخ غم اور حسرت سے ایسی چیخ ماریں گے کہ اگر کوئی چیخ سے مر جاتا تو مر جاتے۔

اس لیے تمام اہل سنت والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی بھی جہنم سے نہیں نکلیں گے۔ جیسا کہ اسی مسئلہ کی تفصیل پارۂ ہشتم میں ﴿اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ (الانعام:۱۲۹) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

نیز سورۂ ہود میں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ﴾ (ھود:۱۰۷) کی تفسیر میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ان احادیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:

((وَ قد ذكرنا ذٰلك فى كتاب التذكرة وبينا ان الكفار مخلدون بهٰذه الاحاديث والأيات ردا على من قال ان صفة الغضب تنقطع وان ابليس ومن تبعه من الكفرة كفر عون وهامان و قارون و اشباههم يدخلون الجنة)). (تفسیر قرطبی ص۱۰۹ ج۱۱)

"ہم نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کی احادیث کو اپنی کتاب ''التذکرۃ بامور الآخرۃ'' میں ذکر کر دیا ہے۔ اور آیات اور احادیث سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان آیات اور احادیث کو ہم نے ان لوگوں کے ردّ کے لیے ذکر کیا ہے جن کا یہ گمان ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت غضب منقطع اور ختم ہو جائے گی اور ابلیس اور اس کی پیروی کرنے

والے کافر جیسے فرعون اور ہامان اور قارون ان جیسے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔“

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری شریف صفحہ ۳۶۳ ج ۱۱ میں لکھتے ہیں:

قال القرطبی وَ فی ھذہ الاحادیث التصریح بان خلود اھل النّار فیھا لاالی غایۃ امدو اقامتھم فیھا علی الدوام بلا موت ولاحیاۃ نافعۃ وَلا رَاحۃ کما قال اللہ تعالیٰ: لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا وقال اللہ تعالیٰ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا فِیْهَا فمن زعم انھم یخرجون منھا وانھا تبقی خالیۃ اوانھا تفنی وتزول فھو خارج عن مقتضی ماجاء بہ الرسول واجمع علیہ اھل السُّنّۃ. (فتح الباری باب صفۃ الجنۃ والنار من کتاب الرقاق)

”امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں (یعنی ذبحِ موت کی احادیث میں) اس کی تصریح ہے کہ دوزخیوں کے عذاب کی کوئی حد اور انتہا نہیں کافر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ بغیر موت کے اور بغیر نافع زندگی کے اور بغیر راحت وآرام کے جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی کہ کافروں پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور نہ وہ کبھی جہنم سے نکلیں گے۔ اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ دوزخی کچھ روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور دوزخ خالی رہ جائے گی۔ یا یہ گمان کیا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی تو ایسا گمان کرنے والا شخص اس شریعت کے دائرہ سے خارج ہے کہ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے نیز یہ شخص اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ سے باہر ہے۔“

خلاصۂ کلام یہ کہ جس دن موت ذبح کی جائے گی وہ دن کافروں کے حق میں انتہائی حسرت کا ہوگا اور مزید برآں حسرت کا ایک سبب یہ ہوگا کہ قیام کے دن ہر نفس کو ایک گھر جنت کا اور ایک گھر جہنم کا دکھایا جائے گا اور پھر یہ کہا جائے گا کہ اے کافرو! اگر تم نیک عمل کرتے تو جنت کے اس گھر میں جاتے اور اے مسلمانو! اگر تم کفر کرتے تو دوزخ کے اس گھر میں جاتے۔ اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے تم کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق دی۔ یہ سن کر کافروں پر حسرت اور غم چھا جائے گا۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ اب کافروں کی اس حسرت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تحقیق ہم ہی وارث ہوں گے اس زمین کے اور جو اس پر آباد ہے یعنی زمین کے جملہ ساکنین پر آخر ایک دن موت آنی ہے سب مر جائیں گے۔ کسی کا ملک اور کسی کی ملک باقی نہ رہے گی۔ اور صرف ہم اکیلے باقی رہ جائیں گے اور ہم ہی ان کے مال ومتاع کے وارث ہوں گے اور وہ آخرت میں ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ پھر ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دیں گے۔

لطائف ومعارف

① تمام اہلِ اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے اور یہود یہ کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد اور عورت سے پیدا ہوئے تھے مگر ان کا تولد ناجائز تھا اور یہود ان کو معاذ اللہ ولد الزنا اور ولد الحرام بتاتے ہیں۔ اور ملحد اور زندیق اور مرزائی اور قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کا یوسف نجار سے نکاح تو ہو گیا تھا

مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد متصور ہوگی۔ مگر خلاف رسم ہونے کی وجہ سے یہ بات معیوب اور موجب خجالت وندامت سمجھی جاتی تھی۔

حضرت مریم علیہا السلام پر یہودیوں کا اتہام اسی وجہ سے تھا۔ ورنہ یوسف نجار شرعاً مریم علیہا السلام کے شوہر تھے غرضیکہ ملاحدہ اور زنادقہ کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے اور بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اناجیل مروجہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ یوسف نجار کا تعلق زوجیت کا تھا اور اسی تعلق سے اور بھی ان سے اولاد ہوئی۔ اور یوسف نجار مریم علیہا السلام صدیقہ کے شرعی شوہر تھے جیسا کہ اناجیل اور کتاب الاعمال کے مقامات ذیل میں صاف لکھا ہے کہ یسوعؑ یوسف کا بیٹا ہے اور یوسف مریم علیہا السلام کا شوہر ہے۔

(دیکھو متی ۱۶/ الوقا ۲۲ / ۲۳ و ۲۷ / ۲، ۴۱ / ۲ متی ۵۵ / ۱۳ یوحنا ۴۲ / ۶ و ۴۵ / ۱۱ اعمال ۳۱ / ۲ و نامۂ رومیاں ۴ / ۱)

اس قسم کے نام نہاد مسلمان جو خوارق عادات کے منکر ہیں وہ بغیر باپ کے تولد کے قائل نہیں وہ اپنے مزعومات اور خیالات کے لیے انجیل کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

جواب: یہ سب غلط ہے اور الحاد اور زندقہ ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مواضع میں حضرت مسیح بن مریم علیہا السلام کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش ہے۔

آیات قرآنیہ سے بصراحت ووضاحت یہ امر واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ کے پیدا ہوئے۔

① اس لیے کہ اس قصہ کا آغاز ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ سے ہوا جو دور تک چلا گیا یہ تمام تفصیل اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فرشتہ کی آمد محض اس لیے ہوئی تھی کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کو بلا سبب ظاہری من جانب اللہ ایک فرزند عطا کرے۔ یہ سن کر حضرت مریم علیہا السلام کو تعجب ہوا اور بولیں کہ ﴿لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾ یعنی میرا تو کسی مرد سے تعلق ہی نہیں نہ حلال کا اور نہ حرام کا نہ نکاح کا نہ زنا کا مجھے تو آج تک کسی مرد نے ہاتھ بھی نہیں لگایا پھر میرے بچہ کیسے ہوگا۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ یوں ہی ہوگا۔ یعنی بغیر باپ کے تجھ سے لڑکا پیدا ہوگا۔ بعد ازاں حضرت مریم علیہا السلام کی تسلی کے لیے فرشتہ نے کہا کہ یہ بات تیرے پروردگار کے لیے کوئی مشکل نہیں تو مطمئن رہ پس اگر واقع میں حضرت مریم علیہا السلام کا کوئی شرعی شوہر تھا تو ان کو اس قدر گھبرانے اور ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ورنہ منکوحہ عورت کو ولادت سے تہمت کا کیا ڈر۔

② نیز حضرت مریم علیہا السلام کے اضطراب میں فرشتہ کا یہ کہنا ﴿وَلِنَجْعَلَهٗ آيَةً لِّلنَّاسِ﴾ تاکہ ہم اس مولود مسعود کو اپنی قدرت کی نشانی بنادیں۔

اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ تولد مسیح قدرت خداوندی کی ایک خاص نشانی ہوگی اور لفظ "آیت" صرف ایسے ہی موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جو چیز بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری ظہور میں آئے جیسے اصحاب کہف اور ناقہ صالح علیہ السلام پر لفظ آیت کا اطلاق کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ ولادت عجائب قدرت سے ہے۔ جس میں اسباب ظاہری کو دخل نہیں۔

③ آیت ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ (آل عمران: ۵۹) میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بلا باپ ولادت کو حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل ان کی الوہیت کی نہیں اسی طرح حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں یہ آیت نصاریٰ کے اسی خیال کے رد کرنے کے لیے نازل ہوئی کہ جو مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اس قصہ میں حضرت مریم علیہا السلام کی کرامتوں کا ذکر ہے۔ جیسے یکا یک ایک خشک کھجور کا پھل دار ہو جانا اور یکدم اس کے قریب پانی کا چشمہ جاری ہو جانا اور حضرت مسیح علیہ السلام کا گھوارہ میں لوگوں سے خارق عادت طریقہ پر عجیب وغریب کلام کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تمام اُمور اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ ولادت بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ تھی لوگ ان کرامتوں کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اور سمجھ گئے کہ ایسا مبارک مولود معاذ اللہ کبھی بھی ولد الزنا نہیں ہو سکتا شیر خوار بچہ کی اس خارق عادت گفتگو نے تمام تہمتوں اور بدگمانیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بدزبانوں کی زبان بند کر دی اور ملاحدہ اور زنادقہ نے جو ان صریح آیات میں تاویلات اور تحریفات کی ہیں اور اناجیل کا سہارا پکڑا ہے سو ان کی تردید کے لیے (اوّل) تو یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اناجیل کا محرف ہونا قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اور علماء یہود و نصاریٰ کے اعتراف اور اقرار سے ثابت ہے۔ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں محرف کتاب کو کیسے حجت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(دوم) یہ کہ انجیل متی کے باب اوّل درس ۱۸ سے لے کر اخیر تک اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ایک کنواری سے پیدا ہوئے جس میں کا ایک جملہ یہ ہے۔

جب اس کی ماں مریم علیہا السلام کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئیں۔

پھر انجیل لوقا کے باب اوّل درس ۲۶ سے لے کر درس ۳۸ تک یہی کلام چلا گیا ہے جس کے کئی جملوں میں قرآن کے موافق مریم علیہا السلام کا فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیح علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ:

''مریم علیہا السلام نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال سے کہ مرد سے واقف بھی نہیں اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی۔''

اور صحیفۂ یسعیاہ کے باب ۷ درس ۱۴ میں ہے:

''ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔''

پھر نامعلوم کہ یہ ملاحدہ اور زنادقہ مسلمانوں جیسے نام رکھ کر کہاں سے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور صریح آیات قرآنیہ کا انکار کرتے ہیں اور اس قسم کی ولادت کو خلاف سنتِ الٰہیہ کہہ کر محال بتلاتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سنت اور اس کا قانون انبیاء اور اولیاء کے ساتھ اور ہے اور عوام اور دشمنوں کے ساتھ اور ہے۔

② نیز آیات قرآنیہ کا از اوّل تا آخر تمام سیاق و سباق صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام شیر خوارگی کی حالت میں تھا۔ اور ملاحدہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں تھا یا نبوت ملنے کے بعد تھا۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ (الکہف: ۵۵)۔

جس طرح لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف کیا۔

یہود بے بہبود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور لعنتی ہوئے۔

اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تا کہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے۔ اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور جس جسم کو وہ قتل کرنا یا صلیب دینا چاہتے تھے اللہ نے اسی جسم کو زندہ اور صحیح سالم آسمان پر اٹھالیا۔ اور ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا۔ اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا بعض فرقے بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کی جگہ مصلوب ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یہودا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام شمعون تھا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۂ نساء کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو تو خاموشی کا حکم دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام جو کلمۃ اللہ اور کلمہ بصدق تھے ان کو گویا کر دیا تا کہ اللہ کی الوہیت اور اپنی عبدیت اور ماں کی طہارت ونزاہت ایسے خارق عادت طریقہ سے ظہور میں آئے کہ کسی کو مجال انکار کی نہ رہے اور چونکہ اللہ پاک کے علم میں تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں طرح طرح سے الفاظِ کفریہ کہے جائیں گے۔ لہٰذا اوّل گویائی میں ان کی زبان سے وہ باتیں نکلوائیں جو ہمہ قسم کفر کے ردّ کے لیے کافی ہوں۔

④ حدیث ذبح موت:

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر ذبح کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کا فدیہ اور بدل ہے۔ جیسے اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں مینڈھا ذبح کیا گیا اور اس مینڈھے کے کبودی رنگ یا سیاہ اور سفید ہونے میں بہشتیوں اور دوزخیوں کی صفت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ سفیدی اہلِ جنت کا رنگ ہے اور سیاہی اہلِ دوزخ کا رنگ ہے۔ اور حدیث میں موت کے مینڈھے کی صفت اَمْلَح وارد ہوئی ہے اور اَمْلَح وہ ہے کہ جس میں سیاہی اور سفیدی ملی ہوئی ہو۔

(دیکھو فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱ باب صفۃ الجنۃ والنار من کتاب الرقاق)

⑤ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کیا ہے کہ اس موت کے مینڈھے کو یحییٰ بن زکریا علیہما السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے جس سے دوام حیات اور بقائے دائمی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ذبح کریں گے۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

⑥ موت کے مینڈھے کے ذبح ہونے کے بعد ایک منادی ندا کرے گا۔ اے اہلِ جنت! اب تم کو موت نہیں۔ اور اے اہلِ دوزخ اب تم کو موت نہیں۔ موت کے ذبح کے بعد یہ منادی اس لیے ہوگی کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ موت اب مردہ اور معدوم اور فنا ہو گئی اس کے بعد موت پھر کبھی نہیں آئے گی اور ظاہر ہے کہ موت اور فنا کے ذبح ہو جانے کے بعد سوائے بقا اور دوام کے اور کیا ہوگا۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

⑦ موت کا مینڈھا ذبح ہونے کے بعد فریقین کے لیے یہ اعلان:

كلاهما خلود فيما تجدون لاموت فيه ابدًا. (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جس طرح اہلِ ایمان کا جنت میں خلود ابدی ہوگا اسی طرح کافروں کا خلود ابدی ہوگا اور یہی تمام اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے اس بارہ میں جمہور کا خلاف کیا اور یہ گمان کیا کہ کفار چند روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ بالکل غلط ہے اور سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف نے بھی اس غلطی میں ابن تیمیہ کی تقلید کی اور علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو اور ان کے پیروؤں کو اپنی مزعوم درایت پر بڑا ناز ہے اور اہل ندوہ اپنے تفرد اور شذوذ کو تحقیق سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ

اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا۔ بیشک تھا وہ سچا نبی۔ جب کہا

لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ

اپنے باپ کو اے باپ میرے! کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کام آوے تیرے

شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ

کچھ۔ اے باپ میرے مجھ کو آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل سوجھادوں

اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

تجھ کو راہ سیدھی۔ اے باپ میرے! مت پوج شیطان کو۔ بے شک شیطان

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ

ہے رحمٰن کا بے حکم۔ اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں کہیں آلگے تجھ کو ایک آفت

مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ

رحمٰن سے پھر تو ہو جاوے شیطان کا ساتھی۔ وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے

اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾

میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو نہ چھوڑے گا تو تجھ کو پتھراؤ سے ماروں گا اور مجھ سے دُور جا ایک مدت۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَ

کہا تیری سلامتی رہے میں گناہ بخشواؤں گا تیرا اپنے رب سے بے شک وہ ہے مجھ پر مہربان۔ اور

اَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّیۡ ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ

کنارہ پکڑتا ہوں تم سے اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، اور پکاروں گا اپنے رب کو، امید ہے کہ نہ رہوں گا

اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ

اپنے رب کو پکار کر محروم۔ پھر جب کنارے ہوا ان سے اور جن کو وہ پوجتے تھے

دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ

اللہ کے سوا بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب۔ اور دونوں کو نبی کیا۔ اور

وَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع

دیا ہم نے ان کو اپنی مہر سے اور رکھا ان کے واسطے سچا بول اونچا۔

قصۂ سوم۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاذۡكُرۡ فِی الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِیۡمَ ۬ ... الی ... وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾﴾

ربط: اس سورت کا یہ تیسرا قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا پرستی کا ذکر ہے کہ وہ کیسے خدا پرست تھے اور کس طرح انہوں نے اپنے باپ کو توحید کی دعوت دی اور کس طرح شرک اور بت پرستی کا بطلان ظاہر کیا اور اس دعوت اور تبلیغ میں اپنے باپ کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھا اور پھر کس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجے بلند کیے اور ان کو اولاد صالح عطا فرمائی اور تمام امتوں اور قوموں میں ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو پچھتر برس زندہ رہے اور ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے اور ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ نیز حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو کسی زندہ عاقل کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کر کے ان مشرکین کا رد فرماتے ہیں جو بے جان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اس قسم کے مشرک قیامت کے دن اپنی حماقت پر بہت ہی [1] زیادہ حسرت کریں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب یعنی قرآن میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے کہ یہ عرب کے مشرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کے طریقہ کے خلاف شرک میں مبتلا ہیں۔ بیشک ابراہیم علیہ السلام نہایت راستباز تھے۔ صدق و راستی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ صدق و راستی ان کے جز جز میں پوری طرح سرایت

---

[1] گزشتہ آیت ﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

کیے ہوئے تھی اور پیغمبر تھے خدا کی طرف سے خبر دینے والے تھے یا یہ معنی ہیں کہ وہ عالی قدر اور بلند مرتبہ تھے مطلب یہ ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے جامع تھے جبکہ انہوں نے اپنے باپ آزر سے جو بت پرست تھے یہ کہا کہ اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے اس چیز کو جو نہیں سنتی اور نہیں دیکھتی اور نہ کسی ضرورت میں تیری کفایت کر سکے۔ یعنی جس چیز میں یہ صلاحیت نہیں کہ تیری خدمت اور عیادت کر سکے۔ اور نہ تیری فریاد سن سکے اور نہ کسی نفع اور ضرر میں تیری کفایت کر سکے تو ایسی چیز کی عبادت سے کیا فائدہ کہ جس سے نہ نفع کی اُمید ہو اور نہ ضرر کا ڈر ہو اور یہ باتیں انتہائی ذلت کی ہیں اور معبود کے لیے نہایت عظمت چاہیے۔ لہٰذا جب یہ بت نہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں اور نہ ان کو یہ تمیز کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور نہ یہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں تو ان کی عبادت سے کیا فائدہ ان بتوں سے تو ان کی عبادت کرنے والے ہی بہتر ہیں کہ جو سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں ایسی ذلیل اور خوار اور بے کار چیز کو اپنا معبود بنانا انتہائی حماقت ہے۔

ایک بات تو یہ ہوئی دوسری بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کی فہمائش کے لیے یہ کہی اے میرے باپ! بلاشبہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم پہنچا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ لہٰذا غیر عالم کو چاہیے کہ وہ عالم کا اتباع کرے۔ پس آپ میرا اتباع کیجیے میں آپ کو سیدھی راہ بتلاؤں گا جو چلنے والے کو منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔ ''اتباع'' کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے میرے باپ! میرے پیچھے پیچھے چلو ان شاء اللہ تعالیٰ میں تم کو خدا تک پہنچا دوں گا۔ بحق پدری و بمقتضائے محبت فرزندی میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرا اتباع کیجیے۔ مجھے اللہ کی طرف سے جو علم پہنچا ہے اس میں غلطی کا احتمال نہیں تو ایسے علم صحیح والے کا اتباع تو عقلاً ضروری ہے۔

تیسری بات یہ کہی اے میرے باپ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ کیونکہ بتوں کی عبادت درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ بتوں میں یہ صلاحیت اور لیاقت نہیں کہ وہ اپنی عبادت کی دعوت دے سکیں اور انبیاء اور اولیاء تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے چلے آئے۔ لہٰذا بتوں کی عبادت کا داعی سوائے شیطان کے کون ہو سکتا ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ بلاشبہ شیطان اللہ کا انتہائی نافرمان ہے جس کو ارحم الراحمین نے اپنی رحمت سے ملعون اور مطرود کر دیا ہے۔ پس جو اس ملعون اور مطرود کی اتباع کرے گا اس کو بھی لعنت اور غضب سے حصہ ملے گا۔ خدا کا سب سے پہلا نافرمان یہی شیطان ہے جس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

چوتھی بات یہ کہی کہ اے میرے باپ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ اگر تم اسی کفر و شرک کی حالت میں مر گئے تو تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا اور پھر تو دوزخ میں شیطان کا ساتھی بنے یعنی عذاب میں اس کا شریک بنے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب باپ کو نہایت نرمی اور تلطف کے ساتھ یہ نصیحت فرما چکے تو باپ نے اس کے برعکس درشتی سے یہ جواب دیا۔ اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو میرے معبودوں سے منحرف اور برگشتہ ہے اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو ضرور سنگسار کر دوں گا۔ اور ایک مدت دراز تک یعنی عمر بھر کے لیے تو مجھ سے دور ہو جا تا کہ میں تیری شکل نہ دیکھوں۔ ورنہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اچھا تم پر سلام ہو۔ لیجیے میں جاتا ہوں اور تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہر ظاہری اور باطنی آفت سے سلامتی عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سلام تحیۂ اکرام نہ تھا بلکہ سلام رحمت تھا اور باپ کے لیے دعا کو متضمن تھا۔ البتہ

میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا بلاشبہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ یعنی میں آپ سے جدا ہوتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی توفیق دے جو ذریعۂ مغفرت ہے۔ چلتے وقت باپ سے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا۔ شاید باپ نرم پڑ جائے۔ ابراہیم علیہ السلام برابر اپنے باپ کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہے۔ جب ان کے باپ کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو اس سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورۂ توبہ کے اخیر میں گزرا ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ﴾ (التوبہ: ۱۱۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے علم نہ تھا کہ باپ کفر پر مرے گا ورنہ استغفار نہ کرتے۔ اور چھوڑ دوں گا میں تم سب کو یعنی باپ کو اور تمام خویش و اقارب کو اور سب اہل وطن کو اور چھوڑ دوں گا میں تم سب کو یعنی باپ کو اور تمام خویش و اقارب کو اور سب اہل وطن کو اور چھوڑ دوں گا ان چیزوں کو یعنی ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی کہ میں تم سب کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں اور صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا۔ جو مجھے دیکھتا ہے اور میری دعا کو سنتا ہے۔

اُمید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے میں محروم نہ رہوں گا۔ جیسا کہ تم اپنے بتوں کے پکارنے میں محروم اور ناکام ہو۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ پرستش کرتے تھے علیحدہ ہو گئے اور سب کو چھوڑ دیا۔ اور ملک شام کی طرف ہجرت کر گئے تو ہم نے ان کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا بخشا۔ یعنی ان کو نیک اولاد عطا کی تا کہ ان کی وحشت دور ہو خدا کے لیے خویش و اقارب کو چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر عطا کر دیا۔ ایمان کے بعد سب سے زیادہ قابل قدر فرزند صالح ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؂

ندارد پدر ہیچ بایستہ تر زفرزندِ شائستہ شائستہ تر

اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا اور ان تینوں کو ہم نے اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا جو ان کی پشتہا پشت میں جاری و ساری رہی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا۔ کہ ہر کوئی ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرتا ہے اور تمام اہل ملت و دین ان کی مدح و ثناء کرتے ہیں لسان صدق سے ثناء حسن مراد ہے۔ کیونکہ ثنا اور تعریف زبان سے ہوتی ہے اور بخشش ہاتھ سے ہوتی ہے اور درود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ذکر یہ بھی لسان صدق میں داخل ہے اور اس جملہ یعنی ﴿ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴾ (مریم: ۵۰) میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ دعا مانگی تھی۔ ﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ (الشعراء: ۸۴) وہ دعا قبول ہوئی شاید حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر اس جگہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے عطا ہو چکے تھے۔ اور بحکم الٰہی ان کو اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کو خانہ کعبہ کے قریب لا کر چھوڑ گئے تھے اس جگہ اس اولاد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو عزیز و اقارب کو چھوڑنے کے صلہ میں عطا کی تھی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شروع ہی سے ان کے پاس نہیں رہے تھے۔ بچپن ہی میں ان سے جدا ہو گئے تھے۔ نیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مستقل طور پر آئندہ ذکر آنے والا ہے۔

نکتہ: سلاطین اور ملوک کی اگر تعریف کی جائے تو اس تعریف سے لوگوں کی نظر میں سلاطین کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ بخلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کی ثناء حسن سے ثنا کرنے والوں کا رتبہ بلند ہوگا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف سرتا پا صدق اور حق ہوگی۔ اس لیے ان کی تعریف لوگوں کے حق میں موجب صد خیر و برکت ہوگی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ کا وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا

اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور پہاڑ کے اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔

لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہر سے بھائی اس کا ہارون نبی۔

قصۂ چہارم۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى... الى... اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾﴾

یہ چوتھا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ خلیل اللہ کے قصے کے بعد کلیم اللہ کا قصہ ذکر فرماتے ہیں۔ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں:

① مخلص یعنی خدا کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ ② رسول اور نبی تھے۔ ③ ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ ④ ان کو اپنا مقرب بنایا۔ ⑤ ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اس کتاب یعنی قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر لوگوں کو سنائیے۔ بیشک وہ خدا کے چیدہ اور برگزیدہ خالص اللہ کے لیے چنے ہوئے تھے۔ جن کی ذات وصفات میں اور اعمال ونیات میں غیر اللہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اور تھے وہ رسول اور نبی ''رسول'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرستادۂ خداوندی تھے اور نبی کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے اور خبر دینے والے تھے۔ معتزلہ کے نزدیک ہر نبی رسول ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں متلازم ہیں اور جمہور اہل سنت کے نزدیک نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ رسول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو یعنی کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو یا مکذبین اور معاندین کے مقابلہ میں معجزاتِ قاہرہ دے کر بھیجے گئے ہوں۔

اور ''نبی'' وہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے خبر دے گو اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ ہو۔ بہر حال نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ بظاہر مناسب یہ تھا کہ پہلے عام کو ذکر کرتے اور پھر خاص کو ذکر کرتے لیکن فاصلہ یعنی قافیہ کی رعایت سے خاص کو عام یعنی نبی پر مقدم کیا جیسا کہ طٰہٰ میں ﴿رَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۷۰) میں فاصلہ کی رعایت سے ہارون کو موسیٰ علیہ السلام پر مقدم کیا۔

اور ہم نے موسیٰ کو کوہِ طور کے دائیں جانب سے آواز دی اور یہ نداء نداءِ رسالت تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس آ رہے تھے۔ اور ہم نے ان کو قریب کر لیا راز کی باتیں سنانے کے لیے اور بلا واسطہ ان سے کلام کرنے کے لیے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت میں

قرب سے قرب مسافت اور قرب مکانی مراد نہیں بلکہ قرب منزلت اور قرب مرتبہ مراد ہے اور ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر عطا کیا۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ قبول کی اور ان کی دعا کے مطابق ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دیا۔ پس اصل ہبہ اور اصل عطیہ نبوت ہارون علیہ السلام کا تھا کہ ان کی دعا سے ہارون علیہ السلام کو نبوت ملی نہ کہ ذات ہارون علیہ السلام کا کیونکہ ہارون علیہ السلام تو پہلے سے موجود تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا
اور مذکور کر کتاب میں اسماعیل کا۔ وہ تھا وعدے کا سچا اور تھا رسول
نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ
نبی۔ اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا اور تھا اپنے رب کے ہاں
مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾
پسند۔

قصہ پنجم۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ... الٰى ... وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾﴾

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوّل فرزند ہیں اور عرب حجاز کے جدِ اعلیٰ ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ان کے صلب سے ہوا اور ان کی شریعت بھی مستقل تھی اور عشق اور فدائیت میں ان کی خاص شان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قصہ کو ان کے باپ کے قصہ کے ذیل میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ جداگانہ طریقہ سے ان کا ذکر فرمایا اور اس سلسلہ میں ان کی چار صفتیں ذکر کیں:

① صادق الوعد تھے۔ ② رسول اور نبی تھے۔

③ اہل و عیال کو جانی اور مالی عبادت کا حکم دیتے تھے اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور اہل خانہ سے اس کا آغاز کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴) ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طٰہٰ: ۱۳۲)

④ وہ مرضی یعنی خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ تھے۔ یہ انتہائی مدح ہے کہ حق جل شانہٗ ان سے من کل الوجوہ راضی تھے اور وہ ہر اعتبار سے خدا کے پسندیدہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر کر و قرآن میں قصہ اسمٰعیل علیہ السلام کا تحقیق وہ وعدے کے بڑے سچے تھے۔ لوگوں سے جو وعدے کرتے اسے پورا کرتے۔ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تو واپس آئے تو تیرے انتظار میں یہیں کھڑا رہوں گا وہ شخص تین دن کے بعد واپس آیا آپ علیہ السلام برابر تین دن اسی جگہ کھڑے رہے سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنے باپ سے ذبح پر صبر کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کو پورا کر کے دکھلایا اور تھے وہ رسول اور نبی۔ قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے عجب نہیں کہ مناسک

اور وادی غیر ذی زرع کے متعلق کچھ خاص احکام اور خاص شریعت دی گئی ہو جن سے وادی غیر ذی زرع کے رہنے والوں کو آگاہ اور خبردار کرتے ہوں۔ اور تھے اسمٰعیل علیہ السلام کہ خاص طور پر حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا یعنی اوّل اپنے اہل وعیال کو عبادت کا حکم کرتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء:۲۱۴) ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (تحریم:۶) اور تھے اسمٰعیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے نزدیک نہایت پسندیدہ قضاء الٰہی پر راضی تھے اور بلا میں صبر کرتے تھے اور سخاوت میں کامل تھے اور وعدہ کے سچے تھے۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّ رَفَعْنٰهُ
اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا۔ وہ تھا سچا نبی۔ اور اٹھا لیا ہم نے اس کو
مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾
ایک اونچے مکان پر۔

قصۂ ششم۔ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ... الى ... وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾﴾

ربط: یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جدِ امجد تھے۔ آپ علیہ السلام کا اصل نام اختوخ ہے اور ادریس لقب ہے۔ چونکہ آپ علیہ السلام کتابوں کو بکثرت پڑھتے تھے۔ اس لیے آپ علیہ السلام کا یہ لقب ہوا۔ آپ علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے کپڑا سیا ہے اور سلا ہوا کپڑا سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے پہنا ہے۔ آپ علیہ السلام سے پہلے لوگ حیوانات کی کھالیں پہنا کرتے تھے۔ کتابت اور قلم حساب اور ترازو' پیمانہ اور ہتھیار کے موجد بھی آپ علیہ السلام ہی ہیں۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تین صفتیں ذکر فرمائیں: ایک صدیقیت دوم نبوت' سوم رفعت مکانی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب یعنی قرآن میں ادریس علیہ السلام کا ذکر پڑھ کر لوگوں کو سنایئے بلاشبہ وہ بڑے راست کردار تھے۔ سرتاپا صدق تھے کذب کا کہیں آس پاس بھی گزر نہ تھا۔ اور نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے اور اٹھایا ہم نے ان کو بلند مکان پر یعنی آسمان پر ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ادریس علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اب بھی وہ آسمان میں زندہ ہیں۔ اور صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا اور وہاں ان سے ملاقات کی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں مگر وہ سب اسرائیلیات ہیں۔ جن پر ابن کثیر رحمہ اللہ نے تنقید کی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ میں رفعتِ مکانی مراد نہیں بلکہ رفعت مکانت یعنی علو مرتبہ کے معنی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو قرب اور معرفت کے بلند مقام پر پہنچایا تیس صحیفے ان پر نازل کیے اور بہت سے

علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی نسبت آیا ہے ﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾۔

جمہور علماء کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ آیت میں رفعت سے مکان حسّی کی بلندی مراد ہے۔ بلندی مرتبہ مراد نہیں۔ کیونکہ ظاہر الفاظ قرآنی سے یہی متبادر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مکان یعنی آسمان پر اٹھایا۔ اور مرتبہ کی بلندی بھی اسی میں زیادہ ہے کہ ان کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقام مدح کے یہی معنی مناسب ہیں۔ اس لیے کہ جو عظیم المرتبہ ہوتا ہے وہی آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

اور امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ کا میلان بھی اسی معنی کی طرف ہے کہ آیت میں رفع سے مکان بلند یعنی آسمان کی طرف اٹھایا جانا مراد ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا۔

وَ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۙ
وہ لوگ ہیں جن پر نعمت دی اللہ نے پیغمبروں میں آدم کی اولاد میں
وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ ۡ وَ
اور ان میں جن کو لاد لیا ہم نے نوح کے ساتھ اور ابراہیم کی اولاد میں اور اسرائیل کی اور
مِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا
ان میں جن کو ہم نے سوجھ دی اور پسند کیا۔ جب ان کو سنائے آیتیں رحمٰن کی گرتے ہیں سجدے میں
وَّ بُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة
اور روتے۔

ذکر وصف عام جنس انبیاء کرام علیہم السلام

کہ ہمہ اہل ہدایت و اہل کرامت و اہل نعمت و اہل قرب و منزلت بودند
با ایں ہمہ در خشوع و خضوع بانتہا رسیدہ بودہ بودند

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ... الٰى... خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ﴿۵۸﴾﴾

ربط: شروع سورت سے یہاں تک خاص خاص انبیاء علیہم السلام کے خاص خاص اوصاف بیان کیے گئے۔ اب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا

وصف عام بیان کرتے ہیں۔ جو تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جنس انبیاء علیہم السلام کے تمام افراد اور تمام اشخاص خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار اور برگزیدہ بندے تھے جن کو حق تعالیٰ نے اپنی خاص ہدایت اور خاص نعمت اور کرامت اور قرب منزلت سے سرفراز فرمایا۔ مگر باوجود اس قدر علو مقام اور رفعت شان کے غایت درجہ متواضع تھے اور عبودیت اور بندگی میں کامل تھے کہ خدا کی آیتوں کو سن کر خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ اور زار وقطار روتے تھے۔ پس تم ان کے طریقے پر چلو۔ اور اہل غفلت کے طریقہ پر نہ چلو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: یہ لوگ جن کا اس سورت میں زکریا علیہ السلام سے لے کر یہاں تک ذکر ہوا۔ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا۔ وہ نبیین ہیں ان میں سے بعض صرف نسل آدم سے ہیں۔ جیسے ادریس علیہ السلام اور بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کہ وہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ جو کشتی میں سوار تھے اور بعض ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ جیسے اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور بعض اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون وزکریا و یحییٰ علیہم السلام اور یہ سب حضرات ان لوگوں میں سے تھے۔ اور جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو ہم نے برگزیدہ بنایا۔ یہ حضرات ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو خوف وخشیت اور غلبۂ شوق ومحبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔ سماع قرآن کے وقت رونا اور خشوع وخضوع مستحب ہے۔ یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

پھر ان کی جگہ آئے ناخلف گنوائی نماز اور پیچھے پڑے مزوں کے

فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

سو آگے ملے گی گمراہی۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی نیکی سو وہ لوگ

يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَ لَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۨالَّتِىۡ وَعَدَ

جاویں گے بہشت میں اور ان کا حق نہ رہے گا کچھ۔ باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ دیا ہے

الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ

رحمٰن نے اپنے بندوں کو بن دیکھے بے شک ہے اس کے وعدہ پر پہنچنا۔ نہ سنیں گے

فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلۡكَ

وہاں بک بک سوا سلام۔ اور ان کو ہے ان کی روزی وہاں صبح اور شام۔ وہ

الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

بہشت ہے! جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں جو کوئی ہوگا پرہیزگار۔

ذکر حال و مآل اہلِ سعادت و اہل شقاوت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ... الٰی ... مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں سلف صالحین اور انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر تھا۔ جو سب دین حق پر تھے اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اب ان آیات میں پچھلوں اور ان ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے اتباع سے انحراف کیا اور دُنیاوی شہوات اور لذات کے پیچھے ہو لیے۔ اور ہوسنا کیوں میں مبتلا ہو گئے اور نماز جیسی اہم العبادات کو ضائع کر دیا۔ سو ایسے لوگ حال اور مآل کے اعتبار سے تباہ و برباد ہوئے۔ البتہ جو لوگ اپنی جہالت اور ضلالت سے تائب ہوئے اور انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لائے اور ان کے طریقہ پر چلے وہ اہل سعادت ہیں ان کو بارگاہِ خداوندی سے انعام ملے گا۔ اس لیے اب ان آیات میں متبعین اور مبتدعین کے حال اور مآل کو اور ان کی سعادت اور شقاوت کو بیان کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ سعادت انبیاء کرام علیہم السلام کے اتباع میں ہے اور شقاوت ان کے اتباع سے اعراض و انحراف میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

پھر ان اہل سعادت کے بعد بعض کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب آخرت میں بدی اور خسارہ میں مبتلا ہوں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان کے حق میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی یعنی ان کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی۔ باغات خلود اور دوام میں داخل ہوں گے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے۔ برخلاف دُنیاوی باغات کے کہ وہ فانی ہیں۔ یہ دائمی باغات ایسے ہیں جن کا رحمٰن نے غائبانہ وعدہ کیا ہے۔ یعنی وہ باغ بندوں کی نظروں سے غائب ہیں کچھ شک نہیں کہ اس کا وعدہ اس کے دوستوں کو ضرور آ کر اور پہنچ کر رہے گا۔ ان باغوں میں سوائے سلام کے کوئی بیہودہ اور خراب بات نہیں سنیں گے۔ اللہ کا اور فرشتوں کا سلام سنیں گے۔ یا آپس کا سلام سنیں گے سلام سے وہ کلام مراد ہے جس سے سلامتی اور خوشی ظاہر ہو۔ یعنی جنت میں عمدہ اور خوشگوار باتیں سنیں گے۔ اور رہا رزق تو ان باغوں میں ان کے لیے صبح و شام ان کا رزق موجود اور حاضر ہوگا۔ جنت میں صبح و شام نہیں مگر جتنی مقدار صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہے اتنی مقدار میں جنت میں ان کو رزق ملے گا۔ جیسا کہ دُنیا میں ان کی عادت تھی ورنہ جنت میں دن رات نہیں وہاں ہر وقت نور ہی نور ہوگا۔ شاید وہ روشنی بدلتی رہے گی جس سے اوقات کا فرق معلوم ہوگا یا کوئی اور علامتیں ہوں گی۔ جن سے صبح و شام کی مقدار کو پہچانیں گے۔ جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے کہ پردے چھوڑنے اور دروازے بند کرنے سے رات کا وقت معلوم ہوگا۔ اور پردے اٹھنے سے اور دروازوں کے کھلنے سے دن معلوم ہوگا۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۰۳ ج ۱۶) واللہ اعلم

وہ بہشت جس کا ذکر ہم نے کیا وہ ہے جس کا ہم وارث بنا دیں گے۔ اپنے بندوں میں سے اس شخص کو جو پرہیزگار رہوگا۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے۔ جو برخلاف سیرت انبیاء علیہم السلام کے

تھے۔اس سے اشارہ یہود ونصاریٰ کی طرف ہے جنہوں نے اپنے دین مبین میں تحریف وتبدیل کی اور بداعمالیوں میں مبتلا ہوئے۔ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت نزول سورۂ مریم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جو اوصاف مذکورۂ آیت یعنی ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ موصوف تھی۔اور شک نہیں کہ وہ جماعت مہاجرین اوّلین کی تھی۔وھو المقصود۔(ازالۃ الخفاء)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا

اور ہم نہیں اترتے، مگر حکم سے تیرے رب کے، اسی کا ہے جو ہمارے آگے اور جو ہمارے پیچھے اور جو

بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اس کے بیچ، اور تیرا رب نہیں بھولنے والا۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے

بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع ۷/۱۵

بیچ ہے سو اسی کی بندگی کر اور ٹھہرا رہ اس کی بندگی پر۔ کوئی پہچانتا ہے تو اس کے نام کا۔

ذکر احاطۂ علم وقدرت واثبات وحدانیت وبیان عبودیت ملائکہ برائے ترغیب عبادت وطاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ . . . اِلٰی . . . هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کی عبودیت اور بندگی کو بیان فرمایا تھا۔اب ان آیات میں ملائکہ کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان کرتے ہیں کہ فرشتے بھی اللہ کے حکم بردار بندے ہیں۔ان کا آسمان سے زمین پر اترنا اللہ کے حکم کے تابع ہے بخاری وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمارے پاس جلد جلد کیوں نہیں آتے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم خدا کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دیر سے آنے کا یہ سبب خیال نہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گیا ہے۔خدا تعالیٰ بھول چوک اور نسیان اور غفلت سے پاک ہے اس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے ہم اس کے حکم کے مطابق نازل ہوتے ہیں۔تو جب فرشتے باوجود اس عظمت اور رفعت کے حکم الٰہی کے تابع ہیں۔حکم الٰہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں تو ہم کو کیا ہوا کہ اس کی اطاعت نہ کریں۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں جنت اور عالم قدس کا بیان تھا۔اب اس آیت میں عالم قدس کے رہنے والے اور وہاں کی خبریں لانے والے کا بیان ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

اور ہم یعنی فرشتے نہیں اترتے زمین پر مگر تیرے پروردگار کے حکم سے سب اسی کی ملک ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو

ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا زمین پر اترنا اور وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کے پاس آنا اپنے اختیار سے نہیں۔ جب خدا حکم دیتا ہے تب ہی اترتے ہیں ہمارا ماضی اور حال اور استقبال اور دنیا اور آخرت جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں وہ آپ ﷺ کے حال سے آگاہ ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ہمیں آپ ﷺ کے پاس بھیجتا ہے ہمارا نزول اور عدم نزول سب اس کے علم اور حکم سے ہے اور اس کے علم اور حکم میں سہو اور نسیان کا احتمال نہیں وہ مربی اور مدبر ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو چیز ان کے درمیان میں ہے پس جب تمام بلندی اور پستی اس کے قبضہ قدرت اور دست تصرف میں ہے تو پھر وہاں سہو و نسیان کیسے ممکن ہے۔ پس جب اس کے مربی اور محسن ہونے کا اقتضاء یہ ہے تو تم اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی بندگی میں لگے رہو اور اس کی عبادت پر جمے رہو۔ یعنی جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ پروردگار آپ ﷺ کو بھولا نہیں تو پھر صبر اور استقامت پر جمے رہیے اور وحی کی تاخیر سے اور کافروں کے طعن سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہویئے وہ آپ ﷺ کا رب ہے۔ جب مصلحت ہوتی ہے تب آپ ﷺ پر وحی نازل کرتا ہے وحی میں جو کبھی تاخیر ہوتی ہے وہ مصلحت کی بنا پر ہوتی ہے سہو و نسیان کی بنا پر نہیں ہوتی کیا تو خدا کا کوئی ہمنام اور ہم صفت جانتا ہے۔ یعنی کوئی اس کا مثل نہیں وہ ذات و صفات میں یکتا ہے لہٰذا آپ ﷺ صرف اسی کی عبادت میں لگے رہیے۔

نکتہ: اس آیت میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر اور استقامت کا حکم دیا۔ اس لیے کہ یہاں دو درجہ ہیں ایک درجہ تو عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا درجہ ہے عبودیت اور غلامی پر قائم رہنے کا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبادت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لیے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹاؤ۔ نیز اس آیت میں عبادت کے حکم سے پہلے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ فرمایا یہ عبادت کے مقتضی کا بیان تھا کہ مربی اور محسن ہونا عبادت کو مقتضی ہے اور ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ میں رفع مانع کا بیان ہے۔ یعنی اگر کوئی اس کی مثل ہوتا تو یہ سوال ہو سکتا تھا کہ ہم اس دوسرے خدا کی کیوں نہ عبادت کریں۔ پس جب یہ مانع بھی موجود نہیں تو پھر اس کی عبادت سے کیوں اعراض کرتے ہو اور جب تم جانتے ہو کہ وہ بے مثل اور یکتا ہے تو اس کی عبادت پر جمے رہو۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝٦٦ اَوَلَا يَذْكُرُ

اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مرگیا پھر نکلوں گا جی کر۔ کیا یاد نہیں رکھتا

الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝٦٧ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔ سو قسم ہے تیرے رب کی! ہم گھیر بلاویں گے ان کو

وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝٦٨ ج ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ

اور شیطانوں کو پھر سامنے لاویں گے گرد دوزخ کے گھٹنوں پر گرے۔ پھر جدا کریں گے ہم

مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ج ثُمَّ لَنَحْنُ

ہر فرقہ میں سے جونسا ان میں سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ۔ پھر ہم کو خوب

اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ج

معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اس میں پیٹھنے کے (پہنچے) اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ج ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ

اس پر ہوچکا تیرے رب پر ضرور مقرر۔ پھر بچاویں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے

الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ

گنہگاروں کو اسی میں اوندھے گرے۔ اور جب سنائے ان کو ہماری آیتیں کھلی کہتے ہیں جو لوگ

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا لا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾

منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے اور اچھی لگتی ہے مجلس۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ

اور کتنی کھپا چکے ہم پہلے ان سے سنگتیں وہ ان سے بہتر تھے اسباب میں اور نمود میں۔ تو کہہ

مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۵ ج حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا

جو کوئی رہا بھٹکتا، سو چاہیے اس کو کھینچ لے جاوے رحمٰن لمبا۔ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو

يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ط فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ

وعدہ پاتے ہیں، یا آفت اور یا قیامت۔ سو تب معلوم کریں گے کس کا برا

مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ط وَ

درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور ہے۔ اور بڑھاتا جاوے اللہ سوجھے ہوؤں کو سوجھ۔ اور

الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ

رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے ہاں بدلہ اور بہتر پھر جانے کو جگہ۔ بھلا تونے دیکھا وہ

الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ
جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو ملنا ہے مال اور اولاد۔ کیا جھانک آیا ہے غیب کو
اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ کَلَّا ؕ سَنَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَ
یا لے رکھا ہے رحمٰن کے ہاں اقرار؟ یوں نہیں! ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا ہے اور
نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ نَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَ یَاْتِیْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾
بڑھاتے جاویں گے اس کو عذاب میں لمبا۔ اور ہم لے لیں گے اس کے مرے پر جو بتاتا ہے اور آویگا ہم پاس اکیلا۔

اثبات معاد و بیان حال وم آل اہل طاعت و اہل معصیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿۶۶﴾ ... الٰی ... وَ یَاْتِیْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا کہ مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں۔

اہل غفلت اور ارباب شہوت کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ وہ حشر و نشر کے منکر ہوتے ہیں۔ اور تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ لوگ دوبارہ زندہ ہونے کو محال اور خدا کی قدرت سے خارج سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس نادان انسان کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ یہ پہلے نیست اور نابود تھا۔ ہم نے ہی اس کو پیدا کیا تو پھر ہم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز گذشتہ آیات میں صبر اور عبادت کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ صبر اور عبادت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جو آدمی حشر و نشر کا منکر ہے وہ بطور استہزاء و تکذیب یہ کہتا ہے کہ بھلا جب میں مرگیا تو پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا۔ یہ کہنے والا ابی بن خلف جمحی تھا خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ کیا یہ منکر حشر آدمی یہ نہیں سوچتا کہ ہم نے اس کو اول پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی عدم محض تھا۔ پس اس آدمی کو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ جو خدا معدوم محض کے موجود کرنے پر قادر ہے کیا وہ پراگندہ اور ریزہ ریزہ شدہ چیز کو جمع کرنے پر قادر نہیں جو ذات والا صفات نیست کو ہست اور ہست کو نیست کرنے پر قادر ہے وہ جمع اور تفریق پر بلاشبہ قادر ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر تمام مخلوق حشر کی دلیل لانے پر جمع ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کوئی دلیل نہیں لاسکتا۔ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی ہم قیامت کے دن ضرور ان مشرکوں کو زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کریں گے جو حشر کے منکر تھے اور ان کے ساتھ ان شیاطین کو بھی جو دنیا میں ان کی ساتھ رہ کر ان کو بہکایا کرتے تھے۔ ہر ایک کافر کو اسی کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر ساتھ باندھ دیں گے۔ ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ﴾ (ق:۲۷)۔

پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرداگرد گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا حاضر کریں گے۔ پھر نکالیں گے ہر فرقہ میں سے جونسا ان میں کا دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شدید سرکش تھا۔ تا کہ پہلے سب سے بڑے مجرم کو اور پھر اس کے بعد والے مجرم کو دوزخ میں داخل کیا جائے۔ کفار علی حسب المراتب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر فرقہ سے اس شخص کو کھینچے گا جو ان میں زیادہ متمرد اور سرکش ہوگا۔ پھر جب وہ جمع ہو جائیں گے تو ان کو جہنم میں پھینک دے گا اور جو جس طبقہ کے لائق ہوگا وہاں ڈال دیا جائے گا۔ پھر یہ نہیں کہ اس جدا کرنے میں ہم کو تحقیقات کی ضرورت پڑے کیونکہ البتہ تحقیق ہم خوب جاننے والے ہیں کہ ان میں سے دوزخ میں داخل کرنے کا سب سے زیادہ لائق اور سزاوار کون ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ کون پہلے دوزخ میں ڈالنے کے قابل ہے گناہوں کی کمیت اور کیفیت کا تفصیل کے ساتھ علم اللہ ہی کو ہے اس کو معلوم ہے کہ پہلے کس مجرم کو آگ میں ڈالا جائے گا۔

یہاں تک خاص کافر اور منکر حشر ونشر انسان کے بارے میں کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں عام انسانوں کو خطاب عام فرماتے ہیں جو مومن اور کافر سب کو شامل ہے غرضیکہ گزشتہ آیت میں خاص اس انسان کو خطاب تھا جو حشر ونشر کا منکر تھا۔ اب آئندہ آیت میں مطلق انسان کو خطاب فرماتے ہیں اور اے بنی نوع انسان نہیں ہے تم میں سے کوئی انسان خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر نیکوکار ہو یا بدکار ہو مگر یہ کہ وہ دوزخ کے پاس پہنچنے والا اور اس پر سے ضرور گزرنے والا ہے لیکن جب مؤمن دوزخ پر سے گزریں گے تو آگ بجھ جائے گی اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔

یہ دوزخ پر سے گزرنا حسب وعدہ و بمقتضائے حکمت تیرے پروردگار پر لازم اور قطعی اور قضاء محکم ہے ضرور بالضرور اپنے وقت مقررہ پر واقع ہو کر رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ یہ قطعی فیصلہ کر چکا ہے کہ ہر شخص کو دوزخ کے اوپر سے یعنی پل صراط سے ضرور بالضرور گزرنا ہے۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے اہل ایمان اور اہل تقویٰ اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جا گریں گے۔ اور گنہگار مسلمان بھی الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ لیکن کچھ مدت بعد اپنے اعمالِ صالحہ کی برکت سے اور انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ پھر آخر میں براہ راست ارحم الراحمین اپنے دست رحمت سے ان گنہگاروں کو نکالے گا جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا اب اس کے بعد جہنم میں صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں پھر اس ورود اور مرور وعبور کے بعد ہم نجات دیں گے۔ ان لوگوں کو جو خدا سے ڈرتے تھے۔ یعنی ہم اہل تقویٰ کو بقدر تقویٰ نجات دیں گے اور ان کو بچالیں گے۔ اور ان کو صحیح سالم نکال کرلے جائیں گے اور جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گر پڑا ہے اس کو بعد میں دوزخ سے نکال لیں گے۔ اور ظالموں کو ہم اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اور اگر وہ ظالم کافر و مشرک ہے اور ظلم عظیم کا مرتکب ہے تو اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں گے اور اگر گنہگار مسلمان ہے تو چند روز کے لیے چھوڑ دیں گے اور پھر اس کو نکال لیں گے۔

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ﴾ کا خطاب عام ہے جس کے مخاطب سارے عالم کے لوگ ہیں جس میں مؤمن اور کافر اور صالح اور طالح سب ہی داخل ہیں اور ورود کے معنی عبور اور مرور کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کے پاس پہنچنے کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ... فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَهُمۡ فَاَدۡلٰى دَلۡوَهٗ﴾ (القصص: ۲۳) اور ورود سے پل صراط پر سے گزرنا مراد ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مؤمن اور کافر سب کو پل صراط پر سے ہو کر گزرنا ہے۔ جو جہنم کی پشت پر قائم کیا جائے گا۔ جنت میں

جانے کا راستہ یہی پل صراط ہے۔ مؤمن تو اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے۔ اور کافر اسی میں گر پڑیں گے۔ جیسا کہ بعد والی آیت اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ ہم مؤمنوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گرادیں گے۔ اور پل صراط پر سے گزرنے کی رفتار بقدر اعمال ہوگی۔ کوئی مثل برق (بجلی) کے گزرے گا اور کوئی مثل تیز گھوڑے کے اور کوئی مثل شتر سوار کے اور کوئی مثل دوڑنے والے آدمی کے اور کوئی مثل معمولی رفتار کے۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ وُرود سے عبور اور مرور کے معنی مراد ہیں خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دوزخ کی پشت پر جو پل قائم کیا جائے گا تم سب کو اس پر سے گزرنا ہے جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی پشت کو جنت میں جانے کا راستہ بنایا ہے۔ اہل ایمان اور خدا سے ڈرنے والے اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے موافق اس سے صحیح سالم گزر جائیں گے۔ اور گنہگار اور بدکار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر کچھ عرصے بعد گنہگار اہل ایمان انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور پھر اخیر میں براہِ راست ارحم الراحمین کے دست رحمت سے وہ لوگ بھی دوزخ سے نکال لیے جائیں گے کہ جن میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور صرف کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے جو ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾۔

اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ﴾ کا خطاب خاص کفار کو ہے اور ورود کے معنی دخول کے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا﴾ (الانبیاء:۹۹) اگر یہ بت معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ وقال اللہ تعالیٰ: ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾ (هود:۹۸)۔ اور جب ورود کے معنی دخول کے ہوں گے تو یہ دخول نار کفار کے لیے مخصوص ہوگا۔ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام اس حکم میں داخل نہ ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا﴾ (الانبیاء:۱۰۱) ﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ (النمل:۸۹) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین مخلصین جہنم سے دور اور بالکلیہ اس سے مامون اور محفوظ رہیں گے۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت میں ورود سے دخول کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مؤمن اور کافر سب اس میں داخل ہوں گے۔ اور جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں کی طرف دراز کیں اور کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو تو خدا کرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نیک و بد باقی نہ رہے گا۔ مگر ضرور جہنم میں داخل ہوگا مگر وہ آگ مؤمن کے حق میں برد وسلام ہو جائے گی۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ہوگئی تھی۔ (اخرجہ احمد والحکیم الترمذی والحاکم وصححہ)

اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت سے آگ کا کسی کے حق میں برد اور سلام ہو جانا کوئی محال نہیں اس لیے کہ احراق نار کا طبعی اور ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ آگ کا کسی کو جلانا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ آخر جو فرشتے جہنم پر مقرر ہیں آگ ان کو نہیں جلاتی اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ ایک ہی پیالہ پانی کا قبطی کے حق میں خون ہو جاتا تھا اور وہی پیالہ سبطی یعنی اسرائیلی کے حق میں شیریں پانی ہو جاتا تھا نیز عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ جہنم کے وسیع علاقے میں کچھ حصے ایسے بھی ہوں جو آگ سے خالی ہوں اور مؤمن جہنم کا معائنہ کر کے صحیح سالم واپس آ جائیں۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۵۷۳ ج ۵)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ورود کے معنی دخول کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سب لوگ مسلمان ہوں یا کافر ایک مرتبہ دوزخ میں ضرور جائیں گے مگر اہل ایمان کے حق میں آتش دوزخ بردوسلام ہوجائے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ورود کے معنی مرور اور عبور کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے اوپر سے مسلمان اور کافر سب گزریں گے پل صراط دوزخ کی پشت پر ہے سب کو اوپر سے گزرنا ہوگا۔ مسلمان تو پار ہوجائیں گے اور کافر کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔

(اب رہا یہ سوال) کہ مؤمنین کے اس طرح دخول جہنم میں کیا حکمت ہے کہ آگ ان کے حق میں بردوسلام ہوجائے۔ **(سو جواب یہ ہے)** کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

① ایک یہ کہ اہلِ ایمان کے سرور اور فرحت میں اضافہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہولناک مقام سے خلاصی بخشی اور اس نعمت عظمٰی پر اللہ کا شکر کریں۔

② دوم یہ کہ کافروں کے غم اور حسرت میں اضافہ ہو کہ جن کو ہم نے دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھا تھا وہ تو آج عیش وعشرت میں ہیں اور ہم عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔

③ سوم یہ کہ مسلمانوں کے دشمن ان کے روبرو فضیحت ہوں۔

④ چہارم یہ کہ کافروں کو معلوم ہوجائے کہ جس حشر ونشر کی ہم تکذیب کرتے تھے وہ ہی حق نکلا۔

⑤ پنجم یہ کہ مسلمانوں کو جنت کی نعمت کی قدر معلوم اور اسکی لذت محسوس ہو اس لیے کہ کسی نعمت کی قدر و قیمت مقابلہ سے ہوتی ہے وبضدھا تتبیّن الاشیاء. (تفسیر کبیر صفحہ ۵۷۳ ج ۵)

اور علماء تفسیر کے اس گروہ کے نزدیک جو ورود کو بمعنی دخول لیتے ہیں آیت ﴿أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ (الانبیاء:۱۰۱) سے نفسِ جہنم سے بُعد اور دوری مراد نہیں۔ بلکہ اس کے عذاب سے دوری مراد ہے برگزیدہ حضرات کے حق میں تھوڑی دیر کے لیے بطور معائنہ جہنم کے علاقہ میں داخل ہونا موجب رحمت و کرامت ہوگا۔ جیل خانہ میں مجرموں کا داخل ہونا اور نوع کا ہے اور حکام کا بطور معائنہ اس میں داخل ہونا یہ اور نوع کا ہے دونوں دخول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کفار کے ایک مغالطہ کا جواب:

گزشتہ آیات میں منکرین حشر کے ذلت آمیز عذاب کا ذکر فرمایا کہ ان ظالموں کو ذلت وخواری کے ساتھ ہم اسی جہنم میں گرادیں گے یہ ظالم جب اس قسم کی آیتیں سنتے جن میں ان کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا تو بطور استہزاء وتفاخر غریب مسلمانوں سے یہ کہتے کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی تم سے اچھے رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم تم سے مال و دولت اور عزت و وجاہت کے اعتبار سے بہتر ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا جواب دیتے ہیں اور ان ظالموں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور قیامت کے دلائل ان کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کے جواب سے عاجز آجاتے ہیں تو ازراہ جہالت کافر ایمان داروں سے یہ کہتے ہیں کہ بتلاؤ تو سہی کہ ہم دونوں فریق میں سے کون سا فریق مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے اور کون سا باعتبار مجلس کے عمدہ ہے منکرین حشر جب دلائل حشر کے جواب سے عاجز آتے تو یہ کہتے کہ بتلاؤ دنیا میں کون زیادہ معزز ہے اور کس کی مجلس اور سوسائٹی بہتر ہے اور کون عمدہ مکانات اور موٹر اور بنگلوں کا مالک ہے اور کون ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہا ہے۔

پس جس طرح ہم یہاں راحت وعزت میں ہیں اور تم ذلت اور مصیبت میں اسی طرح ہم عالم آخرت میں معزز اور سر بلند ہوں گے اور تم اسی طرح پستی میں ہو گے اگر تم حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو تمہارا حال ہم سے بہتر ہوتا اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں اس بات کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان کفار مکہ سے پہلے کتنی ہی امتیں اور جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں۔ جو سامانِ زندگی یعنی مال ومتاع میں اور مال ودولت اور عزت وشوکت میں اور نمود اور منظر میں ان سے بہت تھے۔ جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اللہ نے ان کو تباہ اور برباد کر دیا معلوم ہوا کہ دُنیا کی چند روزہ خوشحالی اور مال ودولت کی فراوانی مقبولیت اور محبوبیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان مغرور متکبر دولت مندوں اور عیش پرستوں کو دنیا میں تباہ وبرباد اور ذلیل وخوار نہ کرتا ان کا مال ومنال اور ان کی عزت ووجاہت ان کی ہلاکت اور ذلت کو دفع نہ کر سکی۔

فائدہ: ''اثاث'' کے معنی ساز وسامان کے ہیں جو تمام اقسام کے اموال کو اور اُونٹ اور گھوڑے اور حشم وخدم کو اور اسباب خانہ کو شامل ہے اور ﴿رِءْيًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو منظر اور ظاہری ہیئت میں خوبصورت ہو۔ اور دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہو جیسے آج کل بنگلوں کا سامان آرائش وزیبائش جسے قارون اور فرعون بھی دیکھ کر دنگ رہ جائے۔ ان کافروں کی نظر صرف دنیا پر تھی اہل مکہ کو کچھ عزت ووجاہت ملی اور کچھ مال ودولت ملا مست ہو گئے۔ اور اترانے لگے اور غریب اور نادار مسلمانوں کو حقیر سمجھنے لگے اپنی فراخی اور مسلمانوں کی تنگدستی کو اس بات کی دلیل ٹھہرانے لگے کہ ہم حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں قریش مکہ کو یہ ہوش نہ آیا کہ نصاریٰ روم بھی ہمارے مخالف ہیں اور ایران کے مجوسی بھی ہمارے مخالف ہیں اور دونوں گروہ مال ودولت اور عزت ووجاہت میں مکہ کے بت پرستوں سے ہزار درجہ بڑھ کر تھے۔ تو کیا قریش مکہ کے نزدیک نصاریٰ اور مجوس کی یہ ہوش ربا مالداری ان کے حق ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے۔

جواب دیگر: اب آئندہ آیت میں اسی شبہ کا دوسرا جواب دیتے ہیں اور اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ اے نبیؐ! آپ ﷺ ان کافروں سے یہ کہہ دیجیے کہ اللہ کی عادت یوں جاری ہے کہ جو شخص گمراہی میں غرق ہے۔ سو [1] رحمٰن اس کو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ خوب ڈھیل دینا یعنی اس کو رحمٰن کی رحمت اور اس کے حلم سے مہلت مل رہی ہے ورنہ اس کے جرم کا مقتضا یہ تھا کہ فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ گمراہوں کو فوراً پکڑ لے وہ حلیم وکریم ہے۔ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اس کو طویل مہلت دیتا ہے اور اس کی رسی کو دراز کرتا ہے اور پے در پے اس کو نعمتیں پہنچاتا رہتا ہے تاکہ اس پر حجت پوری ہو جائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ (فاطر: ۳۷).... وقال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا﴾ (آل عمران: ۱۷۸) یعنی ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ دل کھول کر کفر کریں اور دل کی حسرتیں نکال لیں اس لیے دُنیا ان پر خوب کشادہ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جس کا اللہ کی طرف سے وعدہ [2] یا وعید کی گئی ہے۔ خواہ دُنیاوی عذاب کو دیکھیں اور خواہ قیامت کو دیکھیں جو عذاب کی انواع واقسام کا مجموعہ ہے تو اس وقت ان پر حقیقت حال کھل جائے گی۔

---

[1] یہ ﴿فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ کا ترجمہ ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے مگر معنی اس کے خبر کے ہیں۔ معنی مرادی کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا اور لفظی ترجمہ یہ ہے کہ چاہیے کہ دراز کرے رحمٰن اس کے لیے خوب دراز کرنا۔ اور خبر کو بصیغۂ امر اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اشارہ اس طرف ہے کہ بمقتضائے حکمت اس مہلت کا واقع ہونا ضروری ہے۔

[2] اس تردید میں اشارہ اس طرف ہے کہ یوعدون۔ وعدہ سے مشتق ہے یا وعید سے دونوں کی گنجائش ہے۔

اور اس وقت جان لیں گے کہ کون بدتر ہے باعتبار جگہ اور ٹھکانہ کے یا باعتبار ❁ مقام اور مرتبہ کے اور کس کے مددگاروں کی فوج کمزور ہے۔ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ دونوں فریقوں میں سے کس کے مکانات عمدہ اور کس کی مجلسیں شاندار ہیں۔ اور کس کے یار و مددگار زوردار ہیں وہاں ان کے لیے نہ کوئی ٹھکانہ ہوگا اور نہ کوئی یار و مددگار ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم! آپ ﷺ ان گمراہوں سے جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں مسلمانوں کو حقیر سمجھ رہے ہیں ان سے یہ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ حلیم اور کریم ہے۔ سرکشوں کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ضلالت کو مہلت دیتا ہے کہ اپنے غرور اور جہالت کی امنگیں پوری کرلیں جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکایک ان کو دُنیاوی یا اُخروی عذاب میں پکڑتا ہے اس وقت وہ جان لیتے ہیں کہ ذی عزت اور صاحب منزلت کون ہے اور کون ذلیل و خوار ہے معلوم ہوا کہ حسب و نسب اور مال و دولت مدار فضیلت نہیں بلکہ عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ مدارِ فضیلت ہیں۔ کافر دُنیا میں غرور اور فخر سے یہ کہتا تھا ﴿اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا﴾ (مریم: ۷۳) قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مقام بُرا ہے اور کس کی مجلس بری ہے اللہ تعالیٰ کے حلم نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا ۔

ہین مشو مغرور بر حلم خدا ۔۔۔ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

خلاصۂ کلام یہ کہ آیات بینات کی تلاوت سے گمراہوں کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان آیاتِ بینات سے راہِ راست اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت بڑھاتا ہے۔ جس قدر آیات بینات کو سنتے ہیں اسی قدر ان کے ایمان اور ہدایت میں زیادتی ہوتی ہے۔ آیاتِ بینات سے مؤمنین کے ایمان اور ایقان میں زیادتی ہوتی ہے اور کافروں کی گمراہی میں زیادتی ہوتی ہے۔

جواب دیگر: دلدادگان دنیا جو بطور تمسخر اور استہزاء غریب مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہم دُنیا میں باعتبار مال و دولت کے تم سے بہتر ہیں اسی طرح ہم آخرت میں بھی تم سے اچھے رہیں گے۔ ان کی اس بات کے دو جواب پہلے گزر گئے۔ اب آگے ایک اور جواب دیتے ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی اعمالِ صالحہ اور اعتقادات حقہ تیرے پروردگار کے نزدیک باعتبار جزاء کے بھی بہتر ہیں اور باعتبار انجام اور ثمرہ کے بھی بہتر ہیں '' باقیات صالحات '' سے وہ اعمالِ صالحہ مراد ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے کام آویں حدیث میں: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا ہے۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمام اعمالِ صالحہ اس میں داخل ہیں۔ سورۂ کہف کے چھٹے رکوع میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ آخرت میں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ عزت و راحت کا دار و مدار باقیات صالحات پر ہے اور اصلی دولت اعمالِ صالحہ اور اعتقادات حقہ ہیں نہ کہ دُنیاوی مال و دولت اور اس دار فانی کا ساز و سامان اور چند روزہ رونق، وہاں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ ﴿خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا﴾ (مریم: ۷۳) کا بہترین مقام کس کو حاصل ہے۔ اہل ایمان کو یا اہل کفر کو مرنے کے بعد مال و اولاد کام نہ آئیں گے صرف باقی رہنے والی نیکیاں کام آئیں گی۔

منکرین حشر کے ایک اور تکبر اور تمسخر کا جواب:

گزشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی منکرین بعث و نشر کے ایک تمسخر کا جواب دیتے ہیں۔ اوّل حق تعالیٰ نے کفار کے ایک

❁ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ میں دو احتمال ہیں کہ مکان سے جگہ اور ٹھکانہ کے معنی مراد ہوں یا مقام اور مرتبہ کے معنی مراد ہوں۔ واللہ اعلم

قول کا ذکر کیا جو دُنیا کی ظاہری رونق اور زینت پر فخر کرتے تھے اور اپنے مال و دولت اور قوت و شوکت اور کثرت اعوان و انصار پر اور عمدگی مکانات پر اتراتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا مسکت جواب دیا۔ اب پھر اسی قسم کے غرور و تکبر کا ایک قول نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ خباب بن ارت صحابی رضی اللہ عنہ آہنگری کا کام کرتے تھے جاہلیت کے زمانہ میں عاص بن وائل کافر نے ان سے ایک تلوار بنوائی جس کی قیمت اس کے ذمے قرض تھی زمانۂ اسلام میں خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنے قرض کا تقاضہ کیا اس نے کہا کہ جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہ کرے گا اس وقت تک میں تیرا قرض نہیں دوں گا۔ خباب رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ ہرگز ہرگز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مرے اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے تو وہ بولا کہ جب میں مر کر زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس مال اور اولاد سب کچھ ہوگا جیسا کہ اب ہے۔ پس اسی وقت تیرا سارا قرض چکا دوں گا، جلدی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی بدبخت کا قول نقل فرمایا اور اس کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بدبخت کو کیونکر معلوم ہوا کہ وہاں بھی اس کو مال اور اولاد ملے گا۔ کیا یہ عالم الغیب ہے یا اس نے خدا سے اقرار کر لیا ہے ہم اس کی یہ سب باتیں لکھ رہے ہیں۔ قیامت کے دن باز پرس کریں گے اور سزا دیں گے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور بطور استہزاء و تمسخر یہ کہا کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو وہاں بھی مجھ کو مال اور اولاد دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: کیا یہ کافر غیب پر مطلع ہو گیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو سب کچھ ملے گا۔ ''اطلاع'' کے معنی بلند مقام پر چڑھ کر کسی چیز کو جھانکنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کیا اس کافر نے بلند مقام سے جھانک لیا ہے کہ وہاں مجھ کو یہ ملے گا یا اس نے لوح محفوظ پر نظر ڈال کر دیکھ لیا ہے کہ میں ضرور بہشت میں داخل ہوں گا۔ اور وہاں پہنچ کر مجھ کو مال و اولاد ملے گی یا اس نے اللہ سے اس بات کا عہد لے لیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کو مال اور اولاد دے گا۔ ہرگز نہیں یہ سب غلط ہے وہاں کچھ نہیں ملے گا یہ کلمۂ زجر ہے یعنی جھڑکی ہے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے اور یہ شخص جھوٹا اور بدکار ہے اور سخت گستاخ ہے ضرور ہم اس کا یہ گستاخانہ قول اس کے اعمال نامہ میں لکھ لیں گے اور قیامت کے دن اس گستاخانہ قول پر خاص طور پر سزا دیں گے۔ اور اس گستاخی و جرأت کی وجہ سے ہم اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اوّل تو کفر اور پھر یہ گستاخی اس لیے اس پر عذاب پر عذاب ہوگا۔ اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس کے ہم وارث ہوں گے اس کے مرتے ہی وہ سب اس سے چھن جائے گا اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تن تنہا آئے گا نہ اس کے ساتھ اس کا مال ہوگا اور نہ اس کی اولاد ہوگی۔ قیامت کے دن کافر کو نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد ساتھ دے گی بخلاف مسلمان کے کہ وہاں اس کو مال بھی کام آئے گا اور اولاد بھی کام آئے گی۔

*

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ

اور پکڑا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو پوجنا کہ وہ ہوں ان کی مدد۔ یوں نہیں! وہ منکر ہوں گے

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ ع ۵ ۱۷ ۸

ان کی بندگی سے اور ہو جاویں گے ان کے مخالف۔ تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

منکروں پر؟ اچھالتے ہیں ان کو ابھار کر۔ سو تو جلدی نہ کر ان پر ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی

عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ

گنتی۔ جس دن ہم اکٹھا کر لاویں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے۔ اور ہانک لے جائیں گے گنہگاروں کو

اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

دوزخ کی طرف پیاسے۔ نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا رحمٰن سے

عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾

اقرار۔ اور لوگ کہتے ہیں رحمٰن رکھتا ہے اولاد۔ تم آگئے ہو بھاری چیز میں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ

ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ

هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ

ڈھے کر۔ اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر اولاد۔ اور نہیں بن آتا رحمٰن کو کہ رکھے

وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

اولاد۔ کوئی نہیں جو آسمان و زمین میں جو نہ آوے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

اس پاس ان کا شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی۔ اور ہر کوئی ان میں آوے گا اس پاس قیامت کے دن اکیلا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا رحمٰن محبت۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

سو ہم نے آسان کیا یہ قرآن تیری زبان میں اس واسطے کہ خوشی سناوے تو ڈر والوں کو اور ڈراوے جھگڑالو لوگوں کو۔

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ

اور کتی کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں، آہٹ پاتا ہے تو ان میں کسی کا؟ یا

نَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع

سنتا ہے؟ ان کی بھنک۔

ع ۶ / ۱۶ / ۹

ابطال عقیدۂ ابنیت وبیان ضلال ووبال منکرین وحدانیت ومنکرین قیامت برائے تسلیۂ نبی اکرم ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً ... الى ... اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾

ربط: شروع سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت اور بلا باپ کے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا تا کہ ان کی والدۂ ماجدہ کی عصمت و نزاہت ثابت ہو جائے اور یہود بے بہبود کا رد ہو جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو ولد الزنا اور ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں ان لوگوں کے زعم فاسد کا رد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں اور اس پر گھمنڈ کرتے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں قیامت اور خدا پرستوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی جہالت اور ضلالت اور سوء عاقبت کو بیان کرتے ہیں جو مشرک ہیں اور خدائے تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے نصاریٰ اور یہ بتلاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ایسا جرم عظیم ہے کہ اندیشہ ہے کہ آسمان اور زمین نہ شق ہو جائیں اگر اللہ تعالیٰ کا حلم نہ ہوتا تو یہ گستاخ کب کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

اور جب دنیا میں کفار اور مشرکین کی جہالت اور آخرت میں ان کی فضیحت بیان کر چکے تو سورت کو احوالِ مؤمنین صالحین پر ختم فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور عمل صالح کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ من جانب اللہ لوگوں کے دلوں میں مؤمن کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ جس سے وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے اور سورت کو ایک موعظت بلیغہ پر ختم فرمایا۔ یعنی ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ (مریم:۹۸) پر سورت کو ختم فرمایا کہ یہ دنیا فانی اور آنی جانی ہے اپنے انجام کو سوچ لو۔ مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ اس سورت کو رحمت کے ذکر سے شروع فرمایا۔ اور انذار اور ترہیب پر اس کو ختم فرمایا یہ انداز کلام خاص طور پر موجب لطف ہے۔

نیز قریبی آیتوں میں ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں دوسرے ناخلف لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو خدا کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت پر تو گھمنڈ کرتے ہیں اور اپنی جہالت اور ضلالت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان نادانوں نے بنا لیے اللہ کے سوا اور معبود جن کی یہ عبادت کرتے ہیں تا کہ وہ معبود ان کے لیے اللہ کے یہاں عزت اور نصرت کا سبب بنیں اور اللہ کے یہاں ان کی شفاعت کریں اور ان کی شفاعت کی بدولت خدا کے یہاں عزت پائیں۔ ہرگز

نہیں یعنی کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ان نادانوں کا محض سودائے خام ہے۔ جو انہوں نے اپنے خیال سے گھڑ رکھا ہے کسی کو معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا وہ معبود خود ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور تراشے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو کیا نفع پہنچائیں گے اور ان کو کیا عزت بخشیں گے بلکہ قیامت کے دن یہی معبود خود ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے۔ اور بجائے معین و مددگار ہونے کے ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔ اور ان کی بندگی سے اپنی براءت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا کر دے گا۔ اور وہ بت ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہیں جن کو اپنا دوست یار و مددگار سمجھتے تھے وہ مدد تو کیا کرتے الٹے ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ اور بجائے عزت بڑھانے کے ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○﴾ (احقاف: ۶،۵)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ (القصص: ۶۳) ﴿فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (النحل: ۸۶)

پس جب یہ بت بھی ان سے بری اور بیزار ہو جائیں گے تو ان کی حسرت بہت ہی زیادہ ہو جائے گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿سَيَكْفُرُوْنَ﴾ کی ضمیر عابدوں یعنی مشرکوں کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب کافر اور مشرک قیامت کے دن کفر اور شرک کے برے انجام کا مشاہدہ کریں گے تو اپنے شرک سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ یعنی خدا کی قسم ہم تو کبھی مشرک ہوئے ہی نہیں۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر اپنے شرک سے مکر جائیں گے اور صریح جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے تو تیری عبادت میں کسی کو شریک ہی نہیں کیا۔

اُوپر کی آیتوں میں کافروں کی گمراہیوں کا اور آخرت میں ان کی رسوائیوں کا بیان ہوا اب آئندہ آیات میں ان کی گمراہی کا سبب بیان کرتے ہیں کہ وہ تسلط شیاطین ہے کہ دنیا میں شیاطین ان پر مسلط تھے اور یہ لوگ ان کے اشاروں پر چل رہے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ آپ نے دیکھا نہیں کہ ہم نے بتقاضائے حکمت اور بغرضِ ابتلاء و امتحان شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان کو ہلاتے رہتے ہیں خوب ہلانا اور اچھالتے رہتے ہیں خوب اچھالنا اور اپنی انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں خوب نچانا تا کہ اہل عقل ان کی گمراہی کا تماشا دیکھیں۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''ارسال'' کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جیسے کتا شکار پر چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ دیا ہے انتہیٰ کلامہٗ۔ یہ اس کی قضاء و قدر ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت ہے جس کو چاہے جس پر مسلط کر دے۔

اور ﴿تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ کے معنی تحریک اور ازعاج کے ہیں یعنی ہلانے اور جنبش دینے اور برانگیختہ کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا بلکہ برانگیختہ کرتا ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے وارث کسی کو اللہ کی اطاعت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح شیاطین کسی کو کفر اور معصیت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ اس کو کفر اور معصیت کی دعوت دیتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور جو شہوت پرست نفس کے بندے ہیں وہ شیطان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی اور اس کے مقابلہ پر تل جاتے ہیں اور مستحق سزا کے ہو جاتے ہیں۔

پس اے نبیؐ! آپ ﷺ ان بدبختوں کے لیے عذاب اور سزا کی جلدی نہ کیجیے۔ ہم ان کے جرم سے غافل نہیں ہم نے ان کی سزا کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ جز ایں نیست کہ ہم ان کی مدت کو شمار کر رہے ہیں شمار کرنا جب وہ شمار پوری ہو جائے گی اس وقت ان پر عذاب آئے گا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کے عذاب میں جلدی نہ کیجیے ہم نے ان کو مہلت دے دی ہے اور ان کی باگ ڈور ڈھیلی چھوڑ دی ہے اور ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور ان کی میعاد کے دن ہم گن رہے ہیں جب دن پورے ہو جائیں گے تو ضرور عذاب آئے گا اور کسی طرح نہیں ٹلے گا اور ان مجرموں کو سزا اس روز ملے گی کہ جس روز ہم پرہیزگاروں کو بارگاہِ رحمٰن کی طرف اعزاز واکرام کے ساتھ وفد بنا کر سواریوں پر لے جائیں گے۔ جیسے معزز وفود کو شہنشاہ کی بارگاہ میں سوار کر کے لے جاتے ہیں۔ اور مجرموں کو جانوروں کی طرح جہنم کی طرف پاپیادہ اور پیاسا ہنکا کر لے جائیں گے جس طرح پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف ہنکا کر لے جاتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو پاپیادہ اور پیاسا ہنکا کر دوزخ کے گھاٹ لے جا کر اُتار دیں گے۔

بے شمار روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ متقین اعزاز واکرام کے ساتھ سواریوں پر سوار کر کے جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اور مجرم لوگ پاپیادہ اور پیاسے جانوروں کی طرح ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ اور اس روز لوگ شفاعت کے مالک اور مختار نہ ہوں گے مگر جس نے رحمٰن سے کوئی پروانہ لیا۔ یعنی اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ مگر جس کو اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو جیسے انبیاء وصلحاء اور جن کے لیے اجازت ہو بغیر اس کی اجازت کے کوئی زبان نہیں ہلا سکے گا۔ اور سفارش انہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے لیے سفارش کی اجازت ہو گی جیسے مسلمان اور کافروں کے لیے سفارش کی اجازت نہ ہو گی۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کا رد فرمایا اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنائی۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ اس میں شک نہیں کہ تم تینوں بڑی بھاری بات لائے ہو اور جرم عظیم کے مرتکب ہوئے ہو قریب ہے کہ تمہاری اس گستاخی سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کہنے والوں پر گر پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور یہ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اور وہ ریزے اڑ کر ان کو لگ جائیں۔ جس سے یہ ہلاک یا زخمی ہو جائیں اس لیے کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لیے اولاد ٹھہرائی ہے۔ یہ ایسی بھاری بات ہے کہ اگر اس سے سارا عالم تہ وبالا ہو جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ مگر وہ رحمٰن حلیم اور بردبار ہے۔ گستاخی اور نالائقی پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ (فاطر: ۴۱) غرضیکہ یہ کلمہ نہایت درجہ خراب اور بُرا ہے اور جس سے اللہ کا غضب اور قہر جوش میں آ جاتا ہے اور زمین اور آسمان اس سے تھرا جاتے ہیں اور اندیشہ ہوتا ہے کہ دنیا تباہ نہ ہو جائے۔ رحمٰن کی شان کے شایان نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ بیٹا باپ کا شبیہ اور نظیر ہوتا ہے۔ اور کسی درجہ میں باپ کا مددگار بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شبیہ اور نظیر سے پاک ہے اور کسی کی مدد سے بے نیاز ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے وہ اس کے روبرو ضرور بندہ اور غلام بن کر حاضر ہونے والا ہے تو اس کے بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے۔ بیٹا اور غلام ہونے میں تو منافات ہے۔

البتہ تحقیق اللہ نے سب کو اپنے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھیر رکھا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور ہر ایک ان میں قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہونے والا ہے۔ نہ اس کے پاس مال ہو گا اور نہ اولاد ہو گی۔ غرضیکہ کل عالم اس کے سامنے مجبور اور مقہور

ہے اور عاجز اور لاچار ہے اور اس کے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوا ہے پھر وہ خدا کا شریک یا اس کا فرزند کیسے ہو سکتا ہے۔

خاتمۂ سورت

مشتمل بر بشارت اہل ایمان وطاعت ونذارت اہل طغیان وخصومت وبودن آں از اعظم مقاصدِ نزولِ کتاب ہدایت واغراضِ بعثت

ربط: اُوپر کی آیتوں میں متقین کے اعزاز واکرام اور مجرمین کی ذلت وخواری کا ذکر تھا۔ اب اس سورت کو ابرار کی بشارت اور اشرار کی نذارت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تنزیل قرآن اور بعثت نبوی کا عظیم ترین مقصد ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اخروی نعمتوں کے علاوہ دنیا ہی میں ان کو یہ نعمت عطا کرے گا کہ نیک بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔ اور بدوں کے دل میں ان کی ہیبت ڈال دے گا۔ یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظر میں محبوب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بدون سبب ظاہری لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کافروں کے دل میں رعب ڈال دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔ (کذا فی موضح القرآن)

فائدہ: جاننا چاہیے کہ مقبولیت ومحبوبیت اور چیز ہے اور شہرت اور چیز ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مقبولیت اور محبوبیت کی ابتداء نیک بندوں اور خدا پرستوں سے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو قبول عام ہو جاتا ہے باقی محض اخباری شہرت یا کسی غلط فہمی کی بنا پر عوام الناس کا کسی لیڈر کی طرف جھک جانا یہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

پس اے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ بشارت دیجیے کیونکہ اس قرآن کو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اسی لیے آسان اور سہل کر دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعے بشارت سنائیں پرہیز گاروں کو جنہوں نے کفر اور شرک سے کنارہ کیا۔ اور ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے اور تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔ جھگڑالو قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق اور اہل حق سے جھگڑتے ہیں اور باطل اور اہل باطل کا ساتھ دیتے ہیں۔ جن کو حق سے عداوت ہے اور حق سے عداوت اور نفرت ہی ہمہ اقسام کفر ومعصیت کی جڑ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے عذاب سے اس جھگڑالو قوم کو ڈرایئے اور یہ بتلا دیجیے کہ ہم نے ان سے پہلی کتنی ہی جھگڑالو قوموں کو ہلاک کر دیا۔ جو حق سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے اور اہل حق سے جھگڑتے تھے۔ کیا تو پاتا ہے اور دیکھتا ہے ان ہلاک ہونے والوں میں سے کسی کو یعنی کیا ان میں سے کوئی تجھے دکھائی دیتا ہے یا ان میں سے کسی کی سنک اور بھنک سنتا ہے۔ ''رِکْز'' کے معنی لغت میں آہستہ آواز کے ہیں۔ حاصل یہ کہ ان ہلاک شدگان میں سے تجھے کسی کا جسم نظر آتا ہے یا کسی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ سب ہی ہلاک ہو گئے کسی کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔

لہٰذا عرب کے کافر اپنے انجام کو سوچ لیں اور پہلی قوموں کی تباہی اور بربادی سے عبرت پکڑیں اور برے انجام سے ڈریں۔ اور آخرت کی فکر کریں اور قہر الٰہی سے ڈریں اور اللہ کی عادت یہ ہے کہ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب جکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ یہ صفت اور حالت تو کفار کی تھی۔ مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں کا ظاہری اور عملی طور پر یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ہم کو حسن اعمال کی توفیق دے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین یارب العالمین

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ یوم چہارشنبہ بوقت آٹھ بجے سورۂ مریم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

والحمد للہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا ومولانا محمّد وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین و علینا مَعَهُمْ یا ارحم الرّاحمین ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تفسیر سورۂ طٰہٰ

یہ سورت مکی ہے اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کے شروع میں طٰہٰ کا لفظ آیا ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی اور اس سورت کا ایک نام الکلیم بھی ہے۔

سورۂ مریم میں حق تعالیٰ نے متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات اور قصے ذکر کیے بعض تفصیل کے ساتھ جیسے زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے قصے اور بعضے اجمال اور اختصار کے ساتھ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے قصوں کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا: قال اللہ تعالیٰ: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ... الآیۃ﴾ (مریم:۵۸) اب اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور پھر اخیر سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی قدرے تفصیل کرتے ہیں جن کا سورۂ مریم میں محض نام ذکر فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ﴾ (مریم:۵۸) اور اس سورت کے بعد سورۂ انبیاء میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر فرمائے جن کے قصے سورۂ مریم علیہا السلام میں ذکر نہیں فرمائے تھے۔ جیسے حضرت نوح اور لوط اور داؤد اور سلیمان اور ایوب' الیسع اور ذوالکفل اور ذوالنون علیہم السلام کے قصے اور جن انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے سورۂ مریم میں ذکر ہو چکے تھے سورۂ انبیاء میں ان کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کے قصے اور سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا لیکن سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صرف اتنا قصہ ذکر فرمایا جو قوم سے متعلق تھا اور جتنا قصہ ان کے باپ آذر سے متعلق تھا چونکہ اس کا ذکر سورۂ مریم میں ہو چکا تھا اس لیے سورۂ انبیاء میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

*

آیاتُہا ۱۳۵ (۲۰) سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ (۴۵) رکوعاتُہا ۸

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا ہے بڑا مہربان

طٰهٰ ۚ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ ② اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ ③

طٰہٰ○ اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے۔ مگر نصیحت کے واسطے جس کو ڈر ہے۔

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۭ ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ

اتارا ہے اس شخص کا، جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے۔ وہ بڑی مہر والا تخت کے اوپر

اسْتَوٰى ⑤ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا

قائم ہوا۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور ان دونوں کے بیچ اور

تَحْتَ الثَّرٰى ⑥ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ⑦

نیچے سیلی زمین کے۔ اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو خبر ہے چھپے کی اور اس سے چھپے کی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ⑧

اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ اس کے ہیں سب نام خاصے۔

تقریر رسالت و وحدانیت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿طٰهٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ... الی ... لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ⑧﴾

ربط: گزشتہ سورت کے ختم پر نزول قرآن کا ذکر تھا۔ ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ ... الخ﴾ (مریم:۹۷) یعنی ہم نے قرآن آپ ﷺ کی زبان یعنی عربی میں اس لیے نازل کیا تا کہ آپ ﷺ کو متقین کی تبشیر اور معاندین کا انذار آسان ہو جائے اب اس سورت کے شروع میں انزال قرآن کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اس قرآن کے نازل کرنے سے ہمارا مقصود نصیحت اور موعظت اور بندوں کی ہدایت ہے کہ ان کو زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل ہو اور سمجھیں کہ لائق عبادت وہی معبود برحق ہے

جس کی قدرت اور جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔

ابتداء میں جب آنحضرت ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا تو آپ ﷺ نماز تہجد میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ قدم مبارک ورم کر جاتے۔ بدبخت کافروں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ اس شخص پر قرآن کیا نازل ہوا یہ تو اور مشقت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿طٰهٰ﴾ واللہ اعلم بمرادہ بذالك. اے نبیؐ! آپ ﷺ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ ایسی مشقت اور تعب میں پڑ جائیں لیکن یہ قرآن تو ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لیے نازل کیا ہے جو خدا سے ڈرتا ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ کسی کے کہنے سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس کی قسمت میں ڈرنا اور ماننا ہے وہ مانے گا۔ جس قدر آپ ﷺ کو آسان ہوا تنا پڑھ لیا کیجیے۔ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ اور اس قدر تعب اور مشقت میں نہ پڑیے۔ مشرکین یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے آپ ﷺ پر کوئی مشقت اور تعب کی چیز نازل کی ہے بلکہ وہ ایک خیر کثیر اور کتاب حکمت اور موعظت ہے۔ اور مشعل ہدایت اور ابر رحمت اور سامان سعادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن رحمت کے لیے نازل کیا ہے نہ کہ زحمت کے لیے۔

یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہم نے آپ ﷺ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ ان سرکشوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رنج اور حسرت میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے ان کو نصیحت کریں اور ان منکرین اور معاندین کی باتوں سے ملول اور تنگ دل نہ ہوں آپؐ ان کو تبلیغ اور نصیحت کر چکے۔ اب ان کو اختیار ہے کہ چاہیں ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ اور یہ مضمون اس قسم کا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الکہف:۶)... ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ (الاعراف:۲)... ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ (آل عمران:۱۷۶)

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی دعوت اور نصیحت میں جس قدر مشقت اٹھا سکتے تھے وہ آپ ﷺ نے اٹھالی۔ آپ ان کے رنج و غم میں اپنی جان ہلاک نہ کیجیے اور یہ قرآن آپ ﷺ پر اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ رحمٰن ہے جو عرش پر قائم اور جلوہ فرما ہے۔ بمقتضائے رحمانیت اس نے بندوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے آپ ﷺ پر یہ قرآن نازل کیا ہے اور آپ ﷺ کے قلب مبارک کو اس نور ہدایت کے لیے کوہِ طور سے بڑھ کر مضبوط اور محکم بنایا ہے ہر شخص کا دل ان انوار و تجلیات کو برداشت نہیں کرسکتا۔ استواء علی العرش کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے۔ عرش اس کا مستقر اور جائے قرار نہیں اس لیے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت اور جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور نہ تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شئے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے۔ عرش اور مکان بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا عرش اور مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا کوئی جسم نہیں۔ جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (نظم)

نے مکاں رہ یافت سویش نے زماں نے بیاں دارد خبر زو نے عیاں
ایں ہمہ مخلوق حکم د اور است خالق عالم نہ عالم برتر است

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ یعنی جو چیز زمین کی تہہ میں ہے وہ بھی اس کی ملک ہے۔ گیلی مٹی ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بلندی وپستی سب اسی کے قبضۂ تصرف میں ہے اور سب پر اس کی نظر رحمت ہے۔

یہ تو اللہ کی قدرت ہوئی اور اللہ کے علم کی شان یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو کوئی بات پکار کر کہے تو اس کے سننے میں تو کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سننے میں کسی جہر کا اور کسی آواز کا محتاج نہیں وہ تو ایسا ہے کہ اس کو پوشیدہ بات کا اور پوشیدہ سے زیادہ پوشیدہ بات کا بھی علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر تو دل کے خطرات بھی پوشیدہ نہیں۔ ''سر'' کے معنی آہستہ اور پوشیدہ بات کے ہیں جو دوسروں سے چھپا کر کرے اور ''اخفی'' وہ بات ہے جو اپنے دل میں رکھے اور کسی سے بھی ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام عمدہ صفات اور کمالات اسی کے لیے ہیں۔ ربوبیت اور خالقیت اور رزاقیت اور مالکیت اور تمام صفات فاضلہ اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ اور کسی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔ اور یہ قرآن اسی ذات مقدس کی نازل کردہ کتاب ہے کہ جو تمام چیزوں کی مالک ہے اور تمام ظاہر و باطن کی عالم ہے، اور تمام کائنات کی مربی ہے۔ پس جس پر ایسی مقدس اور مبارک کتاب نازل ہوگی۔ وہ مشقت اور مصیبت میں نہیں پڑسکتا۔ اسی کتاب کو رحمٰن نے عرشِ عظیم سے نازل فرمایا ہے۔ اس کتاب کا نزول رحمت کی دلیل ہے نہ کہ زحمت اور مشقت کی علامت ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ
اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی۔ جب اس نے دیکھی ایک آگ، تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو! میں نے
اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩
دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تم پاس اس میں سے سلگا کر یا پاؤں اس آگ پر راہ کا پتہ۔
فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ⑪ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ
پھر جب پہنچا آگ پاس آواز آئی اے موسیٰ! میں ہوں تیرا رب سو اتار اپنی پاپوشیں، تو ہے
بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ⑬ اِنَّنِيْٓ
پاک میدان طویٰ میں۔ اور میں نے تجھ کو پسند کیا سو تو سنتا رہ جو حکم ہو۔ میں جو ہوں،
اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭ اِنَّ
میں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے، سو میری بندگی کر اور نماز کھڑی رکھ میری یاد کو۔ بیشک

الساعة اٰتیة اکاد اخفیھا لتجزی کل نفس بما تسعی ⑮ فلا

قیامت مقرر آنی ہے میں چھپا رکھتا ہوں اس کو کہ بدلہ ملے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے۔ سو کہیں

یصدنک عنھا من لا یؤمن بھا واتبع ھوٰہ فتردی ⑯

تجھ کو نہ روک دے اس سے وہ جو یقین نہیں رکھتا اس کا اور پیچھے پڑا ہے اپنے مزوں کے پھر تو پٹکا جاوے۔

تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وھل اتٰک حدیث موسٰی... الی... واتبع ھوٰہ فتردی ⑯﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں اللہ کی توحید اور آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا بیان تھا اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کیا۔ اور دلیل نبوت یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے گئے اللہ کے فضل سے ان کو نبوت مل گئی اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا کردے تو کیا بعید ہے۔

نیز اس قصہ کے بیان سے آنحضرت ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی دعوت اور تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں گی۔ آپ ﷺ بھی ان کی طرح صبر کیجیے بالآخر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور فرعون کی طرح ان متکبرین کی ظاہری شان وشوکت سب خاک میں مل جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اے نبی ﷺ بھلا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر بھی پہنچی ہے کہ کس طرح انہوں نے سختیوں پر صبر کیا۔ آپ ﷺ بھی تحمل شدائد میں ان کی اقتدا کیجیے۔ کیونکہ توریت میں آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کی مانند کہا گیا ہے۔ جس کو علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ "میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمٰعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا پس اسی مماثلت اور مشابہت کے ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں جا بجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تورات میں موسیٰ کی مانند کہا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک آگ دیکھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنے ماں باپ اور بھائی کو دیکھنے کے لیے مصر جانے کی اجازت چاہی تو شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اور ان کی بیوی کو ان کے ساتھ روانہ کردیا۔ سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی راستہ بھول گئے اسی پریشانی میں تھے کہ کوہ طور پر دور سے ایک آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے جن کا نام صفورا' یا صفوریا' یا صفورہ تھا یا گھر والوں سے کہا شاید بیوی کے علاوہ کوئی خادم وغیرہ بھی ساتھ ہو یہ کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میرے پیچھے پیچھے مت آنا۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید میں تمہارے واسطے اس آگ میں سے ایک شعلہ لاؤں یا شاید پاؤں آگ کے پاس راستہ کا اتہ پتہ یعنی شاید وہاں کوئی شخص ایسا مل جائے جو مجھے راستہ بتلادے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰ

علیہ السلام اپنی بیوی صفورا دختر شعیب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے مدین سے مصر کو واپس آ رہے تھے۔ جاڑوں کا موسم اور رات کا وقت تھا بیوی کو حمل تھا۔ آج کل میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ کوہ طور کے قریب جا پہنچے۔ سردی کی وجہ سے بے قرار تھے یکا یک دور سے ایک آگ نظر آئی حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ نور الٰہی تھا جو آگ کی صورت میں نظر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھے۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دراصل نار نہ تھی بلکہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نار (آگ) کی تلاش میں نکلے تھے اور آگ ہی ان کا مطلوب اور مقصود تھا۔ اس لیے نور الٰہی بصورتِ نار متجلی اور نمودار ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس نور الٰہی کو نار سمجھے اس لیے اس نور کو نار سے تعبیر کیا گیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقۃً آگ تھی اور بارگاہِ خداوندی کے حجابات میں سے ایک حجاب تھی۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ من جملہ حجابات خداوندی اللہ کا ایک حجاب آگ ہے۔ اگر اللہ اس حجاب کو اٹھا لے تو اس بے چون و چگون وجہ (منہ) کے سبحاتِ جلال یعنی انوار و تجلیات جہاں تک پہنچیں سب کو جلا کر بھسم کر دیں۔ (رواہ مسلم)

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور اہل کو بلفظ ﴿اَمۡكُثُوۡا﴾ بصیغۂ جمع مذکر خطاب کرنا بطریق تکریم تھا۔ جیسے ﴿رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ﴾ (ھود: ۷۳) میں بصیغۂ جمع مذکر خطاب تکریم ہے۔ اور جیسے ﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳) میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بصیغۂ جمع مذکر بغرض تکریم خطاب کیا گیا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو منجانب اللہ آواز دی گئی اے موسیٰ علیہ السلام بلا شبہ میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں اور دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے ﴿نُوۡدِيَ مِنۡ شَاطِیٴِ الۡوَادِ الۡاَيۡمَنِ فِي الۡبُقۡعَةِ الۡمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنۡ يّٰمُوۡسٰٓى اِنِّيۡۤ اَنَا اللّٰهُ﴾ (القصص: ۳۰) یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اس مبارک وادی میں درخت کے قریب پہنچے تو یہ آواز سنی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! میں تیرا پروردگار ہوں گویا کہ یہ درخت بلا تشبیہ و تمثیل ایک غیبی ٹیلیفون تھا۔ جس میں سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے وہب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی ﴿يٰمُوۡسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام تو فوراً لبیک کہا کئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لبیک لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے بولے کہ اے پکارنے والے میں آواز سنتا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے اور کدھر ہے پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اُوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا۔ اور یقین کر لیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عزوجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔

نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزاء بدن سے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان ہی کان تھے۔ اس لیے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہوسکتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۱۳ ج ۶ و روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۱۶)

پس چونکہ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ اس لیے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک وادی میں ہے۔ جس کا نام طویٰ ہے۔ اس لیے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پا خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پہن کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے نکالنے کا حکم ہوا اس حکم کا منشاء بھی وہی ادب اور احترام ہے۔ اور

ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ ومقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہو تاکہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذا کنت فی مثل هٰذا المکان فاخلع نعلیك قال فخلعتها))

”اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً جوتے اتار دیئے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر اور حسن بصری اور ابن جریج رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۱۷۳ ج ۱۱ دیکھیں۔

عطائے خلعت نبوت ورسالت

یہ ابتداء وحی اور آغاز تکلیم خداوندی کا بیان تھا۔ اب آگے خلعت نبوت و رسالت کے عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اے موسیٰ! میں نے تجھ کو اپنی نبوت اور رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا برگزیدہ بنایا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ﴾ (الاعراف: ۱۴۴) یعنی اے موسیٰ علیہ السلام میں نے تجھ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چھانٹ لیا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اوّل موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی وقت اور اسی مکان میں ان کو نبوت ورسالت کا خلعت عطا فرمادیا کہ ہم نے تم کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ پس اے موسیٰ علیہ السلام خوب غور سے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف کی جائے اس کے سننے کے لیے ہمہ تن گوش بن جاؤ۔ اور وحی یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم ودائم رکھو۔ اس لیے کہ تحقیق قیامت اپنے مقرر وقت پر ضرور آنے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر ملے گا۔ اس کے لیے تیار رہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے وقت کو تمام خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھوں اور کسی کو اس پر مطلع نہ کروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ موت ”قیامت صغریٰ“ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت قائم کرنے اور اس کے وقت کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور جدوجہد کا معاوضہ اور بدلہ وقت مقررہ پر مل جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزاوسزا کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تاکہ لوگ اس دن کے لیے تیاری کرلیں مگر اس کا وقت کسی کو نہیں بتلایا۔ اس لیے کہ جب انسان کو اپنی موت کا یا قیامت کا وقت معلوم ہوجائے گا۔ تو بے فکری کے ساتھ معاصی میں مشغول رہے گا اور سمجھے گا کہ جب موت کا وقت قریب آئے گا اس وقت توبہ کرلوں گا اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ توبہ بھی اس کے اختیار میں نہیں۔ جب بے باکی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کرے گا تو دل سیاہ ہوجائے گا اور ایمان اور عمل صالح سے متنفر ہوجائے گا تو توبہ کیسے کرے گا۔

پس تم قیامت کے لیے تیار رہو۔ مبادا تم کو قیامت کی تصدیق سے یا اس کے مراقبہ یا اس کی تیاری سے یا اس کے فکر سے وہ شخص باز نہ رکھے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اور اپنی نفسانی خواہش کا پیرو بن گیا ہے۔ جدھر اس کی نفسانی خواہش اس کو لے جاتی ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس مبادا اس شخص کی طرح تو بھی ہلاک ہوجائے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر مقصود سنانا اوروں کو ہے۔ یعنی ان کی

راحت مراد ہے کہ قیامت سے غفلت اور بے فکری کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

نکتہ: اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا: ﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ اس لیے بندوں پر اوّل واجب اور اول فرض اللہ کی معرفت اور اس کی توحید ہے پھر اس کے بعد عبادت کا حکم دیا ﴿فَاعْبُدْنِیْ﴾ فرمایا۔ اس لیے کہ فا تعقیبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے اور تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ میں حکم دیا۔ اس کے بعد ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ﴾ میں ایمان بالآخرہ کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں معاد کا ذکر فرمایا۔ آخرت کی تیاری کا حکم دیا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی ﴿فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا﴾ (طٰہٰ:۱۶) فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلا دیا کہ شہوات نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی﴾ (طٰہٰ:۱۶) اشارہ اس طرف ہے کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ⑰ قَالَ هِیَ عَصَایَ ج اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا

اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ! بولا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر ٹیکتا ہوں

وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ⑱ قَالَ اَلْقِهَا

اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور میرے اس میں کتنے کام ہیں اور۔ فرمایا ڈال دے اس کو

یٰمُوْسٰی ⑲ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ⑳ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة

اے موسیٰ! تو اس کو ڈال دیا، پھر تب ہی وہ سانپ ہے دوڑتا فرمایا پکڑ لے اس کو اور نہ ڈر۔

سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ㉑ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

ہم پھیر دیں گے اس کو پہلے حال پر۔ اور لگا اپنے ہاتھ اپنے بازو سے کہ نکلے

بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ㉒ لا لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ㉓ ج

چٹا ہو کر نہ کچھ بری طرح ایک نشانی اور۔ کہ دکھاتے جاویں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی۔

ع ۱ ۲۴ ۱۰ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ㉔ ع قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ㉕ لا

جا طرف فرعون کے اس نے سر اٹھایا۔ بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ۔

وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ㉖ لا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ㉗ لا یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ㉘ ص

اور آسان کر میرا کام۔ اور کھول گرہ میری زبان سے۔ کہ بوجھیں میری بات

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾
اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا ہارون میرا بھائی۔ اس سے بندھا میری کمر۔
وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾
اور شریک کر اس کو میرے کام کا۔ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم بہت سا۔ اور یاد کریں تجھ کو بہت سا۔
اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾
تُو تو ہے ہم کو خوب دیکھتا۔ فرمایا ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ۔

عطائے معجزات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ ... الٰى ... قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کلام خداوندی اور منصبِ نبوت و رسالت کے دیئے جانے کا ذکر تھا۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام پر دہشت و ہیبت طاری ہوگئی۔ اب آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دہشت اور حیرت دُور کرنے کے لیے عطائے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں جو ان کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث سکینت و طمانینت ہیں۔ ایک معجزہ عصا کا عطا فرمایا کہ اس کے ڈالنے سے ایک جماد، حیوان بن جاتا تھا۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضاء کا عطا کیا کہ جس سے ایک جسم کثیف ایک جسمِ لطیف اور نورانی بن جاتا تھا۔ نیز پہلی آیت میں تکلم وغیرہ کا جو قصہ ذکر فرمایا اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات خاص سے تھا اور اس آیت میں جن دلائل نبوت اور براہینِ رسالت کا ذکر کیا ان کا تعلق امت اور عام خلائق سے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعتِ نبوت و رسالت عطا فرما دیا تو یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس زمانے کے مناسب حال ہوں اور وہ خارق عادت امور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل و برہان ہوں اس لیے عطاء معجزات کا آغاز سوال محبت و موانست سے فرمایا کہ مبادا دفعۃً ان خوارق عادات اور ان عجیب و غریب اُمور کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرا نہ جائیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب بنا کر یہ سوال کیا اے موسیٰ علیہ السلام یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس لاٹھی کا جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی سانپ بنانا منظور تھا۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے ان سے سوال کیا اور یہ سوال' سوالِ انبساط تھا۔ کہ اے موسیٰ علیہ السلام یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تاکہ وہ اس کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں اور ان کو اس کے لاٹھی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے اور دل سے رعب اور ہیبت جاتی رہے پھر جب وہ سانپ بن جائے تو جان لیں کہ یہ معجزہ ہے اور کرشمہ خداوندی ہے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرا عصا ہے جس پر کبھی میں سہارا لیتا ہوں اور کبھی اس کو درخت پر مار کر اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ اس میں اور بھی ضروریات کے منافع ہیں۔ حق جل شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کے انس کے لیے سوال کیا ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۷) تاکہ وہ مانوس ہو جائیں

اوران کی ہیبت ودہشت دور ہو۔ اور خوب جان لیں کہ کلام کرنے والے حق جل شانہ ہیں اوراس استفہام اور سوال سے مقصود تنبیہ ہے کہ ہوشیار رہیں اور دیئے جانے والے عجائب قدرت کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں چار چیزیں ذکر کیں۔ تین چیزیں تو تفصیل کے ساتھ بیان کیں اور چوتھی چیز یعنی ﴿ وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴾ کو اجمالاً ذکر کیا۔ اصل جواب تو ھِیَ عَصَایَ پر پورا ہو گیا تھا۔ لیکن اس شوق میں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ کلام میں طول ہو جائے تو جواب میں طول دیا۔

پہلا معجزہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! اچھا اپنے اس عصا کو زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا چیز نمودار ہوتی ہے۔ اور یہ عصا کس طرح معجزہ بن جاتا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو زمین پر ڈال دیا یکایک وہ ڈالتے ہی قدرتِ خداوندی سے ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ ابتداء میں وہ سانپ بنا بعد میں وہ اژدھا ہو گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴾ (الشعرآء: ۳۲) موسیٰ علیہ السلام پر چونکہ ابھی تک حقیقتِ حال منکشف نہ ہوئی تھی۔ اس لیے یکایک اس ہولناک منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ دم کے دم میں ایک عصا سانپ اور اژدھا بن کر دوڑنے لگا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ڈرو مت تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اور بطور لطف وعطوفت خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لو اور اس کی ظاہری صورت سے تم کسی قسم کا کوئی خوف نہ کرو۔ ہم اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ یعنی جب تم اس کو پکڑو گے تو ہم اس کو اسی وقت پہلے کی طرح عصا کر دیں گے۔ عصا کی یہ ظاہری صورت تمہارے ڈرانے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کے لیے ہے۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بدن پر (صوف) بالوں کا قمیص تھا۔ اپنے ہاتھ پر اس کو لپیٹا اس پر فرشتہ نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اگر اللہ اسی چیز کو جس سے تو ڈرتا ہے اس کی اجازت دے کہ وہ تیری ڈنگ مارے تو کیا یہ تیرا صوف کا کرتہ اس کو دفع کر سکے گا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کچھ نہیں لیکن میں ضعیف ہوں اور ضعف سے پیدا ہوا ہوں اس پر اپنا ہاتھ کھول دیا۔ پھر اس سانپ کے منہ پر رکھا تو اس کے داڑھوں اور دانتوں کی آواز سنی پھر اس کو پکڑا تو وہی عصا تھا جو ہمیشہ ہاتھ میں رہتا تھا۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے کبھی ایسا حال مشاہدہ نہ کیا تھا۔ اس لیے ڈرے اور ان کا یہ خوف اس بات کی دلیل تھی کہ وہ ساحر اور جادوگر نہیں۔ اس لیے کہ ساحر اپنے سحر سے نہیں ڈرتا۔

نکتہ: شیخ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دکھلایا تاکہ جب یہ عصا فرعون کے روبرو سانپ اور اژدھا بن جائے تو موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر گھبرا نہ جائیں یعنی ایسا نہ کریں کہ اس کو نہ پکڑیں تو مخلوق تباہ ہو جائے۔

دوسرا معجزہ:

یہاں تک پہلے معجزہ یعنی معجزۂ عصا کا ذکر تھا جو ان کی نبوت ورسالت کی ایک برہان تھی اب آئندہ آیت میں رسالت کی دوسری برہان عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ پہلے معجزہ کے ساتھ مل کر آپ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے دو گواہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بغل یا بائیں بازو کے ساتھ ملا دو اور پھر اس کو نکالو تو وہ چاند کی طرح سفید ہو کر بلا کسی عیب کے نکل آئے گا۔ یعنی یہ سفیدی کسی مرض اور عیب کی بنا پر نہ ہوگی جیسا کہ برص ایک مرض ہے جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں یعنی جب وہ ہاتھ بغل میں سے نکلے گا تو سفید اور روشن ہوگا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ مثل

آفتاب اور ماہتاب کے چمکتا ہوا نکلتا اور اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تم کو نبوت و رسالت کی یہ دوسری نشانی عطا ✽ کی جو علاوہ معجزۂ عصا کے ہے۔ جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر بائیں بغل کے نیچے لے جاتے اور نکالتے تو مثل آفتاب و ماہتاب چمکتا ہوا نکلتا اور پھر جب اس کا اعادہ کرتے تو ہاتھ کا رنگ حسب سابق پہلے جیسا ہو جاتا اور یہ دو عظیم الشان نشانیاں ہم نے آپ علیہ السلام کو اس لیے عطا کیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ چنانچہ ہم نے آپ کو اپنی بڑی نشانیوں ✽ میں سے اس وقت دو بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ ایک عصا اور ایک ید بیضاء اور یہ دونوں نشانیاں آپ کی نبوت کی بڑی نشانیاں ہیں لہٰذا فی الحال تم یہ نشانیاں لے کر فرعون کی طرف جاؤ تحقیق وہ حد سے گزر گیا ہے۔ اور ایسا سرکش اور مغرور ہو گیا ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ جا کر اسے تبلیغ کرو اور توحید کی دعوت دو اور اگر وہ تمہاری نبوت و رسالت میں شبہ کرے تو اس کو اپنی نبوت کی یہ دو روشن نشانیاں دکھلاؤ اور میری عبادت کی طرف اس کو بلاؤ اور میرے عذاب سے اس کو ڈراؤ اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کے طغیان اور سرکشی کو واضح کرو اس وقت روئے زمین پر فرعون سے بڑھ کر کوئی کافر نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کا یہ حکم پہنچا تو ڈرے اور یہ خیال کیا کہ اس سرکش جبار اور ظالم کا مقابلہ تو بہت سخت ہے تو عرض کیا کہ اے پروردگار! میرا سینہ کھول دیجیے کہ اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور کوئی خوف تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت سے مجھے نہ روک سکے اور میرا یہ کام تبلیغ و دعوت، میرے لیے آسان فرما دیجیے بغیر آپ کے تیسیر اور تاکید کے دشمنانِ حق سے مقابلہ اور مجادلہ بہت دشوار ہے اور میری زبان سے لکنت کی گرہ کھول دیجیے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی بچپن میں زبان جل گئی جس کی وجہ سے صاف نہیں بول سکتے تھے۔ گرہ سے یہی لکنت مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ لکنت پیدائشی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے لڑکپن میں آگ کی ایک چنگاری اپنے منہ میں ڈال لی تھی۔ جس کے سبب زبان میں لکنت آ گئی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے لکنت کے کچھ دفع کرنے کی دعا کی تھی چنانچہ وہ کم ہو گئی تھی اگر وہ بالکل دفع ہونے کی دعا کرتے تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام نے صرف اس قدر دعا مانگی کہ وہ لکنت اتنی شدید نہ رہے کہ جو بات کرنے میں رکاوٹ کا سبب بنے۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے چند سوال کیے جن کے بغیر بار رسالت کا اٹھانا دشوار تھا۔

پہلا سوال یہ کیا کہ اے اللہ میرا سینہ کشادہ کر دے تاکہ بارِ رسالت اٹھا سکوں۔ اور منکرین کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دے سکوں یہ بات بدون شرح صدر کے ممکن نہیں۔

دوسرا سوال تیسیر امر کا کیا یہ سوال نہایت ضروری تھا۔ بدون تیسیر الٰہی و تائید غیبی دشمنانِ خدا سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں بعد ازاں چونکہ تبلیغ و دعوت کے لیے فصاحت لسانی بھی ضروری ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں:

تیسرا سوال یہ کیا کہ اے پروردگار میری زبان کھول دیجیے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔

✽ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿اٰيَةً اُخْرٰى﴾ فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ زجاج رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ قال الزجاج المعنی اٰتیناک اٰیة اُخرٰی اونؤتیک لانه لما قال تخرج بیضاء من غیر سوء دل علی انه قد اٰتاه اٰیة اخرٰی (تفسیر قرطبی ص ۱۹۱ ج ۱۱)

✽ اس ترجمہ میں اشارہ ہے اس طرف کہ الکبریٰ ﴿اٰيٰتِنَا﴾ کی صفت ہے اور ﴿مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ کا ﴿مِنْ﴾ تبعیضیہ ہے بمعنی بعض ہے۔ جو ﴿لِنُرِيَكَ﴾ کا مفعول ثانی ہے اور اس آیت میں اور بھی وجوہ اعراب ہیں۔ (تفصیل کے لیے روح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۶ دیکھیں)

چوتھی درخواست یہ کی کہ اے اللہ! میرے کنبہ میں سے میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر بنا دیجیے۔ جو میرا بوجھ اٹھا سکے تا کہ وہ میرا شریک کار ہو کر میری مدد کر سکے۔

ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے اور فصیح اللسان تھے۔ اور اس وقت بجز ہارون علیہ السلام کے کوئی اس منصب کا اہل نہ تھا اس لیے خصوصیت سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے لیے یہ درخواست کی کہ اے اللہ ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر بنا دیجیے اور ان کے ذریعے میری کمر کو مضبوط کر دیجیے اور ان کو میرے اس کام یعنی نبوت و رسالت اور تبلیغ و دعوت میں میرا شریک کر دیجیے تا کہ تبلیغ و دعوت کے کام میں مجھے ان سے مدد ملے تا کہ ہم دونوں مل کر تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ کیونکہ تیری تسبیح و تقدیس اور کثرت سے تیرا ذکر دل کی طمانینت اور جمعیت کا وسیلہ ہے۔ دشمن کے مقابلہ میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اللہ کا ذکر مؤمن کا ہتھیار ہے ہم دونوں مل کر یہ ہتھیار چلائیں گے اور تیرے دشمن کا مقابلہ کریں گے اور مل کر کام کرنے سے ایک دوسرے کو تقویت پہنچے گی اور برکت اور نورانیت میں زیادتی ہوگی اور کفر کی ظلمت اس سے دور ہوگی یا مغلوب ہوگی۔

بلاشبہ تو ہم کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی تو خوب آگاہ ہے کہ ہم صرف تیری رضا مندی چاہتے ہیں اور تو ہی داتا ہے کہ تبلیغ و دعوت میں ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ (علیہ السلام)! تیری درخواست منظور کی گئی۔ یعنی جو تو نے ہم سے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دے دیا۔

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ لا

اور احسان کیا ہم نے تجھ پر ایک بار اور۔ جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

جو آگے سناتے ہیں۔ کہ ڈال اس کو صندوق میں، پھر اس کو ڈال دے پانی میں، پھر پانی اس کو لے ڈالے کنارے پر،

يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ط وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ج وَ

اٹھالے اس کو ایک دشمن میرا اور اس کا۔ اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے۔ اور

لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

تا تیار ہو تو میری آنکھ کے سامنے۔ جب چلنے لگی تیری بہن۔ اور کہنے لگی میں بتاؤں تم کو ایک شخص

مَنْ يَّكْفُلُهٗ ط فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ط وَ

کہ اس کو پالے۔ پھر پہنچایا ہم نے تجھ کو تیری ماں پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھاوے اور

قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۵ قف فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ

تو نے مار ڈالی ایک جان، پھر نکالا ہم نے تجھ کو اس غم سے، اور جانچا تجھ کو ایک ذرہ جانچنا۔ پھر ٹھہرا تو کئی برس

فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۵ لا ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝۴۰ وَ اصْطَنَعْتُكَ

مدین والوں میں، پھر آیا تو تقدیر سے یا موسیٰ۔ اور بنایا میں نے تجھ کو

لِنَفْسِيْ ۝۴۱ ج اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝۴۲ ج

خاص اپنے واسطے۔ جا تو اور تیرا بھائی لے کر میری نشانیاں اور سستی نہ کرو میری یاد میں۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۴۳ صلے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ

جاؤ طرف فرعون کے اس نے سر اٹھایا۔ سو کہو اس سے بات نرم، شاید وہ سوچ کرے

اَوْ يَخْشٰى ۝۴۴ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ

یا ڈرے۔ بولے اے رب ہمارے! ہم ڈرتے ہیں کہ بھبکے ہم پر یا کہ

يَّطْغٰى ۝۴۵ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ۝۴۶ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ

جوش میں آوے۔ فرمایا نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا۔ سو جاؤ اس پاس اور کہو

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۵ لا وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ط قَدْ

ہم دونوں بھیجے ہیں تیرے رب کے سو چلا دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل۔ اور نہ ستا ان کو،

جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ط وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝۴۷ اِنَّا

ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی۔ اور سلامتی ہو اس کی جو مانے راہ کی بات۔ ہم کو

قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۝۴۸ قَالَ فَمَنْ

حکم ہوا ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلاوے اور منہ پھیرے۔ بولا پھر کون ہے

رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝۴۹ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ

صاحب تم دونوں کا اے موسیٰ! کہا صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر

هُدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ
راہ سوجھائی۔ بولا پھر کیا حقیقت ہے ان پہلی سنگتوں کی۔ کہا ان کی خبر میرے رب کے پاس
فِىْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
لکھی ہے، نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے۔ وہ ہے جس نے بنا دی تم کو زمین
مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا
بچھونا، اور چلا دیں تم کو اس میں راہیں اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالا ہم نے
بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ
اس سے بھانت بھانت سبزہ، کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو البتہ اس میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ
پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر ڈالتے ہیں اور
مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾
اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار۔

ع ۲ ۱۱

تذکیر انعامات واحسانات

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ... الٰى ... وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾

ربط: یہاں سے حق تعالیٰ اپنے وہ انعامات اور احسانات موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلاتے ہیں کہ جو نبوت سے پہلے ان پر کیے تھے تاکہ ان کا دل مضبوط ہو جائے اور سمجھ لیں کہ جب نبوت سے پہلے حق تعالیٰ نے مجھ پر اتنے احسانات کیے اور طرح طرح کے مصائب سے مجھ کو بچایا تو اب بدرجۂ اولیٰ میری حفاظت فرمائیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے موسیٰ! اس واقعہ سے پہلے بھی ہم آپ پر آپ کے بلا سوال اور بلا درخواست کے بار بار احسان کر چکے ہیں تو اب تجھے سوال اور درخواست کے بعد کیوں محروم کریں گے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ احسان ذکر فرمائے۔

پہلا احسان:

جب کہ ہم نے تیری ماں کی طرف وحی بھیجی تھی جو اب تیری طرف بھیجی جاتی ہے جو اس لائق اور قابل ذکر ہے کہ آپ علیہ السلام کی طرف

بھیجی جائے اور آپ کو سنائی جائے اور وحی سے وحی الہام مراد ہے۔ وحی نبوت مراد نہیں جیسا کہ ﴿ وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ ﴾ (النحل:۶۸) میں وحی سے الہام مراد ہے اور وہ وحی یہ تھی کہ اس موسیٰ علیہ السلام کو جلاّ دوں سے بچانے کے لیے صندوق میں لٹا کر اس صندوق کو دریائے نیل میں پھینک دے۔ پھر وہ دریا اس کو کنارہ پر لے جا کر ڈال دے۔ جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک پہنچتی ہے جب یہ صندوق وہاں پہنچ جائے تو اس کو ایسا شخص اٹھا لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔ یعنی فرعون اس کو اٹھا لے گا۔ اس طرح وہ پکڑے جانے سے بچ جائے گا اور بعد میں ہم تجھے واپس کر دیں گے۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کو اور اس کی سلطنت کو غارت کرے گا۔ اس لیے بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا فرعون اس کو قتل کرا دیتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدۂ محترمہ کو (جن کا نام یوحانز تھا)۔ خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی اگر خبر پا دیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے خدا تعالیٰ نے ان کو یہ الہام کیا کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں لٹا کر اور اس کو مقفل کر کے دریائے نیل میں ڈال دے۔ ہم اس کو اپنے اور اس کے دشمن فرعون سے ملوائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دریائے نیل کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں جاتی تھی وہ صندوق بہتا بہتا اس باغ میں پہنچ گیا۔ فرعون اپنی بیوی آسیہ سمیت نہر کے کنارے پر بیٹھا تھا جب وہ صندوق اس کی نظر پڑا تو اس کو نکلوایا کھول کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت لڑکا پایا۔ فرعون کو اور اس کی بیوی کو دونوں کو اس سے محبت ہوگئی بیٹا بنا کر اس کو پالا جس سے خدا کی قدرت اور اس کی غیبی حفاظت کا کرشمہ ظاہر ہوا ؎

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بُود
قصۂ فرعون زیں افسانہ بُود

دوسرا احسان:

اور اے موسیٰ علیہ السلام ایک احسان میں نے تجھ پر یہ کیا کہ اپنی جانب سے تجھ پر محبت ڈال دی جو تجھے دیکھے وہ تجھ پر ایسا فریفتہ ہو جائے کہ صبر بھی نہ کر سکے۔

تیسرا احسان:

اور تاکہ تو میری آنکھ کے سامنے پرورش کیا جائے یعنی تاکہ تیری پرورش میری نگرانی اور نگہبانی میں ہو۔

چوتھا احسان:

اس وقت کا ہے کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں تیرا حال معلوم کرنے کے لیے فرعون کے گھر چلی جا رہی تھی پھر فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کہو تو میں تم کو ایسی عورت بتلا دوں جو اس بچہ کی پرورش کی کفیل ہو جائے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بالہام خداوندی موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈال دیا تو بمقتضائے بشریت رنجیدہ اور غمگین ہوئیں کہ معلوم نہیں کہ بچہ کیا کیا حشر ہوا ہوگا۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا کہ وہ صندوق فرعون کے محل پر پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس میں سے نکال لیے گئے اور یہ قرار پایا کہ ان کو بیٹا بنا لیا جائے تو حضرت آسیہ علیہا السلام کی توجہ سے دودھ پلانے کے لیے دائیوں کی تلاش شروع ہوئی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی دایہ کا دودھ نہ پیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ حَرَّمۡنَا عَلَیۡهِ الۡمَرَاضِعَ ﴾ (القصص:۱۲) یعنی ہم نے تمام دودھ پلانے

والیوں کو ان پر حرام کر دیا۔ اب آسیہ علیہا السلام کو یہ فکر ہوئی کہ اب اس لڑکے کو کس طرح پالیں اور ادھر یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کی تلاش میں وہاں جا پہنچیں جن کو انا کی تلاش تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا پستان منہ میں نہیں لیتے تو اس وقت ان کی بہن بولیں کہ کیا میں تم کو ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتلا دوں کہ جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ لاؤ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کی والدہ کو لے جا کر حاضر کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پستان کو قبول کر لیا۔ فرعون کے گھر والے بہت خوش ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی اگر آپ اجازت دیں تو اپنے گھر رہ کر دودھ پلا سکتی ہوں۔ آسیہ علیہا السلام نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ اچھا کبھی کبھی لا کر مجھ کو دکھلا دیا کرو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس کو مان لیا اور آسیہ علیہا السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی گود میں دے دیا اور وہ ان کو اپنی گود میں لے کر وہاں سے چلیں۔

پس اس تدبیر سے ہم نے اے موسیٰ! تم کو تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا۔ تا کہ تیرے دیدار سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اور تیرے فراق سے غمگین نہ ہو۔ اس طرح اولاد کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دینا کوئی معمولی چیز نہیں جس پر صدمہ اور غم نہ ہو۔

پانچواں احسان:

اور بڑے ہونے کے بعد ایک اور احسان کیا وہ یہ کہ تم نے ایک جان کو مار ڈالا۔ یعنی ایک قبطی کو جب وہ اسرائیلی کو مارتا تھا تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبطی مر گیا پس ہم نے تم کو قصاص کے غم سے نجات دی اس طرح سے کہ تم کو مصر سے مدین پہنچا دیا۔

چھٹا احسان:

اور طرح طرح سے تم کو قسم قسم کے فتنوں اور آزمائشوں میں ڈالا اور پھر سب سے تم کو خلاصی دی۔

ساتواں احسان:

پھر جب تو قبطی کو قتل کر کے مصر سے مدین پہنچا تو کئی سال امن و امان کے ساتھ مدین والوں میں رہا ''مدین'' شعیب علیہ السلام کا شہر ہے۔ مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔ جب قصاص کے ڈر سے مدین بھاگے تو وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا نصیب ہوا۔ شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی بکریاں چرائیں۔ اپنی صاحبزادی صفوراء سے ان کا عقد کر دیا۔ پھر مصر واپس آئے۔ یہ سب حق تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام پر انعام تھا۔

آٹھواں احسان:

پھر اے موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کی تقدیر اور اس کے اندازہ کے مطابق جو اللہ نے مقرر کیا تھا۔ ایک میدان میں پہنچا وہاں ہم نے تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا۔ یعنی تجھ کو نبوت و رسالت اور کلام اور وحی کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا محب اور مخلص بنا لیا تا کہ تو میری مرضی کے مطابق میرا کام انجام دے۔ میں نے تجھ کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان اپنا سفیر اور ترجمان بنایا اور تجھ کو نشانات اور معجزات عطا کیے۔ لہٰذا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ اور ان کو دعوت و تبلیغ کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔ کسی وقت میری یاد سے غافل نہ ہو یعنی پوری مستعدی کے ساتھ تبلیغ کرو۔ اور اس میں سستی نہ کرو تم دونوں

---

❶ کذا فی روح المعانی ج ۱۶ ص ۱۷۰

فرعون کے پاس جاؤ تحقیق وہ دعویٰ ربوبیت کرکے حد سے گزر گیا ہے۔ پھر تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو۔ اس کے ساتھ سختی کے ساتھ بات نہ کرو اور اس کے حق پرورش کی رعایت کرو۔ اور اس کی ظاہری بادشاہت کے ادب کو ملحوظ رکھو اور نرمی عموماً نصیحت میں مفید ہوتی ہے۔ اور سختی سے دل پر اثر نہیں ہوتا۔ شاید وہ نصیحت پکڑ لے یعنی ایمان لے آئے یا کم از کم عذاب الٰہی سے ڈر جائے۔ یہ دعوت و تبلیغ کے دستور العمل کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل: ۱۲۵)۔

نکتہ: خدا تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا لفظ ﴿لَعَلَّ﴾ جس کے معنی شاید کے ہیں وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبت سے ہے ان کو معلوم نہ تھا۔ ان کے اعتبار سے کلمۂ امید فرمایا اور خدا تعالیٰ نے باوجود علم ازلی کے کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا۔ پھر اس کو دعوت دینا اتمام حجت کے لیے تھا کہ قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکے کہ میرے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ تبلیغ و دعوت سے پہلے ہی عقوبت میں جلدی نہ کر بیٹھے کہ نہ تیرا پیغام سنا سکیں اور نہ کوئی معجزہ ہی دکھلا سکیں اس سے پہلے ہی وہ ہم کو ہلاک کر دے۔ یا تکلیف اور ایذا رسانی میں حد سے گزر جائے۔ حتیٰ کہ تیری بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی کر بیٹھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی میری حفاظت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہاری دعا سنتا ہوں۔ اور تمہارا حال دیکھتا ہوں۔ تم سے جدا اور غافل نہیں۔ تم بےفکر رہو کچھ غم نہ کرو۔ پس بےخوف و خطر اس کے پاس جاؤ پھر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام اور حکم لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ پس اوّل تو ہم پر ایمان لا تاکہ تو اپنے رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے۔ پھر تو اپنے ظلم و ستم سے باز آ جا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کرکے ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ان کو ان کے آبائی وطن ملک شام میں لے جائیں۔ اور ان کو مت ستا۔ فرعون بنی اسرائیل سے مشقت اور ذلت کا کام لیتا۔ جیسے نہر کھودنا اور کوڑا کرکٹ ان سے اٹھوانا اور طرح طرح سے ان سے بیگار لینا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ لوگ اس کی ربوبیت کو نہیں مانتے تھے اور دین ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب اور یوسف علیہم السلام پر قائم تھے۔ اس عداوت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتا اور ذلیل و خوار کرتا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ارضِ مقدس میں واپس چلے جائیں جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

الغرض ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں جن کا بے چون و چرا اتباع تجھ پر واجب ہے پس اولاً تو ہم پر ایمان لا اور ہم کو پروردگار کا رسول برحق مان اور پھر بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

تحقیق ہم اپنی نبوت و رسالت کے لیے تیرے پروردگار کے پاس سے ایک روشن نشان اور واضح برہان لے کر آئے ہیں۔ یعنی ایک معجزہ لے کر آئے ہیں۔ جس کے مقابلہ سے تو عاجز ہوگا اور یہ معجزہ ہمارے دعویٰ نبوت و رسالت کی نشانی ہوگی اور سلامتی ہے اس شخص پر کہ جس نے راہِ ہدایت کی پیروی کی۔ یعنی جو ایمان لایا اور حق کا پیرو بنا اور صراطِ مستقیم پر چلا۔ تحقیق ہم پر ہمارے پروردگار کی طرف سے یہ وحی بھیجی گئی کہ عذاب ہے اس شخص پر جس نے حق کو جھٹلایا اور حق سے منہ موڑا۔ القصہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔

ربوبیت خداوندی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ

پس یہ دونوں حضرات حسبِ حکم خداوندی فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تو اس پر فرعون بولا اے موسیٰ علیہ السلام تم دونوں بھائیوں کا رب کون ہے جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام حق تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے اور جا کر اس سے یہ کہا ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ یعنی ہم دونوں تیرے رب کے رسول اور فرستادہ ہیں۔ تو فرعون نے یہ سوال کیا ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى﴾ یعنی اچھا تم دونوں یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے جس کے تم فرستادہ اور پیغمبر ہو اور جس کے عذاب سے تم مجھ کو ڈراتے ہو کیونکہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ (القصص: ۳۸) فرعون خالق اور معبود کے وجود کا منکر تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا اور اے موسیٰ علیہ السلام تیرا رب بھی میں ہی ہوں۔ تو نے میرے گھر میں پرورش پائی ہے۔

فرعون دہری عقیدہ کا تھا' منکرِ خدا تھا۔ سرے سے خالق اور صانع عالم کا قائل نہ تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ کارخانۂ عالم خودرو کارخانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔ لوگ خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ سارے عالم کو خودرو گھاس کی طرح سمجھتا تھا کہ خود بخود موسم برسات میں اگا اور پھر چند روز بعد خشک ہو کر ختم ہو گیا۔

فرعون کا گمان یہ تھا کہ جو شخص جس خطۂ زمین کا فرمانروا ہو گیا وہی اس کا رب ہے اس لیے ازراہِ تکبر و تجبّر اپنی الوہیّت اور ربوبیت کا مدعی تھا اس لیے یہ بولا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی رب نہیں جانتا پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو رسول بتاتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا جواب دیا اور دلائل اور براہین سے وجود صانع کو ثابت کیا اور کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شئے کو اس کا وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی۔ جو اس کے علم ازلی میں اس کی جنسی اور نوعی استعداد کے لائق اور مناسب تھی تا کہ ایک شئے دوسری شئے سے متمیز ہو سکے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شئے کو اس کے اسباب بقاء کی طرف رہنمائی کی۔ ہر چیز پیدا ہوتے ہی بقا کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔ مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے اور انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈنے لگتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آ جاتا ہے۔ یہ ہوش کہاں سے آئی۔ اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتداء پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ جنگل کا کون سا گھاس اور کس درخت کے پتے میرے لیے مفید ہیں اور کون سے مضر ہیں۔ مفید کو کھاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہے تو خود ہی مختلف قسم کے نباتات کھا کر اپنا علاج کر لیتا ہے حالانکہ جانور کسی میڈیکل کالج کا تعلیم یافتہ نہیں ہوتا۔ پس خدا وہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود اور اس کو خاص صورت اور خاص شکل عطا کرے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے منافع اور مضار القاء اور الہام کرے اور ظاہر ہے کہ فرعون نہ کسی کو وجود عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی کو خاص صورت اور خاص شکل دینے پر قادر ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سرتاپا صدق و صواب سن کر ایسا ششدر و حیران اور مبہوت رہ گیا کہ کچھ بول ہی نہ سکا۔ اور نہ اس استدلال پر کوئی اعتراض کر سکا اس لیے اس وقت اس کو یہ سوجھا کہ بات کا رخ دوسری طرف پلٹ دیا جائے اس لیے اس نے رخ بدل کر یہ سوال کیا ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾ (طٰہٰ: ۵۱) یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ ﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى﴾ (طٰہٰ: ۴۸) تحقیق اللہ کا عذاب ہے ہر اس شخص پر جو حق کو جھٹلا دے اور اس سے منہ پھیر لے۔

لہٰذا اگر تم پیغمبر خدا ہو تو یہ بتلاؤ کہ پہلی اُمتوں کا کیا حال ہے جو مر چکی ہیں اور جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کے روشن دلائل سے انحراف کیا وہ لوگ تو بت پرست تھے اور حشر ونشر اور جزاء وسزا کے منکر تھے اور ان باتوں کے قائل نہ تھے جن کی طرف تم دعوت دیتے ہو کیا وہ تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے۔ تمہارے قول کے مطابق بتلاؤ کہ ان پر کیا عذاب آیا اور بتلاؤ کہ ان کا حشر ونشر کس طرح ہوگا اور ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اور اب تو ان کی ہڈیوں کا بھی نام ونشان نہیں رہا۔ ان کا حشر کس طرح ہوگا۔ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو تم کو ان کے تفصیلی حالات معلوم ہونے چاہئیں۔ لہٰذا بتلاؤ کہ گزشتہ قومیں اب کس حال میں ہیں جنت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں۔

فرعون نے یہ فضول اور لایعنی باتیں اس لیے چھیڑیں کہ اصل مسئلہ (وجود صانع) کو اِدھر اُدھر کی باتوں میں رلا دے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گزشتہ اُمتوں کے اعمال اور احوال اور ان کے انجام اور مآل کا تفصیلی علم تو میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں لکھا ہوا محفوظ ہے جس میں ان کے کل اعمال وافعال درج ہیں قیامت کے دن ہر شخص کو خدا کے روبرو حاضر کیا جائے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزاء ملے گی اور کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا نامۂ اعمال ہے اور پیغمبر کو تمام چیزوں کا علم تفصیلی ضروری نہیں غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مجھے تو صرف اتنی چیز کا علم ہوتا ہے جتنا کہ حق تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی کے بتلا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر تو میں نے پہلے ہی تجھ کو بتلا دیا تھا کہ جن گزشتہ اُمتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان پر دنیا میں عذاب آیا جیسا کہ میں نے پہلے ہی ﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی﴾ میں اجمالی طور پر اشارہ کر دیا تھا کہ وہ لوگ عذاب میں ہلاک ہوئے تم بھی اپنا انجام سوچ لو باقی یہ امر کہ امم سابقہ پر کیا کیا گزرا اور آئندہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ منجملہ علم غیب کے ہے۔ اور غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ ہی کو اس کی تفصیل معلوم ہے۔ اس کو نہ تو جانتا ہے اور نہ میں جانتا ہوں اور امم سابقہ کے احوال کے علم کو منصب نبوت ورسالت سے تعلق نہیں۔

پیغمبر کو گزشتہ قوموں کے احوال کا تفصیلی علم ضروری نہیں انبیاء علیہم السلام غیب داں نہیں ہوتے۔ عالم الغیب صرف حق تعالیٰ ہے انبیاء علیہم السلام کا کام دین اور شریعت کے احکام کو بتانا ہے۔ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی کے جتنا اپنے نبی کو بتلا دیتا ہے اتنی بات سے وہ نبی بندوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی جتنی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اتنی بات ظاہر کر دی جاتی ہے باقی پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔ جن باتوں کا تو نے سوال کیا ہے ان کا منصب نبوت ورسالت سے تعلق نہیں۔ میرا کام ہدایت اور تبلیغ اور دعوت اور احکام شریعت کو بیان کرنا ہے۔ اُمم سابقہ کے احوال کی تفصیل میری بعثت کے اغراض اور مقاصد سے نہیں اور کسی نبی کا غیب کا نہ جاننا نبوت ورسالت میں قادح نہیں۔ نبوت نام ہے صرف پیغام رسانی کا پیغمبر کے ذمہ صرف ہدایت اور بیان احکام ہے۔ پوشیدہ اُمور اور گزشتہ احوال کا بیان کرنا اس کے ذمہ نہیں۔ یہ تمام کلام امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تشریح اور تفصیل ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ✽ ص ۹۴ ج ۶ اور دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۸۴ ج ۱۶)

✽ قال الامام الرازی واما قوله تعالٰی قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی فاعلم ان فی ارتباط هذا الکلام بما قبله وجوه. والاظهر ان فرعون لما قال فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی فذکر موسٰی علیہ السلام دلیلا ظاهرًا وبرهانا باهرا علی هذا المطلوب فقال رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی فخاف فرعون ان یزید فی تقریر تلک الحجة. نظهر للناس صدقه وفساد طریق فرعون فاراد ان یصرف عن ذٰلک الکلام وان یشغله بالحکایات فقال فما بال القرون الاولٰی فلم یلتفت موسٰی علیہ السلام الی ذٰلک بل قال عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ ولا یتعلق غرضی باحوالهم فلا اشتغل بها ثم عاد الی تتمیم کلامه الاول وایراد الدلائل الباهرة علی الوحدانیة فقال الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا الأیات وهذا الوجه المعتمد فی ==

تفسیر آیت مذکورہ بعنوان دیگر

موسیٰ علیہ السلام نے جب وجود صانع پر ایسے واضح اور روشن دلائل قائم کیے کہ جن کا جواب ممکن نہیں تو فرعون گھبرا گیا اور اس کو ڈر ہوا کہ میری قوم ان روشن دلائل کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کردے اور مجھے چھوڑ کر اس رب معبود کی طرف نہ جھک جائے کہ جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں اس لیے فرعون نے بات کاٹ کر لایعنی اُمور یعنی قصوں اور کہانیوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا کہ اچھا جو شخص تمہارے نزدیک تکذیب کرے وہ مستحق عذاب ہے تو بتلاؤ کہ پہلی قوموں کا کیا حال ہوا۔ جو تکذیب کرتے تھے۔ اس سوال میں فرعون کی ایک غرض یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صاف طور پر یہ کہہ دیں کہ وہ سب دوزخی تھے تو وہ لوگ مشتعل ہو جائیں اور موسیٰ علیہ السلام سے بگڑ جائیں کہ یہ شخص تو ہمارے آباؤ اجداد کو دوزخی بتلاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکا۔

غرضیکہ فرعون نے اس ڈر کے مارے کہ اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سراپا تنویر کی طرف نہ جھک پڑے اس لیے اس نے اس بات (یعنی مسئلہ الوہیت و ربوبیت) کو چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دی اور اگلوں کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔ فرعون بڑا ظالم اور متکبر اور جبّار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر دل پذیر و دلگیر کو سن کر نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ ان کو گرفتار کیا۔ بلکہ گھبرا کر مناظرہ اور بحث کی راہ سے ہٹ کر دوسری راہ اختیار کی اور سوال کیا کہ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو پہلی قوموں کے تفصیلی حالات بتاؤ کہ جو انبیاء علیہم السلام کے مکذب اور حشر و نشر کے منکر تھے ان کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا تا کہ اپنی قوم پر یہ بات واضح کر دے کہ اس کے پاس بھی بڑا علم و معرفت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دے دیا کہ علم غیب اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام چیزوں کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا نہ ضروری اور نہ منصب نبوت و رسالت سے اس کا کچھ تعلق ہے تو پھر تو کس لیے ان لایعنی باتوں کا مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تجھ کو چاہیے کہ تو ان دور اَز کار باتوں میں جانے کے بجائے ان دلائل اور براہین پر غور کرے جو میں نے تیرے سامنے بیان کی ہیں تا کہ تجھ پر خدا کی ربوبیت اور تیری عبدیت اور عاجزی اور درماندگی ظاہر ہو۔

= صحۃ ہذا النظم۔ انتہی کلامہ (تفسیر کبیر ص ۴۹ ج ۶)

قال الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لما شاہد اللعین مانظمہ علیہ السلام فی سلك الجواب من البرهان النیرخاف ان یظهر للناس حقیة مقالاته علیہ السلام وبطلان خرافات نفسه ظهورًا بینا اراد ان یصرفه علیہ السلام عن سننه الی مالا یعنیه من الامور التی لاتعلّق لها فی نفس الامر بالرسالة من الحکایات موهما ان لها تعلق بذلك ویشغله عما هو بصدده علی ان یظهر فیه نوع غفلة فیتسلق بذٰلك الی ان یدعی بین یدی قومه نوع معرفة فقال فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى والفاء لتفریع مابعدها علی دعوی الرسالة اذا کنت رسولا فاخبرنی ماحال القرون الماضیة وَالامم الخالیة وَمَاذا جرای علیهم من الحوادث المفصلة. قال موسٰی علیہ السلام عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ. ای ان ذٰلك من الغیوب التی لایعلمها الا الله تعالٰی و انما انا عبدلا اعلم منها الا ماعلمنیه من الامور المتعلقة بالرسالة والعلم باحوال القرون وماجری علیهم علی التفصیل مما لاملابسة فیه بمنصب الرسالة کما زعمت. (روح المعانی ص ۱۸۴ ج ۱۶)

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تمام تفسیر شیخ الاسلام ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ علامہ آلوسی کی عادت ہے کہ ان کا زیادہ اعتماد شیخ الاسلام ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پر ہوتا ہے اور حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ بھی اپنی تفسیر میں تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابو السعود کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ واللہ اعلم

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ قوموں کے اعمال اور ان کے انجام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک کتاب (لوح محفوظ یا نامۂ اعمال) ہے جس میں ان کے تمام اعمال محفوظ ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا علیم وخبیر ہے کہ اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرا پروردگار نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اس کا علم سہو ونسیان اور خطا اور غلطی سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کو لکھنے کی ذرہ برابر ضرورت نہیں البتہ اتمام حجت کے لیے بندوں کے اعمال کو ایک کتاب میں محفوظ کر دیا ہے تاکہ کوئی مجرم انکار نہ کر سکے۔ غرضیکہ ان کی مثل دفتر خداوندی میں محفوظ ہے۔ وقت پر سزا کا حکم سنا دیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے۔ بخلاف تیرے کہ تیرا علم سرتاپا غلط ہے اور سہو اور نسیان کی آماجگاہ ہے اور پھر اس پر دعویٰ ربوبیت بھی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے امم سابقہ کے حال کو علم خداوندی کے حوالے اس لیے کیا کہ ابھی تک توریت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے گزشتہ اُمم کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے توریت فرعون کی ہلاکت کے بعد نازل ہوئی۔ (دیکھو زاد المسیر صفحہ ۲۹۲ ج ۵)

موسیٰ علیہ السلام کا اصل مقصد اثبات ربوبیت خداوندی تھا۔ جس پر ابتداء کلام میں دلائل قائم فرمائے۔ پھر جب فرعون نے اس بات کو رلانے کے لیے پہلی قوموں کا حال پوچھنا شروع کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا ﴿عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ فِیۡ كِتٰبٍ﴾ سو موسیٰ علیہ السلام نے اس جواب میں بھی اصل مدعا (اثبات الوہیتِ صانع) کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علام الغیوب ہو اور ایسا علیم وخبیر ہو کہ جس کے علم میں کسی غلطی اور سہو ونسیان کا امکان نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات تجھ میں نہیں گزشتہ قوموں کا حال نہ میں جانتا ہوں اور نہ تو جانتا ہے۔ تیری لاعلمی اور جہالت تیرے سامنے ہے پھر کس بناء پر الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جہالت اور ربوبیت کا اجتماع عقلاً محال ہے۔ میں تو خدا کا نبی اور رسول ہوں اور نبی کے لیے غیب داں ہونا ضروری نہیں اور تو تو مدعی ربوبیت ہے تیرے لیے علم غیب ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تجھ میں نہیں پھر بتلا کہ کس بنا پر تو نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔

اے مدعی ربوبیت تو اگر ذرا عقل سے کام لے تو سمجھ جائے کہ تو اس عالم کا رب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عالم کا یہ عجیب وغریب کارخانہ اور محکم نظام خود بخود یا محض بخت واتفاق سے یا مادہ اور ایتھر کی حرکت سے نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم وقدیر کے دستِ قدرت سے چل رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اس جواب کے بعد پھر اصل مقصد یعنی اثبات الوہیت خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور اوصاف خداوندی بیان کرنے شروع کیے جو اس کی ربوبیت کے دلائل ہیں۔ اور فرمایا کہ میرا رب جس نے مجھ کو تیری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وہ رب ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس پر آرام کر سکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو اور زمین عجیب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند بہت سخت ہے کہ جس پر لیٹنے سے جسم کو تکلیف ہو اور نہ روئی اور گارے کی طرح نرم ہے جس میں پاؤں دھنسنے لگیں۔ اور اسی رب نے تمہاری چلنے کے لیے اس زمین میں راستے بنا دیئے تاکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور اسی رب نے آسمان سے تمہاری لیے پانی اتارا تاکہ تم اس سے زندہ رہ سکو پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے قسم قسم کے نباتات اگائے باوجودیکہ زمین ایک ہے اور پانی

ایک ہے اور ہوا ایک ہے مگر ہر ایک کا مزہ اور رنگ اور بو مختلف ہے اور تم کو اجازت دی کہ ان میں سے خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یہ سب تمہاری حیات اور زندگی کا سامان ہوا پس جس رب نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ایسا ہے اور ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہے۔

بیشک ان چیزوں میں عقلمندوں کے لیے ہماری قدرت اور ربوبیت کی کتنی ہی نشانیاں ہیں۔

البتہ جو عقلیں نفسانی خواہشوں کی پیرو بن گئی ہیں وہ ان روشن دلائل سے اندھی اور بہری بنی ہوئی ہیں۔

فائدہ: نُھٰی جمع نُھْیَة کی ہے جیسے غُرَفٌ جمع غُرْفَةٌ کی ہے۔ نُھیة اس عقل کو کہتے ہیں جو انسان کو قبیح باتوں سے روکے۔

پس اے فرعون تو جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو بتلا کہ تجھ میں بھی ان صفات کا کوئی شمہ پایا جاتا ہے نہ تو نے زمین بنائی اور نہ آسمان بنایا۔ اور نہ تو خود بخود پیدا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو دلائل قدرت اور براہین الوہیت پیش کیے وہ دہریوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں اگر عقل ہے تو سمجھ لیں گے کہ ہمارا معبود اور ہمارا پالنے والا سوائے اس خدا کے کوئی نہیں جس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

بیان مبداء و معاد

موسیٰ علیہ السلام ان دلائل قدرت کے بیان کرنے کے بعد مبداء اور معاد کے بیان کی طرف متوجہ ہوئے کہ تم سب مٹی سے پیدا ہوئے جو تمہارا مبداء ہے اور پھر مر کر اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اسی میں رل مل جاؤ گے۔ اور پھر قیامت کے دن ہم تم کو اسی مٹی سے نکالیں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! جس طرح زمین سے ہم نے نباتات کو پیدا کیا اسی طرح ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ انسان کے زمین سے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے اور نطفہ خلاصہ ہے غذا کا اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے اور ہمارے باپ آدم علیہ السلام ابتداءً مٹی ہی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور تمام افراد بشری آدم علیہ السلام کی پشت میں مضمر اور مستتر تھے۔

بہر حال انسان کی اصلیت مٹی ہے۔ اور پھر مرے پیچھے ہم تم کو زمین میں لوٹا دیں گے۔ یعنی تم زمین میں دفن کر دیئے جاؤ گے۔ اور اگر جلا دیئے گئے تو تمہاری راکھ مٹی میں ملا دی جائے گی اور اسی زمین میں سے ہم تم کو دوبارہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے نکالیں گے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ زمین کا مراقبہ کیا کرو۔ زمین ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اس میں غور کیا کرو کہ وہ تمہارا مبداء اور منشاء ہے۔ تم اسی زمین سے پیدا ہوئے اور پھر مرنے کے بعد اسی زمین میں لوٹا دیئے جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن اسی زمین سے تم نکالے جاؤ گے۔ اور تم کو تمہارے اعمال کی جزاء ملے گی۔ لہٰذا سوچ لو اور اس دن کے لیے کچھ ذخیرہ جمع کر لو اس زمین میں دلائل ربوبیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی جس خدا نے پہلی بار تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر مٹی ہی میں تم کو دفن کرا کے امانت رکھا دی خدا پھر تم کو مٹی سے نکال سکتا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا
اور ہم نے دکھا دیں اپنی سب نشانیاں پھر جھٹلایا اور نہ مانا۔ بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے کو
مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ
ہماری ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ۔ سو ہم بھی لاویں گے تجھ پر ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا
بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾
ہمارے اپنے بیچ ایک وعدہ نہ تفاوت کریں اس سے ہم نہ تو ایک میدان صاف میں۔
قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى
کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع کرے لوگوں کو دن چڑھے۔ پھر الٹا پھرا
فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا
فرعونؔ پھر اکٹھے کیے اپنے سارے داؤ پھر آیا۔ کہا ان کو موسیٰ نے کم بختی تمہاری
تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ
جھوٹ نہ بولو اللہ پر پھر کھپاوے تم کو کسی آفت سے۔ اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے
افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا
جھوٹ باندھا۔ پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کی مشورت۔ بولے
اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا
مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے
وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا
اور اٹھاویں تمہاری راہ خاصی۔ سو مقرر کرو اپنی تدبیر پھر آؤ قطار
صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ
باندھ کر۔ اور جیت گیا آج جو اوپر رہا۔ بولے اے موسیٰ! یا تو ڈال

وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ

اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے۔ کہا نہیں! تم ڈالو۔ پھر تبھی ان کی رسیاں اور

عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ

لاٹھیاں اس کے خیال میں آتی ہیں جادو سے کہ دوڑتی ہیں۔ پھر پانے لگا

فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ

اپنے جی میں ڈر موسیٰ۔ ہم نے کہا تو نہ ڈر مقرر تو ہی رہے گا اوپر۔ اور

اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ

ڈال جو تیرے داہنے میں ہے کہ نگل جاوے جو انہوں نے بنایا، ان کا بنایا تو فریب ہے جادوگر کا،

وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا

اور جادوگر نہیں کام لے نکلتا جہاں آوے۔ اور گر پڑے جادوگر سجدے میں بولے ہم یقین لائے

بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ

رب پر ہارون اور موسیٰ کے۔ بولا فرعون، تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہ دیا تھا۔

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ

وہی تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو۔ سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور

اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَ لَتَعْلَمُنَّ

دوسرے پاؤں، اور سولی دوں گا تم کو کھجور کے ڈھنڈ پر۔ اور جان لو گے ہم میں

اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا

کس کی مار سخت ہے اور دیر تک رہتی۔ وہ بولے ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے، جو پہنچی

مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ

ہم کو صاف دلیل اور اس سے جن نے ہم کو بنایا سو تو کر چک جو کرتا ہے تو یہی کرے گا

هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَ مَاۤ

اس دنیا کی زندگی میں ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر، تا بخشے ہم کو ہماری تقصیریں اور جو

اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ

تونے کروایا ہم سے زور آوری یہ جادو۔ اور اللہ بہتر ہے اور دیر رہنے والا۔ مقرر ہے جو کوئی آیا

رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَ مَنْ

اپنے پاس گنہگار ہوکر، سو اس کے واسطے دوزخ ہے، نہ مرے اس میں نہ جیوے۔ اور جو

يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ ۙ

آیا اس پاس ایمان سے کر کر نیکیاں۔ سو ان لوگوں کو ہیں درجے بلند۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ

باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں رہا کریں گے ان میں اور یہ

جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ ع ۳/۲۲/۱۲

بدلہ ہے اس کا جو پاک ہوا۔

ذکر مذاکرۂ دیگر درمیان موسیٰ علیہ السلام وفرعون لعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا ... الى ... وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾

ربط: گزشتہ آیات میں الوہیت وربوبیت خداوندی کے بارے میں مذاکرہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنہ کے درمیان ایک دوسرے مذاکرہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو الوہیت اور ربوبیت اور نبوت و رسالت اور حشر ونشر اور قیامت کے متعلق اپنی تمام نشانیاں دکھلا دیں۔ جن کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کسی عذر کی اس کے لیے گنجائش باقی نہ رہی اس لیے کہ حق اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ پھر بھی اس نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کو سحر اور جادو بتلایا اور ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور جن آیات بینات کا اس وقت دکھلانا منظور تھا وہ سب اس کو دکھلا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دلائل ربوبیت ووحدانیت بھی فرعون کے سامنے بیان کر دیئے۔

کما قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عنہ: ﴿رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ... الخ﴾ (طٰہٰ:۵۰) اپنی نبوت و

رسالت کے اثبات کے لیے فرعون کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دکھلا دیا۔ اور ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى﴾ (طٰہٰ:۵۵) سے حشر ونشر اور قیامت کا اثبات فرمایا مگر فرعون نے ان آیات بینات اور ان روشن دلائل کو بھی نہ مانا اور ان معجزات کو جادو بتایا اور بولا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہماری ملک سے نکال دے اور خود اس پر قابض ہو جائے تو ہم بھی تیری مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے اور تیرے جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ فرعون ملعون نے یہ بات ﴿اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى﴾ (طٰہٰ:۵۷) اے موسیٰ علیہ السلام کیا تو اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک اور وطن سے نکالنا چاہتا ہے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لیے کہی۔ کیونکہ جب قوم کے لوگ یہ سنیں گے تو ان کے دل میں یہ بات جم جائے گی کہ اگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اپنے گھر بار سے نکلنا پڑے گا۔ تو اس کی بات کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کے معجزوں میں غور وفکر کریں گے۔ اور یہ سمجھیں گے کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا ہے وہ بھی ایک قسم کا جادو ہے۔ فرعون ملعون کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر غایت درجہ خوفزدہ ہوا اور یہ سمجھ گیا کہ یہ حق ہے جادو نہیں اور یہ وہی شخص ہے کہ جس کی پیش گوئی میں عرصہ سے سن رہا ہوں۔ کہ آلِ ابراہیم میں ایک شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر میری سلطنت کا خاتمہ ہوگا اور اسی ڈر کے مارے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کرواتا تھا۔ اگر اس کو یقین نہ ہوتا تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی جادوگر محض جادو سے کسی سلطنت پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت نے اس کو ایسا بدحواس بنا دیا کہ اس کو موسیٰ علیہ السلام پر دست درازی کی جرأت نہ ہوئی۔

الغرض جب موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ اس کو دکھایا تو دل سے تو سمجھ گیا اور یقین کر لیا کہ یہ خدائے برحق کے نبی اور رسول ہیں۔ مگر نہ ماننے کا ایک بہانہ نکالا کہ تم جادوگر ہو اور یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے وہ سب سحر ہے پس ہم بھی اس سحر کے مقابلہ میں ایک اور سحر لائیں گے۔ اور تمہارا مقابلہ کریں گے۔

پس اس مقابلہ کے لیے ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کے لیے کوئی مقام اور وقت معین کر لیجیے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم اس کے خلاف کرو۔ اور اس مقابلہ کے لیے درمیان شہر کوئی جگہ مقرر کر لیں جو شہر کے بیچوں بیچ ہو اور آنے والوں کے لیے ہر طرف سے مسافت برابر ہو تا کہ کسی طرف سے آنے والے کو دشواری نہ ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہ میدان اور وہ زمین ہموار ہو جس میں سب برابر کھڑے ہو کر مقابلہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہارے وعدہ کا وقت تمہاری عید کا دن ہے۔ جس دن لوگ آرائش و زیبائش کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے لیے عید کا دن اس لیے تجویز کیا کہ اس دن سب لوگ حاضر ہوں گے تو حق مجمع عام کے روبرو ظاہر ہو جائے گا اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت یعنی دن چڑھے جمع کیے جائیں۔ جس وقت روشنی خوب ہوتی ہے یعنی ہمارا وعدہ عید کے دن چاشت کے وقت کا ہے تا کہ دن دہاڑے سب کے سامنے حق واضح ہو جائے اور سارے جہان میں اس کی خبر پھیل جائے اور کوئی بات چھپی نہ رہے۔ پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس اور ملمع کاری نہیں ہوتی۔ اس لیے دن چڑھے کا وقت مقرر کیا۔ تا کہ روز روشن میں کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غلبہ کا یقین کامل تھا اس لیے بے دھڑک یہ دن اور یہ وقت مقرر کیا۔

پس جب مقابلہ کے لیے مکان اور زمان اور وقت سب طے پا گیا تو فرعون اپنے دربار سے واپس ہوا اور خلوت میں آ کر مشورہ کیا کہ کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ پھر اپنے مکر وفریب کا سامان جمع کرنا شروع کیا۔ پھر جب سامان کر چکا تو پوری طاقت اور پوری جمعیت

کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں آیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ فرعون جب میدان میں آیا تو تخت شاہی پر بیٹھا۔ اور تمام ارکان دولت اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور تمام جادوگر بھی اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور فرعون ان کو طرح طرح کے انعامات کی امیدیں دلا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جادوگروں کی تعداد چار سو تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھی۔ واللہ اعلم

اور موسیٰ علیہ السلام اطمینان سے اپنے عصا پر تکیہ لگائے تشریف لائے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔

میدان مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں کو ناصحانہ خطاب

جب حسب وعدہ سب میدان مقابلہ میں حاضر ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے یہ کہا کہ اے کم بختی کے مارو میرے معجزے کو جو خدا کی دی ہوئی نشانی ہے جادو قرار دے کر اللہ پر جھوٹ بہتان نہ باندھو کہ پھر وہ تم کو کسی آفت سے ہلاک کر ڈالے اور جڑ سے تم کو نیست و نابود کر دے اور تحقیق نامراد اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے مخلوق پر افتراء کیا۔ چہ جائیکہ جو شخص اللہ پر افتراء کرے وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بغرض اتمام حجت مقابلہ سے پہلے جادوگروں کو سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ دیکھو اللہ پر افتراء نہ کرو۔ مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پس جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے یہ کلمۂ موعظت و حکمت سنا تو سن کر اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کہ آیا اس مبارک چہرہ کا مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں کوئی کہتا کہ یہ بات جادوگروں کی سی نہیں اور یہ چہرہ بھی جادوگروں جیسا نہیں۔ اس شخص کے لب و لہجہ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شخص اندر سے مطمئن ہے۔ خوف و ہراس کا نام و نشان بھی اس شخص کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتا اور بعض کہتے کہ یہ جادوگر ہے ہم اس پر غالب آ جائیں گے۔ اور چھپ کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ اور فرعون سے چھپا کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ فرعون کے لوگوں میں سے کسی کو اس مشورہ کی خبر نہ ہو۔ بالآخر اس مشورہ میں یہ طے پایا کہ سب نے متفق ہو کر یہ کہا:

① کہ بیشک یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔

② اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور خود اس پر متصرف اور قابض ہو جائیں اور اس ملک کو اپنے تصرف میں لائیں۔

③ اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بہتر طریقہ کو مٹا دیں اور اپنا طریقہ اس پر رائج کر دیں ''طریقہ'' سے دین اور مذہب مراد ہے کہ فرعون نے یہ کہا ﴿اِنِّیٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ﴾ (مومن: ۲۷) مطلب یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا مقصد یہ ہے کہ سرزمینِ مصر سے تمہارا طریقہ اور مذہب اور تمہاری تہذیب اور تمدن ختم کر کے بنی اسرائیل کا طریقہ اور ان کا دین اور ان کی تہذیب و تمدن ملک میں رائج کریں۔ پس تم سب مل کر اور متفق ہو کر اپنی تدبیر کو پختہ کر لو اور پھر سب صف باندھ کر مقابلہ پر آؤ۔ تا کہ اس کے دل میں ہیبت ہو۔ اور سب پر تمہارا رعب پڑے اور ڈٹ کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرو اور تحقیق آج فلاح کو پہنچا جو آج کامیاب ہوا۔ یعنی آج جس نے غلبہ پا لیا جیت اسی کی ہے اور وہی اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ ساحروں کی تعداد میں مختلف اقوال آئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ۹۰۰ (نو سو) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین سو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ بارہ ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے

اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۱ ج ۶)

پھر اس صف بندی کے بعد جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! بتلائیے یا تو یہ ہو کہ آپ اپنا عصا پہلے زمین پر ڈالیں گے اور یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنیں یعنی دونوں باتوں کے درمیان آپ کو اختیار ہے۔ جیسی صورت چاہیں پسند کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ پہلے تم ہی ڈالو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

چنانچہ پہلے انہوں نے اپنی لاٹھیاں رسیاں زمین پر ڈال دیں تو ڈالتے ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں ایسی دکھائی دینے لگیں جیسے سانپ دوڑ رہے ہوں۔ تمام لوگوں کو ایسا نظر آیا کہ ان کی لاٹھیاں اژدھا بنی ہوئی ہیں اور دوڑی چلی جارہی ہیں اور سارا میدان ان سے بھرا ہوا ہے۔

پس اس منظر کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا اور یہ خوف بمقتضائے جبلت بشری تھا یا اس وجہ سے تھا کہ مبادا لوگ اس ظاہری منظر کو دیکھ کر جادو کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور سحر اور معجزہ کا فرق ان پر ملتبس ہو جائے اور عجب نہیں کہ یہ بھی خیال کیا ہو کہ میرے پاس تو ایک ہی عصا ہے اور وہ ایک ہی سانپ بنے گا اور ان کے پاس تو بہت سے رسیاں اور لاٹھیاں ہیں جب وہ سب سارے سانپ بن جائیں گے تو بظاہر باطل حق پر غالب نظر آئے گا۔ اس لیے ڈرے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ تو کچھ بھی خوف نہ کر بلاشبہ تو ہی تن تنہا ان سب پر غالب رہے گا۔ معجزہ کے سامنے جادو اور شعبدہ کیا چیز ہے اور اے موسیٰ علیہ السلام! جو چیز بھی اس وقت تیرے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دے اگرچہ وہ گھاس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی ان رسیوں اور لاٹھیوں کی پرواہ نہ کر جو کچھ تیری داہنے ہاتھ میں ہے خواہ گھاس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو اس کو زمین پر ڈال دے وہ ان کے تمام شعبدے کو نگل جائے گا جو انہوں نے بنایا ہے۔ اور آپ علیہ السلام کا ایک عصا ان ہزار ہا ہزار لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل کر ڈکار بھی نہ لے گا تحقیق انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ تو جادوگر کا حیلہ اور فریب ہے اور آپ علیہ السلام نے جو کام کیا ہے وہ قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے اور ایک خیالی شعبدہ بھی کرشمۂ قدرت پر غالب نہیں آسکتا اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ فوراً وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا اور ان عصاؤں اور رسیوں کے پیچھے ہوا جو ساحروں نے ڈالی تھیں دم کے دم میں سب کو ایک ایک کر کے نگل گیا۔ اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا۔ اور لوگ ڈر کے مارے بھاگ اٹھے۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام کا یہ عصا جو اژدھا بنا ہوا تھا۔ فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نگل جائے تو فرعون چلایا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۰ ج ۶)

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔

ساری دنیا نے اس وقت حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا یہ معرکہ دیکھا اور جادوگر بھی سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ سحر نہیں بلکہ معجزۂ نبوت اور کرشمۂ قدرت ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس جادوگروں کی اس وقت یہ حالت ہوئی کہ وہ اس کرشمۂ غیبی کو دیکھ کر ایسے بے خود ہو گئے کہ گویا گردن پکڑ کر سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ ساحرین چونکہ فن سحر کے ماہر تھے اور اس کے اصول و فروع سے باخبر تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے اس لیے دیکھتے ہی یہ سمجھ گئے کہ یہ کرشمۂ موسوی دائرہ سحر سے بالا اور برتر کوئی حقیقت ہے۔

یہ کرشمۂ قدرت ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے اور بولے کہ ہم ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر یعنی ہم اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے اور جس کی قدرت سے یہ عصا اژدھا بنا اور ہماری ہزار ہا رسیوں اور لاٹھیوں کو ایک لقمہ بنا کر نگل گیا سحر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایک دم سے رسیوں اور تمام لاٹھیوں کو نگل جائے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ عصا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حبال اور عصی میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ معجزہ ہے اور ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر گئے اور ساحروں کا یہ سجدہ، سجدۂ شکر تھا کہ اللہ نے ہم پر حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا فرق ظاہر فرما دیا۔

سبحان اللہ! کیا عجیب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہو گیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ، سجدۂ شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

نکتہ: اور رب ہارون و موسیٰ علیہم السلام میں ہارون علیہ السلام کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے یا اس وجہ سے کہ فرعون نے بچپن میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی تو ربِّ موسیٰ علیہ السلام سے یہ وہم نہ ہو جائے کہ فرعون مراد ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرعون کے ملک میں نو سو جادوگر تھے۔ انہوں نے فرعون سے کہہ دیا تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام درحقیقت جادوگر ہے تو ہم اس پر ضرور غالب آئیں گے کیونکہ فن سحر میں ہم سے زیادہ کوئی کامل اور ماہر نہیں اور اگر وہ پیغمبر ہوں گے تو ہم ان پر غالب نہ آسکیں گے۔

چنانچہ جب مقابلہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جادو کی ہستی مٹا کر رکھ دی تو ان سب کو آپ علیہ السلام کی پیغمبری کا یقین آ گیا۔ اور ایمان لے آئے فرعون نے یہ واقعہ دیکھ کر جادوگروں کو دھمکایا اور کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر کیسے ایمان لے آئے۔ یعنی تم کو چاہیے تھا کہ مجھ سے مشورہ کرتے۔ اور میرے حکم کے بعد ایمان لاتے۔ پھر اپنے لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کی غرض سے یہ کہا۔ بیشک یہ شخص تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اور تم سب اس کے شاگرد ہو اور دل سے اس کے ساتھ ہو اور اندرونی طور پر اس سے ملے ہوئے ہو۔ یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے اور جنگ زرگری ہے تم نے اپنے استاد کی شان بلند کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ جس جادو کے بل بوتے پر وہ اچھل کود رہا تھا وہ دم کے دم میں معجزۂ موسوی کا لقمہ بن گیا تو اب لوگوں کو بہکانا شروع کیا ؎

چو حجت نہ ماند جفا جوئے را
بہ پرخاش برہم کشد روئے را

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فرعون کا صریح جھوٹ تھا لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لیے اس نے یہ جھوٹ بولا کہ یہ تمہارا استاد ہے وہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں سے کبھی ملے بھی نہیں اور نہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو سب کو معلوم ہوتا۔ استادی اور شاگردی کا تعلق لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے جب یہ جھوٹ بولا تو سننے والے بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ فرعون کا بہتان اور دروغِ بے فروغ ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۴ ج ۶)

پھر اس جھوٹ کے بعد فرعون نے ان کو دھمکانا شروع کیا اور کہا۔ پس تم خوب سمجھ لو کہ میں ضرور بالضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں تاکہ تمہاری ہیئت اور صورت بگڑ جائے۔ اور پھر تم کو

سولی دے کر کھجور کے تنوں پر لٹکوا دوں گا۔ تاکہ لوگ تم کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور تم یہ بھی جان لوگے کہ ہم دونوں میں یعنی مجھ میں اور ربِّ موسیٰ علیہ السلام میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے یعنی میں تم کو تمہارے ایمان لانے پر سزا دوں گا۔ اگر تم ایمان نہ لاتے تو موسیٰ علیہ السلام کے قول کے مطابق تم کو موسیٰ علیہ السلام کا خدا عذاب دیتا۔ اب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ سخت ہے دیرپا ہے یا موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ایک شبہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزرا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اژدھا ہو گیا اور وہ عصا فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا پھر وہ بدستور پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا تب فرعون کے ہوش و حواس درست ہوئے تو شبہ یہ ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔ خوف و ہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔

جواب یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوفزدہ تھا۔ مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا تاکہ اس کی بات بنی رہے اور ظالم اور بدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ فرعون کا یہ کہنا کہ ﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ (الشعرآء:۴۹) یہ تمہارا استاد و بزرگوار ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اس کا یہ دروغ بے فروغ خود اس کے اندرونی خوف کی دلیل ہے۔ حالانکہ اس کو خوب معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی ان جادوگروں سے نہیں ملے اور نہ ان سے واقف ہیں۔ اور نہ ان کا ان سے کوئی تعلق ہے۔ جو شخص اندر سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ باہر سے ایسی ہی بے سروپا باتیں کیا کرتا ہے۔ جس کی حقیقت اکڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۴ ج ۶)

مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب

یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی تہدید کا اور دھمکیوں کا ذکر کیا۔ اب آگے مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ فرعون کی ان دھمکیوں سے ان کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہیں آیا۔ فرعون کی یہ دھمکیاں سن کر مؤمنین صالحین جواب میں یہ بولے کہ اے فرعون ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچے ہیں اور نہ ہم تجھ کو اس ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے پردۂ عدم کو چاک کر کے ہم کو وجود عطا کیا ہے۔ ربوبیت کے لیے خالقیت شرط ہے جب تو ہمارا خالق نہیں تو ہمارا رب کیسے ہو سکتا ہے۔ پس تو جو کرنا چاہے وہ کر گزر ہمیں تیرے ڈرانے دھمکانے کی کچھ پرواہ نہیں جز ایں نیست کہ تو اپنا حکم صرف اس دنیاوی زندگانی میں جاری کر سکتا ہے جو عنقریب زائل اور فنا ہونے والی ہے تو تیرا عذاب کچھ دیرپا نہیں۔ تیرا سارا زور اس دار فانی میں ہے۔ اور ہم دار البقاء اور دار القرار کے شیدائی اور فدائی ہیں تو ہم کو کیا اس فانی اور مجازی عذاب سے ڈراتا ہے۔ بس اب تو ہم اپنے اس پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں جس نے ہم کو وجود عطا کیا اور زمین کو ہمارا فرش اور آسمان کو ہماری چھت بنایا اور ہمارے لیے سامانِ رزق زمین سے اگایا۔ ساری عمر ہم نے اس کا کفر کیا اب ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ تاکہ وہ پروردگار ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے اور خاص کر اس گناہ کو بخش دے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا۔ یعنی یہ جادو جو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کیا وہ تیرے زور دینے سے کیا۔ ساحروں نے یہ سحر اگرچہ اپنے اختیار سے کیا لیکن چونکہ حکم شاہی سے کیا تو مجبور تھے اس لیے کہ حکم شاہی آدمی کو مجبور کر دیتا ہے۔ شخصی اور انفرادی دباؤ سے آدمی اتنا مجبور نہیں ہوتا جتنا کہ حکومت کے دباؤ

سے مجبور ہو جاتا ہے۔ فرعون نے جب ساحروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے کہا اور ان سے عصا کے اژدھا ہو جانے کا ذکر کیا تو جادوگروں نے یہ کہا کہ اچھا پہلے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دکھا دو تا کہ ہم ان کو دیکھ کر معلوم کر لیں کہ بات کیا ہے تو فرعون نے جادوگروں کو ان کے دیکھنے کے لیے بھیجا جب جادوگر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو سو رہے ہیں اور وہ عصا سانپ کی صورت میں ان کا پہرہ دے رہا ہے۔ اور ان کی پاسبانی اور نگہبانی کر رہا ہے۔ جادوگروں نے اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص تو جادوگر نہیں کیونکہ ساحر جب سو جاتا ہے تو اس کا سحر اس وقت کام نہیں کرتا جادوگروں نے آ کر یہ سارا ماجرا فرعون سے بیان کر دیا مگر فرعون نے نہ مانا اور کہا کہ تم لوگ بھی بے شمار اژدھے لا سکتے ہو وہ ایک اژدھا کیا تمہارا مقابلہ کرے گا غرضیکہ فرعون نے جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کرنے کے لیے مجبور کیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۵ ج ۶ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۲۱۱ ج ۱۶)

اور ظاہر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حال دیکھنے کے لیے خاص خاص فن سحر کے ماہر ہی گئے ہوں گے نہ کہ سب۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سب جادوگر دل سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آمادہ نہ تھے۔ بہت سے فرعون کے جبر و اکراہ سے مقابلہ پر آئے اور جب علی الاعلان حق واضح ہو گیا اور حق باطل کو نگل گیا تو فرعون کی پرواہ نہ کی اور اپنے خدائے عزوجل پر ایمان لے آئے اور اپنے گناہ کی معافی چاہی اور فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں یہ کہا اور اللہ بہت بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اور اس کا ثواب اور عذاب دائمی ہے۔ اس کا انعام تیرے انعام سے بہتر ہے اور اس کا عذاب تیرے عذاب سے زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے تو تو ایک گھورا اور متورا بھگوڑا آدمی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو دیکھ کر تیرا پیشاب پاخانہ خطا ہو گیا۔ اور تو اپنے تخت سے بھاگ اٹھا۔ تجھے ربوبیت سے کیا واسطہ۔ اب آگے قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ فرعون نے ان ایمان لانے والوں کو وہ سزا دی یا نہیں جس کی اس نے ان کو دھمکی دی تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے جو ان کے قتل اور سولی کا عزم مصمم کیا تھا وہ کر گزرا۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف سے مروی ہے کہ یہ مقتولین صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہید تھے۔

(دیکھو تفسیر [1] ابن کثیر صفحہ ۱۵۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر کبیر [2] ص ۶۷ ج ۶)

پھر ان مؤمنین صالحین نے فرعون کے عذاب کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرنے کی وجہ بیان کی۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے مجرم اور باغی ہو کر حاضر ہوگا تو بلاشک اس کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا وہاں اس کو کوئی راحت نصیب نہ ہوگی۔ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا۔ ہم اس کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے ہیں جس کے مقابلہ میں تیرا عذاب ہیچ ہے اور جو شخص اس کے پاس ایمان والا ہو کر آئے گا جس نے ایمان کے ساتھ نیک عمل بھی کیے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے اور ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ جزا ہے اس شخص کی کہ جو کفر اور معصیت کی نجاستوں سے پاک صاف ہوا اور کفر اور معصیت کی نجاست سے پاک کرنے والی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

---

[1] قال الحافظ ابن کثیر. الظاھر ان فرعون لعنہ اللہ صتمم علی ذٰلك وفعلہ بھم رحمة لَّھُمْ مِنَ اللهِ ولهٰذا قال ابن عباس وغیرہ مِنَ السَّلف اصبحوا سحرۃ وامسوا شھدآءَ۔

[2] قال الامام الرازی اعلم اِنَّہٗ لیس فی القرآن ان فرعون فعل باُولٰئِكَ القوم المؤمنین مَا اوعدھم بہ ولٰکن ثبت ذٰلك بالاخبار۔

وَ لَقَدۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی ۬ۙ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو۔ کہ لے نکل میرے بندوں کو رات سے پھر ڈال دے ان کو

طَرِیۡقًا فِی الۡبَحۡرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَکًا وَّ لَا تَخۡشٰی ﴿۷۷﴾ فَاَتۡبَعَهُمۡ

راہ سمندر میں سوکھی، نہ خطرہ تجھ کو آ پکڑنے کا نہ ڈر۔ پھر پیچھے لگا ان کے

فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِیَهُمۡ مِّنَ الۡیَمِّ مَا غَشِیَهُمۡ ﴿ؕ۷۸﴾ وَ اَضَلَّ

فرعون اپنے لشکر لے کر پھر گھیر لیا ان کو پانی نے جیسا گھیر لیا۔ اور بہکایا

فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَ مَا هَدٰی ﴿۷۹﴾ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ

فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا۔ اے اولاد اسرائیل! چھڑایا ہم نے تجھ کو

عَدُوِّکُمۡ وَ وٰعَدۡنٰکُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ

تمہارے دشمن سے اور وعدہ رکھا تم سے داہنی طرف پہاڑ کے، اور اتارا تم پر من

وَ السَّلۡوٰی ﴿۸۰﴾ کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ وَ لَا تَطۡغَوۡا فِیۡهِ فَیَحِلَّ

اور سلویٰ۔ کھاؤ ستھری چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو، اور نہ کرو اس میں زیادتی، پھر اترے

عَلَیۡکُمۡ غَضَبِیۡ ۚ وَ مَنۡ یَّحۡلِلۡ عَلَیۡهِ غَضَبِیۡ فَقَدۡ هَوٰی ﴿۸۱﴾ وَ اِنِّیۡ

تم پر میرا غصہ۔ اور جس پر اترا میرا غصہ وہ پٹکا گیا۔ اور میری

لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰی ﴿۸۲﴾

بڑی بخشش ہے اس پر، جو توبہ کرے اور یقین لاوے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فرعون کا تعاقب اور اس کی غرقابی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی ۬ۙ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡ ... الٰی ... ثُمَّ اهۡتَدٰی ﴿۸۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ساحرین کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا ذکر تھا کہ کھلے میدان میں دن دہاڑے مقابلہ ہوا اور فرعونیوں کو شکست فاش ہوئی اور ساحرین مشرف باسلام ہو گئے تو بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اور فرعون ڈر گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کا

سلسلہ شروع ہو گیا چند ہی سال میں موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کافی تعداد میں ہو گئے مگر چند روز کے بعد لوگوں نے پھر فرعون کو دعوائے الوہیت اور سابق ظلم و تشدد پر آمادہ کیا تو حسب سابق اس نے پھر وہی ظلم و ستم شروع کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے لگا تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پڑ جائے کہ وہ مولود جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے فرعون نے پھر قتل کا بازار گرم کیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ان مظالم کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کا حکم دیا اور فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم سب ملک شام چلے جائیں اور فرعون کو متنبہ کرنے کے لیے طرح طرح کے نشانات دکھاتے رہے۔ جیسے طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع اور دم وغیرہ وغیرہ جن کا ذکر سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فرعون جب کوئی نشان دیکھتا تو ڈر جاتا اور موسیٰ علیہ السلام سے اس کے رفع کے لیے درخواست کرتا اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کر لیتا مگر جب وہ مصیبت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہو جاتی تو پھر مکر جاتا۔ بیس سال اسی حالت میں گزر گئے نہ ایمان لایا اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر آمادہ ہوا اور اس طویل و عریض مدت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جس قدر بھی نشانیاں دکھائی گئیں سب کی تکذیب کی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝۵۶﴾ (طٰہٰ: ۵۶)

پس جب حق جل شانہٗ کی طرف سے حجت پوری ہو گئی اور جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وقت آ گیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دلائی جائے اور اس کے ان وحشیانہ مظالم کا انتقام لیا جائے اور اس کے غرق کا سامان کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کا خاتمہ ہو اور خدا کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جائیں اور خارق عادات طریقہ سے بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہو جانا اور پھر ان کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کا اس خارقِ عادت طریقہ سے بصد ہزار ذلت و خواری غرق ہو جانا کرشمۂ قدرت اور معجزۂ نبوت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر شام چلے جاؤ اور جب راستہ میں دریا پر پہنچو تو اس پر لاٹھی مار دینا اس سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے اور درمیان میں دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہو جائیں گی اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں کا ہر خاندان ایک ایک راستہ سے الگ الگ نکل جائے گا۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو حسبِ حکم خداوندی دریا پر اپنی لاٹھی ماری تو فوراً دریا میں خشک راستے تیار ہو گئے اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔

جب صبح ہوئی تو فرعون کو اور قوم قبط کو معلوم ہوا کہ اب شہر میں بنی اسرائیل میں سے کوئی نہیں۔ فرعون کو جب یہ خبر ملی تو فوراً اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور بنی اسرائیل کو دیکھا کہ دریا میں خشک راستوں سے گزر رہے ہیں تو اس نے اپنے آدمیوں کو ان دریائی راستوں پر چلنے کا حکم دیا۔ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر فرعون کے خوشامدی بولے کہ یہ سب حضور فیض گنجور کا اقبال ہے۔

جب بنی اسرائیل دریا سے پار نکل گئے اور فرعون مع لشکر کے دریا کے بیچ پہنچ گیا تو بحکم خداوندی دریا کا پانی رواں ہو گیا۔ اور وہ بدبخت مع اپنی قوم کے غرق ہو گیا۔

ربط دیگر: گزشتہ رکوع میں حق تعالیٰ نے خاص موسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح تمہارے دشمن کو تمہاری نظروں کے سامنے غرق کیا۔

ربط دیگر: گزشتہ رکوع میں فرعون کے حال کو بیان کیا تھا۔ اب اس رکوع میں فرعون کے آل اور انجام کو بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ خدا تعالیٰ اگرچہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر اس کو چھوڑتا نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون باوجودیکہ اس مقابلہ میں شکست کھا گیا مگر پھر بھی اپنے تکبر اور تجبّر سے باز نہ آیا اور بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا رہا تو البتہ تحقیق اس وقت ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجۂ ظلم سے نجات دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے باہر لے کر نکل جاؤ اور دور چلے جاؤ چلتے چلتے تم کو راستہ میں دریا ملے گا۔ پس جب دریا پر پہنچو تو اس پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بنا دینا جس میں نہ پانی ہو اور نہ کیچڑ ہم نے دریا کو حکم دے دیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر عصا مارے تو اس کے لیے خشک راستے بنا دینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر پہنچ کر اس پر اپنا عصا مارا اسی وقت اس میں بحکم خداوندی بارہ راستے بن گئے۔

﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ (الشعرآء: ۶۳)

چونکہ علم الٰہی میں یہ امر تھا کہ فرعون اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کرے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ تم سیدھے چلے جانا نہ تو پکڑے جانے سے ڈرے گا اور نہ ڈوبنے کا خوف کرے گا۔ اس واسطے کہ ہم تجھ کو صحیح سالم سلامتی کے ساتھ پار کر دیں گے نہ تو تجھ کو ڈوبنے کا خوف ہوگا اور نہ یہ خوف ہوگا کہ پیچھے سے کوئی دشمن آ کر ہمیں پکڑ لے اس حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے چل پڑے۔

پس جب صبح کو فرعون کو اور قبطیوں کو اس کی خبر ہوئی تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔ اور دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے پار ہو چکے ہیں اور دریا میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں۔ فرعون اپنے لشکر کو لے کر انہی راستوں پر ہو لیا۔ پس جب تمام لشکر دریا [1] کے درمیان پہنچ گیا تو ڈھانپ لیا فرعون کو مع اس کے لشکروں کے دریا کی موج سے اس چیز نے کہ جس نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ یعنی ایک بڑی موج نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ موج ایسی عظیم اور ہولناک تھی کہ کوئی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب فرعون مع لشکر کے دریا کے اندر داخل ہو گیا تو دریا کی ہولناک موج نے ان سب کو پکڑ لیا اور ہر طرف سے پانی آ ملا اور سب غرق ہو گئے۔

اور فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کیا اور راہ راست پر نہ لگایا۔ یہ فرعون کے اس دعوے کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ (مومن: ۲۹) میں تم کو سیدھا راستہ بتلاتا ہوں۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی عبرتناک غرقابی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے دوسرے انعامات اور احسانات کا ذکر کرتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دینی اور دنیوی احسانات کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں: اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے بڑے دشمن فرعون سے نجات دی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نجات کی نعمت کو بیان فرمایا۔ اس لیے کہ دفع ضرر کی نعمت سب سے مقدم ہے اور یہ نعمت دنیوی تھی اب اس کی بعد دینی نعمت کو بیان کرتے ہیں اور اے بنی اسرائیل ہم نے

---

[1] قال الامام الرازی الاولی ان یقال انه امر مقدمة عسکرة بالدخول فدخلوا وما غرقوا فغلب علی ظنه السّلامة فلما دخل الکل اغرقوا۔ (تفسیر کبیر ص ۶۹ ج ۶)

تم سے توریت دینے کے لیے طور کے داہنی جانب کا وعدہ کیا توریت کا عطا کرنا دینی نعمت ہے کیونکہ توریت نور ہے اور ہدایت ہے اور شریعت الٰہیہ ہے۔ جس پر عمل سے انسان گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر اس دینی نعمت کے بعد ایک دنیوی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تم پر من و سلویٰ اتارا ''من'' تو ایک حلوا تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا۔ اور ''سلویٰ'' ایک پرندہ تھا جوان پر گرتا تھا اور لذیذ تھا۔ بقدر حاجت اس میں سے لے لیتے تھے اور اگلے روز کے لیے ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی یہ ان پر اللہ کا دنیوی انعام تھا۔ اب آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہماری ان نعمتوں کو عصیان اور طغیان کا سبب نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہم نے ان سے یہ کہا کہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس کھانے میں حدِ شرعی سے تجاوز نہ کرو کہ پھر تم پر میرا غضب نازل ہو۔ حد سے بڑھنے سے ناشکری اور نافرمانی کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا مراد ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بلندی سے پستی میں جا گرا اور ہلاک اور برباد ہوا۔ یعنی اوپر سے ہاویہ (قعر جہنم میں جا گرا) ﴿هَوٰى﴾ کے معنی اُوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔ (هذا كلّه من التفسير الكبير للامام الرازى رحمه الله از ص۶۹ ج۶ تا ص۷۰ ج۶)

اور اس قہر و غضب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ میں بلاشبہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے پچھلے گناہوں سے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے پھر راہ ہدایت پر قائم رہا اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جما رہا۔ یہاں تک کہ اسی پر مر گیا۔ یہ مقام استقامت ہے۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۳۰)۔ غرض کہ اہتداء سے استمرار اور استقامت کے معنی مراد ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۷۰ ج۶)

اور راہ ہدایت سے صراطِ مستقیم مراد ہے جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ اور جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر قائم ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ

اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ۔ بولا وہ یہ ہیں میرے پیچھے

وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ

اور میں جلدی آیا تیری طرف اے رب تا کہ تو راضی ہو۔ فرمایا ہم نے بچلا دیا (آزمائش میں ڈالا) تیری قوم کو

بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے۔ پھر الٹا پھرا موسیٰ اپنی قوم پاس

غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ

غصے بھرا پچتاتا۔ کہا اے قوم! تم کو وعدہ نہ دیا تھا تمہارے رب نے اچھا وعدہ

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ

کیا لمبی ہوگئی تم پر مدت یا چاہا تم نے کہ اترے تم پر غضب

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

تمہارے رب کا اس سے خلاف کیا تم نے میرا وعدہ۔ بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا

اپنے اختیار سے، اور لیکن ہم کو کہا تھا کہ اٹھالیں کِتے بوجھ اس قوم کا گہنا، پھر ہم نے وہ پھینک دیئے

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ

پھر یہ نقشہ ڈالا سامری نے۔ پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا ایک دھڑ، جس میں

خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا

چلانا گائے کا، پھر کہنے لگے یہ صاحب ہے تمہارا اور صاحب موسیٰ کا سو وہ بھول گیا۔ بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ

ع ۱۳
يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ

جواب نہیں دیتا ان کو کسی بات کا اور اختیار نہیں رکھتا ان کے برے کا نہ بھلے کا۔ اور تحقیق

قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ

کہا تھا ان کو ہارون نے پہلے سے اے قوم! اور کچھ نہیں تم کو بہکا دیا گیا ہے اس پر اور تمہارا رب

الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ

رحمٰن ہے، سو میری راہ چلو اور مانو بات میری۔ بولے ہم رہیں گے اسی پر

عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ

لگے بیٹھے، جب تک پھر آوے ہم پاس موسیٰ کہا موسیٰ نے اے ہارون تجھ کو کیا اٹکاؤ تھا جب

رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ

دیکھا تونے کہ وہ بہکے۔ تو میرے پیچھے نہ آیا، کیا تُو نے رد کیا میرا حکم۔ وہ بولا اے میری ماں کے جنے!

لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ

نہ پکڑ میری ڈاڑھی اور نہ سر۔ میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے

بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات۔ کہا موسیٰ نے اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ

بولا میں نے دیکھ لیا جو سب نے نہ دیکھا پھر بھرلی میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے

فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ

پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی مصلحت دی مجھ کو میرے جی نے۔ کہا موسیٰ نے چل! تجھ کو

فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ

زندگی میں اتنا ہے کہ کہا کر نہ چھیڑو۔ اور تجھ کو ایک وعدہ ہے وہ تجھ سے خلاف نہ ہوگا۔

وَ انْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ

اور دیکھ اپنے ٹھاکر کو جس پر سارے دن لگا بیٹھا تھا۔ ہم اس کو جلا دیں گے پھر

لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

بکھیریں گے دریا میں اڑا کر۔ تمہارا صاحب وہی اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی

هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

کی۔ سب چیز سما گئی ہے اس کی خبر میں۔

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی اور گوسالہ پرستی کا واقعہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ... الٰی ... وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝﴾

القصہ جب فرعون غرق ہو گیا [1] تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ استدعا کی کہ ہمارے لیے کوئی دستور ہدایت اور قانونِ

[1] مطلب یہ ہے کہ توریت فرعون کے غرق کے بعد عطا ہوئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى﴾۔ (دیکھو کتاب النبوات ص ۱۵۷)

شریعت چاہیے کہ ہم اس پر چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے درخواست کی، حق تعالیٰ نے توریت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا کہ ہم تم کو ایسی کتاب عطا کریں گے۔ جس میں احکام شریعت جمع ہوں گے اور یہ حکم دیا کہ ستر علماء اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر آئیں تاکہ وہ اس کرامت کا جلوہ دیکھیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جگہ پر تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑا اور ستر علماء کو لے کر کوہ طور کی طرف متوجہ ہوئے جب وہ کوہ طور کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام شدت شوق سے بے تاب ہو گئے اور ان سب سے پہلے سبقت کر کے آگے پہنچ گئے اور ان کو یہ سمجھا گئے کہ تم پہاڑ پر آ جانا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا۔

اور اے موسیٰ علیہ السلام جلدی کر کے اپنی قوم سے پہلے آ جانے پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! وہ میرے پیچھے ہی پیچھے آ رہے ہیں کچھ زیادہ دور نہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو مجھ سے اور زیادہ خوش ہو جائے۔ اس لیے میں نے بصد شوق و رغبت تیری طرف عجلت اور مسارعت کی تاکہ مزید تیرے قرب اور رضا اور کرامت کا سبب بنے اس عجلت اور سبقت سے میرا مقصود اپنی بڑائی نہیں بلکہ تیری مزید خوشنودی مقصود ہے اور نہ یہ عجلت۔ قوم سے غفلت اور بے اعتنائی کی بنا پر ہے۔ وہ سب میرے پیچھے پیچھے میرے نشان قدم پر چلے آ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! یہ خاص گروہ اگرچہ تمہارے پیچھے پیچھے تمہارے نشانِ قدم پر چلا آ رہا ہے مگر تمہاری وہ قوم جن پر تم ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے چھوڑ آئے ہو وہ تمہارے نشانِ قدم سے منحرف ہو گئی۔ حق جل شانہٗ کا اس سوال ﴿مَآ اَعۡجَلَكَ﴾ سے مقصود ہی یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنہ کی خبر دیں جو ان کی مفارقت کے بعد پیش آیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

پس تحقیق ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور ظاہر اسباب میں سامری نے ان کو گمراہ کیا ہے۔ یعنی اصل فتنہ اور ابتلاء تو من جانب اللہ ہے اور گمراہی کا ظاہر سبب اور واسطہ سامری ہے کہ اس نے گوسالہ ایجاد کیا اور بنی اسرائیل کو اس کی عبادت پر آمادہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین کر گئے تھے اور یہ ہدایت فرما گئے تھے کہ ان کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔ ''سامری'' موسیٰ علیہ السلام کی امت کا ایک منافق تھا ہر وقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس نے چاندی سونے کا ایک بچھڑا ڈھال لیا۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے۔ بنی اسرائیل اس کو پوجنے لگے اور آزمائش میں پورے نہ اترے سوائے بارہ ہزار کے سب گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ اور بعض کہتے ہیں اس کا نام ہارون تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے جاتے ہی سارے بنی اسرائیل کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔ بالآخر اس نے یہ فتنہ کھڑا کیا جس پر بنی اسرائیل مفتون ہو گئے۔

پس موسیٰ علیہ السلام اس فتنہ کی خبر سن کر چالیس دن کی مدت پوری کر کے توریت لینے کے بعد اس خبر وحشت اثر کی وجہ سے غصہ اور غم میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کو ڈانٹنے اور دھمکانے لگے۔ اور کہا اے میری قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا اور سچا وعدہ نہیں کیا تھا یعنی خدائے تعالیٰ نے مجھے کوہِ طور پر بلا کر تمہارے لیے توریت اور شریعت عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا جس میں تمہاری دین اور دنیا کی عزت اور شرافت اور کرامت تھی۔ اس کا انتظار کیوں نہ کیا۔ اور نہ میری واپسی کا انتظار کیا اور جلد بازی کر کے

بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ تو کیا اس عہد اور وعدہ کی مدت اتنی طویل اور دراز ہوگئی تھی کہ تم صبر نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے توریت دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں دس رات کا اور اضافہ ہوگیا تو یہ لوگ کہنے لگے تھے۔ اب تک کیوں نہیں آئے اور سامری کے کہنے سے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ ایسی تاخیر تو نہیں ہوگئی تھی جس سے تم بالکل نا اُمید ہو گئے یا تم نے یہ ارادہ کر لیا کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی غضب نازل ہو۔ اس لیے تم نے اس بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری گوسالہ پرستی کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ میری مفارقت کا عرصہ طویل ہوگیا اور تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ اس لیے تم میرے عہد کو (جو میں نے تم سے خدا کی توحید پر قائم رہنے کا لیا تھا اور تم نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا تھا) وہ بھول گئے۔ اور یا تم نے یہ چاہا کہ تم کوئی ایسا فعل کرو جس کی وجہ سے تم پر خدا کا غضب نازل ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں پس بتلاؤ کہ آخر اس گوسالہ پرستی کا کیا سبب ہے۔ پہلی بات کا نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ مجھے تم سے جدا ہوئے صرف چالیس دن کا زمانہ گزرا ہے۔ کوئی طویل مدت نہیں گزری اور دوسری بات کا نہ ہونا بھی ظاہر ہے کہ جس کسی کو ذرہ برابر بھی سمجھ ہوگی وہ کبھی بھی غضب الٰہی کا خواہشمند نہیں ہو سکتا پس نتیجہ یہ نکلا کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ چلتے وقت تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ علیہ السلام کے واپس آنے تک اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں گے بتلاؤ وہ وعدہ کہاں گیا۔ گوسالہ پرست یہ عتاب سن کر نادم ہوئے اور گوسالہ پرستی سے الگ ہو گئے اور یہ ہیبت ناک عتاب سن کر ایسے عذر کرنے لگے جو قابل سماعت نہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے اپنی قدرت اور اختیار سے تیرے عہد اور وعدہ کا خلاف نہیں کیا۔ یعنی یہ حرکت ہم نے از خود نہیں کی بلکہ سامری نے ہم سے کرائی اگر ہم اپنے حال پر چھوڑ دیئے جاتے اور سامری یہ دام تزویر ہمارے سامنے نہ بچھاتا تو ہم کبھی آپ علیہ السلام کے وعدہ کے خلاف نہ کرتے اس کمبخت نے ایسا جال بچھایا کہ ہم نہ اس کو روک سکے اور نہ اپنے کو روک سکے ایسا ملمع کیا کہ ہم اپنے اختیار سے باہر ہو گئے اور چونکہ ہم بے عقل اور باؤلے تھے جیسا کہ آپ علیہ السلام کو معلوم ہے اس لیے ہم اس شعبدہ کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور لیکن بات یہ ہوئی کہ ہم پر قوم فرعون کے زیوروں کے بوجھ لاد دیئے گئے تھے اور کم عقلی کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم ان کا کیا کریں۔

پس سامری کے کہنے سے ہم نے ان زیوروں کو آگ کے گھڑے میں ڈال دیا۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے لگے تو انہوں نے یہ حیلہ بنایا کہ ہم اپنی عید میں جاتے ہیں اس حیلہ اور بہانہ سے بنی اسرائیل نے قبطیوں سے ان کے چاندی اور سونے کے زیورات مستعار (عاریت پر) لیے تا کہ ان کو یقین آ جائے کہ بنی اسرائیل کا مقصود فقط شادی اور عید ہی میں جانا ہے اور یہ حیلہ اس لیے کیا تھا کہ بغیر اس حیلہ کے فرعونی ان کو مصر سے نکلنے نہ دیتے۔ یہ مانگے ہوئے زیور بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے۔ مگر چونکہ یہ زیورات ان کے لیے حلال نہ تھے اس لیے وہ ان کو اپنے اوپر گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ سامری نے ہم کو یہ مشورہ دیا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلائی جائے اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ تمام زیورات جو تمہارے پاس ہیں ان سب کو آگ میں جلا دو تا کہ تم پر گناہ اور بوجھ نہ رہے اس لیے ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ کے گڑھے میں ڈال دیا۔ پھر جس طرح ہم نے ڈالا تھا اسی طرح سامری نے بھی جو اس کے پاس تھا آگ میں ڈال دیا۔ پھر سامری نے ان کے لیے ان زیورات سے ایک دھڑ نکالا یعنی ایک جسم بے روح نکالا جس میں سے بچھڑے کی سی آواز آتی تھی۔

یعنی سامری نے ان زیورات کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر بچھڑے کا ایک پتلہ بنا کر نکال لیا۔ جس میں سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ اس میں سوائے آواز کے اور کوئی صفت نہ تھی اس آواز کو سن کر یہ لوگ گمراہ ہوئے۔ پھر بعد ازاں سامری اور اس کے متبعین یہ کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہِ طور پر چلے گئے اصل معبود تو ان کا یہ بچھڑا ہے جس میں ان کا معبود حقیقی حلول کر آیا ہے۔ [1]

عجب نادان تھے کہ ایک شعبدہ باز کے کہنے سے یہ یقین کر لیا کہ خداوندِ قدوس کسی حیوان اور انسان میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوستان کے ہنومان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ خداوند قدوس رامچندر اور کرشن اور گائے بیل کے جسم میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک کسی کو اوتار ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ اس میں حلول کر آیا ہے۔ بہرحال بنی اسرائیل نے ان زیورات کے استعمال کو اپنے لیے حلال نہ سمجھا جو قبطیوں سے مستعار لیے تھے۔ اس لیے گناہ سے بچنے کی صورت یہ نکالی کہ ان کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ لیکن غضب یہ کیا کہ ان کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ان کی اس جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں۔ پس کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ بچھڑا نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو وہ نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور نہ نفع پہنچانے پر۔

مطلب یہ ہے کہ عجب احمق ہیں کہ صرف حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے اور ایسے اندھے بنے کہ ان کو یہ نظر نہ آیا کہ یہ بچھڑا نہ تو بول سکتا ہے اور نہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز ہے۔ یہ کیونکر معبود ہو سکتا ہے۔ اور یہ لوگ جیسے اندھے ہو گئے تھے۔ ویسے ہی بہرے بھی ہو گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا مگر ایسے بہرے بنے کہ ایک نہ سنی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

البتہ تحقیق ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے طور پر سے لوٹنے سے پہلے ہی بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا۔ اے میری قوم اصل بات یہ ہے کہ تم اس گوسالہ کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو۔ یہ سب فتنہ اور ابتلا ہے اور سراسر گمراہی کا سامان ہے۔ اس بچھڑے کے پتلے کا معبود اور خدا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار خدائے رحمٰن ہے جس کی رحمت اور نعمت تمام عالم کو محیط ہے۔ اس کو اپنا معبود بناؤ۔ پس اس رب رحمٰن کی عبادت میں تم میری پیروی کرو۔ اور میرا حکم مانو۔ وہ بولے جب تک موسیٰ ہمارے پاس نہ آئے تو ہم اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے۔ یعنی جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آ جائے اس وقت تک ہم یہی کرتے رہیں گے۔ البتہ ان کے واپس آنے کے بعد دیکھا جائے گا جو اس وقت مناسب ہوگا وہ کر لیں گے۔ ہارون علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر کسی طرح نہ مانے بالآخر کنارہ کش ہو گئے۔ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو عجب طرح سے نصیحت فرمائی۔ اوّل تو ان کو باطل پر متنبہ کیا اور کہا ﴿اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ (طٰہٰ: ۹۰) یعنی یہ فتنہ ہے اس سے دُور رہو۔ دوم ان کو اللہ کی معرفت کی طرف متوجہ کیا اور کہا ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ (طٰہٰ: ۹۰) یعنی تمہارا معبود وہ ہے جس کی رحمت تمام عالم کو محیط ہے۔ نہ کہ یہ بچھڑا۔ سوم ان کو نبوت کے اتباع کی دعوت دی ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ (طٰہٰ: ۹۰)۔ چہارم ان کو اتباع شریعت کی

---

[1] قال الامام الرازی لَعَلَّهم کانوا من الحلولیّة فجوزوا حلول الاله وحلول صفة مِن صفاته فی ذٰلكَ الجسم وان هذا فی غاية البعد۔
(تفسیر کبیر ص ۷۵ ج ۶)

دعوت دی۔ اور یہ فرمایا ﴿ اَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ ﴾ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کی نصیحت کو قبول کرلیں گے۔ جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آئیں ہم اسی طریقہ پر قائم رہیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کا طواف کرتے دیکھا تو غصہ میں بھر گئے اور اپنے داہنے ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ لیے اور بائیں سے ڈاڑھی۔ اور کہا اے ہارون علیہ السلام جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو کون سا امر تجھ کو مانع ہوا کہ تو میری پیروی نہ کرے۔ یعنی تجھ کو چاہیے تھا ان اہل ضلال سے جہاد و قتال کرتا یا میرے پاس کوہ طور پر چلا آتا۔ پس تو نے میرے حکم کے خلاف کیا اور ان گمراہوں سے مقابلہ اور مقاتلہ نہ کیا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے نہ میری ڈاڑھی پکڑ اور نہ میرا سر میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن قوم نے مجھ کو ضعیف اور کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَ کَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ ﴾ (الاعراف: ۱۵۰) تحقیق میں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ بھی کرتا لیکن مجھ کو ڈر یہ ہوا کہ آپ علیہ السلام آکر یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو یاد نہ رکھا۔ یا یہ معنی ہیں کہ میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ہارون علیہ السلام پر عتاب فرمایا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے نہایت محبت آمیز لہجہ میں اپنا بے خطا اور بے قصور ہونا اس طرح بیان کیا کہ اے میرے بھائی! آپ کوہ طور پر جاتے وقت مجھے یہ نصیحت کر گئے تھے ﴿ اُخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ وَ اَصۡلِحۡ وَ لَا تَتَّبِعۡ سَبِیۡلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴾ (الاعراف: ۱۴۲) یعنی اے ہارون علیہ السلام تم میری نیابت کرنا اور قوم کے کام کو درست رکھنا اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ مفسدوں کا تلوار سے مقابلہ کرنا اور اصلاح نام ہے جماعت کی نرمی کے ساتھ نگہبانی کا اس لیے میں نے ان کو گوسالہ پرستی سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ اور ہر چند اصلاح کی کوشش کی مگر شنوائی نہ ہوئی اور مجھ کو یہ ڈر رہا کہ اگر میں ان کا مقابلہ کروں یا ان کے درمیان سے نکل جاؤں اور ان کو بالکل چھوڑ دوں تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کچھ لوگ میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور کچھ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اور عجب نہیں کہ یہ تفرقہ باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کا سبب بنے اور خدا پرستوں اور گوسالہ پرستوں میں جنگ و جدال کی نوبت آئے اور پھر ان کو سنبھالنا دشوار ہو جائے اس لیے مجھے ڈر رہا کہ آپ علیہ السلام آکر مجھے یہ الزام نہ دیں کہ تو نے قوم میں تفرقہ کیوں ڈال دیا اور میرا انتظار کیوں نہ کیا۔

شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''موسیٰ علیہ السلام چلتے وقت ہارون علیہ السلام کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیو۔ اس واسطے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا (فقط) زبان سے سمجھایا پر وہ نہ سمجھے۔'' (موضح القرآن)

ہارون علیہ السلام کے اس جواب سے موسیٰ علیہ السلام پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ہارون علیہ السلام بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ اس لیے ان کا عذر قبول کیا اور اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کی۔ بعد ازاں سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہا پس کیا حال ہے تیرا اے سامری۔ یعنی تُو نے یہ نامعقول حرکت کیوں کی۔ وہ بولا میں نے وہ چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ سو میں نے فرستادۂ خداوندی یعنی روح القدس کی سواری کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی۔ پھر میں نے اس مشتِ خاک کو اس قالب کے اندر ڈال دیا تو وہ زندہ ہو کر بولنے لگا اور اس میں یہ آواز پیدا ہو گئی۔ اسی طرح میرے جی نے یہ بات بنائی۔ اور اس بارہ میں میں نے اپنی نفسانی خواہش کا

اتباع کیا۔ اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ سامری نے یہ جواب دیا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ان کے تعاقب میں پہنچا تو اس حالت میں جبرئیل امین علیہ السلام دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے تا کہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں اور جبریل امین علیہ السلام اس وقت فرس الحیواۃ پر سوار تھے۔ سامری نے اس وقت کسی دلیل سے یا کسی وجدان سے یا کسی قرینہ سے سمجھ لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی اور یہ سمجھا کہ اس میں حیاۃ کا مادہ ہے اس لیے کہ جس مٹی پر جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا سُم پڑتا تھا وہ سبزہ ہو جاتی تھی۔ اس لیے اس کے دل میں یہ آیا کہ یہ مشت خاک جس چیز پر ڈالی جائے گی وہ زندہ ہو جائے گی۔ اس بنا پر اس نے اوّل زیورات کو آگ میں ڈالا۔ جس سے وہ پگھل گئے پھر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اس پتلے پر وہ مشتِ خاک ڈال دے۔ مشتِ خاک کا ڈالنا تھا کہ اس پتلہ سے آواز نکلنے لگی۔ بنی اسرائیل اس کرشمہ کو دیکھ کر مفتون ہو گئے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۳۴ ج ۱۱ و تفسیر ابن جریر ص ۱۴۷ ج ۱۶ و تفسیر کبیر ص ۹۷ ج ۶ و روح المعانی ص ۲۲۹ ج ۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب فرعون بچوں کو قتل کراتا تھا تو سامری کی ماں اس کو غار میں چھپا کر ڈال آئی کہ ذبح سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی اس لیے سامری حضرت جبریل علیہ السلام کو اس صورت سے پہچانتا تھا۔

غرضیکہ سامری نے زیورات کو گلا کر بچھڑے کا قالب بنایا اور وہ مٹی اس میں ڈال دی تو وہ بولنے لگا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ سونا تو کافروں سے ملا ہوا مال تھا جو ان سے فریب سے لیا تھا۔ اس میں مٹی پڑی برکت کی تو حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی طرح روح اور آواز اس میں پیدا ہو گئی ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہیے اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔ (کذا فی موضح القرآن بتوضیح)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تیری سزا یہ ہے کہ تو دُور ہو جا اور ہم میں سے نکل جا۔ پس اس دنیاوی زندگی میں تیرے قتل کا حکم تو نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس دنیاوی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو یہ کہتا پھرے ''لا مساس'' کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا یعنی جس کو دیکھے تو اس سے تیرا یہ کلام ہو لا مساس نہ مجھے چھونا اور نہ میرے پاس آنا اور نہ میں تم کو چھوؤں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو یہ سزا دی کہ بے اختیار وہ زندگی بھر اسی حال میں رہے۔ اس لیے نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا اور نہ اس کو کوئی اور اگر وہ کسی کو چھوتا یا کوئی اس کو چھوتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اور اگلے روز اسی وقت اترتا۔ اس کے بیوی بچے بھی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس سے خلط ملط نہ رکھیں اور نہ اس کے قریب جائیں۔ اور نہ اس سے بات کریں دنیا میں اس سے بڑھ کر وحشت ناک اور عبرت ناک سزا نہیں ہو سکتی یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معجزہ تھا کہ دنیا میں اس کا یہ حال ہوا اب آخرت کی سزا کو بیان کرتے ہیں۔ اور اے سامری بلاشبہ تیرے لیے اس دنیاوی سزا کے علاوہ ایک اور سزا کا وعدہ ہے۔ جو تجھ سے ہرگز خلاف نہ کیا جائے گا۔ اس سے آخرت کے عذاب کا وعدہ مراد ہے جس میں ہرگز خلاف نہ ہو گا اور وہ تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ یہ تو تیری سزا ہوئی اب اپنے خود ساختہ معبود کا حال دیکھ اور اپنے اس معبود کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھ جس کا تو معتکف اور مجاور بنا ہوا تھا۔ ہم ضرور اس کو آگ میں جلا دیں گے پھر ریزہ ریزہ کر کے اس کی راکھ کو دریا میں اڑا دیں گے کہ نہ اس کا عین باقی رہے گا اور نہ اثر وہ معبود نہیں ہو سکتی۔ جز این نیست تمہارا معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس کا علم ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے۔ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں یعنی خدا وہ ہے جس کا علم محیط اور غیر محدود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو اس سورت میں ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ سے شروع ہوا وہ یہاں تک آ کر تمام ہوا اور یہ آیت اسی قصہ کا اخیر ہے۔

لطائف و معارف

سحر:

سحر کے معنی لغت میں امر خفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں اور اصطلاح میں اس عجیب و غریب شئے کو کہتے ہیں کہ جس کی حقیقت اور کیفیت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعیہ ہے یا محض نظر بندی اور شعبدہ بازی ہے۔ معتزلہ اور متکلمین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سحر کی کوئی حقیق واقعیہ نہیں بلکہ سحر ایک بے حقیقت ملمع کاری کا نام ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ امام ابو اسحاق اسفرائنی اور ابو بکر رازی رحمۃ اللہ علیہما کی یہی رائے ہے کہ سحر سے کسی شئے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدل جاتی بلکہ خلاف واقعہ اس کی صورت متغیر ہو جاتی ہے۔

اور جمہور علماء کے نزدیک سحر محض تخییل اور نظر بندی کا نام نہیں بلکہ بسا اوقات واقع میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو باذن الٰہی بسا اوقات اثر بھی کرتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث اس پر دلالت کرتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ سحر کے اقسام ہیں بعض میں شے کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور بعض میں حقیقت نہیں بدلتی۔ شعبدہ بازی بھی ایک قسم کا سحر ہے۔

اور آج کل جو مسمریزم نکلا ہے وہ بھی ایک قسم کا شعبدہ ہے جو قوتِ خیالیہ کا اثر ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سحر محض خیال بندی کا نام ہے اور واقع میں اس کی حقیقت نہیں ہوتی وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ (طٰہٰ:۶۶)۔

جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کی تمام اقسام محض تخییل اور نظر بندی ہوں بلکہ جس سحر کی خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے وہ خیال بندی تھا کہ ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ (تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۱۸۴ ج ۱۰ دیکھیں)

معجزہ:

معجزہ اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور دنیا اس کے مقابلہ سے اور اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ نبی کا فعل نہیں ہوتا۔ جسے دیکھ کر بالبداہت یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ امر منجانب اللہ ہے اور قدرتِ خداوندی کا کرشمہ ہے جو مادی اسباب اور علل سے بالاتر ہے اور برتر ہے اور سحر جادوگر کا ایک فعل ہوتا ہے جو اس کے ارادہ اور اختیار سے ظاہر ہوتا ہے نیز سحر ایک فن ہے جس کے اصول اور قواعد مدوّن ہیں۔ جو اس فن کو سیکھ لے گا وہ جادو کر سکے گا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ کوئی فن نہیں جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو سکے۔ اور نہ وہ نبی کا کوئی اختیاری فعل ہے جس کو نبی اپنے ارادہ و اختیار سے کر سکے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کہ جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی سنت اور عام عادت کے خلاف بلا

کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کرتے ہیں تا کہ وہ اس کی نبوت ورسالت کی دلیل ہو اور لوگ دیکھتے ہی اس کو یہ سمجھ لیں کہ یہ اللہ کا فعل ہے اور قدرت بشری کے دائرہ سے خارج ہے اس کو دیکھتے ہی بالبداہت نبی کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

پس معجزہ اللہ کے قہر اور قدرت کا ایک نمونہ ہوتا ہے اس کے غلبہ اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ عقل دلائل عقلیہ کا کچھ مقابلہ کر سکتی ہے مگر معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سحر اور معجزہ میں فرق:

① ہمارے اس گزشتہ بیان سے سحر اور معجزہ کا باہمی فرق واضح ہو گیا کہ سحر ایک فن ہے جو تعلیم و تعلم سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہے جس میں کسی تعلیم و تعلم کو دخل نہیں۔

② نیز سحر اگرچہ ظاہر نظر میں بلا کسی سبب کے معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ اس کے اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس میں اسباب طبعیہ کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔

نیز جادو ہمیشہ بدکار اور نکمے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کی صورت اور چہرہ ہی سے یہ نظر آ جاتا ہے کہ یہ کوئی خدا کا نیک کردار اور دُنیا اور حرص اور طمع سے بَری اور بیزار بندہ ہے۔

ے مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

ے در دل ہرامی کز حق مزہ است
روئے دے آواز پیمبر معجز است

حکایت مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی دفتر سوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں دو جادوگروں کی ایک عجیب حکایت نقل کی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حکایت کو ہدیۂ ناظرین کریں۔ خلاصۂ حکایت یہ ہے:

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس کو دعوت دی کہ ہم دونوں بھائی یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے رسول ہیں تو ہم پر ایمان لا اور معجزۂ عصا دکھلایا تو فرعون بولا یہ تو جادو ہے۔ اور میرے ملک میں بھی بہت جادوگر ہیں۔ ہم تیرے اس جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے۔ اس بنا پر فرعون نے اپنے ملک کے تمام جادوگروں کے جمع کرنے کا حکم دے دیا تا کہ سب مل کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ ملک مصر میں دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے۔ ان کے پاس بادشاہ نے یہ پیغام دے کر ایک قاصد کو روانہ کیا کہ بادشاہ پر ایک مصیبت آ پڑی ہے اس کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ اور وہ مصیبت یہ ہے کہ میرے شہر میں دو فقیر (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) آ گئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے قلعہ پر حملہ اور ہلہ بول دیا ہے اور ان دونوں فقیروں کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصا نہایت عجیب وغریب ہے جو ان کے حکم سے اژدھا بن جاتا ہے ان ہر دو فقیروں کے مقابلہ سے بادشاہ کا لشکر عاجز آ گیا ہے۔ قاصد نے بادشاہ کا یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے یہ کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے میں کوئی تدبیر کرو تو تم کو

اس صلہ میں بہت انعام ملے گا۔

یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سن کر اپنی ماں کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتا تاکہ ہم اس کی روح سے کچھ ضروری بات دریافت کرسکیں ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی وہاں ان دونوں جوانوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے۔ بعد ازاں باپ سے کہا کہ اے بابا بادشاہ کا ہمارے پاس یہ پیغام پہنچا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھ کو پریشان کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھ کو بے آبرو کر دیا ہے اور عجیب درویش ہیں کہ ان کے پاس سوائے عصا کے کوئی ہتھیار نہیں اور سارا شور و شر اسی لاٹھی میں ہے۔ اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں اگرچہ بظاہر مٹی میں سوتے ہیں مگر وہاں کے حال سے واقف ہیں آپ ہم کو ان درویشوں کی اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں اگر ان کا یہ عصا جادو ہے تو یہ بتلا دیجیے اور اگر کوئی کرشمۂ ایزدی ہے تو یہ بتلا دیجیے تاکہ ہم بھی اسی خدا کے مطیع ہو جائیں اور کیمیا سے مل کر کیمیا بن جائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی اُمید نظر آ جائے اور ہم ضلالت کی شب تاریک میں ہیں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع ہو کر آئے اور اس کی روشنی میں ہم کو راہ حق نظر آ جائے۔

مُردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو خواب میں جواب

آئندہ شب وہ مردہ جادوگر اپنے بیٹوں کو خواب میں نظر آیا اور ان کے سوال کا یہ جواب دیا کہ اے میرے بیٹو میں اس کام کی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر مجھ کو صاف طور پر کہنے کی اجازت نہیں لیکن تم کو ایک نشان بتائے دیتا ہوں اس سے تم اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ اور ان دونوں درویشوں کی خواب گاہ کو تلاش کرو کہ وہ کہاں سوتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کے عصا (لاٹھی) کے چرانے کی کوشش کرنا۔ پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں اور سحر اور جادو کا توڑ تو تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ تم بھی سحر میں کامل اور ماہر ہو۔

اور اگر تم اس عصا کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ وہ کوئی طلسم اور شعبدہ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ دونوں اللہ کے فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ان کی نبوت کی قطعی نشانی ہے کہ سونا تو درکنار اگر ان کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند فرمائے گا اور وہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتائی ہے۔ تم اسے دل پر نقش کر لو۔ دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ ایک درخت کے نیچے پڑے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب ہی رکھا ہے دونوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے یکایک عصا نے حرکت کی اور اژدہا بن کر ان پر حملہ کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر دونوں بھاگ نکلے۔

مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ شرح مثنوی صفحہ ۹۴ ج ۳ صفحہ ۵۰ ج ۳ دفتر سوم میں فرماتے ہیں کہ مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح کیا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ رسول کی غفلت کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر اور اس کا اثر بھی ختم ہوا۔ جادوگر جب سو جاتا ہے تو اس کے جادو کا کوئی رہبر باقی نہیں رہتا۔ اس لیے وہ سحر معطل اور بے کار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا جب سو جاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو وہ محض اپنی قدرت سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت کی نشانی بنے اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے۔ نبی کی غفلت اور عدم غفلت کو معجزہ

کے بقاء اور عدم بقاء میں کوئی دخل نہیں۔ عصا کا سانپ بن جانا اور اس کے مارنے سے دریائے نیل میں راستے پیدا ہو جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے۔ معجزہ بیشک نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے مگر اس کا ظہور اللہ کے ارادے اور اختیار سے ہوتا ہے نبی کے ارادہ اور اختیار کو اور اس کی طاقت بشریہ کو اس میں دخل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات رسول کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔

این سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

اطلاع سحر اور معجزہ کے فرق کو اس ناچیز نے اپنی کتاب علم الکلام اور اصول اسلام میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ حضرات اہل علم ان دونوں کتابوں کی مراجعت کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ ما قلّ ودلّ کا مصداق پائیں گے اور اگر اس ناچیز کو دعاء مغفرت سے نواز دیں تو زہے نصیب۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَ قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو، احوال سے ان کے جو پہلے گزرے۔ اور ہم نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے

لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖۚ ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ لا

ایک پڑھنا۔ جو کوئی منہ پھیرے اس سے، سو اٹھاوے گا دن قیامت کے ایک بوجھ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ لا يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي

پڑے رہیں گے اس میں اور برا ہے ان پر قیامت میں بوجھ اٹھانے کا۔ جس دن پھونکیں گے

الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۖۚ ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

صور میں، اور گھیر لاویں گے ہم گنہگاروں کو اس دن نیلی آنکھیں۔ چپکے چپکے کہیں آپس میں

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

دیر نہیں ہوئی تم کو مگر دس دن۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کہتے ہیں، جب بولے گا

اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

ان میں اچھی راہ والا، تم کو دیر نہیں لگی مگر ایک دن۔

اثبات رسالت محمدیہ وتہدید معاندین وترہیب از عذاب آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ... الی ... اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾

ربط: یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا ماجرا ختم ہوا جو از اول تا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان تھا۔ اب ان آیات میں رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثبات فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اے نبیؐ! ہم آپ کو اس قرآن میں گزشتہ زمانے کے حالات سے آگاہ کرتے ہیں تا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی اور اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث تسلی ہو اور منکرین اور معاندین کے لیے موجب تہدید و عبرت ہو۔ اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جو لوگ اس قرآن سے اعراض کرتے ہیں قیامت کے دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ عصا کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ قرآن کا ذکر فرماتے ہیں:

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن بمنزلہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کے ہے کہ افعال کفریہ کو نگل جائے گا ؎

اے رسول ما تو جادو نیستی
صادقی ہم فرقۂ موسیٰستی

اے ہمارے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جادو نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے ہم فرقہ اور ہم مشرب ہیں ؎

ہست قرآن مر ترا ہمچو عصا
کفر ہا را در کشد چوں اژدہا

یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عصاءِ موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے کفر کے تمام سانپوں کو نگل جائے گا ؎

تو اگر در زیر خاکے خفتۂ
چوں عصائش داں تو آنچہ گفتۂ

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیرِ خاک بھی خواب استراحت فرمائیں گے تو یہ قرآن عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا پاسبان اور نگہبان ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز اور انجام انہی کی طرح ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبیؐ! جس طرح ہم نے آپؐ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا۔ اسی طرح ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں۔ تا کہ آپ کو تسلی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے عبرت اور نصیحت ہو اور سمجھیں کہ گزشتہ پیغمبروں کے کافروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کا کیا معاملہ رہا ہے۔ اور تحقیق ہم نے تجھ کو اپنے پاس سے ایک کتاب نصیحت وہدایت دی ہے۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا۔ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو وہ قیامت کے دن بلا شبہ کفر اور معصیت کا بڑا بھاری بوجھ اٹھا کر لائے گا۔ درآنحالیکہ اس بوجھ کی سزا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور وہ ان کے واسطے قیامت کے

دن بہت ہی بڑا بوجھ ہوگا جوان پر لدا ہوگا۔ اور قیامت کا دن وہ دن ہوگا جس دن صور پھونکا جائے گا۔ جس سے مردے زندہ ہوں گے۔ اور ہم اس دن مجرموں کو یعنی کافروں کو جو اس قرآن کی تکذیب کرتے تھے میدان قیامت میں ایسی حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اس دن مجرمین کی علامت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہوں گے اوّل اوّل ایسے بدصورت ہوں گے اور بعد میں اندھے ہو جائیں گے اور اس وقت اس قدر خوفزدہ ہوں گے کہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں یا قبروں میں دس رات سے زیادہ نہیں رہے۔ "صور" ایک سینگ ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لیے بلایا جائے گا۔ وہ دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور دوسری دفعہ پھونکنے سے تمام زندہ ہو جائیں گے۔ اور دونوں نفخوں کے درمیان ۴۰ سال کا فاصلہ ہوگا۔ یہاں نفخہ سے مراد نفخۂ دوم ہے۔ اس روز جب کافر زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کی آنکھیں نیلی اور منہ کالے ہوں گے۔ اور ان پر پیاس غالب ہوگی اور بدحواس ہوں گے۔ اور دُنیا کے طویل و عریض قیام کو یہ خیال کریں گے کہ ہم دُنیا میں صرف دس دن ٹھہرے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں کا بہتر طریق والا یعنی ان میں پوری عقل والا یہ کہے گا کہ نہیں ٹھہرے تم دُنیا میں مگر ایک روز یعنی اگر ہم کو پہلے سے اس کا علم ہوتا تو اس فانی کو ترک کرتے اور اس باقی کو اختیار کرتے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝١٠٥ فَيَذَرُهَا
اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال، سو تو کہہ ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر۔ پھر کر چھوڑے گا
قَاعًا صَفْصَفًا ۝١٠٦ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ۝١٠٧ يَوْمَئِذٍ
زمین کو پٹپرا میدان۔ نہ دیکھے تو اس میں موڑ نہ ٹیلا۔ اس دن
يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا
پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے، ٹیڑھی نہیں جس کی بات اور دب گئیں آوازیں رحمٰن کے ڈر سے، پھر نہ تو
تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝١٠٨ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ
سنے مگر کھس کھسی آواز۔ اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو حکم دیا
الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝١٠٩ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ
رحمٰن نے، اور پسند کی اس کی بات، وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور پیچھے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ

اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کر۔ اور کرتے ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہتے کے اور

خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا۔ اور جو کوئی عمل کرے کچھ بھلائیاں اور وہ یقین رکھتا ہو

فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ

سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا' اور نہ دبانے کا۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا اور

صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

پھیر پھیر سنایا اس میں ڈر کا شاید وہ بچ چلیں یا ڈالے ان کے دل میں سوچ۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

سو بلند درجہ اللہ کا اس سچے بادشاہ کا اور تو جلدی نہ کر قرآن لینے میں جب تک نہ پورا

يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

ہو چکے اس کا اترنا اور کہہ اے رب! مجھ کو بڑھتی دے بوجھ۔

منکرین آخرت اور مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ ... اِلٰى ... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں منکرین آخرت کے ایک سوال کا ذکر کرتے ہیں کہ منکرین آخرت بطور تمسخر آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قیامت قائم ہوئی تو بتلاؤ کہ اس دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ خداوند عالم ان کو خاک کر کے اڑا دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی! یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کا حال سن کر بطور استہزاء یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو اس دن پہاڑوں کی کیا حالت ہوگی اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔

پس اے نبی ﷺ! آپ بے تامل ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دے گا۔ اور ان کو پراگندہ کر دے گا پوری طرح پراگندہ کرنا یہ سوال قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے کیا تھا۔ پھر ان

پہاڑوں کے نیچے کی زمین کو صاف میدان بنادے گا پس اے دیکھنے والے تو اس میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی یعنی ٹیلہ اس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ جس میں اونچائی اور نیچائی کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا اور وہ ایسی برابر کر دی جائے گی کہ اگر علم ریاضی و ہندسہ کے ماہرین بھی آلاتِ ہندسہ سے اس کی جانچ پڑتال کریں تو وہ بھی برابری اور ہمواری کی شہادت دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس روز پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے۔ اور زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس پر نہ کوئی ٹیلہ اور پہاڑ ہوگا جس پر کوئی مجرم چڑھ کر پناہ لے سکے۔ اور نہ کوئی غار ہوگا جس میں کوئی مجرم چھپ سکے۔ اس روز تمام لوگ خدائی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے دوڑیں گے یہ پکارنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔ ''اے پرانی اور بوسیدہ ہڈیو اور اے متفرق شدہ گوشت کے ٹکڑو خدائے رحمٰن کے سامنے پیش ہونے کے لیے حاضر ہو جاؤ تمہارے فیصلوں اور حساب کا وقت آ پہنچا ہے۔'' اسرافیل علیہ السلام کی یہ آواز سن کر لوگ دوڑ پڑیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس آواز کے اتباع اور پیروی سے کسی کو کجی اور انحراف ممکن نہ ہوگا۔ اسی روز اس آواز پر سب سیدھے دوڑے چلے آئیں گے۔ دائیں بائیں نہ جھکیں گے۔ اگر دنیا کا ماجرا ہوتا تو انحراف ممکن تھا۔ لیکن آج اس آواز کی پیروی سے انحراف ممکن نہیں اور اس دن ہیبت کے مارے رحمٰن کے لیے تمام آوازیں پست ہوں گی سوائے پیروں کی آہستہ آواز کے کچھ نہ سن سکے گا۔ نہایت خاموشی کے ساتھ میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ اس روز کسی کو کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کو یا جس کے لیے رحمٰن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور پسند کیا ہو۔ شفاعت کے بارے میں اس کا بولنا اور بات کرنا تو اس روز اس کی سفارش چلے گی۔ اور نفع دے گی۔ یا یہ معنی ہیں کہ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے اور جس کے واسطے رحمٰن نے اذن دیا اور جس کی بات سے اللہ راضی ہوا۔ بات سے مراد ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہا یعنی ایمان لایا اور اسی پر مر گیا اگر چہ اس کے گناہ ہوں تو اس کو انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی شفاعت نفع دے گی۔

حاصل یہ کہ جو مسلمان ہو وہ لائق شفاعت ہے اگر چہ گنہگار ہو۔ کافر کے حق میں کوئی سعی اور سفارش نہیں چلے گی۔ شفاعت کے لیے شافع اور مشفوع لۂ دونوں کا مسلمان ہونا شرط ہے اور شفاعت کے لیے اجازت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ شافع کو معصیت کا نہ مبدأ معلوم ہے اور نہ منتہٰی۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اگلے اور پچھلے احوال کو اس کا علم تمام خلائق کو محیط ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون لائقِ شفاعت ہے اور کون نہیں اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کون نکالے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں اور تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں لیاقت اور عدم لیاقت کا حکم لگا سکے۔ اس لیے اس روز بغیر اجازتِ خداوندی کے کوئی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور اس دن تمام چہرے اس حَیُّ و قَیُّوم کے سامنے پست اور ذلیل اور عاجزی کرنے والے ہوں گے۔ اس دن حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی۔ حیُّ کے معنی ایسے زندہ کے ہیں کہ جو کبھی نہ مرے اور ''قیوم'' کے معنی جو ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن سب کے چہرے خدائے عزّ و جل کے سامنے عاجز اور سرافگندہ ہوں گے اور اس روز یہ چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

قسم اوّل کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے جن کی بابت ارشاد فرماتے ہیں اور تحقیق نامراد ہوا جس نے ظلم (یعنی کفر اور

شرک) کا بوجھ اٹھایا۔ یعنی جو شخص کفر اور شرک کا بوجھ لے کر میدانِ حشر میں آیا وہ تو خراب اور برباد ہوا۔

اور قسم دوم مؤمنین کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ قیامت کے دن نہ ظلم اور زیادتی سے ڈرے گا اور نہ نقصان اور کمی سے ڈرے گا۔ ظلم اور زیادتی کے یہ معنی کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے۔ اور نقصان کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اس نے نہیں کیا ہے اس کا اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نیکی اس نے کی ہے وہ ضائع نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک ظالم کو بقدر اس کے ظلم کے سزا ملے گی۔ اور ہر مؤمن صالح کو بقدر اس کے ایمان کے اور عمل صالح کے جزا ملے گی۔

اور اے نبی ﷺ! جس طرح ہم نے ان آیات میں قیامت کے احوال اور اہوال کو آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا ہے جو وعد اور وعید کو متضمن ہیں اسی طرح ہم نے اس سارے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تا کہ اہلِ عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعد اور وعید پر ایمان لائیں اور سعادتِ ابدی حاصل کریں۔ اور ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر سہ کرر بیان کیا ہے۔ تا کہ لوگ متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ یعنی تقویٰ کا ملکہ ان کے نفس میں راسخ ہو جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کر دے۔ جو رفتہ رفتہ ان کو تقویٰ اور ہدایت کے مرتبہ تک پہنچا دے اور شاید آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں۔

''ذکر'' کے معنی فکر اور عبرت اور نصیحت کے ہیں اور عبرت اور نصیحت ہدایت کی ابتداء ہے اور ورع اور تقویٰ اس کی منتہا ہے پس اللہ جو بادشاہ حقیقی اور مالک برحق ہے اور وہ بلند اور برتر ہے۔ اس سے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے امر و نہی اور وعد اور وعید نازل نہ فرمائے اور اپنے مجرموں کو سزا اور اپنے وفاداروں کو انعام نہ دے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کرنا بادشاہت کے لوازم میں سے ہے اس لیے اس بادشاہ برحق نے اپنے بندوں کی صلاح اور فلاح کے لیے اور ان کے دین و دُنیا کی بہبودی کے لیے آپ ﷺ پر یہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نازل فرمائی تا کہ راہ ہدایت ایسی واضح ہو جائے کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بندے اپنی صلاح اور فلاح سے باخبر ہو جائیں اور مجرمین پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ قرآن کے نازل کرنے کی غرض و غایت یہی ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں اور اس کی معصیت سے بچیں اور ایسی کتابِ ہدایت اور ایسے قانون شریعت کا نازل کرنا جو دین و دُنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہو وہ بادشاہ برحق ہی کا کام ہے کہ جس کی سلطنت کو فنا اور زوال نہ ہو۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس بادشاہ برحق کے وعدہ پر مطمئن رہو اور اس کی وعید سے ڈرتے رہو کہ اگر ہم نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو پہلی امتوں کی طرح ہم بھی تباہ ہو جائیں گے خوب سمجھ لو کہ مالک حقیقی اور بادشاہ نے تم پر مہربانی کی کہ تمہاری صلاح اور فلاح کے لیے یہ قرآن نازل کیا۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں ''یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس قرآن میں وعد اور وعید کو مکرر سہ کرر اس لیے بیان کرتے ہیں کہ بنی آدم کی اصلاح اس پر موقوف ہے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں تبعًا واستطرادًا کلام ربانی اور پیام یزدانی کا ادب بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا کلام نازل ہو تو اس کا ادب یہ ہے کہ اس کو سنا جائے اور سن کر اس کے معانی میں غور و فکر کیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی ﷺ! اس بادشاہ برحق نے بندوں کی ہدایت کے لیے یہ قرآن آپ ﷺ پر نازل کیا ہے تو جبریل امین علیہ السلام جب آپ ﷺ کے پاس قرآن کی وحی لے کر آیا کریں تو آپ ﷺ وحی کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں۔

جبرئیل امین علیہ السلام جب آپ ﷺ کے پاس قرآن کی وحی لے کر نازل ہوتے تو ابھی وحی پوری نازل نہ ہونے پاتی تھی کہ

آپ ﷺ اثناء نزول ہی میں اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھتے اور اس کو دہراتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی ممانعت کر دی کہ جب تک وحی پوری نہ ہو جائے اور جبریل علیہ السلام اس کے پہنچانے سے فارغ نہ ہو جائیں اس وقت تک آپ ﷺ نہ پڑھا کریں اور آپ کو تسلی کر دی کہ قرآن کا بتمام و کمال آپ ﷺ کے سینہ میں جمع کر دینا اور لفظ بلفظ اس کا محفوظ کر دینا یہ ہمارے ذمہ ہے جیسا کہ یہ حکم سورۂ قیامہ میں بھی آیا ہے۔ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾﴾ (القیامۃ: ۱۶ تا ۱۹)

اور اے نبی! آپ ﷺ اس فکر میں نہ پڑیے اور ہمارا فرشتہ جب آپ ﷺ کے سامنے ہماری وحی پڑھے تو آپ ﷺ اس کو خوب غور سے سنیے کیونکہ اللہ کے کلام کا حق استماع اور انصات ہے اور جب فرشتہ آپ ﷺ پر پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو بجائے پڑھنے کے وحی پوری ہو جانے کے بعد آپ ﷺ یہ دعا مانگا کیجیے۔

اے میرے پروردگار! اپنی طرف سے میری علم اور فہم میں زیادتی کرتا کہ تیرے کلام کے معانی کو اور تیرے احکام کے اسرار اور حکم کو خوب سمجھوں کیونکہ قرآن کے ہر حرف کے نیچے بے شمار علوم ہیں اور جو وحی ہم آپ ﷺ پر نازل کر رہے ہیں وہ تو ضرور بالضرور آپ ﷺ پر نازل ہو کر رہے گی۔ اور آپ ﷺ کے سینہ میں ضرور محفوظ ہو کر رہے گی۔ آپ ﷺ اس کی فکر نہ کیجیے زیادتی علم کی فکر کیجیے۔ نظم قرآن کے کلمات اور حروف محدود اور متناہی ہیں۔ اور اس کے علوم غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور علم کی زیادتی اور ترقی میں حفظ بھی آ گیا۔ کیونکہ زیادتی علم کی دعا ایسی جامع دعا ہے جو سب کو شامل ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ معانی کا سمجھنا الفاظ کے یاد ہونے پر موقوف ہے۔ اس لیے زیادتی علم، زیادتی حفظ کو بھی شامل ہے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا علم برابر زیادہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وفات پائی۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے تو یہ دعا کرتے: ((اَللّٰهُمَّ زدنی عِلمًا و ایمانًا و یقینًا)) اے اللہ! میرے علم میں اور میرے ایمان میں اور میرے یقین میں زیادتی فرما کہ ہر لحہ علم اور معرفت اور ایمان اور ایقان میں اضافہ اور ترقی ہوتی رہے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: (((اَللّٰهُمَّ انفعنی بما علمتنی وعلمنی ماینفعنی وزدنی علمًا والحمدللہ علیٰ کل حال)) اور ایک حدیث میں اس دعا کے اخیر میں اتنا لفظ اور زیادہ آیا ہے: ((واعوذ باللہ من حال اھل النّار)).

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ وَ
اور ہم نے تقید کر دیا تھا آدم کو اس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت۔ اور
اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا
جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نہ مانا۔ پھر کہہ دیا ہم نے

ع ۶/۱۱ ۱۵

يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ

اے آدم! یہ دشمن ہے تیرا اور تیرے جوڑے کا، سو نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے پھر تو

فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا

تکلیف میں پڑے گا۔ تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا۔ اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو

فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ

اس میں نہ دھوپ۔ پھر جی میں ڈالا اس کے شیطان نے کہا اے آدم میں بتاؤں تجھ کو

عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا

درخت سدا جینے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔ پھر دونوں کھا گئے اس میں سے

سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَ عَصٰۤى

پھر کھل گئیں ان پر ان کی بری چیزیں اور لگے گا نٹھنے اپنے اوپر پتے بہشت کے اور حکم ٹالا

اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ

آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا۔ پھر نوازا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اور راہ پر لایا۔ فرمایا

اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًاۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ

اترو یہاں سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن۔ پھر کبھی پہنچے تم کو میری طرف سے

هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنْ اَعْرَضَ

راہ کی خبر۔ پھر جو چلا میری بتائی راہ پر نہ وہ بہکے گا نہ وہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جس نے منہ پھیرا

عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی اور لاویں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ

وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھا لیا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا۔ فرمایا یوں ہی

اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ
پہنچیں تجھ کو ہماری آیتیں، پھر تونے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اس کو
مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ
جن نے ہاتھ چھوڑا اور یقین نہ لایا اپنے رب کی باتیں، اور پچھلے گھر کا عذاب سخت ہے
وَاَبۡقٰى ﴿۱۲۷﴾
اور بہت دیر رہتا۔

ذکر قصۂ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تنبیہ معترضین مستکبرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ ... الٰی ... وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰى ﴿۱۲۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اعراض عن الذکر کی سزا اور اس کے برے انجام کا ذکر تھا اب حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیطان کا قصہ ذکر کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اعراض اور استکبار کس درجہ قبیح چیز ہے۔ نیز اس قصہ کے ذکر سے اولاد آدم کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اولادِ آدم کو چاہیے کہ اپنے اور اپنے باپ کے قدیمی دشمن سے ہوشیار رہیں مبادا کہ غفلت سے اس کے دھوکہ میں آ جائیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رتبہ بہت بلند تھا۔ اس لیے ان سے بھول چوک پر یہی مواخذہ ہوا۔ ؏

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا

اولاد آدم کو چاہیے کہ اگر کسی وقت شیطان کی تسویل اور تغریر سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو باپ کی طرح توبہ اور استغفار سے اس کی تلافی اور تدارک کریں شیطان کی طرح اپنے قصور کی تاویلیں نہ کریں۔

ربط دیگر: کہ گزشتہ آیت میں علم وحکمت کی زیادیت کی دُعا کی تلقین تھی اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ علم کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بدون تکبر کے علم کے موافق عمل بھی کیا جائے اس لیے آئندہ آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

کہ علم کی زیادتی نے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا اور تکبر نے ابلیس کو مردود اور ملعون بنایا چنانچہ فرماتے ہیں: اور البتہ تحقیق ہم نے پہلے ہی سے آدم سے عہد لے لیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھانا اور یہ بتلا دیا تھا کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ پس وہ ہمارے اس عہد کو بھول گئے اور شیطان کی قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ ابلیس کے وسوسہ سے ان کی طبیعت نرم پڑ گئی اور ان کا عزم سست پڑ گیا عہد کی پوری حفاظت نہ کر سکے اور دل اس پر مضبوط نہ رہا۔ اس لیے نسیان واقع ہوا۔ (یا یہ معنی ہیں کہ) اس بارے میں ہم نے آدم کا قصد اور ارادہ نہیں پایا۔ یعنی قصداً ان سے یہ صورت واقع نہیں ہوئی بلکہ خطاءً ایسا ہو گیا اور ان کا ارادہ خلاف حکم کرنے کا نہ تھا۔ بھول سے اور دھوکہ سے ایسا ہو گیا۔ ''عزم'' کے معنی لغت میں مضبوطی اور پختگی کے بھی آتے ہیں اور قصد و ارادہ کے بھی آتے ہیں

اس لیے آیت میں دونوں معنی درست ہیں اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کے لیے سجدۂ تعظیم و تکریم بجالاؤ تا کہ تمہارا یہ سجدۂ تعظیمی و تکریمی اس کی علامت ہو کہ ہم خلیفہ خداوندی کی اطاعت اور تائید اور تقویت میں کوئی کمی نہ کریں گے سجدۂ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ یہ سجدہ سجدۂ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تحیت تھا۔ جو انبیاء علیہم السلام سابقین کی شریعتوں میں جائز رہا۔ اور خاتم الانبیاء علیہم السلام کی شریعت میں منسوخ ہو گیا۔ جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔

پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ہم نے آدم علیہ السلام سے کہا بلا شبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ جیسا کہ تم نے اس کی عداوت اور حسد کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور ہم تمہاری ہی وجہ سے اس کو اپنی بارگاہ سے نکال رہے ہیں۔ پس تم اس سے ہوشیار رہنا۔ کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوادے یہ تمہارا دشمن ہے اور تمہارے جنت سے نکالنے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس ایسا کام نہ کرنا جس سے جنت سے نکلنا پڑے۔ پھر تم دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا بوجھ بھی تم پر پڑے گا یعنی جنت سے تو دونوں ہی نکلو گے مگر ساری مشقت تم پر پڑ جائے گی۔ کیونکہ بیوی کی تمام ذمہ داری شوہر ہی پر ہوتی ہے اس آیت میں ﴿فَتَشْقٰى﴾ سے آخرت کی شقاوت مراد نہیں بلکہ دنیا کا تعب اور اس کی مشقت مراد ہے۔ اس لیے کہ دنیاوی رزق یعنی بھوک اور پیاس کے دفعیہ کے لیے کاشت کاری اور آٹا پیسنا اور روٹی پکانا درکار ہے۔ جو بغیر مشقت اور محنت کے ممکن نہیں اور یہاں آپ کو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کا رزق ملتا ہے۔ اس لیے کہ جنت میں تیرے لیے تمام نعمتیں اور راحتیں ہیں۔ جنت میں تو نہ کبھی بھوکا رہے اور نہ ننگا ہو سکتا ہے اور یہ کہ نہ تو اس میں پیاسا ہو اور نہ دھوپ کی تکلیف اٹھاوے۔

غرضیکہ کھانے اور پینے اور غذا اور قیام اور طعام اور لباس کے سب آرام تجھ کو یہاں حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکالا گیا تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لیے تجھ کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ چنانچہ ابلیس نے یہ کہا کہ اے آدم علیہ السلام! کیا میں تم کو ہمیشہ رہنے کا درخت نہ بتلا دوں کہ جو کوئی اس میں سے کھا لیوے وہ کبھی نہ مرے اور کیا میں تم کو ایسی بادشاہت اور سلطنت نہ بتلا دوں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو۔ یعنی جس کو کبھی زوال نہ ہو یعنی اگر تو اس درخت سے کھا لے گا تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور تیری سلطنت کبھی زائل نہ ہو گی۔ شیطان نے اس طرح سے حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا اور ''شجرۃ الخلد'' کے نام سے ان کو فریب دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھا لیا تو تم کو جنت کا دوام اور خلود حاصل ہو گا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

پس اس طرح اس کے بہکانے سے دونوں نے اس درخت سے کھا لا۔ جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور جنت کے دائمی عیش و عشرت کے شوق و رغبت نے اس ممانعت کو بھلا دیا۔ پس اس کے کھاتے ہی دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے یعنی اس درخت کے کھاتے ہی بہشتی لباس تو اتر گیا اور دونوں ننگے ہو گئے اور گھبرا کر اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے اور حیران رہ گئے کہ دم کے دم میں یہ کیا ہو گیا۔ اور اس طرح شیطان کے دھوکے میں آ کر آدم علیہ السلام شجرۂ ممنوعہ کو شجرۃ الخلد سمجھ بیٹھے۔ اور بھولے سے اپنے پروردگار کی نافرمانی اور خلاف حکم کر بیٹھے۔ پس اس طرح وہ راہ صواب سے ہٹ گئے اور لغزش کھا گئے۔ قدم تو اٹھایا تھا خلود اور دوام کے لیے وہ پھسل کر دوسری طرف جا پڑا جس مقصد کے لیے کھایا تھا وہ پورا نہ ہوا اور بجائے خلود کے اور دوام کے جنت

سے اترنا پڑا۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ پس اس شجرۂ ممنوعہ کے کھانے سے ان کی عیش مکدر ہوگئی اور جنت کا عیش و آرام سب ختم ہوگیا۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ پس وہ اس درخت میں سے کھا کر اپنے مقصد میں ناکام ہوگئے ان کا مقصد اس درخت کے کھانے سے یہ تھا کہ ان کو جنت کا خلود اور دائمی قیام حاصل ہو جائے۔ مگر اس درخت کے کھانے سے مقصد پورا نہ ہوا بلکہ جنت سے اترنا پڑا۔

جاننا چاہیے کہ ﴿غَوٰی﴾ کے معنی جو غوایت سے مشتق ہے وہ کلام عرب میں مختلف معانی میں مستعمل ہوا ہے۔

① غَوٰی کے معنی لغت میں گمراہی اور راہِ صواب سے بہک جانے کے بھی آتے ہیں۔

② اور غَوٰی کے معنی عیش کے فاسد اور مکدر ہونے کے بھی آتے ہیں۔

قال ابن الجوزی فی قولہٖ تعالیٰ فَغَوٰی تولان (احدھما) ضل عن طریق الخلد حیث ارادہ من قبل المعصیة والثانی فسد علیہ عیشہ لان معنی الغیّ الفساد کذافی زادالمسیر صفحہ ۳۲۹ ج۵ و ھکذا فی روح المعانی صفحہ ۲۴۷ ج۱۶۔

③ اور غوایت کے معنی خیبت اور ناکامی کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

فمن یلق خیرا یحمد النّاس امرہ
ومن یغولا یعدم علی الغی باعینا

"جو شخص نیک کام کرے تو لوگوں کو اس کی تعریف کرتا ہوا پائے گا۔ اور جو کوئی اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے تو ناکامی پر ملامت کرنے والے کو معدوم نہیں پائے گا۔"

غرضیکہ لفظ غوایت تین معنوں میں مستعمل ہوتا ہے آیت میں ہر معنی کا مراد لینا صحیح ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور کوئی معنی بھی عصمت انبیاء علیہم السلام کے خلاف نہیں۔ اور لفظ غَوٰی سے پہلے جو لفظ عَصٰی حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ خود قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ فعل سہواً و نسیاناً تھا قصداً اور عمداً نہ تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا﴾ (طٰہٰ:۱۱۵) جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سہواً و نسیاناً بھول کر ایک کام خلاف حکم الٰہی کر بیٹھے۔ معاذ اللہ انہوں نے قصداً حکم الٰہی کی مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیان کی نسبت محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت یہ فعل لغزش تھا معصیت نہ تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاَزَلَّھُمَا الشَّیْطٰنُ﴾ (البقرہ:۳۶) چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لیے ان سے ذراسی بھول چوک پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا

"معصیت" کے معنی لغت میں خلاف حکم کسی کام کرنے کے ہیں اور وہ کبھی عمداً اور قصداً ہوتا ہے اور اصل معصیت اور گناہ ایسا ہی فعل ہے جو قصداً ہو اور کبھی عمداً اور قصداً نہیں۔ یہ درحقیقت معصیت اور گناہ نہیں بلکہ غلطی اور لغزش ہے۔ اس کو صورۃً معصیت کہہ دیا جاتا ہے یہاں آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں۔

نکتہ: ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ * کہتے ہیں کہ ﴿وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی﴾ (طٰہٰ:۱۲۱) کہنا تو جائز ہے مگر آدم علیہ السلام کو عاصی اور غاوی کہنا جائز نہیں کیونکہ عاصی اور غاوی عرف میں اسی شخص کو کہا جا سکتا ہے کہ جو فعل معصیت کا عادی اور خوگر ہو گیا ہو مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کپڑے کو خود ایک بار سی لے تو یہ کہنا تو صحیح ہے کہ خاط فلان ثوبہ فلاں شخص نے اپنا کپڑا سی لیا مگر اس کو خیاط (درزی) کہنا صحیح نہیں۔ جب تک وہ کپڑا سینے کو اپنا پیشہ نہ بنا لے۔ اور لوگوں میں اس پیشے کے ساتھ معروف و مشہور نہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ فعل ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ سرزد ہوا اور وہ بھی بھول سے ہوا قصداً و ارادۃً نہیں کیا۔ اور جو شخص ساری عمر میں کوئی ایک کام غلطی اور بھول چوک سے کر گزرے تو اس کو عاصی اور غاوی نہیں کہا جا سکتا۔ عاصی اس وقت کہا جائے گا کہ جب کوئی کام دیدہ و دانستہ حاکم کے حکم کے خلاف کرے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت یہ کہنا تو جائز ہے کہ انہوں نے خدا کی ایک نافرمانی کی مگر ان کو نافرمان کہنا کفر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوئی اور بھول چوک سے جو خطا صادر ہوئی اس کو محض ظاہری صورت کے اعتبار سے معصیت کہا گیا ورنہ درحقیقت وہ معصیت نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ زلت و لغزش تھی۔ جس کے معنی بھول چوک اور غفلت سے قدم پھسل جانے کے ہیں کہ شیطان نے ان کو دھوکہ دے کر ان کا قدم پھسلا دیا جانا چاہتے تھے خلود و دوام کی راہ پر دشمن نے ان کو ایسا دھوکہ دیا کہ قدم دوسری طرف جا پڑا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ﴾ نیز حق جل شانہٗ کے اس ارشاد ﴿فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی﴾ (طٰہٰ:۱۱۷) سے مفہوم ہوتا ہے کہ ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ (البقرہ:۳۵) کی نہی تحریم کے لیے نہ تھی کہ اس درخت سے کھانا قطعاً حرام ہے بلکہ بر بنائے شفقت و مرحمت تھی کہ دیکھو اس درخت سے کھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم طرح طرح کے تعب اور مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

بہرحال حضرت آدم علیہ السلام کی یہ لغزش معمولی اور حقیر تھی مگر بساط قرب و جوار رحمت میں واقع ہونے کی وجہ سے بڑی ہوگئی اور اسی وجہ سے خطاب اور عتاب تمام تر آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔ اور حضرت حوا علیہا السلام کو اس میں شریک نہیں فرمایا اس لیے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے تابع تھیں اور اسی وجہ سے عصیان اور غوایت کی نسبت صرف آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام کو اس میں شریک نہیں کیا گیا۔

پھر جب آدم علیہ السلام نے بصد ہزار گریہ و زاری اور بصد ہزار ندامت و شرمساری اپنی لغزش سے توبہ اور معذرت کی تو ان کے رب نے ان کو نوازا اور پہلے سے زیادہ ان کو مقبول * اور پسندیدہ بنا لیا۔ پھر اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان پر متوجہ ہوا اور کلمات توبہ کی ان کو تلقین فرمائی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ﴾ (البقرہ:۳۷) اور ان کی توبہ قبول کی اور ان کو راہ پر لایا یعنی لغزش کی وجہ سے جو قدم راہ سے ہٹا تھا اس کو راہ ہدایت پر ایسا ثابت اور مستقیم کر دیا کہ پھر مدۃ العمر شیطان ان کو کوئی دھوکہ اور فریب نہ دے سکا۔ لایلدغ المؤمن من جحر مرتین یعنی مؤمن کامل شیطان کے سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا اس سے پہلے ابلیس سے ان کو واسطہ نہ پڑا تھا۔ ناتجربہ کاری کی بناء پر اور اپنی صاف دلی

---

* قال ابن قتیبة فنحن نقول فی حق آدم عصی وغوی کما قال اللہ تعالی عزوجل ولا نقول آدم عاصٍ وغاوٍ کما تقول الرجل قطع ثوبہ وخاطہ. قد قطعہ وخاطہ ولا نقول ھذا خیاط حتی یکون معاودًا لذلک الفعل المعروف بہ۔ کذا فی زاد المسیر ص ۳۲۹ ج ۵ اور تفصیل کے لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر ص ۹۱ ج ۶ دیکھئے۔

* کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ﴾ توبہ بندہ کو اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے جس درجہ کی توبہ ہوگی اسی درجہ کی محبوبیت ہوگی۔ واللہ اعلم

کی بنا پر اس کے فریب میں آ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص خدا کی قسم کھا رہا ہے۔ ﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ (الاعراف:۲۱) تو ان کو یہ شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو (کذب) جھوٹ کے معنی تو معلوم تھے مگر انہوں نے اس سے قبل اپنی آنکھ سے کبھی جھوٹ اور جھوٹے کو نہیں دیکھا تھا اس لیے دھوکہ میں آ گئے جب معلوم ہو گیا تو توبہ اور معذرت کی۔ اس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے اور زیادہ مقبول ہو گئے اور ان کی بے مثال گریہ وزاری اور ندامت و شرمساری نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان کے دل میں کس درجہ حق جل شانہٗ کی محبت اور عظمت سرایت کیے ہوئے ہے۔

الغرض حضرت آدم علیہ السلام تو توبہ اور معذرت کی وجہ سے پہلے سے زیادہ مقبول اور محبوب ہو گئے اور شیطان مردود کی اُمید پر پانی پھر گیا۔ اس مردود نے تو یہ سوچا تھا کہ میری طرح آدم علیہ السلام بھی تباہ ہو جائیں مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اس کی توقع کے خلاف حضرت آدم علیہ السلام کی عجز و زاری اور تذلل اور خاکساری ان کے مزید تقرب کا سبب بن گئی۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں میاں بیوی اکٹھے یہاں سے نیچے اُترو بظاہر یہ خطاب خطابِ عتاب تھا مگر درحقیقت خطاب تکمیل و تشریف تھا۔ تاکہ خلافتِ ارضی کا وعدہ پورا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا تھا کہ روئے زمین کا ان کو خلیفہ بنایا جائے اس لیے ان کو بہشت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ منصب خلافت پر پہنچیں اور جو لغزش سہواً یا نسیاناً سرزد ہوئی تھی وہ توبہ اور استغفار سے معاف ہو گئی۔ یہاں ﴿اِهْبِطَا﴾ بصیغۂ تثنیہ آیا ہے اور یہ خطاب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو ہے اور سورۂ بقرہ و اعراف میں بلفظ جمع یعنی ﴿اِهْبِطُوْا﴾ آیا ہے اور یہ خطاب آدم و حوا علیہما السلام اور ابلیس تینوں کو ہے یا خطاب فقط آدم اور حوا علیہما السلام کو ہے اور صیغۂ جمع اس لیے لایا گیا کہ ان دونوں کا وجود ان کی بے شمار ذریت پر مشتمل تھا۔

بہرحال حکم یہ ہوا کہ تم سب مع ابلیس کے جنت سے اُترو۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہو گا۔ دشمنی کی وجہ یہ ہو گی کہ دنیا میں لوگ اغراض اور معاشی اُمور میں مختلف ہوں گے۔ اور خوراک اور پوشاک اور مال و دولت اور عزت و وجاہت میں متفاوت ہوں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک دوسرے پر حسد کرے گا۔ اور باہم دشمنی ہو گی۔ اندر سے تمہاری شہوات اور نفسانی اغراض تم کو حسد اور عداوت پر آمادہ کریں گی۔ اور باہر سے یہ شیطان تم کو حسد اور عداوت کے داؤ پیچ بتلائے گا۔ اور دنیا میں خوب اودھم مچے گا۔ اور فتنہ اور فساد برپا ہو گا جس کا علاج سوائے آسمانی ہدایت کے اور حکم خداوندی کی پیروی کے کچھ نہ ہو گا۔ پس ایسی حالت میں جبکہ تم زمین پر ہوا گر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت کا سامان آوے یعنی کتاب اور رسول اور دلائل عقلیہ و نقلیہ تو بصد ہزار شوق و رغبت اور بصد ہزار شکر و امتنان دوڑ کر اس کو لے لینا دنیا کے فتنہ و فساد سے بچنے کی صرف ایک یہی راہ ہے۔ سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی یعنی رسول کا حکم اور میری نازل کردہ کتاب پر عمل کیا تو وہ دنیا میں گمراہ نہ ہو گا اور آخرت میں وہ رنج اور تکلیف نہیں اٹھائے گا اور کسی مشقت میں نہیں پڑے گا۔ اور جس نے میری نصیحت اور ہدایت سے منہ موڑا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خوار رہا۔ دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہو گی۔ راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہو گی کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت و عزت و وجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولت مند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے جب راحت اور سکون ہی نصیب نہ ہوا تو دولت سے کیا فائدہ ہوا۔ ظاہر میں بیشمار دولت ہے۔ مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لبریز ہے۔ دن رات دفتروں کے

چکروں میں اور رشوتوں اور خوشامدوں کی مصیبت میں مبتلا ہے کسی سے جھوٹ بول رہا ہے اور کسی کا جھوٹ سن رہا ہے لکھ پتی اور در بدر پھر رہا ہے لاکھوں چکر لگا چکا ہے مگر ہنوز منزل مقصود دور ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

اگر دنیا نہ باشد درد مندیم
دگر باشد بمہرش پائے بندیم
بلائے زیں جہاں آشوب ترنیست
کہ رنج خاطر است ارہست ورنیست

دنیاوی زندگی میں قلبی سکون اور اطمینان بدون قناعت اور ذکر الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ؎

اے قناعت تو نگرم گرداں
کزو رائ تو ہیچ نعمت نیست

یہ تو کافر کی دُنیاوی زندگی کا حال ہوا اور کافر کی اُخروی زندگی کا حال یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم اس کو نابینا اٹھائیں گے۔ یعنی جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اندھا ہوگا اور گونگا اور بہرا بھی ہوگا۔

کما قال اللہ تعالیٰ : ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾ (بنی اسرائیل:۹۷)

کافر جب قبر سے اٹھے گا اس وقت اندھا ہوگا۔ بعد میں اس کا اندھا پن دور کر دیا جائے گا۔ اس وقت وہ کافر بولے گا۔ اے میرے پروردگار! تُو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دنیا میں بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے ہاں دنیا میں تو نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ تیرے پاس ہماری ہدایت کی نشانیاں پہنچیں جو خوب روشن اور واضح تھیں پس تو نے ان کو بھلا دیا۔ اور ان سے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کرلیں اور باوجود بینائی کے تو ہماری آیات ہدایت اور دلائل قدرت کے دیکھنے سے اندھا بن گیا۔ اور اسی طرح آج تجھ سے تغافل برتا جائے گا۔ یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں سے اعراض کیا اور ان سے اندھا بنا رہا اور ہم کو بھول گیا۔ اسی طرح ہم آج تیرے ساتھ وہی معاملہ کریں گے۔ جو آنکھوں کے نہ ہوتے ہوئے اور اندھے بنے ہوئے کے ساتھ ہونا چاہیے اور جس طرح یہ سزا اس کے جرم کے مطابق دی گئی اسی طرح ہم ہر اس شخص کو اس کے عمل کے مناسب جزا دیں گے۔ جو حد سے گزر گیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا۔ تو دنیا میں تو اس کی سزا یہی ہے کہ اس کو ''معیشت ضنک'' یعنی تنگ زندگانی میں مبتلا کیا جائے اور عذاب مذکور کے بعد آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے یعنی دائمی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

نکتہ: ان آیات میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں کے لیے اوّل دو عقوبتوں کے بعد عذاب آخرت کا ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ وہ عذاب کبھی زائل نہ ہوگا۔ دُنیا کی تنگی تو زائل ہوسکتی ہے۔ مگر آخرت کی مصیبت کبھی نہیں ٹل سکتی اور دوزخ کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

لطائف ومعارف

عصمت انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ کی مفصل تحقیق سورۂ بقرہ کے شروع میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں گزر چکی ہے۔ اب پھر

مختصراً چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

① اہلِ حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں قصداً وارادتاً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔ (دلائل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں)

② عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوں اور نفس اور شیطان یہی دونوں چیزیں مادۂ معصیت ہیں اور مادۂ معصیت سے پاک ہونے ہی کا نام عصمت ہے۔

ملائکہ بھی معصوم ہوتے ہیں مگر ان کی عصمت اضطراری ہوتی ہے کہ ان میں شر کا مادہ اور داعیہ ہی نہیں ہوتا بخلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے کہ ان کی عصمت اختیاری ہوتی ہے اس لیے کہ ان میں بمقتضائے بشریت مادۂ نفسانیت ہوتا ہے مگر حفاظت ربانی اور تائید یزدانی ان کی محافظ اور نگہبان ہوتی ہے کہ مجال نہیں کہ مادۂ معصیت ذرہ برابر ان کو جادۂ اطاعت سے ہٹا سکے یا کوئی ایسی چیز ان سے سرزد ہو سکے جو کہ ان کے دامن عصمت کو آلودہ کر سکے۔ حق جل شانہٗ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوتی ہے اور ان کا قدم اس احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔

③ انبیاء کرام علیہم السلام میں نفوس ہوتے ہیں مگر وہ نفوسِ قدسیہ ہوتے ہیں اور عصمت و نزاہت میں ملائکہ کے ہمرنگ ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ ظاہر میں بشر ہوتے ہیں مگر مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے فرشتوں کے ساتھ متحد ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کسی مباح اور جائز امر کا ہوائے نفسانی کی بناء پر ارتکاب نہیں کرتے بلکہ مباح کی اباحت بیان کرنے کے لیے مباح اور امر جائز کا ارتکاب کرتے ہیں جو کہ عین تشریع ہے نبی پر جس طرح فرض کی فرضیت کا بیان کرنا فرض ہے اسی طرح مباح کی اباحت کا بیان کرنا بھی فرض ہے کیونکہ تبلیغ احکام نبی پر فرض ہے۔

بخلاف اولیاء کے کہ وہ بسا اوقات مباحات کو محض اپنی ہواء نفسانی کی بنا پر بھی کرتے ہیں اس لیے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ ہیں۔ ہوائے نفس سے بالکلیہ پاک اور منزہ نہیں بخلاف نبی کے کہ وہ ہوائے نفس سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝﴾ (النجم:۴)... ﴿مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ﴾ (یونس:۱۵)

معاذ اللہ! انبیاء کرام علیہم السلام ہماری طرح اسیر حرص و شہوت نہیں ہوتے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ہم پر ان کی بے چون و چرا اطاعت فرض نہ کرتا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خلاصۂ موجودات اور زبدۂ کائنات ہیں ان کو انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء کا حکم نہ دیتا اور یہ ارشاد نہ فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ﴾ (الانعام:۹۰)

اطلاع: حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سورۂ اعراف کے شروع میں بھی بہت کچھ تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ اس لیے ناظرین کرام سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں جگہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کی تفسیر پر نظر ڈال لیں۔

اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ

سو کیا سوجھ ان کو نہ آئی اس سے کہ کتنی کھپا دیں ہم نے پہلے ان سے سنگتیں؟ یہ پھرتے ہیں ان کے

مَسٰكِنِهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ ع ۱۳/۱۶

گھروں میں اس میں خوب پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔ اور کبھی نہ ہوئی ایک بات

سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ؕ فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا

نکل گئی تیرے رب سے تو مقرر ہوتی بھینٹ اور جو نہ ہوتا وعدہ ٹھہرایا۔ سو تو سہتا رہ جو

يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ

کہیں اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے

وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی، پڑھا کر اور دن کی حدوں پر، شاید تو راضی ہوگا۔ اور نہ

تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ

پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو رونق

الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ

دنیا کے جیتے۔ ان کے جانچنے کو۔ اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے اور دیر رہنے والی۔ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو

بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ وَ

نماز کا۔ اور آپ قائم رہ اس پر، ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی۔ ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو اور

الۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمۡ

آخر بھلا ہے پرہیزگاری کا۔ اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہم پاس کوئی نشانی اپنے رب کی؟ کیا

تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ

پہنچ نہیں چکی ان کو نشانی اگلی کتابوں میں کی۔ اور اگر ہم کھپا دیتے ان کو کسی آفت میں

مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

اس سے پہلے تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیام لے کر کہ ہم چلتے تیرے کلام پر

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ج

ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے۔ تو کہہ ہر کوئی راہ دیکھتا ہے سو تم راہ دیکھو آگے

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

ع ۸ ۷ ۱۷

جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ والے اور کون سوجھے ہیں راہ۔

تہدید وتنبیہ اہل غفلت بر عدم عبرت از ہلاک اُمم سابقہ مع مشاہدۂ آثار ہلاکت در اثنائے سفر تجارت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ ... اِلٰى ... وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع﴾

ربط: گزشتہ آیات میں غافلین اور معرضین کی عقوبت کا ذکر تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ... الخ﴾

اب ان آیات میں غافلین اور معرضین کو تہدید اور تنبیہ کی جاتی ہے کہ کیا تم کو اس بات سے عبرت نہیں ہوئی کہ تم سے پہلے کتنی بستیاں انبیاء علیہم السلام سے سرکشی اور اعراض کرنے کی بناء پر تباہ و برباد کی جا چکی ہیں اور تم ملک شام جاتے ہوئے ان کے کھنڈروں پر گزرتے ہو جن کو دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی ہلاکت اور بربادی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اگر تمہیں عقل ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو کہ آیات خداوندی سے اعراض اور غفلت کا اور اس اسراف کا یعنی حد سے گزر جانے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

نیز اس تہدید و تنبیہ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ ﷺ ان معرضین اور غافلین کے اقوال و احوال سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: پس کیا ان معرضین اور غافلین کو جو اپنے اعراض پر قائم اور مصر ہیں۔ اب تک اس بات نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے کتنی اُمتیں ہلاک کر چکے ہیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ وغیرہ جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یعنی قریش جب مکہ سے شام کو تجارت کے لیے جاتے ہیں تو اپنے سفر میں جاتے ہوئے قوم ثمود اور قوم عاد کی بستیوں سے گزرتے ہیں اور ان کے اجڑے کھنڈرات دیکھتے ہیں۔ کیا اس کو دیکھ کر بھی ہدایت نہیں پاتے کہ اپنے کفر اور تمرد سے باز آ جائیں۔ بلاشبہ اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ جو خدا اور اس کے رسول سے اعراض کرے اس کا انجام ایسا ہوتا ہے اور اے نبی! یہ لوگ بڑے ہی سخت مجرم ہیں اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب الٰہی آ کر فوراً ان کو چمٹ جاتا کلمۂ سابقہ سے مراد یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ قیام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ اتمام حجت کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا اگر علم الٰہی میں ان کے عذاب کی کوئی میعاد مقرر نہ ہوتی تب بھی ان پر فوراً عذاب آ جاتا مطلب یہ ہے ان پر عذاب نازل ہونے سے دو باتیں مانع ہیں ایک تو یہ اللہ تعالیٰ بدون اتمام حجت کے کسی کو عذاب نہیں دیتے اور دوسری بات یہ کہ مجرم قوم کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے اگر اللہ کی طرف سے یہ دو باتیں نہ ہوتیں تو فوراً ناگہانی طور پر ان پر عذاب آ جاتا پس اے نبی! آپ ﷺ ان مجرمین پر فی الحال عذاب نازل نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ ان کی رنج دہ باتوں پر صبر کیجیے اور مقررہ میعاد اور آخری نتیجہ کا انتظار کیجیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ جو اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ لہٰذا آپ صبر کیجیے اور لیل و نہار اپنے رب کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہیے جس میں نماز بھی آ گئی۔ طلوع آفتاب سے پہلے۔ یہ نماز فجر ہوئی اور غروب آفتاب سے پہلے یہ نماز عصر ہوئی اور رات کے اوقات میں بھی اللہ کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ یہ تہجد کی نماز ہوئی اور دن کے اطراف اور جوانب میں بھی اللہ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ اُمید ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ اس کے ثواب کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ﴾ سے نماز عشاء مراد ہے اور اطراف نہار سے نماز ظہر اور نماز مغرب مراد ہے۔ نماز ظہر اوّل دن کے طرف آخر میں ہے اور نماز مغرب کا دن کی طرف ہونا ظاہر ہے۔

خلاصۂ کلام کہ آپ ﷺ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے اور اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے اور اے نبی ﷺ! جن چیزوں سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو بہرہ مند کیا ہے ان کی طرف بطریق رغبت و استحسان ہرگز ہرگز اپنی آنکھوں کو دراز نہ کرنا وہ متاع قلیل اور فانی ہے۔ ہم نے ان کافروں [1] کو دُنیاوی زندگی کی رونق اور زیبائش کا سامان دیا ہے جو محض ایک رونق ہے اور چند روزہ آرائش و زیبائش ہے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہم نے ان کو یہ سامان رونق محض آزمانے کے لیے دیا ہے کہ دیکھیں کہ وہ شکر بجا لاتے یا ناشکری کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اس فانی اور چند روزہ رونق کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے۔ اور تیرے پروردگار کا رزق اس فانی اور نمائشی رزق سے کہیں بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ ﷺ کو نبوت و رسالت اور فتوحات عظیمہ سے مشرف کیا اور آخرت کی عزت و کرامت آپ ﷺ کے لیے ذخیرہ ہے۔ اللہ نے جو نعمت اور کرامت آپ ﷺ کو عطا کی ہے وہ اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جو اس نے کفار کو دُنیا میں دی ہے اور اے نبی ﷺ! ہم نے کافروں کو دُنیا میں جو نعمتیں دی ہیں وہ ان کے حق میں نعمت نہیں بلکہ فتنہ اور بلاء ہیں ان سے ان کی آزمائش مقصود ہے اور اے نبی! اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیجیے اور اس طرح اپنے گھر والوں کو آگ سے چھڑائیے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾ (تحریم:۶) اور خود بھی اس پر قائم اور دائم رہیے۔ حدیث میں ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اس کو (عادت ڈالنے کے لیے) نماز پڑھواؤ ہم تجھ سے کوئی روزی نہیں چاہتے بلکہ ہم ہی تجھ کو روزی دیتے ہیں۔ یعنی جب تو ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرے گا تو اللہ تجھ کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے تجھے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "دُنیا میں مالک غلاموں سے روزی کمواتے ہیں۔ وہ مالک "برحق" بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے۔" (موضح القرآن)

---

[1] اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ زهرة الحیٰوة الدنیا متعنا یا اعطینا مقدر کا مفعول بہ ہے تفصیل کے لیے روح المعانی دیکھیں۔

مطلب یہ ہے کہ نماز سے خدا کا فائدہ نہیں بلکہ بندوں کا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غل وغش اور بے غائلہ روزی ملتی ہے وہ مولائے برحق تمام عالم کے رزق کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۞ مَاۤ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ۞ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ۞﴾ (الذاریات ۵۶ تا ۵۸)

اور نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے دُنیا اور آخرت کی خوبیاں اور بھلائیاں تقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں۔

یہاں تک معرضین اور غافلین کے کچھ اقوال وافعال اور ان کے کچھ احوال کا بیان ہوا۔ اب آگے پھر ان معرضین اور معاندین کے ایک قول کا ذکر فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہے اور یہ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رسول ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے حسب منشاء اپنی نبوت کی کوئی نشانی لے کر کیوں نہیں آتا۔ یعنی جو معجزہ ہم طلب کرتے ہیں وہ معجزہ کیوں نہیں ظاہر کرتا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کیا ان لوگوں کے پاس پہلی کتابوں میں کی واضح نشانی اور روشن دلیل نہیں آچکی۔

''صحف اولیٰ'' سے توریت اور انجیل اور زبور اور باقی کتب منزلہ مراد ہیں اور ان کتابوں میں آپ ﷺ کی نبوت کی بشارت موجود ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾ (الاعراف: ۱۵۷) ﴿اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ (الشعراء: ۱۹۷) تو کیا یہ بات آپ ﷺ کی نبوت وصداقت کے لیے کافی نشانی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل آپ ﷺ کے چہرہ کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کی توریت اور انجیل اور زبور میں خبر دی گئی ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کے لیے اگلی کتابوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی بشارت کافی ہے جس کے بعد کسی معجزہ کی ضرورت نہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ کیا ان کے پاس قرآن عظیم نہیں پہنچا جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور انبیاء سابقین علیہم السلام اور اگلی اُمتوں کے حال بیان کرتا ہے اور علوم ہدایت پر مشتمل ہے اور عالم کے لیے رحمت اور نعمت ہے جس کی آیتیں دن رات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ اور اس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو کیا یہ روشن نشانی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لیے کافی نہیں اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور اگر ہم معاندین کو اس قرآن کے نازل کرنے سے پہلے یا اس رسول کے بھیجنے سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو قیامت کے دن یہ کافر یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تو ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری ہی آیتوں کا اتباع کر لیتے۔ اے نبی! آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ اب حیلہ اور بہانے کا وقت بھی ختم ہوا ہم میں سے ہر ایک انجام اور نتیجہ کا منتظر ہے پس تم چندے اسی کا انتظار کرو۔ سو عنقریب یعنی مرنے کے بعد یا قیامت کے دن جان لوگے کہ کون ہیں راہ راست پر چلنے والے اور کون ہے کہ جو منزل مقصود تک پہنچ گیا ہم یا تم۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

الحمد للہ

آج بتاریخ ۹ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ بروز یکشنبہ بوقت چاشت سورۂ طٰہٰ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ انبیاء

اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء ہے۔ یہ سورت بالاجماع مکی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس سورت میں سترہ پیغمبروں کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور کافروں نے کس طرح ان کو ایذائیں دیں اور انہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ نے ان کو کامیاب فرمایا اور ان کے دشمنوں کا کیا عبرت خیز انجام ہوا اور یہ سورت دلائل توحید اور دلائل رسالت اور دلائل قیامت پر مشتمل ہے جو دین اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور انہی مضامین کے اثبات اور تحقیق کے لیے بعض انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات ذکر کیے ہیں اور اس سورت میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

آیاتھا ۱۱۲ | سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ (۲۱) (۷۳) | رکوعاتھا ۷

سورۂ انبیاء مکی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝١ مَا

نزدیک آ لگا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلاتے ہیں۔ کوئی نصیحت نہیں

يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ

پہنچتی ان کو ان کے رب سے نئی مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے۔ کھیل میں

يَلْعَبُوْنَ ۝٢ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ

پڑے ہیں دل ان کے اور چپکے مصلحت کی بے انصافوں نے

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝٣

یہ شخص کون ہے؟ ایک آدمی ہے تم ہی سا، پھر کیوں پڑتے ہو جادو میں آنکھوں دیکھتے۔

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۴﴾

اس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی، یا آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ ہے سنتا جانتا۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا

یہ چھوڑ کر کہتے ہیں اڑتے خواب ہیں۔ نہیں، جھوٹ باندھ لیا ہے۔ نہیں، شعر کہتا ہے پھر چاہیے لے آوے ہم پاس کوئی

بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ

نشانی جیسے پیغام لائے ہیں پہلے۔ نہیں مانا ان سے پہلے کسی بستی نے جو

اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ

کھپائی ہم نے اب کوئی یہ مانیں گے۔ اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر یہی مردوں کے ہاتھ کہ حکم بھیجتے تھے ہم

اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾ وَمَا

ان کو سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے، اگر تم نہیں جانتے۔ اور ایسے بدن

جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ

نہ بنائے تھے وہ کہ کھانا نہ کھاویں اور نہ تھے وہ رہ جانے والے۔ پھر

صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾

سچ کیا ہم نے ان سے وعدہ پھر بچا دیا ان کو اور جس کو ہم نے چاہا اور کھپا دیئے ہاتھ چھوڑنے والے۔

ع لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع وَكَمْ

ہم نے اتاری ہے تم کو کتاب کہ اس میں تمہارا نام ہے کیا تم کو بوجھ نہیں۔ اور کتنی

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا

توڑ ماریں ہم نے بستیاں جو تھیں گنہگار۔ اور اٹھا کھڑے کیے ان کے پیچھے اور

اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ ۭ لَا

لوگ۔ پھر جب آہٹ پائی ہماری آفت کی تبھی لگے وہاں سے ایڑ کرنے۔ مت

تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ﴿١٣﴾
ایڑ کرو اور پھر جاؤ جہاں تم کو عیش ملا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تم کو پوچھے۔
قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ
کہنے لگے اے خرابی ہماری! ہم تھے بیشک گناہگار۔ پھر یہی رہی ان کی پکار، جب تک
جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿١٥﴾
ڈھیر کر دیئے کاٹ کر بجھے پڑے۔

خبر دادن رب العزت از قرب قیامت برائے تنبیہ اہل غفلت

از محاسبۂ آخرت و تہدید منکرین نبوت و جواب دادن از اعتراضات بر آیات رسالت و آگاہیدن از انجام ظالمین اُمم سابقہ برائے عبرت و نصیحت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ... الی... جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت کے آخر میں ذکرِ خداوندی سے اعراض کرنے والوں اور آخرت سے غفلت برتنے والوں کی مذمت کا بیان تھا۔ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ اور اس کے بعد کی آیت ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ میں دُنیا کے سامان زیبائش و آرائش پر نظر کرنے کی ممانعت تھی کیونکہ دنیا کی رونق پر نظر کرنا فتنۂ عظیم ہے اور آخرت سے غفلت کا سبب ہے اس لیے ان آیات میں قرب ساعت (یعنی قربِ قیامت) کی خبر دیتے ہیں کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں اور آخرت کی فکر کریں۔ اور اس کے لیے کچھ تیاری کریں اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت پر عمل کریں۔

نیز ان آیات میں منکرین نبوت کو تہدید اور ملامت کرتے ہیں اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لوگوں کے لیے حساب کا وقت بہت قریب آ لگا ہے یعنی قیامت بہت [1] قریب آ گئی ہے کیونکہ نبی الساعۃ یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے ہیں جن کا ظہور قیامت کی سب سے پہلی نشانی ہے حدیث میں ہے: ((بعثت انا والساعة كهاتين)) یعنی میں اور قیامت اسی طرح ساتھ بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملایا۔ مطلب یہ تھا کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی فاصلہ رہے گا جتنا کہ ان دو انگلیوں میں ہے اور وہ ابھی تک غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کی کچھ تیاری نہیں

---

[1] ترجمہ میں یہ لفظ یعنی ''بہت'' اس لیے بڑھایا گیا ہے کہ اقترب کے معنی لغت میں زیادہ قریب ہونے کے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ... وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ لفظ اقترب میں بہ نسبت قرب کے زیادہ مبالغہ ہے۔

کرتے۔ بلکہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اپنے اس اعراض [1] پر قائم ہیں۔ ابو العتاھیہ کا شعر ہے ۔

الناس فی غفلاتھم ورحا المنیة تطحن

"یعنی لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں اور حالانکہ موت کی چکی چل رہی ہے اور لوگوں کو پیس رہی ہے۔"

یہ آیت منکرین حشر کے بارے میں ہے مگر اب عام طور پر مسلمان بھی فکر آخرت سے غافل ہیں خاص کر اس جدید تعلیم اور مغربی تمدن نے تو آخرت کے ذکر اور فکر کو ایک مجنونانہ خیال قرار دے دیا ہے اور یہ غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی جدید اور نئی نصیحت نہیں آتی جو ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرے مگر وہ اس کو ایسی لاپرواہی کے ساتھ سنتے ہیں گویا کہ کھیل میں لگے ہوئے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نصیحت کے لیے ایک آیت کے بعد دوسری آیت آرہی ہے مگر وہ اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔ بہرحال ان کے دل اللہ کی یاد سے اور آخرت کی فکر سے بالکل غافل ہیں۔ اور لیکن نبوت و رسالت کے مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور یہ ظالم لوگ آنحضرت ﷺ کے بارے میں آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ایسی سرگوشیوں میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی کو خبر نہ ہو ایک دوسرے کے کان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص یعنی محمد رسول اللہ ﷺ سوائے اس کے کہ تم ہی جیسا ایک معمولی آدمی ہے جو تمہاری طرح کھاتا اور پیتا اور چلتا اور پھرتا رہتا ہے۔ بھلا آدمی اور بشر بھی کہیں نبی اور رسول ہو سکتا ہے۔ ایک مثل کو دوسرے مثل کی طرف رسول بنا کر بھیجنا ترجیح بلا مرجح ہے پس جب وہ تم جیسا بشر ہے تو تم کس لیے اس کے پاس جاتے ہو۔ اگر خدا کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور یہ شخص تم کو جو کرشمے دکھلاتا ہے وہ سب جادو ہے۔ پس کیا تم جادو کے پاس آتے ہو حالانکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ یہ جادو ہے اور یہ شخص تم جیسا آدمی ہے کوئی فرشتہ نہیں۔ اوّل اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی سرگوشی پر مطلع کیا اور پھر اپنے نبی کو اس کے جواب دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بحکم خداوندی ان کے جواب میں یہ کہا کہ میرا پروردگار آسمان اور زمین کی ہر بات کو خوب جانتا ہے۔ خواہ کیسے ہی چھپا کر کی جائے وہ تو ہر چیز کا سننے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی سرگوشی اور کوئی پوشیدہ بات مخفی نہیں وہ تمہارے مشوروں سے مجھے مطلع کر دیتا ہے اور ان ظالموں نے آپ کو فقط جادوگر کہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ قرآن پراگندہ اور پریشان خوابوں کا مجموعہ ہے یعنی قرآن شریف اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمدؐ نے خواب میں جو غلط ملط [2] باتیں دیکھی ہیں یہ ان کا مجموعہ ہے پھر اس پر بھی قائم نہ رہے بلکہ یہ کہنے لگے کہ یہ قرآن تو محمد ﷺ نے اپنی طرف سے جھوٹ بنالیا ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں یہ سب اس کی دل کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو اس نے اپنے جی سے بنالیا ہے۔ پھر خیال آیا کہ محمد ﷺ نے تو کبھی ساری عمر میں جھوٹ نہیں بولا تو کہنے لگے کہ یہ شخص جھوٹا تو نہیں بلکہ شاعر معلوم ہوتا ہے یہ سب مضامین اس کے شاعرانہ خیالات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں غرضیکہ یہ لوگ حضور پُرنور ﷺ کے بارہ میں حیرت زدہ تھے کبھی آپ ﷺ کو ساحر کہتے اور کبھی شاعر کہتے اور کبھی مفتری بتلاتے اور کبھی قرآن کو خواب وخیال بتلاتے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان:۹) غرضیکہ کفار کی یہ رنگ برنگ کی باتیں یا تو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ سب حیرت زدہ ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں یا اس بات کی دلیل

---

[1] ﴿وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ چونکہ جملہ اسمیہ ہے جو بسا اوقات دوام اور استمرار کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا تاکہ دوام اور استمرار کی طرف اشارہ ہو جائے۔ منہ عفا اللہ عنہ

[2] یہ لفظ اضغاث اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا﴾ منہ عفا اللہ عنہ۔

ہیں کہ حق تعالیٰ کو پہچان چکے ہیں مگر سینہ زوری سے اس کو دفع کرنا چاہتے ہیں اس لیے اِدھر اُدھر کی واہی تباہی کر کے حق کو رلانا اور چھپانا چاہتے ہیں پھر اخیر میں یوں کہنے لگے کہ اچھا اگر ایسا نہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں بلکہ اللہ کے پاس سے رسول ہو کر آیا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ ہمارے پاس اپنی نبوت اور رسالت کی کوئی ایسی نشانی لے آئے جیسی نشانیوں کے ساتھ پہلے رسول بھیجے گئے تھے جیسے حضرت صالح علیہ السلام اونٹنی لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ لہٰذا اگر آپ ﷺ بھی اس قسم کے معجزات ظاہر کر دیں گے تو ہم آپ ﷺ کو رسول مان لیں گے اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے مشرکین عرب کا یہ سوال تعنت اور عناد پر مبنی تھا اور ان کی یہ درخواست اس لیے نہیں تھی کہ حسب فرمائش ان کو نشانی دکھلا دی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے کیونکہ اللہ پاک حضور پُرنور ﷺ کو اس قدر نشانات دے چکا تھا کہ وہ ان کی ہدایت کے لیے کافی اور وافی تھے۔ انکار کے لیے نئے نئے بہانے نکالتے رہتے تھے یہ ضروری نہیں کہ سارے پیغمبروں کے نشانات ایک ہی قسم کے ہوں۔ اب آگے اللہ تعالیٰ ان کی ان باتوں کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کفار قریش سے پہلے کوئی بستی والے اس قسم کے فرمائشی معجزات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے اور اس پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک کیا کہ منہ مانگے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تو کیا مکہ کے یہ ہٹ دھرم ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان کا شبہ تو پھر بھی باقی رہے گا کہ بشر کا رسول ہونا محال ہے اگرچہ وہ کیسی نشانی نہ دکھلا دے یعنی یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں ان کو خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلا دی جائیں یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے پس ان کو نشانیاں دکھلانا بے فائدہ ہے اب آگے ان کے اس خیال کو باطل فرماتے ہیں کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کسی کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا مگر جنس بشر سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے کبھی بھی فرشتہ کو رسول بنا کر اور نہ کسی عورت کو نبی بنا کر بھیجا' نبی ہمیشہ مرد ہوئے۔ پس اگر تم نہیں جانتے اور تم کو اس بارے میں شک ہے تو سابق علماء توریت وانجیل سے دریافت کر لو۔ جن میں ہمیشہ نبی ہوتے رہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ نے کبھی کسی فرشتہ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا جب بھیجا تو بشر ہی کو بھیجا۔ معلوم ہوا کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ کی نعمت ہے کہ تمہاری جنس میں سے رسول بھیجے تا کہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے افادہ اور استفادہ میں سہولت ہو۔ ع

بوئے جنسیت کند جذب صفات

مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ مسلمانوں کی بات پر تو تم کو بھروسہ نہیں تو تم کو چاہیے کہ علماء اہل کتاب کی طرف رجوع کرو وہ نہ تو اس سے جاہل ہیں اور نہ اس کے منکر ہیں وہ رسولوں کے احوال سے واقف ہیں وہ تم کو حقیقت حال کی خبر دیں گے اور مشرکین اگرچہ توریت اور انجیل کو نہیں مانتے تھے لیکن انبیاء کا جنس بشر سے ہونا۔ جب نقل متواتر سے اور علماء کی متفقہ شہادت سے ان کے سامنے واضح ہو جائے گا تو عقلاً ان کے قبول کرنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ مشرکین مکہ علماء توریت وانجیل کے علم وفضل کے معتقد تھے اور ان کی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ آئندہ آیات میں پھر اسی شبہ کا دوسرے عنوان سے جواب دیتے ہیں کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں' چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہم نے رسولوں کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ وہ نہ کھاتے ہوں یعنی وہ فرشتہ نہیں تھے۔ جو کھانے اور پینے سے بے نیاز ہوتے۔ یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے ﴿مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان: ۷) یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے خلاصۂ جواب یہ ہے کہ گزشتہ رسول آدمی تھے اور کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہ تھے یعنی ہم نے پیغمبروں کو ایسا نہیں بنایا کہ انہیں موت ہی نہ آئے جس طرح اور لوگوں کو موت آتی ہے۔ اسی طرح

انبیاء علیہم السلام کو بھی موت آتی ہے۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ جو کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے منتظر تھے ﴿نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی بشر کے لیے بقاء اور دوام نہیں اور موت سے کسی کو مفر نہیں ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۳۴)۔

خلاصۂ کلام کہ خدا تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب بشر تھے ظاہری اور جسمانی حیثیت سے اگرچہ وہ عام انسانوں کے مشابہ تھے مگر باطنی اور روحانی طور پر وہ فرشتوں سے بھی بالا اور بلند تھے۔ سب آدمی تھے بندوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے انکار اور کفر کیا اور فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ابتداء میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ پھر چند روز بعد ہم نے پیغمبروں سے نجات اور غلبہ اور فتح کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھلایا۔ پس حسبِ وعدہ ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات دی یعنی اہل ایمان کو بچایا جنہوں نے انبیاء کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ان کو عذاب سے بچالیں گے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے سو اس وعدہ کے مطابق ہم نے مؤمنین کو نجات دی اور کفر اور معصیت میں حد سے گزر جانے والوں یعنی کافروں اور مشرکوں کو دُنیاوی عذاب سے ہلاک کیا، پس اے قریش مکہ ہوش میں آجاؤ اس قسم کا وعدہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کیا ہوا ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ قریش کو اپنی ایک خاص نعمت پر متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اے قریش مکہ! البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت اور یاددہانی ہے اور وہ کتاب مستطاب تم کو دین اور دنیا اور معاش اور معاد کی صلاح اور فلاح کی راہیں بتاتی ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس میں تمہارے لیے شرف اور بزرگی ہے کہ تمہاری زبان میں اللہ نے کتاب ہدایت نازل کی مگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور بجائے شکر کے اس کا کفر اور انکار کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں کہ اپنے ظلم اور اسراف سے تائب ہو جاؤ اور اس کتاب ہدایت کو سر اور آنکھوں سے لگاؤ جو تمہارے لیے کیمیائے سعادت ہے اور سمجھ جاؤ کہ ظلم اور اسراف یعنی حد سے گزر جانا قہر خداوندی کا سبب ہے تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے کتنی بستیاں جو ظالم اور مسرف تھیں۔ اس ظلم اور اسراف کی سزا میں ان کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کر دیا اور ایک ایک جوڑ کو دوسرے سے جدا کر دیا۔ یعنی سب کو ہلاک کر ڈالا۔ اور ان کے بعد دوسری قوم کو آباد کر دیا لہٰذا اگر تم بھی اپنے کفر اور ظلم اور بغض سے باز نہ آئے تو تمہاری بھی یہ گت بنے گی جو علت ان کی ہلاکت کی تھی وہ تم میں بھی موجود ہے یعنی وہی ظلم و اسراف اور خدا اب بھی ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس جب ان ظالموں اور حد سے گزرنے والوں نے ہمارے عذاب کو آتے دیکھا تو یہ ظالم فوراً [1] ہی جانوروں کی طرح بے تحاشا اس بستی سے بھاگنے لگے حالانکہ یہ ظالم اور مسرف پہلے انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان پر آوازے کسا کرتے تھے جب عذاب الٰہی کو آتے دیکھا تو بھاگنے لگے تو گویا ان کے خیال میں یہ آیا کہ بھاگ کر عذاب الٰہی سے چھوٹ جائیں گے تو اس وقت بطور استہزاء اور بطریق مذاق اور ہنسی ان سے یہ کہا گیا کہ بھاگو نہیں اور اسی عیش و عشرت کی طرف لوٹو جس میں تم مست تھے اور اپنے مکانات اور محلوں کی طرف لوٹو جن میں تم رہتے تھے اور جہاں بیٹھ کر تم اتراتے تھے اور فخر کرتے تھے اور اپنے غلاموں اور خادموں کو حکم دیتے تھے اور غلام حاضر ہو کر کہتے تھے کہ حضور کیا حکم دیتے ہیں اب پھر اسی جگہ واپس چلے جاؤ شاید تم سے تمہارا حال پوچھا جائے یعنی تمہاری خیریت دریافت کی جائے یا حسب سابق تم سے مہمات امور میں کوئی مشورہ پوچھا جائے۔ یہ کہنے والے

---

[1] ''فوراً'' یہ لفظ ﴿اِذَا هُمْ﴾ کا ترجمہ ہے اور بے تحاشا بھاگنا اور دوڑنا یہ رکض کا ترجمہ ہے۔ رکض کے معنی لغت میں جانور کے بے تحاشا دوڑنے کے ہیں۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

فرشتے تھے اور یہ پوچھنا بطور استہزاء اور تمسخر تھا کیونکہ پوچھتے تو اس وقت ہیں کہ جب کچھ شان بنی ہوئی ہو۔ بگڑے ہوئے اور خستہ حال کو کون پوچھتا ہے غرضیکہ جب فرشتوں نے ان سے یہ کہا کہ مت بھاگو تو اس وقت یہ ظالم یہ کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی اور کم بختی تو کہاں ❶ ہے اس وقت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے بے شک ہم لوگ ظالم اور قصوروار تھے کہ ہم نے رسول کو جھٹلایا اور ان کے قتل اور ایذاء کے درپے ہوئے ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو اپنے گناہ کا اقرار کیا اور نادم ہوئے مگر اس وقت کی ندامت بے فائدہ تھی تاریخ نکل جانے کے بعد سماعت نہیں ہوسکتی۔ ان لوگوں نے ﴿یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ﴾ (الانبیاء:۱۴) کا نعرہ بلند کیا اور یہ خیال کیا شاید یہ نعرہ ہماری نجات کا سبب بن جائے پس مسلسل ان کی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو جڑ سے کٹے ہوئے گھاس کی طرح بجھے ہوئے اور مرجھائے ہوئے کر چھوڑا۔ یعنی سب مر گئے اور ٹھنڈے ہو گئے کہ حس و حرکت نہ رہی اور ان کی آتشِ ظلم بالکل خاموش ہو گئی اور شعلۂ حیات بجھ گیا۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا لٰعِبِیۡنَ ⑯ لَوۡ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ
اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے کھیلتے۔ اگر ہم چاہتے کہ
نَّتَّخِذَ لَهۡوًا لَّاتَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ ٭ اِنۡ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ⑰ بَلۡ
بنالیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے پاس سے۔ اگر ہم کو کرنا ہوتا۔ یوں نہیں، پر
نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَی الۡبَاطِلِ فَیَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَکُمُ
ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اس کا سر پھوڑتا ہے پھر تب وہ سٹک جاتا ہے اور تم کو
الۡوَیۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ⑱ وَلَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ
خرابی ہے ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔ اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان و زمین میں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں
لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسۡتَحۡسِرُوۡنَ ⑲ ج یُسَبِّحُوۡنَ
بڑائی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی۔ یاد کرتے ہیں
الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفۡتُرُوۡنَ ⑳ اَمِ اتَّخَذُوۡۤا اٰلِهَةً مِّنَ الۡاَرۡضِ هُمۡ
رات اور دن نہیں تھکتے۔ کیا ٹھہرائے انہوں نے اور صاحب زمین میں کے وہ

❶ یہ تمام یا ویلنا کی تفسیر ہے "یا" حرف ندا ہے اور ویل منادیٰ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ
اٹھا کھڑا کریں گے۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوا اللہ کے، دونوں خراب ہوتے سو پاک ہے
اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ
اللہ تخت کا صاحب ان باتوں سے جو بتاتے ہیں۔ اس سے پوچھا نہ جاوے جو وہ کرے اور ان سے
يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ
پوچھا جاوے۔ کیا پکڑے ہیں انہوں نے اس سے ورے اور صاحب؟ تو کہہ لاؤ اپنی سند۔
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ
یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلوں کی۔ کوئی نہیں، پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے
الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا
سچی بات، پھر ٹلاتے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر
نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ
اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے، کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کرو۔ اور کہتے ہیں
الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ
رحمٰن نے کر لیا کوئی بیٹا۔ وہ اس لائق نہیں لیکن وہ بندے ہیں جن کو عزت دی۔ اس سے بڑھ کر نہیں
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا
بول سکتے۔ اور اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ اس کو معلوم ہے جو ان کے آگے اور
خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ
پیچھے اور وہ سفارش نہیں کرتے۔ مگر اس کی جس سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے
مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ
ہیں۔ اور جو کوئی ان میں کہے کہ میری بندگی ہے اس سے ورے

۲ ع ۱۹ ۲ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ع ۲۹

سو اس کو ہم بدلہ دیں دوزخ۔ یوں ہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو۔

بیان توحید وابطالِ شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ... الی ... كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ع ۲۹ ﴾

ربط: ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک کا مضمون تحقیق نبوت ورسالت سے متعلق تھا۔ اب آئندہ آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرو تاکہ تم کو اللہ کی معرفت حاصل ہو عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کی تمام چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیات میں کفار کی غفلت اور اعراض اور ان کے لہو ولعب کو بیان کیا۔ اب آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ عالم کی پیدائش کھیل تماشہ نہیں بلکہ حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے یہ عالم پیدا کیا گیا ہے کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ وہ دنیا میں آزاد ہے جو چاہے کرے نہ عذاب ہے اور نہ ثواب ہے اور نہ کوئی دارو گیر اور پکڑ دھکڑ ہے۔ ﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۳۶ ﴾ (قیامۃ: ۳۶) تم کو چاہیے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کو کھیل اور تماشہ نہ سمجھو بلکہ اس کے عجائب وغرائب میں نظر اور فکر سے کام لو اور گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے دنیا کو کھیل اور تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لیے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا۔ اور آسمان وزمین کے عجائب میں غور وفکر سے اس کے صانع اور خالق کا پتہ نہ لگایا اور انبیاء ورسل علیہم السلام نے جب ان کو خبردار کیا تو ان کی تکذیب کی۔ حق تعالیٰ نے اس تکذیب کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل اور تماشہ کے لیے اور دل بہلانے کے لیے نہیں پیدا کیا۔ گزشتہ بستی والوں کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل اور تماشا ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ کے لیے اور مزے اڑانے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت سے آزاد منشوں کا خیال ہے کہ انسان طبعاً آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہے کرے۔ انسان مرنے کے بعد نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد نہ ثواب نہ عقاب ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا خدا سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے خدا نے بندہ کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور وفکر سے اس کے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق سے دھوکہ نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ نہیں بلکہ اظہار قدرت کے لیے اور کمال حکمت ومصلحت پر مبنی ہے۔

بنگر بچشم فکر کہ از عرش تا فرش در ہیچ ذرہ نیست کہ سرے عجیب نیست

اور معرفت صانع کے بعد اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت اور اطاعت کریں اور یقین کریں کہ یہ دنیا آخرت کے لیے پیدا کی گئی ہے وہاں پہنچ کر بندہ کو ہر نیک وبد کی جزاء سزا ملتی ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ یعنی کافروں کا گمان یہ ہے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور

بے فائدہ ہے اور مرنے کے بعد حساب کتاب کچھ نہیں۔ گزشتہ امتیں اسی خیال باطل میں مبتلا تھیں کہ یہ دنیا محض کھیل اور تماشہ ہے اور جزاء وسزا کوئی چیز نہیں۔ اس لیے سب کے سب تہ وبالا کر دیئے گئے تا کہ مجرموں اور منکروں کو اس طرح سزا دی جائے اور اگر ہم کھیل اور تماشہ بنانے کا ارادہ کرتے جس کے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہوتا ہے جیسے بیوی اور اولاد تو یہ چیزیں ہم اپنے پاس سے بنا لیتے جو ہماری شان کے لائق ہوتیں کیونکہ ہمارے پاس کی چیزیں جسمانی آلائشوں سے بالکل پاک اور منزہ ہیں جیسے ملائکہ جن کو ہم نے خالص نور سے پیدا کیا ہے اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے تو ہمارے پاس کیا کمی تھی مگر ہم تو اس سے منزہ ہیں۔ ہم کو بیوی بچوں کی کوئی احتیاج نہیں اور نہ یہ چیزیں ہماری شان کے لائق ہیں اس لیے ہم نے اس کو نہیں چاہا۔ اس آیت میں نصاریٰ اور یہود اور مشرکین کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ جو خداوند پاک کی طرف پسر اور دختر اور جورو کی نسبت کرتے ہیں اور فرزندیت اور زوجیت کے دونوں قول باہم متلازم ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (زمر: ۴) یعنی اگر اللہ تعالیٰ فرزند بنانا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں جس کو چاہتا چھانٹ لیتا مگر بارگاہِ الٰہی اس سے مقدس ہے ﴿سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ﴾ (نساء: ۱۷۱) اور اگر بفرض محال ہم بنا ہی لیتے تو وہ ہماری بنائی ہوئی چیز ہوتی اور مخلوق اور حادث ہوتی۔ خدا اور معبود تو نہ ہوتی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (زمر: ۴) غرض یہ آسمان وزمین کے بنانے سے ہمارا مقصود کھیل اور تماشہ نہیں۔ ہماری ذات لہو ولعب سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اوپر سے حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ حق اس باطل کا دماغ اور بھیجہ پلپلا کر دیتا ہے۔ پس وہ باطل ناگہاں بے جان ہو جاتا ہے اور اس کا سارا دم ختم ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کھیل اور تماشہ نہیں بلکہ میدانِ کارزار ہے۔ حق باطل پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کا سر کچل ڈالتا ہے جس سے وہ باطل جانبر نہیں ہوتا اور حق میں دین کی تمام باتیں اور باطل میں کفر وشرک اور معصیت کی تمام باتیں داخل ہیں۔ جن وانس کی پیدائش سے مقصود خالق کی بندگی ہے اور اے باطل پرستو! تمہارے لیے کم بختی اور بربادی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم خدا کے اوصاف بیان کرتے ہو۔ یعنی تم لوگ جو خدا تعالیٰ کے لیے بیٹا اور بیٹیاں تجویز کرتے ہو یہ سب تمہارا افتراء ہے اور تمہاری ہلاکت اور بربادی کا سامان ہے۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کی ملک ہیں۔ اور سب اس کی عبودیت اور بندگی میں لگی ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کوئی آدمی یا جن یا فرشتہ وغیرہ وغیرہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی مخلوق اور مملوک ہے اور خاص کر جو فرشتے اس کے پاس ہیں اور پروردگار الٰہی کے مقرب ہیں اور جن کو تم پوجتے ہو ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ ذرہ برابر اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ کبھی اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔ دن رات اس کی تسبیح وتقدیس میں لگے رہتے ہیں کبھی سست نہیں پڑتے یعنی ان کی تسبیح وتقدیس مسلسل اور متواتر ہے بیچ میں وقفہ نہیں کیونکہ تسبیح ان کے لیے بمنزلہ سانس کے ہے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو معبود بنانا حماقت ہے اس آیت میں آسمان کی چیزوں کے معبود بنانے کو باطل فرمایا۔ اب آئندہ آیت میں زمین کی چیزوں کو معبود بنانے کا ابطال فرماتے ہیں کیا ان بت پرستوں نے زمین کی چیزوں میں سے یعنی اینٹ اور پتھر میں سے معبود بنا لیے ہیں کیا یہ بت مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں یعنی معبود تو وہ ہے کہ جو جلانے اور پیدا کرنے پر قادر ہو اور ایسا تو صرف اللہ ہی ہے لہٰذا بتوں کو معبود ٹھہرانا کمال حماقت ہے کہ ان نادانوں نے سفلیات کو اور ایسی چیزوں کو جو پیدا کرنے پر ذرہ برابر قادر نہیں ان کو خدا کا ہمسر ٹھہرالیا اور جب تمہارے یہ خود ساختہ بت تمہارے اعتقاد میں بھی مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں تو ان کو معبود ٹھہرانا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے

غرضیکہ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور حماقت بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں متعدد معبود ہونے کے بطلان پر ایک دلیل عقلی اور برہان قطعی قائم کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تعدد الٰہ قطعاً باطل ہے اور دلیل یہ ہے کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا ان کے مدبر اور [1] ان میں متصرف ہوتے اور سب کے سب فی الحقیقت صفات الوہیت کے ساتھ باوجہ الکمال والتمام موصوف ہوتے اور کمال قدرت و اختیار کے ساتھ ان کے مدبر اور ان میں متصرف ہوتے تو بلاشبہ دونوں خراب اور برباد ہو جاتے۔ یعنی [2] عالم کا جو نظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہو جاتا اور طلوع و غروب اور دن اور رات اور گرمی اور سردی اور بادلوں کا برسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سارا نظام لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں اور چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں اور دن رات آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں اور آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی حسبِ دستور جاری ہے۔ غرض یہ سارا خانۂ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وتیرہ پر چل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی خدا ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں پس اگر اللہ کے سوا آسمان و زمین کی تخلیق اور تدبیر میں اور چند خدا شریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا کیونکہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو لامحالہ رایوں میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظام مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔

اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا لیکن آسمان و زمین کا قیام اور ان کا نظام باحسن وجوہ سب کے سامنے ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دو اِلٰہ (دو خدا) کا وجود باطل ہے پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم و نسق کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں۔

عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر خدا بودے از یکے افزوں — کے بماندے جہاں بدیں قانوں
ور فیضِ وجود بستہ شدے — تار و پودِ بقا گسستہ شُدے
ہمہ عالم عدم شدے باہم — بلکہ بیروں نیامدے زعَدَم
داند آں کش ز عقل باشد بہر — کہ دو شہ راچو جا شود یک شہر
سلک جمعیت از نظام افتد — رخنہ درکار خاص و عام افتد

اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ دو خدا ایک ہی تدبیر پر بالکلیہ اور بہمہ وجوہ متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے خدا کی کسی وقت کسی امر میں ذرہ برابر بھی مخالفت نہ کرے اس لیے کہ جب دو خدا ہوں گے اور دونوں مستقل خدا ہوں گے تو لامحالہ ہر ایک کی صفات اور ہر ایک کا علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار بھی دوسرے خدا کی صفات اور اس کے علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار سے مختلف اور جدا ہوگا اس لیے کہ صفات ذوات کے تابع ہوتی ہیں جب ذوات متعدد اور مختلف ہیں تو لامحالہ صفات بھی مختلف ہوں گی۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ ذوات تو مختلف ہوں اور صفات متفق ہوں اور صفاتِ خداوندی چونکہ لازم ذات ہیں اور ازلی اور ابدی اور قدیم ہیں جن میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ فیہما کی ظرفیت باعتبار مدبر اور تصرف کے ہے نہ کہ باعتبار استقرار اور تمکن کے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۲۲ ج ۱۷)
[2] کذا فی شرح المسایرۃ لابن الہمام وحواشیہا ص ۵۴ و فی کتاب الانصاف للباقلانی ص ۳۴

کا امکان نہیں تو لامحالہ جب دو خدا ہوں گے اور ان کے علم اور ارادے بھی ضرور مختلف ہوں گے اور ان کا اختلاف بھی ذاتی ہوگا جس میں تغیر و تبدل کا کوئی امکان نہ ہوگا تو لامحالہ ان کے افعال بھی مختلف ہوں گے اور نظام عالم بھی مختلف ہوگا ہر جزئی دوسری جزئی سے مختلف ہوگی۔ پس جب ہر خدا کی تدبیر اور اس کا تصرف دوسرے خدا کی تدبیر اور تصرف سے مختلف ہوگا تو کارخانۂ عالم ضرور درہم برہم ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا محال ہے یعنی کسی اور خدا کا ہونا محال ہے۔ کہ جس کے ماننے سے یہ محال اور خرابی لازم آتی ہے عقلاً یہ بات محال ہے کہ یہ کہا جائے کہ دو درزیوں میں سے ہر ایک درزی نے بعینہٖ اس ایک کرتہ کو سیا ہے یا بعینہٖ ایک ہی طعام کو دو شخصوں میں سے ہر ایک نے بعینہٖ یہ طعام کھایا ہے۔ دو مؤثر تام القدرۃ اور مستقل الاختیار کے دو مستقل قدرتوں سے ایک ہی کا اثر نمودار ہونا عقلاً محال ہے یہ آیت حق جل شانہٗ کی توحید کی ایک دلیل عقلی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی خدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے تو اسی طرح اگر آسمان و زمین کے چند خدا ہوتے تو ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور تزاحم ہوتا۔ اور ہر ایک اپنا ہتھیار اور حکم چلانا چاہتا اس لیے کہ خدائی کے لیے انتہائی کبریائی اور قہر اور غلبہ اور فوقیت لازم ہے جس میں برابری اور ہمسری کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ دو خداؤں میں صلح و اتفاق کا کوئی امکان نہیں۔ دنیا ہی دیکھ لو کہ برابر کے دو مستقل اور بااختیار حاکموں میں تنازع اور تمانع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم کا واقع ہونا ایک لازمی امر ہے اور تخالف اور تزاحم کے لیے فساد اور خرابی لازم ہے خاص کر جبکہ ہر ایک صاحب قدرت ہو پس اگر خدا تعالیٰ کے سوا چند خدا ہوں جو اس عالم کے کاموں کی تدبیر کریں تو ہر خدا اپنی اپنی رائے اور اختیار کو پورا پورا جاری اور نافذ کرنا چاہے گا اس لیے کہ قدرت کاملہ اور اختیار کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہے نافذ کر سکے اور سب پر قاہر اور غالب رہے اور کسی کو مجال دم زدنی نہ ہو۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان و زمین تباہ و برباد ہو جائیں گے اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم پیدا ہی نہ ہوتا عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکر اور رسہ کشی ہوگی تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور اگر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ اور برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان و زمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اور غروب اور لیل و نہار کی آمد و رفت اور آسمان سے بارشوں کا برسنا اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا ابتداء آفرینش عالم سے بدستور ایک ہی طریقے پر جاری ہے سر مو اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانۂ عالم ایک ہی خدا کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اس کا شریک اور سہیم ہو اور وہ صرف ایک ہے حق جل شانہٗ نے اس آیت میں اثبات توحید اور تعدد الٰہ کے ابطال پر جو دلیل ذکر فرمائی ہے وہ دلیل عقلی بھی ہے منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اثبات مدعیٰ کے لیے ایک صغریٰ چاہیے اور ایک کبریٰ چاہیے کہ دونوں مقدموں کے ملانے سے نتیجہ نکل سکے۔ سو اس دلیل کا صغریٰ یہ ہے کہ تعدد الٰہ مستلزم فسادِ

عالم ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ فساد عالم منتفی ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ تعدد الٰہ باطل اور منتفی ہے اور جب خدا کا متعدد ہونا باطل ٹھہرا تو خدا کی وحدانیت ثابت ہوگئی۔

اصطلاح علماء میں یہ دلیل ''برہان تمانع'' کے نام سے مشہور ہے اور تمانع کے معنی تزاحم اور تنازع اور تخالف کے ہیں۔ لہٰذا اس دلیل کو دلیل تزاحم اور دلیل تنازع اور دلیل تخالف بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ الفاظ تقریباً مترادف ہیں۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس حجت اور برہان کا ذکر ہے وہ اقناعی ہے اور شرط اور جزاء کے درمیان لزوم عادی ہے عقلی اور قطعی نہیں جیسا کہ بولتے ہیں کہ دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے اور دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں اور امام غزالی اور امام رازی رحمہما اللہ اور دیگر حضرات متکلمین کی رائے یہ ہے کہ یہ برہان قطعی ہے حضرات اہل علم اس برہان کے قطعی یا اقناعی ہونے کی تفصیل کے لیے۔

اتحاف شرح احیاء العلوم از ص ۷ ۱۲ جلد ۲ تا ص ۵ ۱۳ جلد ۲ کی مراجعت کریں۔

حق جل شانہٗ نے اس دلیل کو اس آیت میں مختصراً اور مجملاً ذکر فرمایا ہے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات متکلمین نے جو اس دلیل کی تقریر فرمائی ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ آیت کریمہ کے چند الفاظ کے تحت علم اور استدلال کا دریا کیسا موجزن ہے۔

دلیل تمانع کی پہلی تقریر

خداوند عالم ایک ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس لیے کہ دو خداؤں کے وجود کا قائل ہونا محال کو مستلزم ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہے لہٰذا دو خداؤں کا وجود قطعاً محال اور ناممکن ہے دلیل کا اصل یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور دونوں صفات الوہیت کے ساتھ علیٰ وجہ الکمال موصوف ہوں تو ضروری ہے۔

① کہ ہر ایک خدا قادر مطلق ہو اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہو اور جملہ مقدورات پر قادر ہو کوئی ذرہ اس کی قدرت سے باہر نہ ہو اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب اس کے قبضۂ قدرت میں مسخر اور مقہور نہ ہو بلکہ اس کی قدرت غیر محدود اور غیر متناہی ہو۔

② اور خدا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہو۔

③ اور سب سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہو یکتا اور بے مثال اور بے نظیر ہو۔

④ اور غنی مطلق ہو یعنی جمیع ماسوا سے مستغنی اور بے نیاز ہو۔

⑤ اور عجز اور لاچارگی اور مجبوری کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہو بغیر ان صفات کمالیہ کے خدائی ناممکن اور محال ہے ورنہ پھر بندوں نے کیا قصور کیا کہ وہ خدا نہ بن سکیں۔

پس اوّل تو یہ صفات الوہیت ہی وحدانیت کی دلیل ہیں اس لیے کہ سب سے اعلیٰ اور بالا اور سب سے برتر ہونا اور اس کی قدرت کا غیر متناہی ہونا اور کسی کا اس سے بڑھ کر نہ ہونا ایک ہی ذات میں منحصر ہے اگر کوئی دوسرا اس کے برابر کا ہوا تو یہ خدا سب سے اعلیٰ اور بالا نہ رہے گا اور جو دوسرا اس کے برابر کا ہوگا تو وہ اس کے قبضۂ قدرت میں مسخر نہ ہوگا تو وہ پہلا خدا قاہر مطلق اور قادر مطلق نہ رہے گا اور اگر باایں ہمہ پھر بھی کوئی تعدد الٰہ یعنی چند خداؤں کے وجود کا قائل ہوتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اگر آسمان وزمین میں دو یا دو سے زیادہ

خدا ہیں تو لامحالہ دونوں اسی شان کے ہوں گے جو خدا کے لیے ضروری ہے ورنہ خدا نہ ہوں گے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق اور اس کی تدبیر اور اس کا انتظام دونوں خداؤں کے کلی اتفاق سے چل رہا ہے یا کبھی کبھی اختلاف بھی پیش آ جاتا ہے جو صورت بھی لی جائے محال لازم آئے گا۔ اتفاق کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ عالم دونوں خداؤں کی مجموعی قوتوں اور اجتماعی قدرتوں سے پیدا ہوا ہے یا دوسری صورت اتفاق کی یہ ہے کہ دونوں خداؤں میں سے ہر خدا مستقلاً اس عالم کا خالق اور موجد ہے پس اگر اتفاق کی پہلی صورت لی جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ دونوں خداؤں کے اتفاق سے دونوں کی مجموعی قوتوں سے کارخانۂ عالم کا کام چل رہا ہے تو اس صورت میں یہ محال لازم آئے گا کہ دونوں میں سے کوئی بھی مستقل خدا نہ رہے گا بلکہ دونوں یا تینوں کا مجموعہ مل کر خدا ہوگا علیحدہ علیحدہ کوئی بھی خدا نہ ہوگا بلکہ ایک کمیٹی مل کر خدا بنے گی اس لیے کہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہوگا کہ ایک خدا سے کام نہیں چل سکتا تھا' اس لیے دونوں خداؤں نے مل کر عالم کا انتظام کیا۔ پس جب کسی خدا کو بھی تنہا عالم کے انتظام پر قدرت نہ ہوئی بلکہ انتظام کے لیے دوسری قوت اور قدرت کا محتاج ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کی قدرت ناقص ہے اور جس کی قدرت ناقص ہو اور انتظام میں دوسری قوت کا محتاج ہو تو وہ خدا نہیں ہو سکتا مثلاً اگر دو قوتیں مل کر کسی پتھر کے لڑھکانے کا سبب بنیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص کی انفرادی قوت اس پتھر کے لڑھکانے کے لیے کافی نہیں بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک کی قوت ناتمام اور ناکافی ہوگی اور دوسری قوت کی محتاج ہوگی کہ اس کے ساتھ مل کر پتھر کو لڑھکا سکے۔ تو اگر دو خداؤں میں بھی یہی صورت فرض کی جائے تو لازم آئے گا کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے اس لیے کہ ہر ایک ناقص ہے اور تنہا ایجاد عالم کے لیے ناکافی ہے بلکہ اس صورت میں دونوں کا مجموعہ مرکب بمنزلہ ایک خدا کے قرار پائے گا تو اس صورت میں خدا کا مرکب ہونا لازم آئے گا اور خدا کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ جو چیز مرکب ہوتی ہے وہ حادث اور ممکن ہوتی ہے اور خدا کا واجب الوجود ہونا عقلاً ضروری ہے۔

اتفاق کی دوسری صورت:

اور دو خداؤں میں اتفاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہر خدا مستقل خدا ہے اور اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے اور دونوں یا تینوں خدا کسی ایک ارادہ پر سب متفق ہیں اور دونوں یا تینوں خداؤں کے ارادہ سے یہ عالم وجود میں آیا ہے اور ہر خدا کی قدرت اور تاثیر کو مستقلاً اس کے وجود میں دخل ہے تو یہ صورت بھی محال ہے اس لیے کہ اس صورت میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ ایک مقدور پر دو مستقل قدرتیں طاری اور وارد ہو جائیں اور ایک شے واحد دو علتیں مستقلتین کی معلول بن جائے اور عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک شے کی دو علتیں تامہ ہوں ایک علت تامہ کے بعد دوسری علت تامہ فالتو ہے اور ایک قدرت کاملہ کے بعد دوسری قدرت کاملہ بیکار رہے ایک مقدور کا دو مستقل قادروں سے وقوع اور حصول عقلاً محال ہے اسی طرح سمجھو ایک عالم کی دو علت تامہ اور دو خالق مستقل بالتاثیر نہیں ہو سکتے جب ایک شے ایک خالق مستقل کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آ گئی تو یہ امر محال ہے کہ اب وہی شے بعینہٖ دوسرے خالق کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آئے جو شے ایک خدا کے ارادہ سے وجود میں آ گئی اور آ چکی تو دوسرا خدا اس کو کیسے موجود کرے گا موجود' کو موجود کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ایجاد تو معدوم چیز کی ہوتی ہے۔ موجود کی ایجاد تحصیل حاصل ہے جو بلاشبہ محال ہے اور اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ یہ عالم دو یا تین خداؤں کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے تو لازم آئے گا کہ عالم دو وجود کے

ساتھ موصوف ہو کیونکہ ایجاد کے معنی وجود کے عطا کرنے کے ہیں۔ پس اگر یہ عالم دو خداؤں کی ایجاد سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا نے اپنے پاس سے اس کو وجود عطا کیا ہے تو لامحالہ اس عالم کے پاس دو وجود ہونے چاہئیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں یہ عالم صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف اور موجود ہے اور یہ امر یعنی عالم کا ایک وجود کے ساتھ موجود ہونا بدیہی اور مسلم ہے۔ دنیا میں کوئی عاقل عالم کے لیے دو وجود یا تین وجود کا قائل نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود عطا ہوا ہے اور اس کا موجد یعنی معطی وجود ایک خدا ہے ورنہ اگر اس کو دو خدا کی طرف سے وجود ملتا تو اس کے پاس دو وجود ہوتے مثلاً اگر کسی شخص کو دو آدمی علیحدہ علیحدہ ایک روپیہ دیں تو اس کے پاس دو روپے ہونے چاہئیں۔ عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ ایک فقیر کو دو آدمیوں نے علیحدہ علیحدہ روپیہ دیا لیکن وہ دو روپے جب اس کی جیب میں پہنچے تو ایک روپیہ بن گئے۔ اسی طرح اگر اس عالم کے دو خالق اور دو موجد ہوں اور ہر خالق اس کو وجود عطا کرتا تو اس کے پاس دو وجود ہوتے اور یہ عالم دو وجود کے ساتھ موصوف ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف ہے اور ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے' دو وجود کے ساتھ موجود نہیں آخر وہ دوسرے خدا کا عطا کردہ وجود کہاں چلا گیا' لہٰذا معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود ملا ہے دو خداؤں کی طرف سے نہیں ملا۔ پس ثابت ہو گیا کہ اس عالم کا خالق اور موجد ایک ہی خدا ہے جس نے اس عالم کو وجود کا یہ خلعت عطا کیا ہے۔

اختلاف کی صورت

اگر دو خداؤں میں تنازع اور تمانع یعنی اختلاف کی صورت فرض کریں کہ ان دو معبودوں میں کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے تو لامحالہ اختلاف کی صورت میں دونوں میں مقابلہ ہوگا۔ ایک خدا کچھ چاہے گا اور دوسرا اس کے خلاف چاہے گا۔ ایک خدا کسی شے کا ہونا چاہے گا اور دوسرا اس کا نہ ہونا چاہے گا تو یہ صورت خدائی میں رسہ کشی اور زور آزمائی کی ہوگی۔ دونوں طرف کے خداؤں میں مقابلہ ہے اور ہر ایک کی قدرت کامل ہے پس جب دو خداؤں میں اختلاف اور مقابلہ ہوگا تو عقلاً تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی صورت:

پہلی صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں دونوں برابر ہوں اور دونوں کا چاہا پورا ہو جائے یعنی دونوں خداؤں کی مراد پوری ہو تو اس صورت میں اجتماع نقیضین لازم آئے گا اور یہ محال ہے اس لیے کہ ایک ہی وقت زید کا پیدا ہونا یا نہ پیدا ہونا یا ایک ہی وقت میں زید کا حرکت کرنا یا نہ کرنا پورا ہو جائے یہ تو اجتماع نقیضین ہے جو بالاتفاق عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وقت واحد میں زید زندہ بھی ہو جائے اور اسی وقت مر بھی جائے اور ایک ہی وقت میں زید متحرک بھی ہو اور ساکن بھی ہو۔

دوسری صورت:

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں ایک خدا کا چاہا تو پورا ہوا۔ اور دوسرے خدا کا چاہا پورا نہ ہوا تو اس صورت میں ایک خدا تو اپنے ارادہ میں غالب آیا اور دوسرا مغلوب ہوا۔ سو جو مغلوب ہوا وہ خدا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو مغلوب ہوا وہ عاجز ہوا۔ اور عاجز خدا اور واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ خدا وہ ہے کہ جو قاہر اور غالب ہو لہٰذا اگر مقابلہ میں دو خداؤں میں سے ایک خدا کی مراد پوری ہوئی تو وہ تو قادر اور قاہر ہوا اور جس خدا کی مراد پوری نہ ہوئی وہ عاجز اور مغلوب اور مقہور ٹھہرا بہرحال مقابلہ کی اس صورت میں خدا ایک رہا

دوسرا خدا نہ رہا۔

تیسری صورت:

اور دو خداؤں میں مقابلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ اختلاف اور تزاحم کی صورت میں کسی خدا کی بھی مراد پوری نہ ہو تو اس صورت میں اول تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا جو باتفاق عقلاء محال ہے' دوم یہ کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا نہ رہے گا۔ اس لیے کہ دونوں اپنے ارادوں میں عاجز ہیں پس ثابت ہوا کہ دو یا چند معبود ماننے کی صورت میں محال لازم آتا ہے تو ثابت ہوگیا کہ عالم علوی اور سفلی سب کا خدا ایک ہی ہے اب بحمدہٖ تعالیٰ ہماری اس تقریر سے یہ شبہ دُور ہوگیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آسمان و زمین میں کئی خدا ہوں اور سب باہم متفق ہوں اور کارخانۂ عالم سب کے اتفاق سے چل رہا ہو جیسا کہ جمہوری سلطنتوں میں ایسا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں نظام عالم میں کوئی فساد لازم نہ آئے گا تو ہماری تقریر سے اس وسوسہ کا جواب ہوگیا الوہیت میں جمہوریت نہیں چلتی الوہیت میں یہ صورت ناممکن اور محال ہے کہ ایک ہی چیز پر دو مستقل اور کامل قدرتیں جمع ہوں اور یہ کہا جائے کہ یہ چیز دو قدرتوں کے مجموعہ سے وجود میں آئی ہے اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ایک خدا کی انفرادی قدرت اس شے کے وجود کے لیے کافی نہیں۔ جب تک دونوں قدرتیں جمع نہ ہو جائیں' اس وقت تک یہ شے موجود نہیں ہوسکتی اور جب کسی شے کے وجود کے لیے دو خدا کی قدرتوں کا جمع ہونا ضروری ہوا تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ ہر خدا کی قدرت الگ الگ ناقص اور ناتمام ہے اور تنہا ایک خدا اس چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں تو پھر دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہا بلکہ دونوں کا مجموعہ مل کر خدا ہوا اور اگر یہ کہو کہ ایک خدا کی قدرت اس چیز کے موجود کرنے کے لیے کافی ہے تو اس صورت میں دوسرے خدا کی قدرت بے کار ہو جائے گی اور دوسرا خدا خدا نہ رہے گا' اس لیے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا کہ جس کی قدرت کے بغیر کوئی چیز پیدا ہو سکے' یہ بارگاہ الوہیت ہے کوئی کارخانۂ صنعت و حرفت تو نہیں کہ جو دو آدمیوں کی شرکت سے چل سکے۔

بہر حال اگر دو قادر مطلق کسی ارادہ پر متفق بھی ہو جائیں تو اس اتفاق میں وہ مجبور نہیں اور نہ ان پر یہ امر واجب اور لازم ہے کہ وہ آپس میں ضرور متفق رہیں ورنہ ہر ایک کا عاجز اور مجبور ہونا لازم آئے گا اور کوئی بھی خدا نہ رہے گا۔ ایک خدا پر دوسرے خدا کی موافقت واجب نہیں وہ اگر چاہے تو دوسرے کے خلاف بھی کر سکتا ہے ایک خدا دوسرے خدا کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور نہیں' اگر وہ اس اتفاق پر مجبور ہو جائے تو اس کا فعل اضطراری ہوگا نہ کہ اختیاری حالانکہ قدرت میں اختیار شرط ہے خدا وہ ہے جو قادر مطلق ہو اور کسی امر پر مجبور نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اختلاف کی صورت میں ایک ہی خدا رہ سکتا ہے دوسرا خدا نہیں رہ سکتا اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ عقلاً یہ جائز ہے کہ دو خداؤں میں اختلاف نہ ہو تو لامحالہ اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک خدا دوسرے خدا سے کہے کہ تو وہی ارادہ کر جو میں کرتا ہوں میرے خلاف ارادہ نہ کرنا تو اس صورت میں دوسرا خدا پہلے خدا کی طرف سے مامور ہوگیا اور مامور اور محکوم خدا نہیں ہوسکتا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کے خلاف ارادہ کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو یہ عجز اور مجبوری ہے اور عاجز اور مجبور خدا نہیں ہوسکتا۔ یا دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا بھی دوسرے کے خلاف ارادہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں دونوں کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے گا۔ (دیکھو کتاب الانصاف اللام الباقلانی ص ۳۴)

برہان تمانع کی دوسری تقریر

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تمانع کی تقریر اور تعبیر اس طرح فرمائی ہے کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہیں کہ وہ یا تو باہم متفق ہوں گے یا باہم مختلف ہوں گے۔

پہلی صورت:

یعنی اگر وہ چند خدا باہم متفق ہوں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز پر متعدد قدرتیں جمع ہو جائیں اور ایک شے دو قدرتوں سے وجود میں آئے اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ ایک شے چند مستقل قدرتوں سے وجود میں آئے اور چند کامل اور مستقل مؤثروں کا ایک ہی اثر ہو اس لیے جب ایک مستقل قدرت اس شے کے وجود کے لیے کافی ہے تو دوسری اور تیسری مستقل قدرت بیکار ہے پس مثلاً اگر دو خدا ہوں اور دونوں کی قدرت مستقل بالتاثیر ہو اور حدوث عالم کے لیے ہر خدا کی قدرت کافی ہو تو پھر یہ کہنا کہ یہ عالم دو خداؤں کی دو مستقل اور کامل قدرتوں سے موجود اور حادث ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک معلول دو مستقل علتوں سے اور ایک مقدور دو مستقل قدرتوں سے وجود میں آیا ہے اور یہ امر بلا شبہ بالکل باطل اور مہمل ہے اس لیے کہ ایک معلول پر دو علتوں کا توارد باتفاق عقلاء محال ہے۔ ایک شے کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں کیونکہ علت تامہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پائے جانے کے بعد فوراً بلا کسی انتظار کے معلول وجود میں آ جائے۔ پس جب معلول ایک علت تامہ اور قدرتِ کاملہ سے وجود میں آ گیا تو دوسری علت اور قدرت بیکار ہوئی اور جو چیز بیکار رہے وہ علت تامہ نہیں ہو سکتی۔

پس معلوم ہوا کہ حدوث عالم کے لیے ایک خداوند قدیر کا ارادہ کافی ہے اور دوسرے خدا کا ارادہ بیکار ہے اور جو بیکار ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ حضرات اہل علم اگر منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر کرنا چاہیں تو اس طرح کر لیں کہ خداوند قدوس (یعنی اس کا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہیں ہو سکتی پس ثابت ہوا کہ خدا متعدد نہیں ہو سکتے۔

بالفاظ دیگر دلیل کے لیے ایک صغریٰ چاہیے اور ایک کبریٰ اور پھر نتیجہ صغریٰ تو یہ ہے کہ خداوندِ قدوس (یعنی اس کا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ علت تامہ ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدائے برحق ایک ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری صورت:

یہ ہے کہ دو خدا باہم مختلف ہوں پس اگر چند خدا ہوں اور ان میں باہم اختلاف ہو تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) اور اگر تخلیق و تکوین عالم سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جائے تو سرے سے عالم کا وجود میں آنا ہی ناممکن ہو جائے اور یہ دونوں باتیں بالکل باطل ہیں نظام عالم باحسن وجوہ موجود ہے تو معلوم ہوا کہ تعدد الٰہہ (یعنی چند خداؤں کا وجود) باطل اور محال ہے اور ظاہر ہے کہ جب چند خداؤں میں اختلاف ہوگا تو لامحالہ ایک کا اپنے ارادہ میں عاجز اور ناکام ہونا لازم آئے گا اور عجز اور ناکامی خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام کلام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اور تفصیل ہے حضرات اہل علم حاشیۂ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۲۴۸ ج ۶ اور حاشیہ ابن التجید اور حاشیہ قونوی علی التفسیر البیضاوی ص ۲۱۲ ج ۵ دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چند معبودوں کا ہونا عقلاً محال ہے اس لیے کہ چند معبود اگرچہ واجب الوجود ہونے میں شریک ہوں

گے لیکن صفات اور افعال کے اعتبار سے لامحالہ ایک دوسرے سے مختلف اور جدا اور ممتاز ہوں گے کیونکہ تعدد اور اثنینیت کے لیے باہم تمایز ضروری ہے ورنہ پھر دو، دو نہ رہیں گے بلکہ ایک ہو جائیں گے اور جب چند معبود صفات اور افعال میں ارادہ اور اختیار میں مختلف ہوں گے اور اس باہمی تنازع اور تخالف کی وجہ سے یا تو [1] عالم سرے سے وجود ہی میں نہ آئے گا یا اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ دو قادر مطلق کا ہر فعل اور ہر ارادہ میں اور ہر مصنوع اور مخلوق میں بالکل متفق ہونا اور کسی قسم کا دونوں میں اختلاف نہ ہونا عقلاً محال ہے۔ اور دو فرمانروا اور ارکانِ دولت بعض مرتبہ انتظامی امور میں اتفاق کرتے ہیں سو وہ ان کا اتفاق، اختلاف سے بچنے کے لیے ہوتا ہے اور بدرجہ مجبوری ہوتا ہے کہ وقتی ضرورت ان کو اتفاق پر مجبور کر دیتی ہے جس سے ان کا عجز ثابت ہوتا ہے گویا بالفاظ دیگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لیے بنا بر مصلحت آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ دونوں کی عزت اور آبرو اس اتفاق میں ہے۔ سو یہ امر بارگاہِ الوہیت میں ناممکن اور محال ہے، مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ممبروں میں ایسا اتفاق ممکن ہے مگر دو خداؤں میں ایسا اتفاق بلاشبہ محال ہے کہ ضرورت اور مصلحت کی بناء پر موافقت دونوں کے عاجز اور مضطر ہونے کی دلیل ہے اور خدا اس سے پاک اور منزہ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (الانبیاء: ۲۲) ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے: ﴿ وَ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ (مومنون: ۹۱) ان دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہے اور اسی طرح ایک تیسری آیت ﴿ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴾ کا مضمون بھی تقریباً یہی ہے اس لیے بمناسبت مقام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ مومنون کی آیت میں جس دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مختصراً اس کی بھی تقریر کر دی جائے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ (مومنون: ۹۱)

یہ سورۂ مومنون کی آیت ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں توحید کی دو دلیلیں بیان فرمائیں (اوّل) تو یہ ﴿ وَ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ ﴾ یعنی اگر خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا ہوتا تو لامحالہ ہر خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا ہوتی کیونکہ جب صانع دو ہیں اور الگ الگ ہیں تو ان کی صنعت اور کاریگری بھی علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس خدا کی مخلوق ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے ﴿ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ یعنی اگر کئی خدا ہوتے تو ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا، کیونکہ خدائی تو کمال کبریائی اور کمالِ علو اور قہر اور غلبہ اور استقلال کو مقتضی ہے، دو خداؤں میں صلح کا کوئی امکان نہیں۔

حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سارا عالم متحد ہے اور ایک دوسرے سے مربوط ہے اور ایک خالق کی مخلوق دوسرے خالق کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں کہ دیکھ کر کہا جا سکتا کہ یہ چیز فلانے خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہ چیز فلانے خدا کی۔ جیسے کسی چیز پر کارخانہ کی مہر دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ چیز فلانے کارخانہ کی بنی ہوئی ہے۔

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿ لَفَسَدَتَا ﴾ میں فساد سے دو معنی مراد ہو سکتے ہیں یا تو فساد سے خراب ہونے اور بگڑنے کے معنی مراد لیے جائیں یا فساد سے عدم وجود کے معنی مراد لیے جائیں یعنی عالم سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا جیسا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والمراد بالفساد البطلان والاضمحلال او عدم التكون. (روح المعانی ص ۲۳ جلد ۱۷ و ایضاً ص ۲۴ جلد ۱۷)

پس جب خالق دو ہیں تو ان کی مخلوق بھی الگ الگ ہونی چاہیے جب فاعل دو ہیں تو ان کے مفعول بھی جدا جدا ہونے چاہئیں اور ہر مخلوق پر کوئی علامت اور نشان ہونا چاہیے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں کی مخلوق ہے۔ توحید کی ایک دلیل تو یہ ہوئی اور دوسری دلیل یہ ہے ﴿وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ یعنی جب خدا دو ہوں گے اور دونوں قادر مطلق اور قاہر مطلق ہوں گے تو لامحالہ ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے۔ پس جو مقابلہ میں غالب آجائے گا وہی خدا ہوگا اور اگر مقابلہ میں دونوں برابر رہے تو تب تو کوئی بھی خدا نہ رہے گا اس لیے کہ برابر سرابر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کا پورا مقابلہ نہیں کرسکا جو دلیل ہے کمزوری اور لاچاری کی اور کمزوری اور مجبوری اور لاچاری خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ (دیکھو منہاج السنۃ لابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۸ از ص ۶۸ تا ص ۷۳ جلد ۲)

توحید اور اسلام

مذہب اسلام کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد دلائل عقلیہ اور فطریہ پر قائم ہے۔ اسلام کے اصول مسلمہ میں ایک اصل توحید ہے جو اسلام کی اصل اوّل اور رکن رکین ہے اور دوسری اصل نبوت و رسالت ہے اور تیسری اصل قیامت و آخرت ہے اسلام کے دیگر اصول کی طرح توحید بھی بے شمار دلائل عقلیہ سے ثابت ہے جس میں ذرہ برابر شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

اسلام نے جس قسم کی توحید پیش کی ہے اہل اسلام جس قدر بھی اس پر فخر کریں اور شکر کریں سب بجا اور درست ہے اجمالی طور پر اگرچہ ہر مذہب میں توحید کا اقرار پایا جاتا ہے مگر وہ شرک کی نجاستوں سے آلودہ ہے۔

عیسائی تین خدا مانتے ہیں اس گروہ کے نزدیک خدائی مثلث ہے اور مجوس دو خدا کے قائل ہیں۔ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک خدا کی گویا کہ ہر خدا میں نصفا نصف خدائی کی کمی رہی اور ہندو کم از کم تین خدا کے قائل ہیں۔ برھما، بشن، مہادیو، اوتاروں کی تو کوئی انتہا نہیں جو ان کے نزدیک اوصاف خداوندی کے ساتھ موصوف ہیں۔ توحید کامل اسلام نے پیش کی کہ جس طرح خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ قرآن اور حدیث دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے منجملہ بے شمار دلائل توحید کے ایک دلیل تمانع بھی ہے جو آیت مذکورہ بالا یعنی ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں مذکور ہے اور جس کی تقریر ناظرین کے سامنے آچکی ہے امید ہے کہ ناظرین کو قرآن کی اس برہان کی معقولیت اور قطعیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اب میں نصاریٰ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین ہیں ایک باپ یعنی خدا تعالیٰ۔ دوسرا بیٹا یعنی مسیح علیہ السلام تیسرا روح القدس اور یہ تینوں آپ کے نزدیک غیر مخلوق اور ازلی اور ابدی اور قادر مطلق ہیں (دیکھو دعائے عمیم) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے نزدیک خدائے مجسم ہیں (پس مشرق و مغرب کے پادریوں سے میرا سوال یہ ہے) کہ کیا آپ اپنے اس عقیدۂ تثلیث پر کوئی عقلی دلیل دنیا کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ آپ حضرات یہ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ تین ایک میں اور ایک تین میں۔

﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اے پادریو! اگر تم دعوائے تثلیث میں سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک کی کہ نہیں لاسکتے۔ نہیں لاسکتے۔ نہیں لاسکتے۔ اور علیٰ ہذا اگر ہندوستان کے سارے ہلومان اور بھارت کے سارے پنڈت جمع ہو جائیں تو وہ اپنے عقیدہ پر کوئی عقلی دلیل نہیں لاسکتے۔ یہ مذہب اسلام کا طغرائے امتیاز ہے کہ وہ اپنے مسائل کو عقل

اور فطری دلائل سے ثابت کرتا ہے۔

دلیل توحید

توحید کی یہ روشن دلیل جو اس آیت میں ذکر کی گئی اور جو برہان تمانع کے نام سے مشہور ہے وہ ناظرین کرام نے پڑھ لی۔ اب ہم مزید اطمینان اور مزید عرفان کے اور چند دلائل توحید ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل ①: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خداوند ذوالجلال واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، یعنی کوئی اس کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں۔ چنانچہ آفتاب کو اس معنی کا واحد کہہ سکتے ہیں کہ وہ روشنی میں یکتا ہے اور جو چیز کسی کمال میں یکتا ہو اس پر واحد کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔

دلیل ②: اسی طرح جب خدا کو واحد کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ صفات کمال اور سمات جلال و جمال میں یکتا ہے کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ شریک نہیں۔

پس اگر اس کا کوئی شریک ہو تو تین احتمال ہیں: ① یا تو وہ جملہ صفات کمال میں ہر اعتبار سے اور ہر طرح سے اس کا مساوی یعنی اس کے برابر اور ہمسر اور اس کا ہم پلہ ہوگا۔ ② یا اس سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا۔ ③ یا اس سے کم ہوگا اور تینوں باتیں باطل ہیں پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ جن دو چیزوں پر لفظ دو کا بولا جائے ان کا باہم متغایر ہونا ضروری ہے ورنہ دو کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ تغایر کے لیے باہمی تمایز ضروری ہے۔

پس خدا کا شریک تمام صفات اور سمات میں من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے خدا کے مماثل اور مساوی اور برابر ہوا تو دونوں میں امتیاز کیسے ہوگا۔ اور بغیر امتیاز کے تغایر ممکن نہیں لہٰذا دوسرے کو خدا کہنا غلط ہوگا۔ اور جب اثنینیت (دوئی) ختم ہوئی تو وحدت اور وحدانیت لازم آگئی اور دوسری شق اس لیے باطل ہے کہ خدا کا شریک خدا سے اس لیے اعلیٰ نہیں ہو سکتا کہ خدا اسی کو کہا جاتا ہے کہ جو جملہ کمالات میں اپنے کل ماسوا سے فائق اور اعلیٰ اور بالا ہو۔ کسی صفت میں بھی کسی موجود سے بھی کم یا اس کے مساوی نہ ہو پس جس کا نام آپ خدا کا شریک رکھتے ہیں حقیقت میں خدا وہی ہے جس کو آپ خدا بتاتے ہیں وہ خدا نہیں اس لیے کہ اس پر خدا کی تعریف صادق نہیں آتی، دونوں میں جو اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا وہی خدا ہوگا اور جو کمتر اور ناقص ہوگا وہ خدا نہیں ہوگا اور تیسری شق اس لیے باطل ہے کہ جو شریک اس سے کم ہوگا وہ اس کا شریک نہیں کہلا سکتا تو اس صورت میں خدا ایک ہی رہے گا۔ (دیکھو کتاب الاقتصاد للامام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ)

دلیل ③: امام شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ دلیل تمانع کی تقریر کے بعد فرماتے ہیں:

نیز اگر دو خدا ہوں گے تو لامحالہ دونوں برابر کے ہوں گے اور ہر ایک دوسرے سے من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ ہوگا اس لیے کہ خدا وہ ہے کہ جو سب سے بے نیاز ہو اور اس کے سوا کوئی بھی اس سے بے نیاز نہ ہو بلکہ سب اس کے محتاج ہوں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ (محمد: ۳۸)

نیز اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وہ دونوں یا تو صفات ذاتیہ میں متفق اور متحد ہوں گے یا مختلف ہوں گے اگر متفق ہوئے تو دونوں میں امتیاز اور باہمی فرق کیسے ہوگا اور اگر مختلف ہوئے تو جو خدا صفات کمال کے ساتھ متصف ہوگا تو وہ خدا نہ ہوگا اس لیے کہ جب ایک خدا تو کمال علم اور کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہوا تو دوسرا خدا جو اس خدا کے مخالف ہے وہ لامحالہ کمال علم اور کمال قدرت سے

عاری ہوگا تو وہ خدا کیسے ہوگا۔

دلیل ④: نیز ایک خدا کا وجود تو دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے اور دوسرے خدا کا وجود محض فرض ذہنی اور احتمال عقلی کے درجہ میں ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور جو چیز فرض ذہنی کے درجہ میں ہو وہ خدا نہیں ہوسکتی۔ (دیکھو نہایۃ الاقدام از ص ۹۰ تا ص ۱۰۰)

دلیل ⑤: نیز تمام ممکنات وجود سے قبل حالت عدم میں تھیں۔ پس اگر دو خدا اور دو خالق مانے جائیں تو یہ بتلایا جائے کہ کون سے خدا نے اس ممکن کے وجود کو اس کے عدم پر ترجیح دی ایک صانع اور خالق اور ایک واجب الوجود کا وجود ماننا تو لازمی ہے کہ جس نے ممکن کو وجود عطا کیا اب دوسرے خدا واجب الوجود کے اثبات کے لیے کوئی دلیل چاہیے اس لیے کہ ترجیح بلا مرجح عقلاً محال ہے۔

دلیل ⑥: نیز اثبات صانع کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے افعال و آثار قدرت سے استدلال کیا جائے پس اگر دو خدائے برحق مانے جائیں تو ہر خدا کے لیے علیحدہ علیحدہ دلیل چاہیے کہ یہ کہا جاسکے کہ یہ نشاناتِ قدرت و صنعت فلاں صانع کے وجود کی دلیل ہیں اور یہ نشاناتِ قدرت فلاں صانع کے وجود کی دلیل ہیں۔ (نہایۃ الاقدام ص ۹۳)

دلیل ⑦: نیز عقلاً یہ امر ممکن نہیں کہ یہ کہا جائے کہ دو خداؤں میں سے بعض چیزوں کو ایک خدا نے پیدا کیا اور بعض چیزوں کو دوسرے خدا نے پیدا کیا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا کہ خدائی دونوں کے درمیان میں نصفا نصف ہے آدھے کا یہ مالک ہے اور آدھے کا دوسرا مالک ہے پوری ملکیت اور پوری مالکیت کسی کو بھی حاصل نہیں اور اگر بالفرض ساری خدائی ایک ہی خدا کو دی جائے تو اس کی ملکیت اور مالکیت میں زیادتی اور اضافہ ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ کمی اور زیادتی مخلوق کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ خدا کی مالکیت تو ازل سے ابد تک کامل ہی رہتی ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔

دلیل ⑧: نیز اگر ایجاد عالم کے لیے ایک خدا کافی نہیں تو پھر دو اور تین بھی کافی نہیں ہوں گے حسب ضرورت خداؤں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہاں تک توحید کی آٹھ دلیلیں ہوئیں اور ان کے علاوہ ایک دلیل، دلیل تمانع تھی جس کا ذکر آیت مذکورہ میں تھا اور ایک دلیل سورۂ مؤمنون کی آیت تھی جس کی مختصر تقریر اور تفسیر ہم نے بیان کی یعنی آیت ﴿وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (مومنون: ۹۱) اس طرح یہاں تک توحید کی دس دلیلوں کا بیان ہوگیا۔ ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾

امام رازی قدس اللہ سرہٗ نے اس آیت یعنی ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کی تفسیر میں توحید کی چودہ دلیلیں عقلی ذکر کی ہیں اور نقلی دلائل اس کے علاوہ ہیں حضرات اہل علم اصل تفسیر کی مراجعت کریں۔ (تفسیر کبیر ص ۱۰۵ ج ۶ ص ۱۰۸ ج ۶)

اور اس ناچیز نے اپنی تالیف مسمّٰی بہ علم الکلام میں توحید باری تعالیٰ کی دس عقلی دلیلیں ذکر کی ہیں وہاں دیکھ لی جائیں۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام ختم کن واللہ اعلم بالسلام

فائدۂ علمیہ و نحویہ

متعلقہ بہ آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

بحمدہٖ تعالیٰ برہان توحید کی تقریر ایسی صاف اور واضح کردی گئی کہ جو اہل اسلام کی تسلی اور تشفی کے لیے کافی ہے اب ہم خالص

اہل علم کے لیے ایک علمی اور نحوی فائدہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

آیت ہذا یعنی ﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ میں جولفظ ﴿ اِلَّا ﴾ واقع ہے یہ عام طور پر استثناء کے لیے آتا ہے اور گاہ بگاہ بمعنی غیر بھی آتا ہے جو درحقیقت معنی وصفی کے لیے وضع ہوا ہے۔ سوسیبویہ اور کسائی اور اخفش اور زجاج اور جمہور ائمہ نحو یہ کہتے ہیں کہ کلمہ ﴿ اِلَّا ﴾ اس آیت میں استثناء کے لیے نہیں بلکہ بمعنی غیر ہے جو اللہ کی صفت ہے اور اسی وجہ سے لفظ باعتبار اعراب کے مرفوع ہے نہ کہ منصوب کیونکہ یہ صفت ہے مرفوع کی لہٰذا یہ بھی مرفوع ہوگا اگر بجائے لفظ ﴿ اِلَّا ﴾ کے لفظ غیر ہوتا تو وہ بلاشبہ مرفوع ہوتا تو لفظ غیر کا اعراب ﴿ اِلَّا ﴾ کے بعد والے کلمہ پر جاری ہوا جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

و کل اخ مفارقہ اخوہ لعمر ابیک الا الفرقدان

یعنی قسم ہے تیرے باپ کی عمر کی۔ ہر بھائی سوائے فرقدین کے اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے ''فرقدان'' دوستاروں کا نام ہے جو قطب کے قریب ہیں، سو اس شعر میں ﴿ اِلَّا ﴾ بمعنی غیر ہے جو کل اَخ کی صفت ہے جو اسی وجہ سے مرفوع ہے یعنی فرقدان آیا ہے اور اگر استثناء کے لیے ہوتا تو الا الفرقدین منصوب ہوتا۔

اسی طرح آیت میں لفظ ﴿ اِلَّا ﴾ اگر استثناء کے لیے ہوتا تو لفظ اللہ منصوب ہوتا مگر آیت میں بجائے نصب کے رفع آیا ہے اور آیت میں لفظ ﴿ اِلَّا ﴾ کو استثناء کیلیے لینا اور لفظ اللہ کو منصوب پڑھنا دو وجہ سے ناجائز ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں معنوی فساد لازم آتا ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ لَوْ جاء نی القوم اِلَّا زیدا لقتلتھم تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر قوم میرے پاس ایسی حالت میں آتی کہ زید ان سے مستثنیٰ ہوتا تو میں ساری قوم کو قتل کر دیتا جس کا بطور مفہوم یہ مطلب ہے کہ اگر زید قوم کے ہمراہ ہوتا تو پھر میں قوم کو قتل نہ کرتا اسی طرح اگر آیتِ ہٰذا میں لفظ ﴿ اِلَّا ﴾ استثناء کے لیے ہوتا اور لفظ اللہ منصوب ہوتا تو آیت کے یہ معنی ہوتے کہ اگر آسمان وزمین میں ایسے چند خدا جن سے اللہ مستثنیٰ ہوتا تو دونوں خراب ہوجاتے تو اس سے بطریق مفہوم یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر آسمان وزمین میں ایسے چند خدا ہوتے کہ اللہ بھی ان کے ساتھ ہوتا تو آسمان وزمین خراب نہ ہوتے' کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ استثناء اس حکم کی قید ہوتا ہے جو مستثنیٰ سے متعلق ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ تعدد الٰہ کی صورت میں فساد عالم کا حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان الٰہہ سے سے مستثنیٰ اور خارج ہو ورنہ نہیں۔ حالانکہ یہ معنی باطل اور غلط ہیں اس لیے کہ تعدد الٰہ کی صورت میں آسمان وزمین کا فساد ہر حال میں لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو یا نہ ہو تعدد الٰہہ کی صورت میں فساد عالم لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہو یا ان سے خارج یا مستثنیٰ ہو اور اگر لفظ ﴿ اِلَّا ﴾ بمعنی غیر لیا جائے تو پھر یہ خرابی لازم نہ آئے گی اور یہ ہوگا کہ اگر اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں چند خدا ہوتے تو آسمان اور زمین دونوں تباہ و برباد ہوجاتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اٰلِھَۃ نکرہ ہے اور جمع جب نکرہ ہو تو محققین کے نزدیک اس سے استثناء جائز نہیں اس لیے کہ جمع منکر میں ایسا عموم نہیں کہ اگر استثناء نہ ہو تو مستثنیٰ اس میں داخل ہوجائے' یہ فائدۂ علمیہ ہم نے خاص مدرسین تفسیر کے لیے لکھ دیا ہے عام ناظرین کو اس کی ضرورت نہیں۔ حضرات اہل علم حاشیہ شیخ زادہ ✽ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۲۵ ج ۳ دیکھیں۔

✽ قال اهل النحو فی قوله تعالیٰ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا الا ههنا بمعنی غیر صفة للنکرة قبلها الا انه لما تعذر الاعراب جعل ما استحقته من الرفع علی مابعدها والمعنی لوکان یتولا هما ویدبر امرهما الٰهة شتّٰی غیر الواحد الذی فطرهما لفسدتا ولا یجوز ان تکون الاستثناء وانا لو حملناها علی الاستثناء لکان المعنی لوکان فیهما الٰهة مستثنٰی منهم الله لفسدتا وهذا یوجب بطریق المفهوم انه لوکان فیهما الٰهة معهم الله لایحصل الفساد وذٰلِك باطل لانهٗ لوکان فیهما اٰلِهة سوآءٌ کان الله معهم اولم یکن معهم فالفساد لازم ولما بطل محلها علی =

اور یہی مضمون البحر المحیط لابی حیان ❶ ص ۳۰۵ میں ہے جس میں استثناء کے علاوہ بدلیت پر بھی کلام کیا ہے حضرات مدرسین اس کی مراجعت کریں۔

حق جل شانہٗ نے گزشتہ آیت میں توحید کی ایک عقلی اور قطعی دلیل بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں اپنی تسبیح وتنزیہ کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ تو شرک کے شائبہ اور واہمہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ پس اللہ جو عرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے جو مشرک اس کی شان میں کہتے ہیں یعنی نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ اولاد رکھتا ہے اس کی عظمت وجلال اور کبریائی کی تو یہ شان ہے کہ اس کے کسی کام کے متعلق بطور باز پرس یا بطور احتجاج سوال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے وہ جو کرے حق ہے اس سے پوچھا نہیں جاسکتا۔ غلام کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مالک سے باز پرس کر سکے اور بندے سب پوچھے جاتے ہیں۔ سب اس کے مخلوق اور مملوک بندے ہیں، قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا کہ یہ کیوں کیا اور وہ کیوں کیا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء وسزا ملے گی۔ کیونکہ سب اس کے مملوک اور بندے ہیں سب پر مالک اور آقا کے حکم کی بجا آوری فرض اور لازم ہے اور جس سے سوال اور باز پرس ہو سکے وہ خُدا نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الحجر: ۹۲، ۹۳)

پس جب کوئی اس کی عظمت میں شریک نہیں تو پھر الوہیت اور معبودیت میں کون اس کا شریک ہوسکتا ہے کیا خدا کی اس بے مثال عظمت وجلال معلوم کر لینے کے بعد بھی ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں جو اسی کی مخلوق ہیں اور اس سے کمتر ہیں۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر بالفرض ہوتا تو یہ عالم کب کا تباہ اور برباد ہوجاتا اور اس کا نظام درہم برہم ہوجاتا۔

آپ ﷺ ان منکرین توحید سے کہہ دیجیے کہ اچھا تم اپنی دلیل لاؤ کہ خدا کے سوا اور بھی خدا ہو سکتے ہیں۔ ہم نے توحید کو دلیل عقلی سے تو پہلی آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں ثابت کر دیا رہی دلیل نقلی تو وہ یہ ہے کہ یہی بات یعنی توحید میرے ساتھ والوں کی ہے اور یہی بات ہے مجھ سے پچھلے والوں کی کہ اس ربّ العرش کے سوا کوئی رب نہیں یعنی قرآن اور توریت اور انجیل اور

= الاستثناء. ثبت ماذکرنا وھو ان المعنی لوکان فی السماء والارض الٰھة غیر اللہ لخربتا وھلك من فیھا بوجود التمانع من الاٰلھة فان کل امر صدر عن اثنین فصاعدا لایبقی علی نظام واحد وانما تعذر الاستثناء لان الاستثناء قید للحکم المتعلق بالمستثنیٰ منه فیکون الشرط کون الٰھة فیھما تعین ان لاتکون معه تعالیٰ فیکون الفساد لازمًا لکون الاٰلھة فیھما دونه تعالیٰ الوجه الثانی لتعذر الاستثناء عدم شمول ماقبلھا لما بعدھا فان ماقبلھا جمع منکر والجمع اذا کان نکرة لایستثنیٰ منه عند جماعة من المحققین اذلاعموم لهٗ بحیث یدخل فیه المستثنیٰ لولا الاستثناء انتھی کلامه ملخصا حاشیۂ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۴۵ ج ۳۔

❶ ولایجوز النصب علی الاستثناء لوجھین احدھما انه فاسد فی المعنی و ذالك انك اذاقلت لوجآءنی القوم الازیدا لقتلتھم کان معناہ ان القتل امتنع لکون زید مع القوم فلو نصب فی الاٰیة لکان المعنی فساد السمٰوات والارض امتنع لوجود اللہ مع الاٰلھة وفی ذٰلك اثبات الالٰه مع اللہ واذا رفعت علی الوصف لایلزم مثل ذالك لان المعنی لوکان فیھما غیر اللہ لفسدتا والوجه الثانی ان الٰھة ھنانکرة والجمع اذا کان نکرة لم یستثن منه عند جماعة من المحققین لانه لاعموم لهٗ بحیث یدخل المستثنیٰ لولاالاستثناء ولا یجوز ان یکون بدلالان المعنی یصیر الی قولك لوکان فیھما اللہ لفسدتا الاتری انك لوقلت ماجاءنی قومك لازیدا علی البدل لکان المعنی جاءنی زید وحدہ وقیل بمتنع البدل لان ماقبله ایجابا کذافی البحر المحیط س ۳۰۵ ج ۶۔

دیگر صحف انبیاء علیہم السلام سب اس پر شاہد ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے کسی کتاب میں اللہ کا شریک ہونا نہیں ملتا۔ ہر کتاب میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت موجود ہے پھر تم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بنالیا پھر ان میں اکثر آدمی حق اور باطل میں تمیز نہیں کرتے پس اس لیے وہ حق سے روگرداں اور منہ موڑے ہوئے ہیں اور اے نبی ﷺ! ان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے دنیا میں کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی بھیجتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔ مطلب یہ کہ توحید تمام شریعتوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور ان نادانوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے کوئی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام خدا تعالیٰ کے فرزند ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں سب غلط ہے اللہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے بلکہ جن کے حق میں ان کا یہ گمان ہے وہ سب اللہ کے معزز اور محترم بندے ہیں جن کو اللہ نے عزت و کرامت بخشی مسلسل لیل ونہار ان کی عبادت اور ہر لحہ ولحظہ ان کی تسبیح و تقدیس اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں معاذ اللہ اس کی اولاد نہیں۔ اور ایک دلیل ان کی عبدیت کی یہ ہے کہ وہ آداب عبودیت میں اس درجہ غرق ہیں کہ کسی بات میں اللہ پر سبقت نہیں کرتے یعنی بغیر اس کی اجازت کے کوئی حرف زبان سے نہیں نکالتے اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور وہ اللہ ہی کے حکم سے کام کرتے ہیں پس جب ان کی عبدیت اور اطاعت کا یہ حال ہے تو ان کو شریک ٹھہرانا بالکل بے سود ہے مطلب یہ ہے کہ کفار اپنے دل سے یہ امید نکال دیں کہ فرشتے ان کی شفاعت کریں گے۔ فرشتے بغیر اذنِ الٰہی کے ہرگز شفاعت نہیں کر سکتے، فرشتے کسی قول و فعل میں حکم الٰہی سے سبقت نہیں کرتے ملائکہ میں یہ طاقت نہیں کہ از خود اپنی طرف سے کوئی بات کر سکیں یا اپنے ارادہ سے کوئی فعل کر سکیں کیونکہ وہ جانتے [1] ہیں کہ علم الٰہی ان کو محیط ہے۔ خدا خوب جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور ان کے پیچھے ہے یعنی خدا تعالیٰ کو ان کے گزشتہ اور آئندہ کے سب اعمال اور احوال معلوم ہیں۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ (طٰہٰ: ۶۴)

اور اسی وجہ سے ان کے ادب کی یہ کیفیت ہے کہ وہ کسی کے لیے سفارش نہیں کرتے مگر اس شخص کے لیے کہ جس کے لیے خدا پسند کرے یعنی جو مؤمن ہو اور ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا قائل ہو اور خدا کی وحدانیت کا مقر ہو۔ فرشتے دنیا میں بھی اہل ایمان ہی کی شفاعت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ گناہگار مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور وہ فرشتے ہر وقت خدا کے خوف سے اور اس کے قہر اور جلال سے کانپتے اور تھراتے رہتے ہیں۔ خدا کی عظمت ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہے اور اگر بالفرض کوئی ان میں یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں۔ مجھ کو پوجو تو ایسے کو ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں یعنی جو خدائی کا دعویٰ کرے اس کی سزا جہنم ہے اور فرشتے اور انبیاء علیہم السلام ان باتوں سے پاک اور منزہ ہیں جو مشرکین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں اور ہر لحہ اس سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اس کے سامنے بول بھی نہیں سکتے پھر کس بناء پر تم نے ان کو خُدا کی اولاد ٹھہرایا۔ فرشتے اور انبیاء علیہم السلام سب خدا کے بندے ہیں۔ معاذ اللہ اس کی اولاد نہیں۔

---

[1] کما فی روح المعانی حیث قال فلا یزالون یراقبون احوالھم حیث انھم یعلمون ذلک. (روح المعانی ص ۳۱ ج ۱۷)

اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ
اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے؟ کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا۔
وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ جَعَلْنَا فِی
اور بنائی ہم نے پانی سے جس چیز میں جی ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے؟ اور رکھے ہم نے
الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا
زمین میں بوجھ کبھی ان کو لیکر جھک پڑے اور رکھیں اس میں کشادہ راہیں
لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ
شاید وہ راہ پاویں۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت بچاؤ کی۔ اور وہ
عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ
اس کے نمونے دھیان میں نہیں لاتے۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج
وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾
اور چاند سب ایک ایک گھر میں پھرتے ہیں۔

بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا . . . الٰی . . . كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں تخلیق عالم اور دلیل توحید کا ذکر تھا اور اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے اس عالم کو عبث اور باطل اور بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ انواع واقسام کے صنائع اور بدائع سے مملو پیدا کیا تا کہ نظر کرنے والوں کے لیے تبصرہ اور عبرت پکڑنے والوں کے لیے تذکرہ ہو جائیں اور جس سے بندوں کے اُمور معاش اور معاد منتظم ہوں اور ان کو دیکھ کر ان کے خالق اور مدبر کو پہچانیں اور اس کے واحد قہار ہونے پر استدلال کریں۔ اب آئندہ آیات میں کچھ اور دلائل قدرت وحکمت بیان کرتے ہیں جو وجود صانع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ تمام کائنات اس کے دست قدرت میں مقہور اور مجبور اور مسخر ہیں، عرش سے فرش تک سارا کارخانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے ارادے اور مشیت سے چل رہا ہے مشرکین کو چاہیے کہ خدا کی ان نشانیوں میں غور وفکر کریں اور دیکھیں کہ ان کی تخلیق وتدبیر میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کو پوجا جاوے اور

اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے اس ذیل میں حق تعالیٰ نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اوّل:

کیا ان کافروں نے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں اور غیروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ چشم بصیرت و نظر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ تحقیق آسمان وزمین ابتداء میں دونوں باہم متصل اور متلاصق تھے یعنی ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے پھر ہم نے ان کو کھولا اور ایک کو دوسرے سے جُدا کیا جس سے آسمان الگ ہوگیا اور زمین الگ ہوئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا اور ہوا کے ذریعے دونوں میں فصل کردیا پھر آسمان کو سات اور زمین کو سات کردیا۔ دونوں کے منہ بند تھے اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے نباتات اگائے اور نہریں اور چشمے جاری کیے ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے قسم قسم کی غذائیں اور پھل اُگنے لگے اور نہریں اور چشمے جاری ہوگئے کیا کافروں نے خدا تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت میں غور نہیں کیا کہ کرشمہ قدرت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں پھر اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر اور حسن بصری اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے اور اسی کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۶)

ابو مسلم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ رتق سے حالت عدم مراد ہے اور فتق سے حالت ایجاد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان وزمین ایک وقت میں معدوم تھے جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا پھر ہم نے ان کو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا جب سب حالت عدم میں تھے اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود عطاء کردیا تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ جلد ۶ و روح المعانی ص ۳۲ جلد ۱۷)

اب اس قول کی بناء پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین پہلے معدوم تھے ہم نے اپنی قدرت سے ان کو وجود عطاء کیا تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور جمہور علماء تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید ابن جبیر اور حسن بصری اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کیا۔

سوال: رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان وزمین کی رتق اور فتق کو کب دیکھا جس پر ان کو ملامت کی گئی اور کہا گیا: ﴿اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ ... الخ﴾ (الانبیاء: ۳۱) کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اور خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (کہف: ۵۱)

جواب: یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور وفکر کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ آسمان وزمین کے منہ پہلے بند تھے بعد میں کھولے گئے کیونکہ بہ دلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور سفلیہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔ آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً قسم قسم کے نباتات کا اگنا یہ بھی حادث ہے ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی مبداء اور منتہا چاہیے جس پر تمام اسباب و علل کی انتہا ہوتی ہو اور ہر حادث کی منتہا واجب الوجود ہے جو ان محدثات کا محدث اور موجد

ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی رحمہ اللہ ص ۱۱۴ جلد ۶ و حاشیہ تنوی علی التفسیر البیضاوی ص ۲۱۷ ج ۵)

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے اور وقتاً فوقتاً آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً روئیدگی کا ہونا یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے اور عقل و فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز کبھی کبھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل کا منہ اب تک بند تھا جب منہ کھلا تو مشک میں سے یا ٹنکی میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے، یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان و زمین کے رتق اور فتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا تو دیکھا ہے اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اُگنا خود بخود نہیں بلکہ در پردہ کوئی دست قدرت کارفرما ہے کہ وہ جب اور جتنا اور جس وقت چاہتا ہے اس وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے بلکہ ہر سال موسم سرما و گرما میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کافر خُدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم:

اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رتق اور فتق کے بعد اس جہان کی ہر زندہ چیز ہم نے پانی سے پیدا کی ہر جاندار چیز بلاواسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے گویا کہ ہر چیز کا مادۂ حیات پانی ہی ہے۔ جیسا کہ دوسری آیات میں ہے:

﴿ وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ (النور: ۴۵) ... اور ... وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ﴾ (البقرۃ: ۱۶۴)

اور مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((کل شیء خلق من ماء))۔ "ہر شئے پانی سے پیدا ہوئی ہے۔"

اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے اگرچہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادۂ حیات سب کا پانی ہے اور ﴿ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (ھود: ۷) سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا۔ واللہ اعلم

تو کیا یہ لوگ ہماری اس قدرت کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے اور قادر مختار کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

فائدہ: گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ آسمان و زمین کے منہ بند تھے اور دونوں ایک چیز تھے، ہم نے آسمان کا منہ کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کا منہ کھولا تو اس سے نہریں اور چشمے جاری ہوئے اور قسم قسم کے نباتات اُگے اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے پانی کے متعلق اپنی قدرت کی نشانی کو بیان کیا کہ ہر جاندار کی اصل پانی ہے اور تمام کرۂ زمین پانی سے گھرا ہوا ہے اور پانی ہی تمام زمین کے اندر بھرا ہوا ہے۔ عرش بھی پانی پر قائم ہے اور زمین بھی پانی پر قائم ہے اس لیے فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

قسم سوم:

اور بنائے ہم نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ بھاری بوجھ والے جو زمین پر خوب جمے ہوئے ہیں تاکہ زمین لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے یعنی ہم نے اپنی قدرت سے زمین پر مضبوط پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ زمین جم جائے اور ٹھہر جائے اور لوگ اس پر قرار پکڑ سکیں۔

پوری زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، صرف چوتھائی زمین کھلی ہوئی ہے اس ربع مسکون کے باشندے آسمان اور چاند سورج کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

قسم چہارم:

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین میں یا پہاڑوں میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کے لیے منزل مقصود تک راہ پا سکیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں۔ جیسا کہ سورۂ نوح میں ہے ﴿لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾ (نوح:۲۰) یا یہ معنی ہے کہ نظر و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت تک پہنچ سکیں اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

قسم پنجم:

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو اس عالم کے لیے فرش بنایا اور پھر آسمان کو اس زمین پر ایک محفوظ چھت بنایا جو باوجود بے ستون ہونے کے گرنے سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (الحج:۶۵) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا﴾ (فاطر:۴۱)۔

خدا کی بنائی ہوئی چھت ٹوٹنے اور پھوٹنے اور گرنے سے محفوظ اور شیاطین کے استراق سے بھی محفوظ ہے وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ﴾ (الصافات:۷)... ﴿وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ﴾ (الحجر:۱۷) اور یہ مشرکین اس آسمانی چھت کی نشانیوں سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں جیسے شمس و قمر اور کواکب اور نجوم اور ان کی حرکات اور ان کے طلوع و غروب میں یہ لوگ نظر نہیں کرتے۔

قسم ششم:

اور اسی خدا نے پیدا کیا رات کو اور دن کو تاکہ رات میں سکون اور راحت پاویں اور دن میں روزی کماویں اور پیدا کی آفتاب کو جو دن کی نشانی ہے اور پیدا کیا چاند کو جو رات کی نشانی ہے ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے فلک میں تیرتے اور سیر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کو وجود اور اس کی ہیئت اور اس کی حرکت اور سکون سب خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی وحدانیت کی چھ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ہر دلیل کے تحت صدہا دلیلیں مستور ہیں۔ کفار اگر ذرا غور کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت روز روشن کی طرح روشن ہو جائے۔

ایک شبہ: اس زمانہ کے ملاحدہ کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں بلکہ یہ خلاء بے انتہا ہے جس کی دوری کی کوئی حد نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم کو دوربین سے کچھ نظر نہیں آتا۔

جواب یہ دلیل بالکل مہمل ہے۔ کسی چیز کا دُوربین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ نیز ازروئے نصوص شریعت آسمان۔ زمین سے پانچ سو سال کی مسافت پر ہے اور وہ بالکل صاف شفاف جسم ہے، موجودہ دوربین میں تو یہ قوت نہیں کہ اتنی دور کی چیز کو دریافت کر سکیں۔ البتہ آسمان کا پانی میں عکس نظر آنا یہ اس کے جسم ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی میں عکس جسم ہی کا نظر آ سکتا ہے۔ محض ظلمت اور تاریکی کا کوئی عکس نہیں ہوتا اور تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء علیہم السلام آسمانوں کے وجود پر متفق ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ خلاء بے انتہا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا غیر متناہی چیز کا وجود عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں اور سطح زمین سے

بے انتہا دوری موجود بھی ہے یا نہیں کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ جس بُعد اور دوری کو آپ نے اپنے قصور فکر کی وجہ سے غیر محدود سمجھ رکھا ہے وہ محدود اور متناہی ہو اور اس کے بعد کوئی جسم صاف شفاف موجود ہو جو آپ کو اب تک نظر نہیں آسکا۔ جیسا کہ دوربین کی ایجاد سے پہلے بہت سی چیزیں لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں جو اب نظر آنے لگی ہیں۔ غرض یہ کہ کسی چیز کا کسی وقت کسی کو نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۳۴
اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ جینا پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جاویں گے۔
كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ
ہر جی کو چکھنی ہے موت اور ہم تم کو جانچتے ہیں، برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو۔
وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۳۵
اور ہماری طرف پھر آؤ گے۔

بیان فناء عالم ورجوع ہمہ بسوئے خلاقِ عالم وجواب از شماتت اعداء بموت سرورِ عالم سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ ... الی ... وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۳۵﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت کے ذیل میں چھ قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ جو تمام دنیوی نعمتوں کی اصل اور جڑ ہیں۔ اب ان آیات میں یہ بتاتے ہیں کہ یہ دنیا دارِ فنا ہے دار البقاء نہیں یہ پوری دنیا اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں اس دنیا کے عجائب وغرائب اور اس کی آرائش وزیبائش پر مفتون نہ ہو جانا۔ حق تعالیٰ نے ان چیزوں کو آزمائش اور امتحان کے لیے پیدا کیا ہے فنا اور موت ہر چیز کے لیے لازم ہے مرنے کے بعد تم کو خیر وشر کا بدلہ دیا جائے گا کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کو موت نہ آوے۔ ہر شخص کو مرنا ہے اور اپنے خالق کی طرف لوٹنا ہے، اپنے انجام کو سوچ لو۔

شانِ نزول:

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار یہ کہتے تھے ﴿نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ (طور: ۳۰) یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ کفار حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُن کر یہ کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم دھام اس شخص کے دم تک ہے جب یہ مر جائیں گے تو یہ دھوم دھام سب جاتی رہے گی گویا کہ آپ کی موت پر خوش تھے ان کی شماتت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت نازل فرمائی گویا دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد روئے سخن مسئلۂ نبوت کی طرف پھیر دیا گیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبیؐ! ہم نے آپ ﷺ سے پہلے دنیا میں کسی بشر کو ہمیشگی نہیں دی۔ خواہ ولی ہو یا نبی دنیا میں بقاء اور دوام کسی کے لیے نہیں۔ پس اگر تو مر جائے تو کیا یہ لوگ آپ کے بعد ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ کافر آپ کی موت کے منتظر تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں دوام اور بقاء ہم نے کسی کو بھی نہیں دیا جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور مرے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے وقت پر موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ خضر علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام ہوں قیامت سے پہلے وہ بھی مرنے والے ہیں۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود

آنکہ پائندہ باقی است خدا خواہد بود

اے لوگو! ہم تم کو اس دنیا میں بُرائی اور بھلائی کے ساتھ بطریق امتحان تم کو آزمارہے ہیں بھلائی سے مراد امیری اور عزت و راحت اور صحت و عافیت اور ہر قسم کا عیش و آرام ہے اور برائی سے مراد سختی اور بیماری اور افلاس ہے برائی اور بھلائی میں پھنسا کر بندوں کے صبر و شکر کا امتحان لیا جاتا ہے اور انجام تم سب کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے پاس لوٹائے جاؤ گے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دیں گے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس چند روزہ زندگی کی بجائے مرنے کے بعد کی زندگی کی زیادہ فکر کرو۔

وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ

اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے اور کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے میں پکڑنا۔ کیا یہی شخص ہے؟

يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ

کہ نام لیتا ہے تمہارے ٹھاکروں کا اور وہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں۔ بنا ہے

الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ

آدمی شتابی کا۔ اب دکھاتا ہوں تم کو اپنے نمونے سو مجھ سے جلدی مت کرو۔ اور کہتے ہیں

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو؟ کبھی جانیں یہ منکر

حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا

اس وقت کو کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ اور نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

ان کو مدد پہنچے گی۔ کوئی نہیں وہ آوے گی ان پر بے خبر پھر ان کے ہوش کھودے گی پھر نہ سکیں گے

رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

کہ اس کو پھیر دیں اور نہ ان کو فرصت ملے گی۔ اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر الٹ

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ ۳ ع ۱۲ ۳

پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر ان میں سے جس چیز کا ٹھٹھا کرتے تھے۔ تو کہہ کون چوکی دیتا ہے تمہاری

بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

رات میں اور دن میں رحمٰن سے؟ کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے ٹال کرتے ہیں۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ

یا اُن کے کوئی ٹھاکر ہیں، کہ ان کو بچاتے ہیں ہمارے سوا؟ وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

اور نہ ان کو ہماری طرف سے رفاقت۔ کوئی نہیں پر ہم نے برتوایا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

کہ بڑھ پڑا ان پر جینا پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں

اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖؗ وَلَا

سے؟ اب کیا یہ جیتنے والے ہیں۔ تو کہہ میں جو تم کو ڈر سناتا ہوں سو حکم کے موافق، اور

يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ

سنتے نہیں بہرے پکار کو جب کوئی ان کو ڈر سناوے اور کبھی پہنچے ان کو

نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ

ایک بھاپ تیرے رب کی آفت کی، تو مقرر کہنے لگیں، اے خرابی ہماری! بیشک ہم تھے گناہ گار۔ اور

نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ
رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن، پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرّہ۔ اور
اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا
اگر ہوگا برابر رائی کے دانے کے وہ ہم لے آویں گے اور ہم بس ہیں
حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾
حساب کرنے کو۔

بیان انجام استہزاء و تمسخر بارگاہِ رسالت وتہدید بہ عذاب آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا ... اِلٰی ... وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں آنحضرت ﷺ کے انتقال پر شماتت کرنے والوں کا جواب تھا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کے انجام بد کو بیان کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسخرہ پن کرتے تھے اور قیامت کا مذاق اڑاتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دفعتاً آجائے گی اور اس وقت ان کو اپنے استہزاء اور تمسخر کا مزہ معلوم ہو جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ان عاشقان دنیا اور منکرین آخرت کی حالت یہ ہے کہ یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ ﷺ کو ٹھٹھا اور مذاق ہی بنا لیتے ہیں، یہ بھی ابتلاء الٰہی ہے کہ رسول کو دیکھ کر جو کہ عین رحمت ہے تمسخر کرتے ہیں اور بعض بعض سے یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے اور ان کو اندھا اور بہرا اور گونگا بتلاتا ہے اپنے فرضی معبودوں کے ساتھ تو ان نادانوں کا یہ حال ہے اور معبود برحق کے ساتھ ان کا یہ حال ہے کہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں۔ کفار رحمٰن کے نام سے چڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو سوائے مسیلمہ یمامہ کے کسی کو رحمٰن نہیں جانتے غرض یہ کہ ان نادانوں کا عجیب حال تھا کہ رسول خدا کو دیکھتے تو ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ کیا خدا نے اسی شخص کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ شخص تو ہمارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے ہمیں ڈر ہے کہ اس شخص کی باتیں ہماری قوم کو گمراہ نہ کر دیں۔ اپنے بتوں پر ناز کرتے اور رحمٰن کے نام سے چڑتے ہیں۔ جن کی حالت یہ ہو وہ قابل تمسخر اور استہزاء ہیں نہ کہ رسول برحق اور انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی یہ عجلت اور جلد بازی اس کی فطرت میں داخل ہے اس لیے وہ ہر بات کو جلد چاہتا ہے اور انجام پر غور نہیں کرتا اس لیے یہ مسخرے عذاب الٰہی میں بھی جلدی ہی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں عنقریب میں تم کو اپنے قہر کی نشانیاں دکھلاؤں گا سو تم جلدی مت کرو۔ مشرکین آنحضرت ﷺ سے جلدی عذاب مانگتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ اپنے نافرمانوں کو فوراً عذاب میں نہیں پکڑتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ عذاب وقت سے پہلے آتا نہیں اور آنے کے بعد ٹلتا نہیں اور یہ لوگ جب عذاب الٰہی کی دھمکی سنتے ہیں تو

کہتے ہیں کہ عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم اس عذاب کے وعدے میں سچے ہو اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں اگر یہ جلد باز کافر اس ہولناک وقت کو جان لیں کہ جب وہ نہ اپنے چہروں سے عذاب کو روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کی طرف سے آنے والے عذاب کو دفع کر سکیں گے اور نہ ان کو اس وقت کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ سو یہ کافر اگر ایسے عذاب کو جان لیں تو اس کے مانگنے میں جلدی نہ کریں اور نہ یہ کہیں ﴿مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ لیکن خوب سمجھ لیں کہ اللہ کا قہر اور عذاب ان سے پوشیدہ رکھا گیا ہے ان کی فرمائش کے مطابق اطلاع کر کے نازل نہ ہوگا۔ بلکہ اس عذاب اور مصیبت کی ساعت اور وہ قیامت جس کو وہ پوچھتے رہتے ہیں کہ کب آئے گی۔ اچانک ان پر آ پہنچے گی۔ اور پھر ان کو مبہوت اور حیران بنا دے گی۔ اور ان کے ہوش کھو دے گی پھر اس کے دفع کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے اور نہ مہلت دیئے جائیں۔ کیونکہ وقت مہلت کا بھی گزر چکا ہے اور اے نبی آپ ﷺ ان کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس بالآخر ان لوگوں کو جو رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے تھے اس عذاب نے آ گھیرا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ ان کافروں کا یہی حال ہوتا ہے پس اے نبی آپ ﷺ تسلی رکھیئے گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں پر اللہ کا عذاب اچانک آیا پہلے سے ان کو وقت نہیں بتلایا گیا۔

ان آیات میں کفار کی عجلت اور جہالت کو بیان کیا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ناواقف ہیں۔ اب آئندہ آیات میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور کمال رحمت کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ ارحم الراحمین دن رات اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ﷺ ان کافروں سے جو رحمٰن کے اور اس کی رحمت کے منکر ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں یہ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں خدا کی عقوبت اور مصیبت اور طرح طرح کی بلاؤں سے تمہاری حفاظت کرتا ہے سوائے رحمٰن کے کوئی نہیں اس کی رحمت کی بناء پر تم اس کے ناگہانی عذاب سے بچے ہوئے ہو۔ حق تو یہ تھا کہ اس رحمٰن ورحیم کی رحمت کے قائل ہو جاتے مگر اب بھی قائل نہ ہوئے بلکہ اب بھی بدستور اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ شکر گزار بنتے۔ شکر تو کیا کرتے الٹے اس کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب آگے ان سے دریافت کرتے ہیں کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا لیں گے وہ بیچارے تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دوسرے کی کیسے کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے یعنی ان کا کوئی ساتھی نہیں جو مصیبت کے وقت میں ان کا ساتھ دے اور اب تک جو لوگ عذاب سے بچے ہوئے ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے معبود ان کی حفاظت کر رہے ہیں بلکہ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو دنیا سے خوب بہرہ مند کیا اور ان کو نعمت اور مہلت دی یہاں تک کہ ان کی عمریں دراز ہوگئیں سو وہ مغرور ہو گئے اور سمجھ بیٹھے کہ ہم ہمیشہ اسی عیش وعشرت میں رہیں گے اور یہ نہ سمجھے کہ دنیا کی عیش وعشرت کو دوام اور بقا نہیں ہے۔

مغرور مشو کہ دمبدم دست اجل　　　　بر ہم زند ایں بنا کز افراشتہ اند

اللہ کی حلیمی اور مہلت سے یہ لوگ دھوکے میں پڑ گئے اور عذاب کا انکار کر بیٹھے۔ کیا ان کا گمان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں گے اور شتر بے مہار کی طرح چھٹے پھریں گے اور خدا کی طرف سے کوئی پکڑ نہ ہوگی پس کیا مغرورین دیکھ نہیں رہے ہے کہ ہم زمین کفر کو یعنی دار الحرب کو ہر چہار طرف سے گھٹاتے اور کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ پس کیا یہ لوگ اس توقع اور گمان میں ہیں کہ یہ اسلام پر غالب آ جائیں گے یعنی دن بدن کافروں کا زور گھٹتا جا رہا ہے اور ان کے ملک اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ رہے ہیں اور مسلمانوں کا ملک دن

بدن بڑھتا چلا جارہا ہے کیا ان لوگوں کو اس بات سے عبرت اور تنبیہ نہیں ہوتی کہ اپنے کفر سے رجوع کریں اور سمجھیں کہ یہ سب غیبی امداد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بے سروسامان بندوں کی یعنی اہل ایمان کی غیب سے مدد کر رہا ہے پس جب کفار مسلمانوں کے ساتھ یہ تائید غیبی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو ان کو چاہیے کہ اپنے دل سے اپنے غلبہ کا خیال نکال دیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ دن بدن اسلام پھیلتا جاتا ہے اور مسلمان بڑھتے جاتے ہیں اور کفر گھٹتا جارہا ہے کیا اس مشاہدہ کے بعد بھی ان کا گمان ہے کہ وہ غالب آجائیں گے۔

پہلی تفسیر پر یہ شبہ وارد ہوسکتا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور مسلمانوں کا غلبہ اور فتوحات وہ جہاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جہاد مدینہ منورہ میں شروع ہوا اس لیے کہ زمین کا کفار کے قبضہ سے نکل کر تھوڑا تھوڑا مسلمانوں کے ہاتھ میں آنا یہ بات مکہ مکرمہ میں نہ تھی اس لیے بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں سے یہ آیت مکی ہونے سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان میں ذکر کیا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ سورت مکی ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دن بدن لوگ اسلام میں داخل ہورہے ہیں اور زمین سے کفر کم ہوتا جارہا ہے اور یہ بات ہجرت اور جہاد سے پہلے ہی ظہور میں آچکی تھی ہجرت سے پہلے مکہ اور مدینہ کے اطراف اور نواحی میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ تم اپنے مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ جز ایں نیست کہ میں اللہ کے حکم کے موافق تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ میرا کام تو ڈرانے کا ہے تم اپنے انجام کو سوچ لو لیکن یہ بہرے ڈرانے والے کی پکار کو سنتے نہیں جب کبھی بھی یہ بہرے عذاب الٰہی سے ڈرائے جاتے ہیں یعنی یہ کافر حق کی طرف سے ایسے بہرے ہوگئے کہ کتنا ہی ان کو ڈرایا جائے سنتے ہی نہیں بڑے بہادر اور دلیر بنے ہوئے ہیں اور ان کی بہادری کا یہ حال ہے کہ اگر ان کو تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک ادنیٰ سی بھاپ بھی پہنچ جائے اور عذاب کی ذراسی ہوا بھی لگ جائے تو ضرور بالضرور یہی کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی بلاشبہ ہم ظالم تھے۔ یعنی پہلے تو بڑے بہادر بنے ہوئے تھے اور عذاب کی جلدی مچا رہے تھے مگر جب عذاب کا ذرا سا جھونکا بھی لگے گا تو سارے بہادری ختم ہوجائے گی اور اپنے قصور کا اعتراف کریں گے اور یہ اگرچہ ظالم ہیں مگر ہماری طرف سے ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کریں گے جس کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہونگی وہ نجات پائے گا۔ اور جس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اسے ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ سو کسی جان پر ذرا برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر کسی کا کوئی عمل نیکی یا بدی رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا۔ اگرچہ وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمان و زمین میں ہو تو ہم اس کو وہاں لاکر سب کے سامنے حاضر کردیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو ہمیں کسی ترازو کی حاجت نہیں ہم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تو یہ فرمایا۔

حَا سَبُوْنا فَدَقَّقُوْا ثُمَّ مَنُّوْا فاعتقُوا
هكذا سِمَةُ الملوک بالمماليک يرفقوا

یعنی انہوں نے ہم سے حساب لیا پس ذرہ ذرہ کا حساب لیا۔ پھر احسان کرکے آزاد کردیا۔ اسی طرح بادشاہوں کی عادت ایسی ہی ہوتی ہے کہ اپنے غلاموں پر نرمی کیا کرتے ہیں۔

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ وَ ضِیَآءً وَّ ذِکۡرًا لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو چکوتی اور روشنی اور نصیحت ڈر والوں کو۔

الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ وَ ہُمۡ مِّنَ السَّاعَۃِ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾

جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں۔

وَ هٰذَا ذِکۡرٌ مُّبٰرَکٌ اَنۡزَلۡنٰہُ ؕ اَفَاَنۡتُمۡ لَہٗ مُنۡکِرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی، جو ہم نے اتاری۔ سو کیا تم اُس کو نہیں مانتے؟

تفصیل احوال انبیاء سابقین علیہم السلام برائے اثبات توحید وقیامت

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر توحید اور رسالت کے متعلق اور پھر منکرین نبوت وآخرت کے دنیاوی اور اُخروی عذاب کے متعلق مضامین بیان فرمائے اب انہی مضامین کی تائید کے لیے چند انبیاء سابقین علیہم السلام کے احوال کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دس قصے بیان فرمائے۔

① قصہ موسیٰ وہارون علیہما السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ ... الی ... اَفَاَنۡتُمۡ لَہٗ مُنۡکِرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے قبل موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ایسی چیز عطاء کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی اور ایک کو دوسرے سے جُدا کرنے والی تھی، مراد اس سے توریت ہے جو حق اور باطل اور حلال وحرام کے فرق کو واضح کرنے والی تھی اور ان کو روشنی عطاء کی یعنی ان کو ایک روشن کتاب عطاء کی جس سے تاریکیوں میں راستہ نظر آئے اور پرہیز گاروں کے لیے وعظ ونصیحت کی چیز عطاء کی۔ یہ تینوں صفتیں توریت کی ہیں جو حق اور باطل کا فیصلہ کرتی تھی۔ اور مشعل ہدایت تھی جس سے دل میں نور پیدا ہوتا تھا اور وعظ ونصیحت تھی، ایسے پرہیز گاروں کے لیے جن کا وصف یہ ہے کہ جو اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور خاص طور پر وہ قیامت سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اور توریت کے بعد یہ قرآن جو تمہارے پاس ہے یہ بھی ایک عظیم برکت والی نصیحت ہے جس کو ہم نے مقام عظمت و جلال سے اتارا ہے اور جو انوار و برکات میں تمام کتب سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ سو کیا اے اہل مکہ! تم اس مشعل ہدایت سراپا نور و برکت کی نورانیت اور برکت کے منکر ہو۔ اور اس کی نورانیت اور خیر و برکت کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب اللہ نے اُتاری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کتاب کو نہیں بنالیا۔ اس مبارک کتاب کی خیر و برکت اور نورانیت اس کے دل میں پہنچتی ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو اور قیامت سے لرزتا ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ ج اِذْ

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی نیک راہ اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر۔ جب

قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو؟

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ

بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہیں کو پوجتے۔ بولا مقرر رہے ہو تم اور

اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ

تمہارے باپ دادے صریح غلطی میں۔ بولے تو ہم پاس لایا ہے سچی بات یا تو

اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ز صلے

کھلاڑیاں کرتا ہے۔ بولا نہیں پر رب تمہارا وہی ہے رب آسمان اور زمین کا جس نے ان کو بنایا،

وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ

اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔ اور قسم اللہ کی! میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ

جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا کہ

لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ

شاید اس پاس پھر آویں۔ کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے ٹھاکروں سے؟

لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ ط

وہ کوئی بے انصاف ہے۔ وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان ان کو کچھ کہتا، اس کو پکارتے ہیں ابراہیم۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا

وہ بولے اس کو لے آؤ لوگوں کے سامنے شاید وہ دیکھیں۔ بولے

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ؕ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِيْرُهُمْ

کیا تو نے کیا ہے یہ ہماری ٹھاکروں پر اے ابراہیم۔ بولا نہیں، پر یہ کیا ان کے اس بڑے نے

هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا

سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پھر سوچے اپنے جی میں پھر بولے

اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۙ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ

لوگو! تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر اوندھے ہو رہے سر ڈال کر تو تو جانتا ہے

مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

جیسا یہ بولتے ہیں۔ بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو کہ

يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ؕ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا؟ بیزار ہوں میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ

اللہ کے سوا۔ کیا تم کو بوجھ نہیں؟ بولے اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے ٹھاکروں کی

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ۙ ﴿۶۹﴾

اگر کچھ کرتے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈک ہو جا اور آرام ابراہیم پر۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى

اور چاہنے لگے اس کا برا پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں۔ اور بچا نکالا ہم نے اس کو اور لوط کو اس

الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ

زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے۔ اور بخشا ہم نے اس کو اسحٰق، اور یعقوب

نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ

دیا انعام میں اور سب کو نیک بخت کیا۔ اور ان کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتاتے

بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ

ہمارے حکم سے اور کہہ بھیجا ان کو کرنا نیکیوں کا' اور کھڑی رکھنی نماز اور دینی

الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

زکوۃ اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے۔

② قصہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ۔۔۔ الٰی۔۔۔ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾﴾

یہ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو اہلِ عرب اور اہلِ کتاب کے مسلّم بزرگ ہیں اور ابتداء عمر سے توحید کے دلدادہ اور شرک اور بُت پرستی کے دشمن تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے پہلے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خاص ہدایت اور خاص صلاحیت عطا کی تھی۔ جوان کی شان کے لائق تھے اور ہم ان کی ہدایت اور صلاحیت سے واقف اور باخبر تھے ہم ہی نے ان کو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا منبع اور مخزن بنایا تھا یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو نبی ہونے سے پہلے ہی حق کی معرفت عطاء کردی تھی یا ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ہم نے ان کو خاص اور کامل رشد عطاء کی تھی ہم ان کی صلاحیت اور اہلیت سے باخبر تھے کیونکہ ان کے وجود کی طرح ان کی صلاحیت بھی ہماری عطا کردہ تھی اور اس کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن کے تم معتکف اور مجاور بنے ہوئے ہو اور جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو وہ بولے ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرنے والا پایا لہٰذا ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ بے شک تم اور تمہارے باپ دادے کھلی گمراہی میں پڑے رہے ان کا یہ عمل کسی حجت اور برہان کی بناء پر نہ تھا بلکہ محض ان کے نفس کی خواہش تھی اور ایسی کھلی گمراہی تھی جو کسی عاقل پر مخفی نہیں رہ سکتی وہ تعجب سے بولے کیا تو حقیقت میں کوئی حق بات لے کر آیا ہے یا تو دل لگی کرنے والوں میں سے ہے ہمارے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بلکہ تم کھیل اور دل لگی کر رہے ہو۔ حق اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اس بات پر تمام ملائکہ اور تمام مخلوقِ الٰہی شاہد اور گواہ ہے اور میں بھی منجملہ شاہدوں کے ایک شاہد ہوں اور میں اس امر واضح پر دلیل اور برہان بھی قائم کرسکتا ہوں اور میں اس کو خوب جانتا ہوں اور اس پر یقین رکھتا ہوں اور آہستہ سے کہا کہ خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔ جب تم پشت پھیر کر ان بتوں کے پاس سے کہیں چلے جاؤ گے۔ یعنی جب تم عید میں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا یعنی تمہارے بتوں کو توڑ ڈالوں گا جس سے ان کا عاجز اور درماندہ ہونا تمہارے مشاہدہ میں آجائے گا۔ پس جب وہ لوگ اپنی عید میں جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام مرض کا عذر کر کے پیچھے رہ گئے اور کہا کہ میں بیمار ہوں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگر بتماشائے عید طلبند خلیل وار بدیشاں بگو کہ بیمارم

جب وہ چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک بڑا بُت رکھا ہوا ہے اور اس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے بت ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بطور استہزاء ان سے خطاب کیا ﴿ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ تم کھاتے کیوں نہیں؟ بعدازاں کہا ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴾ تم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں بعدازاں ایک تبر سے ان کو توڑنا شروع کر دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴾ (الصافات: ۹۳) اور سوائے ایک بُت کے جو سب سے بڑا تھا سب کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا اس بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کر دیا ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ٹکڑے مگر ان کے بڑے بت کو نہ توڑا اور کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا۔ شاید وہ مشرکین اپنے اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں جیسا کہ ان کا طریقہ ہے کہ وہ مشکلات میں بتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر اس سے پوچھیں کہ ان چھوٹے بتوں کو کس نے توڑا۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض ان کو الزام دینا تھا کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ ایسے عاجز اور لاچار ہیں کہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اور اس بڑے بت نے بھی چھوٹے بتوں کی کوئی مدد نہ کی اور عجب نہیں کہ بڑے بت کی گردن میں کلہاڑا لٹکانے سے اشارہ اس طرف ہو کہ اس منظر کو دیکھ کر لوگ خیال کریں کہ اس بڑے بت کو غیرت آئی کہ میرے ساتھ ان چھوٹے بتوں کی کیوں پرستش کی جاتی ہے اس لیے غیرت کی بنا پر اس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ﴿ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴾ میں الیہ کی ضمیر ﴿ كَبِيْرًا لَّهُمْ ﴾ (یعنی بڑے بت) کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید عید سے واپسی کے بعد اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں۔ جس طرح کہ وہ حل مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس منظر کو دیکھ کر اس سے یہ کہیں کہ ان بتوں کو کیا ہوا کہ سب کے سب ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں اور تجھے کیا ہوا کہ تو صحیح سالم ویسا ہی ہے اور یہ کیسا تیشہ ہے جو تیری گردن میں لٹکا ہوا ہے یہ دیکھ کر جان لیں گے کہ یہ بت کسی بھلائی اور بُرائی کے مالک نہیں یہ تو ایسے عاجز ہیں کہ اپنے سے بھی ضرر کو دفع نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ لوگ واپسی کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ وہ بتوں کی عداوت میں مشہور تھے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ اپنے بتوں کی عاجزی اور لاچاری اور ان کی ذلت وخواری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رجوع کریں۔ غرضیکہ اس بحث ومناظرہ میں دو طریقے اختیار کیے ایک قولی اور ایک فعلی۔ اول زبان سے ان کے بتوں کی بے بسی ثابت کی۔ جب وہ اس سے قائل نہ ہوئے تو زبانی حجت سے گزر کر فعل سے بتوں کی بے بسی ثابت کی کہ وہ اپنی حفاظت اور مدافعت سے بھی عاجز ہیں اسی طرح قول اور فعل دونوں طریق سے ان پر حجت قائم کر دی۔

پس جب وہ لوگ اپنی عید سے واپس آئے اور بت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا۔ بولے کس نے ایسا کیا ہمارے بتوں کے ساتھ وہ شخص جس نے ایسا کام کیا بے شک وہ ظلم کرنے والوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا تذکرہ بُرائی کے ساتھ کرتا رہتا ہے اس کا نام ابراہیم علیہ السلام بتلایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے کیا ہے یہ کام اس کے سوا کون کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب مشرکین سے گفتگو کی تھی تو اس وقت ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا۔ ﴿ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ ... الخ ﴾ یعنی میں تمہارے ساتھ ایک چال چلوں گا تو جس شخص نے یہ لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان

سے سنا تھا اس نے یہ کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ کام اس نوجوان کا ہے کہ بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا تھا۔ جب یہ خبر نمرود اور اس کے ارکان دولت کو پہنچی تو بولے کہ پھر تو اس کو لے آؤ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تا کہ لوگ گواہی دیں کہ بتوں کو توڑنے والا یہی شخص ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ اس کو دیکھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ مجمع میں اس پر گفتگو ہو تا کہ ان لوگوں کی جہالت اور بے عقلی ظاہر ہو کہ جوان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام حاضر کیے گئے اس وقت ان لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے' ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں کہا بلکہ اس کام کو ان کے اس بڑے نے کیا ہے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور تیشہ (کلہاڑا) اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے ہے جو توڑنے کا آلہ ہے۔ شاید اس کو اس بات پر غصہ اور غیرت آئی ہو کہ تم اس بڑے کے ساتھ اور اس کے سامنے ان چھوٹوں کو کیوں پوجتے ہو اس لیے اس نے ان کو توڑ دیا۔ کیا جب اس بڑے بت کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ کام بھی اس نے ہی کیا ہو اور اگر تمہیں یہ شبہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے سو تم ان چھوٹے بتوں ہی سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں یہ خود ہی بتلا دیں گے کہ یہ کام کس نے کیا ہے' تمہارے اعتقاد میں جب یہ بت تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں تو لامحالہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکیں گے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ جو اس درجہ عاجز ہے کہ بولنے پر بھی قادر نہیں تو اس کو معبود بنانا حماقت ہے۔ کیونکہ جو بولنے سے بھی عاجز ہے اور جس مکان میں یہ واقعہ پیش آیا اس کے علم سے بھی قاصر ہے تو وہ معبود کیونکر ہو سکتا ہے۔ بتوں کو توڑنے والے بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے لیکن ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾ کہہ کر توڑنے کا حوالہ بڑے بت پر جو کیا تو وہ بطور جِد (حقیقت) نہ تھا بلکہ بطور استہزاء و تمسخر تھا۔ جس سے مقصود ان کی تحمیق و تجہیل تھی کیونکہ صورت حال ایسی تھی کہ یہ فعل (بتوں کا توڑنا) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اور بڑے بت کے درمیان دائر تھا جس میں سے ایک بلاشبہ عاجز تھا یعنی بت اور ایک بلاشبہ قادر تھا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو فعل عاجز اور قادر کے درمیان دائر ہو یعنی ایک تو اس فعل پر قادر ہو اور دوسرا اس فعل سے عاجز ہو قادر کو چھوڑ کر عاجز کی طرف اس فعل کی نسبت کی جائے تو یہ عاجز کے ساتھ تمسخر اور استہزاء ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا کہ احتمال کے درجہ میں بھی کافروں کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑ کر کلہاڑا اپنی گردن پر لٹکا لیا ہے۔ محض استہزاء کے طور ان سے یہ کہا ہے' یہ ایسا ہے جیسے کسی اعجاز رقم یعنی خوشنما تحریر کی کتابت کی نسبت کسی جاہل اور ان پڑھ کی طرف کر دی جائے اور اس ان پڑھ سے کہا جائے کہ "یہ اعجاز رقم کتابت آپ ہی نے فرمائی ہے" تو بلاشبہ یہ اس جاہل کے ساتھ استہزاء ہوگا اور یہ مطلب ہرگز ہرگز نہ ہوگا کہ فی الحقیقت اس کندۂ ناتراش نے یہ خوشنما تحریر لکھی ہے بلکہ یہ ایک قسم کا طنز ہوگا اگر کسی جاہل کو یہ کہا جائے کہ تو بڑا عالم ہے تو کسی عاقل کے نزدیک یہ جھوٹ شمار نہ ہوگا غرضیکہ اس قول ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود کسی واقعہ کی خبر دینا نہ تھا کہ اس کو کذب کہا جا سکے بلکہ بطور کنایہ ان کی تحمیق و تجہیل مقصود تھی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۲۹ ج و حاشیۂ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۱۶۱ اور حضرات اہل علم اس مقام پر حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۵۵ جلد ۴ ضرور دیکھیں)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں نے بت نہیں توڑے یا میں نہیں جانتا کہ کس نے یہ بت توڑے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے توڑنے اور پھوڑنے کے متعلق صراحۃً نہ اقرار کیا اور نہ انکار بلکہ ایسی بات کہی جس سے خود ظاہر ہو گیا کہ توڑنے والا کون ہے جیسے ایک کوٹھری میں فقط ایک شخص بیٹھا ہے اس نے زید کو پکارا زید نے متوجہ ہو کر وہاں آ کر پوچھا کہ اس کوٹھری میں سے مجھے کس نے

پکارا۔ اس نے جواب دیا کہ دیوار نے تو صاف مطلب یہ ہے کہ میں نے پکارا اس لیے کہ اس کوٹھڑی میں میرے سوا کوئی پکارنے والا نہیں اور دیوار پکار نہیں سکتی تو مطلب یہ ہوگا کہ میں نے پکارا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام بطور اخبار نہ تھا بلکہ بطریق تعریض وتوریہ ان کے الزام اور تحمیق وتجہیل کے لیے تھا اور اس کے بعد کا جملہ ﴿فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ اسی تجہیل کی تتمیم وتکمیل کے لیے تھا کہ یہ بت اگر بول سکتے ہیں تو یہ کام بھی کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا بولنا تو محال ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا یہ کام کرنا بھی محال ہے اور تم ہی نادان ہو کہ ایسی ذات کو معبود بنائے ہوئے ہو کہ جو بولنے پر بھی قادر نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا یعنی توڑنے کو بڑے بت کی طرف نسبت کرنا بطور تعلیق بالمحال تھا جس سے مقصود ان کی تبکیت اور توبیخ اور تنبیہ تھی معاذ اللہ یہ کسی واقعہ کی خبر نہ تھی جو کذب (جھوٹ) میں داخل ہو سکے اور بعض احادیث میں جو اس پر کذب کا اطلاق آتا ہے تو وہ محض ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے اور مقصود محض الزام اور اتمام حجت ہے۔ (دیکھو تفسیر بیضاوی وحاشیہ شیخ زادہ ص ۳۵۵ جلد ۳)

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں کیا خوب فرماتے ہیں:

لایدفع عن نفسه الفأس کیف یدفع عن عابدیه البأس.

"تحقیق جو ذات اپنے سر سے کلہاڑے کو دفع نہ کر سکے وہ اپنے پرستاروں کی بلا اور مصیبت کو کیسے دفع کر سکتی ہے۔"

غرضیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب لاجواب سن کر سب خاموش رہ گئے۔ تب انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور جہالت اور حماقت پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے پھر آپس میں بولے کہ بیشک تم ہی ظالم ہو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ ایک عاجز کو اپنا معبود بنایا ابتداء میں مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو ظالم بتلایا تھا جب ذرا ہوش آیا تو خود اپنے کو ظالم بتلایا اور جبراً و قہراً حق ان کی زبان پر جاری ہو گیا اور سمجھ گئے کہ بتوں کی عبادت کرنا ظلم ہے اور ان کا توڑنا ظلم نہیں پھر وہ خجالت اور ندامت سے سرنگوں ہو گئے یعنی شرمندگی سے سر جھکا لیے اور حیرت میں پڑ گئے اور بولے اے ابراہیم علیہ السلام تُو تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں پھر ہم ان سے کس طرح پوچھیں اور تو ہم سے کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھو۔ اس طرح سے خود اپنی حیرت کا اقرار کر لیا۔ پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس حجت اور اس جواب سے لاجواب ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا پھر اس اقرار اور اعتراف کے بعد بھی تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو کہ اگر تم اس کی عبادت کرو تو وہ تم کو نفع نہ پہنچا سکے اور اگر تم اس کی عبادت نہ کرو تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے ایسی بیکار چیزوں کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی تم اور تمہارے معبود سب ذلیل اور حقیر ہیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے جو اتنا بھی سمجھ سکو کہ ایسی عاجز اور لاچار چیز کو معبود بنانا صریح حماقت اور جہالت ہے جو چیز توڑی اور پھوڑی جا سکتی ہے وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی جہالت اور حماقت سے گھبرا کر ان کو "تف" کہا کہ میں ایسے بے وقوفوں سے بَری اور بیزار ہوں کہ جو باوجود حق واضح ہو جانے کے اور عذر قطع ہو جانے کے بھی اپنی جہالت پر جمے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تقریر دل پذیر کا جب کوئی جواب نہ بن آیا تو بمقتضائے اس قول کے۔

چو حجت نماند جفا جوئے را پپر خاش برہم کشد روئے را

تو پرخاش اور بیکار و آزار پر اتر آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ اس کو آگ میں جلا دو جو سب سے زیادہ ہولناک عذاب اور سزا

ہے اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر کچھ کر سکتے ہو یعنی اپنے معبودوں کی مدد کی صرف یہ صورت ہے کہ اسے آگ میں جلا دو بغیر اس کے ناممکن ہے جب تک یہ زندہ رہے گا برابر تمہارے معبودوں کو برا کہتا رہے گا۔ اور ان کی بے حرمتی کرتا رہے گا۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو آتشِ دوزخ سے ڈراتے تھے اس لیے نمرود نے یہ رائے دی کہ اس شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ جب نمرود اور اس کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کے جلانے پر اتفاق کر لیا اور ایک ہولناک آگ کا سامان کر کے ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا اس وقت ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس سے کوئی تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہو گیا۔ ان کا مقصود تو حاصل نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید حقانیت ظاہر ہو گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ بردًا کے ساتھ سلامًا کا لفظ نہ فرماتے تو وہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہو جاتی کہ ابراہیم علیہ السلام اس کی برودت سے مر جاتے یا ٹھٹھر جاتے اور اگر "علیٰ ابراھیم" (علیہ السلام) کا لفظ نہ فرماتے تو دُنیا کی ساری آگیں ٹھنڈی ہو جاتیں' مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ٹھنڈی ہو جا مگر تیری برودت ایسی معتدل اور خوشگوار ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کی راحت کا سبب بنے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے ایسا ہی ہو گیا اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کے صرف بند جلائے اور اس کے سوا کوئی ایذاء نہیں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آگ کی روشنی باقی رکھی اور اس کی حرارت کو مبدل بہ برودت کر دیا جیسے دوزخ کے مہتمم اور منتظم فرشتہ کو دوزخ کی حرارت محسوس نہیں ہوتی۔ اور شتر مرغ گرم لوہے کا ٹکڑا نگل جاتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور سمندل ایک جانور ہے جو آگ میں رہتا ہے اور آگ ہی اس کی زندگی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آگ کو اپنے خلیل علیہ السلام کے لیے بردوسلام بنا دیا۔ (دیکھو تفسیر غرائب القرآن ص ۳۵ جلد ۱۷ برحاشیہ ابن جریر اور دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۳۱ ج ۶)

اور ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فریب اور مکر کرنا چاہا اور ان کو جلانا چاہا پس ہم نے انہی کو ہر زیاں کار سے زیادہ تر زیاں کار کر دیا کہ ان کی ساری سعی بیکار گئی اور سب خسارہ اٹھانے والوں سے بڑھ کر ان کو خسارہ اٹھانے والا کر دیا اس طرح آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بردوسلام ہو جانا ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہوا جو ان کے لیے موجب صد عزت و کرامت اور سبب صد رفعت ہوا اور کافروں کے لیے موجب صد ذلت و اہانت ہوا۔ اور معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا سبب عادی کے اپنی قدرت و اختیار سے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی تائید و تقویت کے لیے کوئی ایسا امر ظاہر فرمائے کہ سارا عالم اس کے مثل لانے سے اور اس کے مقابلہ سے عاجز ہو۔ من جانب اللہ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت و کرامت کا سامان ہوا کہ آگ ان کے حق میں گلزار بن گئی اور نمرود کی ذلت اور اہانت کا یہ سامان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم پر ایک نہایت حقیر جانور مچھر کو مسلط کیا کہ نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جو کسی تدبیر سے نہ نکل سکا یہاں تک کہ نمرود اسی میں ہلاک ہو گیا اور مچھروں نے کافروں کے گوشت کھائے اور ان کے خون چوس لیے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی [1] ص ۳۰۵ ج ۱۱)

---

[1] قال الامام القرطبی قوله تعالیٰ: ﴿وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ ای اراد نمرود واصحابه ان یمکروا به جعلناهم الاخسرین فی اعمالهم ورددنا مکرهم علیهم بتسلیط اضعف خلقنا قال ابن عباس رضی الله عنهما سلط الله علیهم اضعف خلقه البعوض فما برح نمرود حتیٰ رای عظام اصحابه وخیله تلوح اکلت لحومهم وشربت دماء هم ووقعت واحدة فی منخره فلم یزل تأکل الیٰ ان وصلت دماغه وکان اکرم الناس علیه الذی یضرب راسه بموزیه من حدید فاقام بهذا نحوا من اربعمائة. (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۰۵ ج ۱۱)

ذکر ہجرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

اور بعد ازاں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور ان کے برادرزادہ لوط علیہ السلام کو کافروں سے نجات دی اور ان سے بچا کر اس زمین کی طرف پہنچا دیا جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے مراد اس ارض مبارکہ سے زمین شام ہے۔ ابراہیم علیہ السلام عراق میں رہتے تھے جہاں نمرود رہتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی اور ان کے ساتھ اور چند آدمیوں نے بھی ہجرت کی جو ان پر ایمان لے آئے تھے جن میں حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے جو ساری قوم کے خلاف ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے ﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ﴾ اور آپ علیہ السلام کی بی بی سارہ علیہا السلام بھی آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھیں۔ اوّل جا کر حران میں ٹھہرے پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے مصر چلے گئے پھر وہاں سے شام آئے اور فلسطین کے علاقہ میں اقامت اختیار کی اور لوط علیہ السلام نے مؤتفکہ میں رہنا اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس علاقہ کا نبی بنا دیا۔ غرضیکہ ان حضرات نے بحکم الٰہی ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی اور پھر ہجرت کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی درخواست کے مطابق بیٹا اسحاق دیا اور یعقوب پوتا بطور نفل اور زیادہ دیا یعنی پوتا بغیر درخواست کے بے مانگے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کل عمر ایک سو سینتالیس برس کی ہوئی۔ اوّل اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں اسحاق علیہ السلام بیٹا عطا کیا اور پھر اسحاق علیہ السلام کا بیٹا یعقوب علیہ السلام پیدا ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں پوتے کو بھی دیکھا اور پوتے کو نافلہ فرمایا اس لیے کہ نافلہ کے معنی زیادہ کے ہیں۔ پوتا چونکہ بیٹے پر زیادہ ہے اس لیے اس کو نافلہ کہا یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے سوال صرف فرزند کا کیا تھا۔ سو اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اسحاق علیہ السلام فرزند عطا کیا اور یعقوب علیہ السلام بغیر سوال کے زیادہ ملے۔ اس لیے ان کو نافلہ سے تعبیر کیا اور ان سب کو یعنی باپ اور بیٹے پوتے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان کو مخلوق کے لیے پیشوا بنایا کہ وہ لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق راہ بتائیں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے کی عموماً اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی خصوصاً وحی بھیجی۔ نیک کاموں میں نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ عباداتِ بدنیہ میں نماز سب سے افضل ہے اور عبادات مالیہ میں زکوٰۃ سب سے افضل ہے اور یہ سب خالص ہماری عبادت کرنے والے اور ہمارے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر طرح طرح سے احسان فرمائے۔ **اوّل** تو یہ کہ بچپن ہی سے ان کو رشد و ہدایت سے نوازا۔ **دوم** یہ کہ ظالم و جابر کے مقابلہ میں ان کو غلبہ عطا کیا۔ **سوم** یہ کہ ان کو بابرکت زمین کی طرف ہجرت کرائی۔ **چہارم** یہ کہ ان کو اولاد صالح عطا کی۔ **پنجم** یہ کہ اولاد کو بھی مقتداء اور پیشوائے عالم بنایا۔ ﴿ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

لطائف و معارف

① ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ ﴾ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کا رشد پہلے ہی سے دے دیا تھا، یعنی صغر سنی میں ان کو حق کی معرفت اور الہام اور حجت عطا کر دی تھی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ نبوت سے پہلے نبی نہیں ہوتے مگر صاحب الہام و معرفت ضرور ہوتے ہیں۔

② مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آ کر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا یہ کام تو نے کیا ہے تو

ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ ﴾ بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں ایک حدیث آئی ہے اس کا مطلب سمجھ لینا چاہیے وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین مرتبہ کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ایک تو اس وقت کہ جب ان کی قوم نے دریافت کیا کہ ان بتوں کو کس نے توڑا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ ﴾ یعنی ان کے بڑے نے توڑا، دوسرے اس وقت جبکہ ان کی قوم نے ان کو اپنے ساتھ عید میں چلنے کو کہا تو انہوں نے کہا ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ یعنی میں بیمار ہوں، تیسرے اس وقت کہ جب مصر کے ایک ظالم بادشاہ نے ان کی بی بی سارہ علیہا السلام کو گرفتار کیا تو انہوں نے یہ کہا ﴿ هٰذِهٖ اُخْتِیْ ﴾ "یہ میری بہن ہے"۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بظاہر جھوٹ بولنا مذکور ہوا حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو قطعی طور پر معصوم ہوتے ہیں اسی خیال کی بناء پر بعض لوگوں نے اس حدیث کی صحت سے انکار کر دیا مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور حدیث کی بے شمار معتبر اور مستند کتابوں میں اسانید صحیحہ اور جیدہ سے مذکور ہے جس کی صحت میں آج تک کسی امامِ حدیث نے کلام نہیں کیا اور نہ کلام کی گنجائش ہے۔

بلکہ اس حدیث میں کذب (جھوٹ) سے تعریض اور کنایہ مراد ہے یعنی ایسی ذو معنی بات کہنا کہ جو حقیقت اور واقع کے اعتبار سے تو صحیح ہو اور واقع کے مطابق ہو اور ظاہری معنی اور سرسری مطلب کے لحاظ سے سننے والا ایسے معنی سمجھے کہ اس کی سمجھ کے اعتبار سے خلاف واقع ہوں، حضرات انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک سے جو کلمہ نکلتا ہے وہ فی الحقیقت ہرگز ہرگز خلاف واقع نہیں ہوتا البتہ مخاطب اور سامع کے فہم اور ادراک کے لحاظ سے کبھی خلاف واقع ہوتا ہے "توریہ" کے معنی اخفاء یعنی چھپانے کے ہیں۔ متکلم نے کسی مصلحت کی بناء پر حقیقت حال کے چھپانے کے لیے ایسا لفظ بولا جس کے متعدد پہلو تھے، سامع اپنے قصور فہم کی وجہ سے اس کو پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ سامع کی نظر اس کلام کے ظاہری پہلو پر گئی اور متکلم کی نظر اس کی خفی اور پوشیدہ پہلو پر تھی سو یہ توریہ ہے جھوٹ نہیں چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ بہت بلند ہے اس لیے یہ امر بھی ان کی شان بلند کے مناسب نہیں کہ ان کے کلام میں کوئی پہلو خلاف توقع نکل سکے۔ توریہ اور کنایہ اگرچہ بربنائے مصلحت وضرورت جائز ہے مگر درجۂ رخصت میں، مقام عزیمت یہ ہے کہ بلا کسی توریہ اور کنایہ کے امر حق کو صراحۃً واضح کیا جائے اور کھول کر صاف صاف بیان کیا جائے۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر چونکہ بجائے عزیمت کے رخصت کی طرف تنزل فرمایا۔ سو یہ تنزل ان کے مقام جلیل سے کئی درجہ نازل تھا اس لیے قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام شفاعت سے پہلو تہی فرمائیں گے اور اپنے ان کنائی الفاظ کو ذریعۂ معذرت بنائیں گے۔

ان تین باتوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی بات بھی خلافِ واقع نہ تھی البتہ ایک دینی اور شرعی ضرورت کی بناء پر تعریض اور کنایہ کے باب سے تھی مگر ان کی شان رفیع اور مقام بلند کے لحاظ سے ایسی تعریض بھی ان جیسی جلیل القدر ہستی کے حق میں کذب کا حکم رکھتی ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین عقلاً وشرعاً یہ امر مسلّم ہے کہ تعریض اور توریہ کذب نہیں اور وہ فی حد ذاتہٖ جائز ہے نہ عصمت کے منافی ہے اور نہ نبوت کے منافی ہے۔ بعض مرتبہ خود حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اس کی اجازت دی ہے۔ ﴿ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ ﴾۔

دوم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تینوں باتیں محض دینی مصلحت کے لیے اور خالص اللہ کے لیے تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا ﴿ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ ... اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ اور ﴿ هٰذِهٖ اُخْتِیْ ﴾ کہنا یہ دو باتیں کہ جن میں ذرہ برابر بھی اپنا ذاتی نفع نہیں۔ البتہ تیسری

بات یہ میری بہن ہے اس میں بِمن وجہٖ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنا ذاتی نفع بھی تھا مگر ہر جگہ دینی مصلحت مدنظر تھی۔ اس وجہ سے حدیث میں ہے کل ذٰلك فی ذات اللہ اپنی ذاتی غرض اور دنیوی مصلحت مدنظر نہ تھی جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں مامنھا کذبۃ الاماحل بھا عَن دین اللہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کا ہر کذب (تعریض) محض اللہ کے دین کی حمایت اور مدافعت کے لیے تھا اپنے ذاتی فائدہ اور غرض کے لیے نہ تھا۔

سوم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کلمات تعریض اور الفاظ توریہ ایسی شدت اور مصیبت کے وقت میں دینی ضرورت کے لیے استعمال فرمائے کہ ایسی حالت میں صریح کذب کا استعمال فقط جائز ہی نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات واجب ہو جاتا ہے ظالم کے ظلم دفع کرنے کے لیے صریح کذب بھی جائز ہے اور کنایہ اور توریہ اور تعریض کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ سب درست تھے مگر بایں ہمہ ان کے مقام بلند نے اس کو بھی محسوس فرمایا اور دل میں بھی محجوب ہوئے اس لیے قیامت کے دن جو لوگ آپ علیہ السلام کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر جائیں گے تو ان تین باتوں کو شفاعت سے عذر کے لیے ذکر فرمائیں گے۔

حضرت حق جل شانہٗ کا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول ﴿ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ﴾ کے جواب میں یہ فرمایا ﴿ اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ ﴾ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علوشان کی دلیل ہے کہ ان کے اس سوال کو عدم ایمان سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے ان تعریض اور کنائی الفاظ پر کذب کا اطلاق ان کے علوشان کی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جن احادیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان تین باتوں میں کذب کی نسبت کی گئی ہے سو یہ اطلاق محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اور لَمْ یکذب الافی ثلاث میں اِلَّا استثناء منقطع کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تو صدیق معظم اور صدق مجسم تھے ان کی زبان سے کبھی کوئی کذب نکلا ہی نہیں۔ مگر ساری عمر میں تین باتیں ان کی زبان سے ایسی نکلیں کہ مخاطب نے سن کر ان سے جو سمجھا وہ خلاف واقع تھا۔ مخاطب کے اعتبار سے ان الفاظ کی صورت جھوٹ کی سی تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

③ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت اور برہان سے جب لاجواب ہو گئے تو جھنجھلا کر یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے سو انہوں نے ایک بلند اور بند مکان میں بے شمار ایندھن جمع کیا اور اس پر تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار آپ کا دوست آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ ہمیں اجازت دیجیے کہ اسکی مدد کریں خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ میرا دوست ہے اگر تم سے کوئی مدد چاہے تو میری طرف سے اجازت ہے کہ وہ اس کی مدد کرے چنانچہ جبریل امین علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تم کو کچھ حاجت ہے فرمایا کہ تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ کو میرے حال کا علم ہے وہ میرے لیے کافی ہے وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے وہ میرے لیے کافی ہے اور اس کا میرے حال کو جاننا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور ﴿ حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِیۡلُ ﴾ پڑھا۔ اللہ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت بردوسلام بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن سے بندھن اور طوق اور بیڑھیاں اور ہتھکڑی تو جلا دی مگر ابراہیم علیہ السلام کے جسم کو آنچ تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک ابراہیم علیہ السلام اسی آگ کے مقام میں رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے کہ جیسا عیش مجھے اس آگ میں

نصیب ہوا ایسا عیش عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔ایک فرشتہ ان کی تسلی کے لیے ان کے پاس آ بیٹھا اور جبریل علیہ السلام جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لائے اس قمیص کو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو بچھا دیا اور ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کو جھانکا تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں اور آتش کدہ ان کے لیے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں' یہ دیکھ کر نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو جواب دیا کہ ہاں اور کھڑے ہو گئے اور آگ میں چلنے لگے حتیٰ کہ اس سے باہر نکل آئے اور نمرود اور اس کے ارکان دولت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استقبال کیا اور یہ کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام تیرا سحر (جادو) بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔نمرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا پیچھا چھوڑ دیا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا اور اِدھر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔

بقدر ضرورت مختصراً ہم نے یہ قصہ ذکر کر دیا باقی آثار کی تفصیل اگر درکار ہے تو تفسیر در منثور ص ۳۲۱ ج ۵ اور تفسیر روح المعانی ص ۶۱ ج ۱۷۔اور البدایہ والنہایہ ص ۱۴۵ ج ۱۔اور تفسیر روح البیان ص ۴۶۸ ج ۵ دیکھیں۔

ان میں سے بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہیں مگر قرآن وحدیث کے معارض نہیں' اس لیے حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ((حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج)) ان پر انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

④ اس طرح آگ کا بردوسلام ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا اور یہ امر کوئی محال نہیں۔تمام کائنات عالم حق تعالیٰ کے تصور میں ہے اندرونی طور پر ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام سے سرتابی نہیں کر سکتے۔باطنی طور پر نفس ناطقہ اعضاء کو جو حکم دیتا ہے اس کے مطابق اعضاء حرکت کرتے ہیں۔اسی طرح بسائط اور مرکبات اللہ کے اندرونی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشی مادہ رکھا ہے جو کھانے کو ہضم کرتا ہے اور اس کو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی۔اور معدہ اس چیز کو ایسا گلا دیتا ہے کہ اس کا نام ونشان بھی نہیں رہتا جیسا کہ بول و براز سے ظاہر ہے۔انسان گوشت روٹی وغیرہ کھاتا ہے مگر یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ فضلہ کس چیز کا ہے۔معدہ میں پہنچ کر غذا کی صورت نوعیہ اور صورت شخصیہ سب ختم ہو جاتی ہے اور معدہ کی حرارت بلا کی حرارت ہے گوشت تو کیا ریت اور کنکر بھی وہاں جا کر پس جاتے ہیں' جیسا کہ پرندوں کے پیخال سے ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے غرضیکہ معدہ میں اس بلا کی حرارت ہے کہ سخت سے سخت غذا کو گلا کر اور باریک کر کے نکالتی ہے مگر انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو نہیں جلاتی' معدہ کی حرارت عجیب الخلقت حرارت ہے کہ کسی چیز کو جلاتی ہے اور کسی چیز کو نہیں۔پس جس خالق آتش نے معدہ کی آگ کو بدن کی انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو جلانے سے روک دیا اسی خالق نے آتش نمرود کو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے سے روک دیا۔بہر حال آگ اللہ کی مخلوق ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے اس کو جلاتی ہے اور جس کی حفاظت کا حکم ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے جیسا کہ آتش معدہ میں آپ نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔

حکایت : عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک بت رکھا اور کہا کہ جو اس بت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا اسی اثناء میں ایک بچہ والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا اس بت کو سجدہ کر۔ وہ عورت مومنہ تھی اس نے بت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لیے بت کو سجدہ کرے پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا اور بچہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بیتاب ہوگئی۔ یکا یک اس آگ میں سے بچہ نے آواز دی اے ماں تم بھی یہاں آ جاؤ یہ تو عشرت کدہ ہے یہاں تو خدا کی رحمت جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اندر آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسرار کا جلوہ دیکھو۔ جنہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے میں تجھے حق مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آ جا یہاں تو شہنشاہ حقیقی کا خوانِ کرم بچھا ہوا ہے۔ اور اے مسلمانو! تم سب اندر آ جاؤ اور پرواہ نہ کرو جس طرح ہو اس آگ میں کود پڑو اور ماں اپنے بچہ کا یہ کلام سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا کہ اے مسلمانو! تم بھی اسی باغ میں آ جاؤ یہ سنتے ہی لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے۔ نوبت بایں جا رسید کہ جو سپاہی پہرہ پر مقرر رہتے تھے وہ لوگوں کو منع کرنے لگے بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا اور وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے برگشتہ کرے لیکن تقدیر الٰہی نے اس کی تدبیر کو بالکل الٹ دیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش آ گیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا۔

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

عتاب کردن جہود آتش را کہ چرا نمی سوزی و جواب او

"کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب"

رو بآتش کرد شہ کای تندخو　　　آں جہاں سوز طبیعی خوت کو

بادشاہ غیظ وغضب میں بھرا ہوا آگ سے مخاطب ہو کر بولا اے تندخو تیری طبیعی عادت اور مزاجی خاصیت یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی۔

چوں نمی سوزی چہ شد خاصیت　　　یاز بخت ما دگر شد نیست

تو جلاتی کیوں نہیں۔ تیری طبیعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری بدقسمتی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور اصل ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہ رہی۔

می نہ بخشائی تو بر آتش پرست　　　آنکہ نہ پرستد ترا اوچوں پرست

اے آگ تو تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی۔ پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا وہ تیرے جلانے سے کیونکر بچ گیا۔

ہرگز ای آتش تو صابر نیستی　　　چوں نسوزی چیست قادر نیستی

اے آگ تو کسی حال میں بھی صابر نہیں کہ جلانے سے صبر کرے پھر کیا وجہ ہے کہ تو نہیں جلاتی۔ کیا تو جلانے پر قادر نہیں رہی۔

چشم بند است اے عجب یا ہوش بند چوں نسوز اند چنیں شعلہ بلند

اے آگ بڑے تعجب کی بات ہے اور عجب قصہ ہے یہ کیا نظر بندی ہے یا ہوش بندی ہے کہ اتنا بلند شعلہ جلاتا کیوں نہیں۔

جادوئے کردت کسے یا سیمیاست یا خلاف طبع تو از بخت ماست

اے آگ کیا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا کوئی طلسم اور شعبدہ ہے یا ہماری بدقسمتی سے تیرے مقتضائے طبیعت کے خلاف یہ کام ہو رہا ہے۔

جواب دادن آتش بادشاہ جہود را بامر بادشاہِ حقیقی

"بادشاہ حقیقی (حق تعالیٰ) کے حکم سے بادشاہِ مجازی کو آگ کا جواب دینا"

گفت آتش من ہانم آتشم اندر آتا بہ بینی تابشم

آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا کہ میں وہی آگ ہوں۔ میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ تو اندر آتا کہ تجھ کو میری تپش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔

طبع من دیگر نگشت و عنصرم تیغ حقم ہم بدستوری بُرم

میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی۔ میں حق کی تلوار ہوں اس کی اجازت سے کاٹتی ہوں جس طرح تلوار اپنے چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بلکہ شمشیر زن کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے اسی طرح میں جلانے میں مستقل نہیں کہ بلا حق تعالیٰ کی اجازت کے کسی کو جلا سکوں۔

بر در خرگہ سگان ترکمان چاپلوسی کردہ پیش مہمان

تم نے دیکھا ہوگا کہ ترکمان کے دروازہ پر کتا بیٹھا رہتا ہے جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ کتا مہمان کے آگے خوشامد کرنے لگتا ہے اور دم ہلانے لگتا ہے۔

در بخرگہ بگزرد بیگانہ او حملہ بیند از سگاں شیرانہ او

اور اگر کتا خیمہ کے پاس سے کوئی بیگانہ آدمی گزرتا ہوا دیکھتا ہے تو شیر کی طرح اس پر حملہ کرتا ہے۔

من زسگ کم نیستم در بندگی کم زتر کی نیست حق در زندگی

آگ نے کہا کہ میں بندگی اور فرمانبرداری میں کتے سے کم نہیں اور خداوندی و قیوم زندہ ہونے میں ترکی سے کم نہیں۔ دُور تک ں طرح سلسلۂ کلام چلا گیا ہے حاصل یہ ہے کہ تمام اسباب اور مسببات بالذات اور بالطبع کسی چیز میں مؤثر نہیں اسباب کی سببیت اور نیاء کی خاصیت سب اس کے حکم کے تابع ہے۔

لیکن سبب را آں سبب آورد پیش بے سبب کے شد سبب ہرگز زخویش

ایں سبب را آں سبب عامل کند بازگاہے بے برو عاطل کند

یہ دُنیا عالم اسباب ہے۔ ان اسباب ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا وہ قادر مطلق ہے جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو بے اثر اور بیکار بنا دیتا ہے جس طرح ان اسباب حادثہ کا وجود اس کے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور ان کی خاصیتیں بھی اس کے اختیار میں ہیں۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے مثنوی مولانا روم ص ۷۰ دفتر اوّل دیکھیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند بامن و تو مردہ باحق زندہ

حق جل شانہٗ کے اس قول ﴿یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا﴾ میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے خطاب فرمایا کہ تو ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برد اور سلام ہو جا۔ اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ ﴿یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ﴾ (ھود:۴۴) اور داوٗد علیہ السلام کے قصہ میں پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم دیا ﴿یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَ﴾ (سباء:۱۰) معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں زندہ ہیں اللہ کے حکم کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور اسی پر چلتی ہیں آخر موسیٰ علیہ السلام کا عصا ایک لکڑی ہی تو تھا۔ مگر ہر لکڑی میں یہ خاصیت نہیں کہ وہ اژدھا بن کر سانپوں کو نگل جائے اگر بالفرض والتقدیر عصاء موسیٰ اب کہیں سے مل جائے اور بالفرض والتقدیر کسی طرح یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ وہی عصا ہے تب بھی وہ آثار نمودار نہ ہوں گے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے تھے۔ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ طبیعت اور فطرت اور مادہ اور نیچر کے چکر میں نہ پڑے خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کو بے چون و چرا مان لے تم کتنے ہی بڑے فلسفی اور سائنسدان ہو جاؤ۔ پوری حقیقت اور پوری ماہیت تمہیں ایک چیز کی بھی معلوم نہیں۔ کچھ ظاہری چیزوں کی شُد بُد ہو گئی ہے جس نے تم کو مغرور بنا دیا ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

جواب دیگر: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آگ کا طبعی خاصہ جلانے کا ہے تو کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی ایسا سامان پیدا کر دیں کہ آگ اثر نہ کر سکے جیسے آج کل ایسی چیزیں ایجاد ہوئیں کہ وہ جسم کو آگ کے شعلوں سے محفوظ رکھ سکتی ہیں جن کو فائر پروف کہا جاتا ہے تو کیا خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے خلیل کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی سامان پیدا کر دے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو جبرئیل امین علیہ السلام جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لے کر آئے اس قمیص کو تو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو ان کے نیچے بچھا دیا۔ (دیکھو روح المعانی ص ۶۳ ج ۱۷) تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جنت کا یہ حریری قمیص اور حریری فرش اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھنے کے لیے فائر پروف کا کام دے سکے۔

⑤ ایک کرامت:

یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا بعض مرتبہ حق جل شانہٗ کسی مقبول بندہ کو اپنے نبی کے معجزہ کا کوئی نمونہ عطا فرما دیتے ہیں۔ جو اس کی کرامت ہوتی ہے اور وہ کرامت جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے وہ کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے معجزہ سے کمتر اور فروتر ہوتی ہے۔ علماء اور اولیاء چونکہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اس لیے اتباع شریعت کی برکت سے نبی کے طفیل میں بحق وراثت کبھی کبھی کوئی کرامت عطا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے فوائد میں لکھا ہے کہ جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اسی قسم کا ایک واقعہ (بطورِ نمونہ) ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض متبعین یعنی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آیا اور وہ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ ہیں کہ

اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نہیں سنتا یعنی میں نہیں گواہی دیتا۔ اس پر اسود عنسی نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے۔ چنانچہ آگ جلائی گئی اور اس میں ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو ڈال دیا گیا۔ پھر اس کو خبر دی گئی کہ وہ اس میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر اسود عنسی خوفزدہ ہو گیا۔ وہ آگ آپ پر بردوسلام بنا دی گئی۔ پھر ابو مسلم رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ جب مدینہ پہنچ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو اس وقت وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں عمر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور مرحبا کہہ کر ان کو اپنے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھلایا اور کہا کہ الحمد للہ کہ جس نے موت سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسا شخص دکھلا دیا جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔

وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ
اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ اور بچا نکالا اس کو اس شہر سے جو کرتے تھے
تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ۙ وَ اَدْخَلْنٰهُ
گندے کام۔ وہ تھے لوگ برے بے حکم۔ اور اس کو لے لیا ہم نے
فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ع
اپنی مہر میں۔ وہ ہے نیک بختوں میں۔

ع ۵ ۲۵ ۵

③ قصہ حضرت لوط علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ... الی ... اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾﴾

یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اللہ کے عباد صالحین اور عابدین میں سے تھے اور لوط کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا یعنی ان کو نبوت عطا کی۔ اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی۔ جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کرتے تھے وہ بستی سدوم تھی جن افعال خبیثہ اور شنیعہ کے یہ لوگ عادی تھے ان میں سب سے زیادہ [1] گندہ فعل ① لواطت تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بُرے افعال کے خوگر تھے مثلاً: ② رہزنی اور ③ کبوتر بازی اور ④ گانا بجانا اور ⑤ شراب خوری اور ⑥ ڈاڑھی کٹانا اور

---

[1] فقد اخرج اسحاق بن بشر والخطیب وابن عساکر عن الحسن (مرسلاً) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا ① ايتان الرجال بعضهم بعضا. و ② ميهم بالجلاهق ③ والخذف و ④ لعبهم بالحمام و ⑤ ضرب الدفوف وشرب الخمور ⑥ وقص اللحية و ⑦ طول الشارب ⑧ والصفر ⑨ والتصفيق ولباس الحرير ⑩ وتزيدها امتي بخصلة ايتان النساء بعضهن بعضا۔
(روح المعانی ص ۶۶ ج ۱۷)

⑦ مونچھیں بڑھانا اور ⑧ سیٹی بجانا اور ⑨ تالیاں بجانا ⑩ اور ریشمی کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ۔ کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے ہی بدذات اور بدکار تھے۔ حدود اطاعت سے باہر ہو چکے تھے اور ہم نے لوط علیہ السلام کو ان بدذاتوں سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ بڑے نیک بختوں میں تھا اس لیے ہم نے اس کو فاسقین میں سے نکال کر صالحین میں داخل کرلیا۔

وَ نُوحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ
اور نوح کو جب اس نے پکارا اس سے پہلے پھر سُن لی ہم نے اس کی پکار اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو
الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ
بڑی گھبراہٹ سے۔ اور مدد کی اس کی ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾
وہ تھے بُرے لوگ، پھر ڈبایا ہم نے ان سب کو۔

④ قصۂ حضرت نوح علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ وَ نُوحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ ... الٰی ... فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾ ﴾

چوتھا قصہ نوح علیہ السلام کا بیان فرماتے ہیں اور اے نبی! نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے جبکہ انہوں نے ان انبیاء علیہم السلام سے پہلے اپنے پروردگار کو فریاد کے لیے پکارا اور اللہ سے دعا کی: ﴿ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ... رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴾ اے پروردگار! میں مغلوب اور عاجز ہوں تو میرا بدلہ لے لے۔ اور روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ پس ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور اس کو اور اس کے کنبہ والوں کو ڈوبنے کی بڑی مصیبت سے نجات دی اور ہم نے اس کی اس قوم کے مقابلہ میں مدد کی۔ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا' بلاشبہ وہ بہت ہی برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔ کوئی نہیں بچا۔ طوفان کے عام اور خاص ہونے کی بحث سورۂ ہود میں گزر چکی۔

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ
اور داؤد اور سلیمان کو، جب لگے فیصل کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند گئیں اس کو رات میں بکریاں
الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾ۙ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا
ایک لوگوں کی اور روبرو تھا ہمارے ان کا فیصلہ۔ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو۔ اور دونوں کو

اٰتَيۡنَا حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ۫ وَّسَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ يُسَبِّحۡنَ وَالطَّيۡرَ ؕ

دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ۔ اور تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ پڑھا کرتے تھے اور اڑتے جانور۔

وَكُنَّا فٰعِلِيۡنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّـكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡ

اور ہم نے یہ کیا تھا۔ اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا کہ بچاؤ ہو تم کو

بَاۡسِكُمۡ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ شٰكِرُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ عَاصِفَةً تَجۡرِىۡ

تمہاری لڑائی سے۔ سو کچھ تم شکر کرتے ہو۔ اور سلیمان کے تابع کی باؤ جھپکے کی، چلتی

بِاَمۡرِهٖۤ اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَىۡءٍ عٰلِمِيۡنَ ﴿۸۱﴾

اس کے حکم سے، زمین کی طرف جہاں برکت دی ہم نے۔ اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے۔

وَمِنَ الشَّيٰطِيۡنِ مَنۡ يَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِكَ ۚ وَ

اور تابع کیے گئے شیطان، جو غوطہ لگاتے اس کے واسطے اور کچھ کام بناتے اس کے سوا۔ اور

كُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِيۡنَ ۙ﴿۸۲﴾

ہم تھے ان کو تھام رہے۔

⑤ قصہ داؤد و سلیمان علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ اِذۡ يَحۡكُمٰنِ فِى الۡحَـرۡثِ ... الی ... وَكُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِيۡنَ ۙ﴿۸۲﴾﴾

یہ پانچواں قصہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں اور باوجود بادشاہت اور فرمانروائی کے خدا پرست تھے اور غایت درجہ کے عادل اور منصف تھے۔ امیری اور فقیری اور شاہی اور درویشی دونوں کے جامع تھے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت کا نمونہ تھی داؤد اور سلیمان علیہما السلام نبی تھے اور اللہ کے خلیفہ تھے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نبی نہ تھے، مگر اعلیٰ درجہ کے ولی تھے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کیجیے جبکہ وہ دونوں، ایک کھیتی کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے۔ جبکہ رات کے وقت اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم اس کے فیصلہ کے وقت موجود تھے، ہمارے روبرو یہ فیصلہ ہوا۔ صورت یہ ہوئی کہ ایک شخص کی بکریوں نے ایک شخص کا کھیت بالکل چر لیا۔ فریقین اپنا مقدمہ لے کر فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے۔ کھیت والے نے کہا کہ اس شخص کی بکریاں رات کو میرا سارا کھیت

چر گئیں اور اس میں نال تک نہ چھوڑی، حضرت داوٗد علیہ السلام نے حال سن کر حساب کیا تو معلوم ہوا کہ کل بکریوں کی قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے۔ لہٰذا آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہ بکریاں سب کھیت والے کو دے دی جائیں کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی، وہ یہ فیصلہ سن کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو یہ کہا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو یہ فیصلہ نہ کرتا۔ میں دوسری طرح فیصلہ کرتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میرے نزدیک فیصلہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ بکریاں تو کھیت والے کو دے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ اور نسل سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں یہاں تک کہ جب سال آئندہ اس کا کھیت پھر اس حالت پر آجائے کہ جس دن وہ کھایا گیا تھا تو بکریوں والا اس کا کھیت اس کے حوالے کردے اور اپنی بکریاں اس سے واپس لے لے۔ اس میں دونوں کا فائدہ ہے نقصان کسی کا نہیں۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو اس فیصلے کو بہت پسند کیا اور اپنے فیصلہ سے رجوع فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے فیصلہ کا یہ طریقہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا کہ جو دونوں فریق کے حق میں مفید ہو گیا اور ہر ایک کو یعنی باپ اور بیٹے کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا دونوں فیصلے حق تھے دونوں کا مقصد یہ تھا کہ اس نقصان کا تاوان اور ضمان دلایا جائے۔ داوٗد علیہ السلام نے ضمان کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل کر کے کھیت والے کی ملک کردیں اور سلیمان علیہ السلام نے کسی کی ملک زائل نہیں کی بلکہ بکریوں کے منفعت سے اس کے نقصان کی تلافی کردی کہ اتنی مدت تک بکریوں کی منفعت کھیت والے کے لیے حلال کردی جب تک وہ کھیت اپنی اصلی حالت پر نہ آجائے کھیت والا بکریوں کے چر جانے کی وجہ سے اپنے کھیت کی منفعت سے محروم ہو گیا تھا۔ اس کی تلافی کے لیے ایک مدت تک بکریاں اس کی حوالہ کردی گئیں کہ اس سے منتفع ہوتا رہے بدون اس کے کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل ہو نقصان کی تلافی منفعت سے فرما دی۔

حضرت داوٗد علیہ السلام نے بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا کہ ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ جو چوری کرے تو اس کو غلام بنالیا جائے، اس کے مطابق یہ حکم دیا ﴿قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ (یوسف: ۷۵) اور سلیمان علیہ السلام نے دوسرا فیصلہ کیا۔ جس میں دونوں کا نقصان نہ ہو حضرت داوٗد علیہ السلام کا یہ فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کا وقت تھا بکریوں کی حفاظت اور ان کو بند رکھنا بکریوں کے مالک کا ذمہ تھا اگر وہ بکریوں کی پوری نگرانی رکھتا تو بکریاں باہر نکل کر کسی کا کھیت خراب نہ کرتیں پس جب بکریوں کے مالک نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی اور اس کوتاہی کی وجہ سے دوسرے کا کھیت خراب ہوا۔ تو داوٗد علیہ السلام نے اس نقصان کے ضمان اور تاوان میں بکریاں کھیت والے کو دے دیں اور کھیت والے کو ان بکریوں کا مالک بنا دیا۔ کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی اس قسم کے فیصلہ کو اصطلاح فقہاء میں قیاس جلی کہتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ملکیت ہر ایک کی بحالہ برقرار رکھی۔ کھیتی کے نقصان کی تلافی بکریوں کے منافع سے کردی اس قسم کے قیاس کو اصطلاح فقہاء میں استحسان کہتے ہیں۔ پس جس طرح حضرت داوٗد علیہ السلام نے سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ سن کر اپنے فیصلہ سے رجوع کیا اسی طرح فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ قیاس جلی کے مقابلہ میں قیاس استحسان کی طرف رجوع کرنا اولیٰ اور احسن ہے فیصلے دونوں ہی حق تھے مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا وہ ایک قسم کی صلح تھی اور فریقین اس پر راضی تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم و حکمت کی تعریف کی اور اس مسئلہ اور اس فیصلہ میں سلیمان علیہ السلام کی خاص طور پر مدح فرمائی کہ ہم نے ان کو اس مسئلہ میں اپنی خاص تفہیم غیبی سے نوازا۔ سلیمان علیہ السلام اس وقت کمسن تھے۔ دس گیارہ سال کی عمر تھی۔ بوڑھے باپ کی موجودگی میں کمسن لڑکے کی زبان سے ایسے علم کا ظاہر ہونا وہ درحقیقت منجانب اللہ

باپ کے لیے بشارت تھی کہ یہ سمجھدار بیٹا جب تمہارے بعد تمہارا خلیفہ اور جانشین ہوگا تو ایسے فیصلے کرے گا۔

زکریا علیہ السلام کو یہی خوف تھا کہ میرے بعد نہ معلوم میرا جانشین کیسا ہوگا اس لیے دعا مانگی ﴿وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ يَّرِثُنِیْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴾ (مریم:۵،۶) اور عجب نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا یہ حکیمانہ فیصلہ باپ کی فیضِ صحبت اور ان کے نورِ نبوت اور نورِ خلافت کا عکس اور پرتو ہو لختِ جگر باپ کا جزء ہوتا ہے اور جزء کل کے مغایر نہیں ہوتا۔ پہلا فیصلہ کل کی زبان سے صادر ہوا۔ اور دوسرا فیصلہ جز کی زبان سے ظاہر ہوا۔ بظاہر صورت مختلف ہے مگر حقیقت ایک ہے۔

ذکر بعض معجزات و کرامات حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو علم و حکمت کے عطاء کرنے کا ذکر فرمایا۔ اور یہ نعمت اور کرامت دونوں میں مشترک تھی اب آئندہ آیات میں ان بعض معجزات اور کرامات خاصہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان دو پیغمبروں کو عطاء کیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ آواز سے تسبیح کرتے تھے داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی بھی ان کا ایک معجزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو ان کے ساتھ شجر اور حجر اور پہاڑ اور پرند سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی ہم ہی یہ کام کرنے والے تھے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر اور تسبیح یہ سب ہمارا ہی کام ہے ہماری قدرت کے اعتبار سے کوئی عجیب چیز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اور وہی اس کا فاعل ہے اللہ اپنے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر پیدا کر دیتا ہے اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے ایک قسم کا لباس یعنی زرہ بنانے کی صنعت سکھلائی تا کہ وہ لباس لڑائی میں تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اس کی وجہ سے تم دشمن کی زد اور اس کے وار سے محفوظ رہ سکو۔

داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ کو حلقہ اور کڑیوں کے ساتھ بنایا۔ خدا تعالیٰ نے لوہا کو ان کے لیے نرم کر دیا۔ بغیر آگ کے لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور وہ اس سے زرہ بنالیا کرتے تھے۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ داؤد علیہ السلام سے پہلے زرہ تختیوں کی شکل میں ہوتی تھی، حلقے اور کڑیاں اس میں نہ تھیں تسبیح جبال و طیر کی طرح یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا پس کیا تم اس نعمت کا شکر کرو گے۔ اسی طرح زرہ سازی کی یہ صنعت اللہ کی نعمت ہے اور پھر اس کے نبی کا فیض ہے جو آج تک جاری ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس کا شکر کرو۔ اب آگے سلیمان علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے زور سے چلنے والی ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا کہ وہ ان کے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف جاتی تھی جہاں ہم نے برکت رکھی تھی یعنی ملک شام کی طرف اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ان کے تابع تھی۔ زور سے چلنے کا حکم دیتے تو زور سے چلتی اور تیز ہو جاتی اور نرم چلنے کا حکم دیتے تو نرم ہو جاتی وہ ہوا سلیمان علیہ السلام کو اور ان کے اصحاب کو یمن سے شام اور شام سے یمن پہنچا دیتی جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ ﴿تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ﴾ (ص:۳۶) اور برکت والی زمین سے سرزمینِ شام مراد ہے اور یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے اگر بندہ اپنی طاقت سے ہوائی جہاز بنا سکتا ہے تو کیا خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے مقبول بندہ کے لیے اس کے تخت ہی کو ہوائی جہاز بنا دے اور بلا سبب ظاہری کے ہوا کو اس کے لیے مسخر کر دے کہ اس کے حکم کے تابع ہو جائے اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں یعنی ہم کو

یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس نعمت و کرامت کے اہل ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس نعمت و کرامت کے ملنے کے بعد مغرور نہ ہوں گے بلکہ ان کی تواضع اور فروتنی میں اور اضافہ ہوگا۔

غرضیکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ یعنی معجزۂ تسخیر ہوا، ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں ان کے دوسرے معجزہ یعنی تسخیر جن کے معجزہ کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے جنات کی جماعت میں سے سلیمان علیہ السلام کے لیے ان شیاطین کو مسخر کر دیا کہ جو ان کے واسطے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور اس کی تہ میں سے جواہرات نکال کر لاتے ہیں اور اس غواصی کے علاوہ اور بھی ان کے بہت سے کام کرتے ہیں اور کاموں سے مراد نفیس نفیس عمارتیں بنانا اور عجیب عجیب صنعتوں کا ایجاد کرنا یہ سب کام جنات کیا کرتے تھے۔ اور ہم ان کے نگہبان اور نگران تھے' کسی کی مجال نہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر ہو سکے نہ کوئی مطالبہ تھا اور نہ کوئی پڑتال تھی اور نہ کسی کی تنخواہ تھی۔ ملک کے تمام کارخانے انہی جنات اور شیاطین کی محنت اور خدمت سے چل رہے تھے حکم سلیمان علیہ السلام کا چل رہا تھا اور یہ سب کے سب ان کے فرمانبردار غلام تھے اور بلا تنخواہ کے کام کر رہے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عطاء فرمودہ شخصی بادشاہت تھی کوئی جمہوری اور قومی حکومت نہ تھی۔ سارے ملک میں سلیمان علیہ السلام کی آمریت تھی ﴿ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ ﴾ لیکن سلیمان علیہ السلام کی یہ آمریت خداوند احکم الحاکمین کی شہنشاہی کا آئینہ تھی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت لکڑی کا تھا اور اس کے گرد ایک تختہ تھا جس پر ضروری اشیاء رکھی جاتی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ دیگر ارکانِ دولت بھی بیٹھتے اور ضروری سامان مثلاً گھوڑے اور خیمے اور فرش بھی جس قدر چاہتے ساتھ رکھ لیتے اور پرند اوپر سے آ کر سایہ کر لیتے اور ہوا کو حکم ہوتا کہ چلے جدھر چاہتے وہاں لے کر رواں ہو جاتی اور جہاں چاہتے وہاں اترتے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴾ اور فرمایا: ﴿ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ﴾ (سباء: ۱۲)۔

یہ معجزہ تو تسخیر ہوا کا تھا اور دوسرا معجزہ شیاطین کا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور جنات کو سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں مسخر اور مقہور کر دیا تھا جس سے وہ چاہتے کام لیتے۔ نہ کوئی بھاگ سکتا تھا اور نہ سرکشی کر سکتا تھا۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴾ (صٓ: ۳۸)۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۷ ج ۳)

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ ۚ

اور ایوب کو جس وقت پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ

پھر ہم نے سن لی اس کی پکار اور اٹھا دی جو اس پر تھی تکلیف اور دیئے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے برابر

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾

ساتھ ان کے اپنے پاس کی مہر سے اور نصیحت بندگی والوں کو۔

⑥ قصۂ ایوب علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ اَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۸۳﴾ ... الی ... وَ ذِکۡرٰی لِلۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۴﴾﴾

یہ چھٹا قصہ ایوب علیہ السلام کا ہے جو طرح طرح کے مصائب سے آزمائے گئے اور بے مثال صبر فرمایا۔ ان کا صبر خود ایک مستقل معجزہ تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے خوشحال پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آسودہ کر رکھا تھا۔ باغ اور کھیت اور مویشی اور مال و دولت اور اولاد صالح اور مرضی کے مطابق عورت وغیرہ وغیرہ دے رکھی تھیں۔ اس خوشحالی میں وہ خدا کے شکرگزار بندے تھے پھر خدا تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد اور باغ اور کھیت سب فنا ہوگئے اولاد مرگئی اور دوست آشنا سب الگ ہوگئے۔ صرف ایک بیوی رفیق رہ گئی اور اخیر میں وہ بھی کچھ گھبرا سی گئی مگر ایوب علیہ السلام جس طرح نعمت میں خدا کے شکرگزار رہے اسی طرح وہ بلا میں بھی صابر رہے نہ زبان سے کوئی حرف شکایت اور نہ دل میں شکایت کا کوئی خطرہ گزرا جب بیماری حد سے گزر گئی تب اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔ اور ان کو صحت اور عافیت عطاء کی۔ اور جو اولاد دب کر مرگئی تھی اس کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطاء کر دی اور اپنے فضل سے ان کی پھر وہی خوشحالی کی حالت کر دی بلکہ اس سے بہتر۔

اب ان آیات میں ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ صابروں اور شاکروں کے لیے عبرت ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ ہمارے صابر بندہ ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرو جبکہ ان کو اللہ کی طرف سے جان اور مال اور اولاد میں ہر طرف سے بلا پہنچی حتیٰ کہ جسم کا کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہا۔ بقول بعض اٹھارہ برس اسی تکلیف میں گزارے اور حیاء و شرم کے مارے حق تعالیٰ سے اپنی عافیت اور تندرستی کی دُعا بھی نہ کی کہ سالہا سال حق تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارے ہیں جب تک اتنی مدت تک اس کی بلاؤں پر صبر نہ کرلوں اس وقت تک کس منہ سے مانگوں حتیٰ کہ اگر بدن کے زخم سے کسی وقت کوئی کیڑا گر جاتا تو اس کو اٹھا کر پھر اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ میرے پروردگار کی بھیجی ہوئی بلا ہے اے بلا تو میرے بدن کو اچھی طرح کھا۔ یہ کمال رضاء بقضاء اور صبر بہ بلاء ہے کہ یہ تکلیف انتہا کو پہنچی ہوئی ہے مگر حال یہ ہے کہ "ایلام دوست بہ از انعام دوست" بالآخر ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے پروردگار تحقیق مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے جو تیری شان ارحم الراحمین کا اقتضاء ہو وہ کر گزر ایوب علیہ السلام نے اپنا سوال تو پیش کر دیا لیکن درخواست کو ظاہر نہ کیا۔ حق تعالیٰ کی غایت رحمت کا ذکر کیا اور اپنی عاجزی اور لاچاری ظاہر کی اور خاموش ہوگئے مطلب یہ تھا کہ میں تیری بارگاہ رحمت میں کیا عرض کروں۔ عرض کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں اور یہ میری بیماری اور لاچاری آپ کے سامنے ہے جو چاہیں کریں میں آپ کا بندہ ہوں لیکن آپ کی رحمت کا محتاج ہوں پس ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم نے ان کی دعا قبول کی سو جو تکلیف اور بیماری ان کو لاحق تھی وہ یک لخت ہم نے دور کر دی اور ہم نے ان کو بعینہ ان کے اہل و عیال عطا کر دیئے یعنی ان کو زندہ کر دیا اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ دے دیئے یعنی جو اولاد مرگئی تھی اس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اس کے بعد پیدا کر دی جو گزشتہ اولاد کے برابر تھی ایوب علیہ السلام نے جب اپنے رب کو پکارا تو دریائے رحمت جوش میں آگیا اور آواز آئی۔ اے ایوب علیہ السلام اپنا پاؤں زمین پر مار۔ ایک چشمہ نمودار ہوا۔ اس سے ایوب علیہ السلام نے غسل کیا۔ اس سے ان کی تمام بیماری یک لخت جاتی رہی

اور خوبصورت بدن نکل آیا۔ بیوی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایوب علیہ السلام نے کہا میں وہی ایوب علیہ السلام ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ اور مجھ پر میرا مال اور اہل وعیال سب واپس کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے ایوب کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ارحم الراحمین کی رحمت اور عنایت ایسی ہوتی ہے اور تا کہ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت اور عبرت ہو کہ صبر ایسا ہوتا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ صبر اور شکر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی اقتداء کریں۔

اس واقعہ میں ایوب علیہ السلام کو چار ابتلاء پیش آئے ① مال جاتا رہا ② اولاد مرگئی ③ بدن بیماری سے پھٹ گیا ④ سوائے بیوی کے سب نے چھوڑ دیا اور شماتت کرنے لگے کہ ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی سخت ملی ہے۔ ایوب علیہ السلام نے اس ابتلاء اور بلا پر صبر کیا۔ اوّل تو دعا پر بھی راضی نہ تھے حیا اور شرم کی وجہ سے صحت کی دعا بھی نہ کرتے تھے بالآخر بیوی کے اصرار سے اپنی صحت کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی بھی عطا کی اور جو اولاد مرگئی تھی اس کو دوبارہ زندہ کر دیا چونکہ جو اولاد اکٹھی ہی دب کر مرگئی بظاہر وہ موت اجل نہ تھی بلکہ موت ابتلاء و آزمائش تھی اس لیے ان بنی اسرائیل کی طرح دوبارہ زندہ کر دی گئی جن کو طاعون سے بھاگنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ ﴾ (البقرہ: ۲۴۳) بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پہلے کی طرح مال و دولت بھی عطا کر دیا جس قدر مال ان کا جاتا رہا تھا اسی قدر اللہ نے پھر ان کو دے دیا بلکہ اس سے زائد۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایوب علیہ السلام ایک دن غسل فرما رہے تھے کہ اُوپر سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں۔ ایوب علیہ السلام ان کو اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب کیا میں نے تجھ کو اس چیز سے غنی نہیں کیا کہ جس کو تو دیکھتا ہے۔ عرض کیا کیوں نہیں لیکن تیری برکت سے غناء نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ میرا سونے کی ٹڈیوں کی طرف رغبت کرنا دنیاوی غنا حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ سونے کی ٹڈیاں تیری طرف سے بلا سبب ظاہری کے برس رہی ہیں اور یہ تیری طرف سے بلاشبہ برکت ہیں اور بندہ کتنا ہی مالدار ہو جائے مگر خدا کی برکت سے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ سے طلب زیادت قناعت کے منافی نہیں البتہ غیر اللہ سے سوال قناعت کے منافی ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾
اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ یہ سب ہیں سہارنے والے۔
وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾
اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی مہر میں۔ وہ ہیں نیک بختوں میں۔

⑦ قصۂ حضرت اسمٰعیل وادریس وذوالکفل علیہم السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ ... الٰى ... اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا قصہ بیان فرمایا۔ اب یہ ساتواں قصہ ان تین حضرات کا ہے جو اپنے زمانہ میں صبر اور تحمل میں بے مثال تھے اس قصہ سے اور گزشتہ قصہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی مقصود ہے اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر کیجیے۔ ان میں سے ہر ایک صابرین میں سے تھا اور ہم نے ان کو اپنی خاص الخاص رحمت میں داخل کر لیا تھا اور یہ لوگ بلاشبہ صلاح میں کامل تھے ان کی صلاحیت میں کسی قسم کا نقص اور کدورت کا شائبہ نہ تھا۔

ان تینوں پیغمبروں نے بڑی بڑی تکالیف اور آزمائشوں پر صبر کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے ذبح کی تکلیف پر صبر کیا اور خدا کے لیے جان دینے پر راضی ہو گئے اور ابتداءً جو مکہ میں قیام کیا اس میں بھی بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ اور ادریس علیہ السلام کی عبادت کا قصہ سورۂ مریم میں گزر چکا ہے کہ وہ ترک طعام وشراب کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے اور ذوالکفل علیہ السلام بقول اکثر محققین نبی تھے اور ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے اور ان کو ذوالکفل علیہ السلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم میں عدل وانصاف کے کفیل تھے اور دن میں روزہ رکھتے اور شب میں تہجد کے کفیل تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فقیروں اور مسکینوں کی پرورش کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ (واللہ اعلم)

بہرحال جمہور علماء کے نزدیک ذوالکفل علیہ السلام نبی صالح تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ ایک مرد صالح تھے علماء محققین کے نزدیک پہلا ہی قول صحیح ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى
اور مچھلی والے کو، جب چلا گیا غصہ سے لڑ کر، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے پھر پکارا
فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿٨٧﴾
ان اندھیروں میں، کہ کوئی حاکم نہیں سوا تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـۨــْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾
پھر سن لی ہم نے اس کی پکار، اور بچا دیا اس گھٹنے سے۔ اور یوں ہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

⑧ قصۂ یونس علیہ السلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا ... اِلٰى ... وَكَذٰلِكَ نُـۨــْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾﴾

یہ آٹھواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے جن کو ذوالنون کہا جاتا ہے۔ ''نون'' کے معنی مچھلی کے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو لقمہ کر لیا تھا اس لیے ان کا لقب ذوالنون ہوا یعنی مچھلی والے۔ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چلے گئے تھے، جب دیکھا کہ قوم کفر اور سرکشی پر تلی ہوئی ہے تو یونس علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اس لیے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ کافروں کے ایمان سے ناامید

ہوئے تو ناراض ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور ان کا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ اگرچہ حق اور درست تھا، مگر چونکہ ان کا بستی سے نکل جانا بدون حکم الٰہی کے تھا اس لیے ان پر عتاب آیا کہ ان کو چاہیے تھا کہ اس بارہ میں وحی اور حکم الٰہی کا انتظار کرتے اس طرح سے گھبرا کر ایک دم سے نکل کھڑا ہونا ان کی شایان شان نہ تھا بمقتضائے بشریت گھبرا کر نکل گئے یہ ان کی اجتہادی خطا تھی جو امت کے حق میں معاف ہے جب یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اپنی خطا کا اعتراف کیا تو مچھلی کو حکم ہوا کہ کنارہ پر آ کر اگل دے۔ اس نے کنارہ پر آ کر اگل دیا۔ صحیح سالم پھر اپنی سابق بستی کی طرف واپس آ گئے جس سے ناراض ہو کر نکلے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بیان کیجیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مچھلی والے نبی کا قصہ جب کہ وہ اپنی قوم سے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناخوش اور غضب ناک ہو کر بستی سے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی علیہ السلام کو شہر نینویٰ کے لوگوں کی طرف بھیجا جو موصل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے، یونس علیہ السلام نے ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور اپنے کفر پر اڑے رہے۔ یونس علیہ السلام غصہ میں آ کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور اس نکلنے میں وحی خداوندی اور حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور ان سے یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ جب آثار عذاب کے شروع ہوئے تو گھبرا کر سب بستی سے باہر چلے گئے اور گریہ زاری کی۔ اور سچے دل سے توبہ کی۔ عذاب ٹل گیا۔ بعد ازاں حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ اِدھر یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر بحر روم پر پہنچے اور ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ پس وہ کشتی روانہ ہوئی یکا یک سمندر کی موجوں نے کشتی کو آ گھیرا۔ سب کو غرق کا خوف لاحق ہوا۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے اس آدمی کے تعین کے لیے قرعہ اندازی ہوئی اور دو تین مرتبہ ہوئی ہر مرتبہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلتا رہا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ﴾ یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقائے برحق کے بغیر اجازت کے بستی سے نکل آیا یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام خود دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک بڑی مچھلی نے آپ علیہ السلام کا لقمہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ہمارے اس بندہ کی اپنے پیٹ میں حفاظت کرنا۔ یہ بندہ تیری روزی اور تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پیٹ کو ہم نے چند روز کے لیے اس کا قید خانہ یا حفاظت خانہ یا عبادت خانہ بنایا ہے۔ فقط چند روز کے لیے اس کو نظر بند کرنا مقصود ہے اس کے گوشت و پوست میں سے کھانے کی تجھ کو اجازت نہیں ہمارا بندہ بغیر ہمارے حکم کے اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل گیا ہے اگرچہ اس کا یہ غصہ ہماری ہی وجہ سے ہے لیکن اس کو چاہیے تھا کہ ہمارے حکم کا انتظار کرتا۔ بہرحال یونس علیہ السلام ان کو چھوڑ کر نکل گئے اور ہماری رحمت اور ہماری لطف و عنایت کی بناء پر یہ گمان کیا کہ ہم ان پر سختی اور دار و گیر نہیں کریں گے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے کہ اس آیت میں ﴿لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ﴾ کے معنی لن نضیّق علیه کے ہیں۔ یعنی یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کو تنگی اور آزمائش میں نہیں ڈالیں گے اور ان پر کوئی سختی نہیں کریں گے معاذ اللہ یہ معنی نہیں کہ یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ ان پر قادر نہ ہوگا اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا۔

یونس علیہ السلام کا یہ گمان اللہ کی رحمت اور عنایت کی بناء پر بطور ناز تھا جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے لطف و کرم کی بناء پر بطور ناز کوئی کام بغیر حکم کے بھی کر گزرتا ہے اور قدر بمعنی ضَیَّقَ لغت عرب میں اور قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ... یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ﴾ (ای یوسع ویضیق) ﴿وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ

﴿رِزْقَهٗ﴾ (یعنی ضیق)۔

اور بعض مفسرین نے ﴿لَنْ نَّقْدِرَ﴾ کو قدرت سے مشتق مانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کے پکڑنے پر قادر نہ ہوں گے۔ اس تفسیر پر اشکال یہ ہے کہ ایسا عقیدہ اور گمان تو ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کا نبی یہ گمان کرے جواب یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے حقیقۃً یہ گمان نہیں کیا تھا کہ خدا تعالیٰ ان کے پکڑنے پر قادر نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا اس طرح بلا انتظار وحی کے نکل کر چلا جانا گویا اس شخص کے حال کے مشابہ ہے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ گویا اب ہم اس کو دوبارہ پکڑ کر واپس نہیں لاسکیں گے۔ چونکہ یونس علیہ السلام حق تعالیٰ کے پیغمبر تھے ان کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ اس طرح چلے جائیں اس لیے بطور شکوۂ محبت حق تعالیٰ نے اپنے محبانہ عتاب کو ان لفظوں کے ساتھ تعبیر کیا تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوشیار ہو جائیں۔

پس جب خدا کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نگل گئی اور وہ اس کے شکم کی تاریکیوں میں گھر گئے تو یونس علیہ السلام نے ان تاریکیوں میں اللہ کو اس طرح پکارا۔ اے پروردگار! تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو پناہ دے سکے تو ہر عیب سے پاک ہے میں بے شک تیرے قصور والوں میں سے ہوں کہ بغیر تیرے حکم کے اپنی قوم سے نکل گیا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس غم سے ان کو نجات دی۔ چنانچہ مچھلی نے سمندر کے کنارہ پر آکر ان کو اگل دیا۔ اور اللہ کی امانت صحیح سالم واپس کردی۔ یونس علیہ السلام صحیح سالم اپنی بستی کی طرف واپس آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے اور بعض کہتے ہیں کہ سات روز رہے اور حضرت یونس علیہ السلام کا شکم ماہی سے نکلنا ایسا ہوا جیسا کہ معصوم بچہ شکم مادر سے صحیح سالم نکلتا ہے اور جس طرح شکم مادر بچہ کی تربیت گاہ اور حفاظت گاہ ہوتا ہے اسی طرح وہ شکم ماہی بحکم الٰہی یونس علیہ السلام کی حفاظت گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ یونس علیہ السلام جب شکم ماہی سے نکلے تو گویا ایسے تھے کہ جیسا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو وہ فطرتاً معصوم اور گناہوں کے دھبوں سے بھی پاک وصاف ہوتا ہے اور جس طرح ہم نے یونس علیہ السلام کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں کہ جو مؤمن بندہ اپنے کرب اور تکلیف میں ہماری طرف رجوع کرے اور ہم سے استغاثہ کرے ہم اس کو یوں ہی نجات دیتے ہیں۔ جیسے ہم نے یونس علیہ السلام کو غم سے نجات دی۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ پریشانی کے وقت میں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پریشانی سے نجات دیتا ہے۔

فائدہ ①: حضرت یونس علیہ السلام کا ﴿اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ فرمانا اور اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ اور ''ظلم'' کے معنی نقصان اور کمی کے ہیں جس کے مراتب اور درجات میں ایک ظلم عظیم ہوتا ہے اور ایک ظلم ذرہ برابر بھی ہوتا ہے۔

فائدہ ②: اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مجھ کو یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو سو اس کی مراد یہ ہے کہ ایسی فضیلت نہ دو کہ جو ان کی تنقیص کا باعث بنے کیونکہ ان کے حق میں التقام حوت کا جو واقعہ پیش آیا وہ ظاہر میں اگرچہ عتاب تھا مگر در حقیقت وہ معراج نزولی تھی۔ مچھلی کے پیٹ میں اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلال کا ان کو مشاہدہ کرادیا لیکن یہ مشاہدہ باطنی تھا اور برنگ تنبیہ وعتاب تھا اور شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشاہدہ ہوا وہ مشاہدۂ دیدار پر انوار ظاہری طور پر تھا اور مکالمۂ الٰہی کے ساتھ مقرون تھا۔ اور قرب کا اعلیٰ ترین مقام تھا۔ اور واقعۂ معراج از اوّل تا آخر معراج عروجی تھا جس سے مقصود اعزاز واکرام تھا وہ مقام سید الانبیاء والمرسلین اور اکرم الاوّلین والآخرین کے لیے مخصوص تھا وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو اے رب! نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تو ہے سب سے بہتر وارث۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

پھر ہم نے سن لی اس کی پکار اور بخشا اس کو یحییٰ، اور چنگی کردی اس کی عورت۔ وہ لوگ

يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

دوڑتے تھے بھلائیوں پر، اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے دبے۔

⑨ قصہ زکریا علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ ... الٰى ... وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾﴾

ربط: ان آیات میں نواں قصہ حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کا ذکر کرتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر عاطر کی تشفی مقصود ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی زکریا علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے۔ جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو تنہا یعنی لاوارث اور بے اولاد نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے یعنی ظاہری وارث سب فنا ہوجائیں گے صرف ایک تو ہی باقی رہے گا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ بیٹا بخشا اور ان کی بی بی کی جو کہ بانجھ تھیں ان کی اصلاح کردی یعنی ان کے بانجھ پن کو دور کرکے بچہ جننے کے قابل بنا دیا۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کی بیوی کی بدخلقی کو خوش خلقی سے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی بدزبان تھیں۔ مفصل قصہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

یہ تمام انبیاء علیہم السلام جن کا اس سورت میں ذکر ہوا، نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم اور خوف ورجاء اور رغبت اور خوف سے ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے نیازمندی اور عاجزی کرنے والے تھے۔ پس جس کو اللہ کی رحمت میں داخل ہونے کی طمع ہو تو اس کو چاہیے کہ رغبت اور رہبت کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرے نیازمندی کو اختیار کرے ناز کو چھوڑ دے۔

وَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ

اور وہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح اور کیا اس کو اور

ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اس کے بیٹے کو نمونہ جہان والوں کو۔

⑩ قصہ حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا... الی... وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

یہ دسواں قصہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کا ہے جس پر انبیاء علیہم السلام کے قصوں کو ختم فرمایا اور اس سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ مذکور ہوا۔ ان دونوں قصوں میں غایت درجہ مناسبت ہے کہ وہاں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے اور یہاں کنواری سے بغیر شوہر کے لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو اس سے زیادہ عجیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبیؐ! اس عورت کا واقعہ ذکر کیجیے جس نے اپنے ناموس کی پوری اور کامل طور پر حفاظت کی تو ہم نے اس عورت کے گریبان میں جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے اپنی ایک خاص روح پھونک دی جس سے اس کو بغیر شوہر ہی کے حمل رہ گیا اور اس حمل سے خدا کا ایک برگزیدہ نبی جناب مسیح علیہ السلام پیدا ہوا اور ہم نے مریم علیہا السلام کو اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جہان والوں کے لیے اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی بنایا جس سے سب عقل والوں کو معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت کے بطن سے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مفصل قصہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَ

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر، اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو۔ اور

تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ ع ۱۸ ۶

ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام۔ سب ہمارے پاس پھر آویں گے۔ سو جو کوئی کرے

الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

نیک کام اور وہ یقین رکھتا ہو سو اکارت نہ کریں گے اس کی دوڑ اور ہم اس کو لکھتے ہیں۔

بیان اجماع انبیاء کرام علیہم السلام بر توحید خداوند انام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً... الی... وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴾

ربط: یہاں تک حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کے قصص کا بیان ہوا۔ چونکہ یہ سب حضرات توحید کے داعی تھے اس لیے اخیر میں بطور نتیجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام توحید پر متفق رہے اس بارہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ توحید کے بارہ میں اختلاف نہ کرو اور صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطبین یہی توحید تمہاری ملت ہے درآنحالیکہ وہ ملت واحدہ ہے جس پر تمام انبیاء گزرے اس میں کسی کا کچھ اختلاف نہیں توحید پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور میں تمہارا پروردگار

ہوں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ لوگوں کو چاہیے تھا کہ سب طریقۂ توحید پر چلتے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے اور لیکن یہود و نصاریٰ اپنے دین کے بارہ میں متفرق و مختلف ہو گئے اور انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے اور آخرت سے منہ موڑ کر دنیا کی زندگی پر بھروسہ کر بیٹھے۔ سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں ہم ان کو ان کے اعمال کی سزا دیں گے۔ پس جو شخص نیک عمل کرے بشرطیکہ وہ ایمان اور یقین رکھتا ہو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی سعی مشکور ہوگی اور البتہ تحقیق ہم اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں۔ ہمارے حکم سے کراماً کاتبین اس کے اعمال کو صحیفۂ اعمال میں ثبت کرتے ہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا

اور مقرر ہو رہا ہے ہر بستی پر جس کو ہم نے کھپا دیا کہ وہ نہیں پھرتے۔ یہاں تک کہ جب

فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَ

کھول دیں یاجوج و ماجوج کو اور وہ ہر اچان (اونچی جگہ) سے پھسلتے آویں۔ اور

اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

نزدیک پہنچے سچا وعدہ پھر تبھی اوپر لگ رہیں منکروں کی آنکھیں۔

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَمَا

اے خرابی ہماری! ہم بے خبر رہے اس سے نہیں پر ہم تھے گناہ گار۔ تم اور جو کچھ

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾

پوجتے ہو اللہ کے سوا جھونکنا ہے دوزخ میں تم کو اس پر پہنچنا ہے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ

اگر ہوتے یہ لوگ ٹھاکر نہ پہنچتے اس پر اور سارے اس میں پڑے رہیں گے۔ ان کو

فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ

وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں بات نہیں سنتے۔ جن کو آگے ٹھہر چکی

مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ

ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے۔ نہیں سنتے اس کی آہٹ۔

وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ

اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں۔ نہ غم ہوگا ان کو

الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ

اس بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آویں گے ان کو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے

تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا

وعدہ تھا۔ جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ۔ جیسا

بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾

سرے سے بنایا پہلی بار، پھر اس کو دہرا دیں گے وعدہ ضرور ہوچکا ہے ہم پر، ہم کو کرنا۔

بیان قرب قیامت وخروج یاجوج ماجوج وفناءِ عالم وبیان ذلت وخواری اہلِ غفلت وبیان عزت وکرامت اہلِ سعادت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ... الٰى... اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت کا بیان تھا اب آگے معاد اور قرب [1] قیامت کو بیان کرتے ہیں کہ اس دنیا کا ایک وقت معین ہے اس کے بعد فنا کردی جائے گی اور اس فنا کی ابتدائی علامت خروج یاجوج و ماجوج ہے اس کے بعد وہ وعدہ بہت قریب آ لگے گا۔ منجملہ علامات قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا ہے۔ دجال کے قتل ہوجانے کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ فی الحال یہ لوگ اس وقت اس آہنی دیوار کے پیچھے محصور ہیں جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا کہ مخلوقِ خدا ان کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ قیامت کے قریب وہ دیوار اور درہ کھل جائے گا اور یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی۔ اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اور اس وقت قیامت کا سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ہمراہ لے کر کوہ طور پر پناہ لیں گے۔ باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہوجائیں گے بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنابِ باری میں یاجوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے ان کی گردنوں میں ایک طاعونی گلٹی پیدا کردے گا جس سے سب

---

[1] ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اس بارہ میں صریح وہی لفظ ہے جو شروع سورت میں تھا۔

کے سب ایک دم مرجائیں گے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں اس خوف ودہشت کو بیان کیا ہے جو قیامت کے قریب پیش آئے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس بستی والوں کو ہم نے عذاب یا موت کے ذریعے ہلاک کردیا تو اس بستی والوں کے لیے یہ بات محال اور ناممکن ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہوکر ہماری طرف نہ لوٹیں یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ مرنے والے ہماری طرف نہ لوٹیں اور ہمارے حضور میں حساب وکتاب کے لیے حاضر نہ ہوں کفار کا یہ خیال کہ مرمرا کر خاک میں مل جائیں گے اور نیست ونابود ہوجائیں گے سوان کا یہ خیال بالکل غلط ہے ایک روز ضرور ہماری طرف واپس لائے جائیں گے۔ اور قیامت قائم ہوگی اور ان کا حساب وکتاب ہوگا پس یہ جملہ درحقیقت گزشتہ جملہ ﴿ كُلٌّ اِلَيۡنَا رٰجِعُوۡنَ ۝ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوۡنَ ۝ ﴾ کے مضمون کی تاکید ہے جس سے منکرینِ حشر اور منکرین قیامت اور منکرینِ رجوع الی اللہ کا رد مقصود ہے۔

آیت ہٰذا کی تفسیر میں دوسرا قول:

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ ﴿ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴾ میں لا زائدہ ہے اور رجوع [1] سے رجوع بجانب دنیا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک ہوچکے اور مرچکے ان کا تدارک مافات اور اپنے اعمال کی درستی کے لیے دنیا میں دوبارہ واپس آنا ناممکن اور محال ہے ایک مرتبہ جب دنیا سے رخصت ہوگئے تو اس دار العمل سے چلے جانے کے بعد دوبارہ اس دار العمل کی طرف رجوع ممکن نہیں کہ دوبارہ واپس آکر پھر ایمان لاسکیں اور عمل صالح کرسکیں اور اس طرح اپنی برائیوں کا کفارہ کرسکیں تو یہ بات محال اور ناممکن ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ تَوۡصِيَةً وَّلَاۤ اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴾ (یٰسین: ۵۰) اس قول کی بناء پر ﴿ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴾ میں حرف لا زائد ہے اور پہلے قول کی بناء پر حرف لا اصلی ہے زائد نہیں۔ البتہ اگر مرنے کے بعد کسی نبی کی دعا سے کوئی مردہ زندہ ہوجائے تو یہ محال نہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ ﴾ (البقرۃ: ۲۴۳) کی تفسیر میں بنی اسرائیل کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزرا اور پارۂ سوم کے شروع میں حضرت ارمیاہ علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام کا سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزر چکا ہے۔

بہرحال کسی مردہ کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں کہ وہ مرکر دوبارہ دنیا میں واپس آسکے لیکن حق تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں کہ وہ کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کرسکے جس خدا نے اس کو پہلی مرتبہ دنیا میں زندگی عطا کی وہ اگر چاہے تو اس مردہ کو پھر دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔

تیسرا قول:

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس کو ہم نے کفر اور گمراہی میں مبتلا کرکے ہلاک کردیا اور کفر کی مہر اس کے دل پر لگا دی اس کا اپنے کفر سے لوٹنا محال اور ناممکن ہے۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ میں اسی قول کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ومحال است چیزیکہ کردیم اور آنکہ باز گردد یعنی بسوئے دنیا۔ ۱۲ فتح الرحمان۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہلاکت اور فناء کے بعد دونوں باتیں ناممکن اور محال ہیں مرنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا بھی ممکن نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آئیں اب آگے اس کی انتہا [1] بتاتے ہیں کہ رجوع الی الدنیا یا عدم رجوع بسوئے خالق ان پر کب تک حرام اور ممنوع رہے گا یعنی جب تک اس کا وقت نہ آجائے اور وہ وقت قیامت اور اس کی علامتوں کا ظہور ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ ہالکین (ہلاک ہونے والے) برابر اپنی ہلاکت اور بربادی اور فناء پر مستمر رہیں گے اور اسی کفر و شرک کی حالت پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ جب علامات قیامت کا ظہور شروع ہو جائے اور یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں یعنی وہ دیوارِ ذوالقرنین جس کے پیچھے اس وقت یاجوج و ماجوج بند ہیں وہ ٹوٹ جائے اور یاجوج و ماجوج کی بندش کھل جائے جو قیامت کی شروع نشانیوں میں سے ہے اور پھر وہ یاجوج و ماجوج اپنی کثرت کی وجہ سے ٹڈی دل کی طرح ہر بلندی سے دوڑتے چلے آویں اور ہر طرف پھیل جاویں اور بلاد کو روند ڈالیں اور جس پر گزریں اس کو تباہ کر دیں جب یہ وقت موعود آجائے گا اس وقت یہ لوگ ہماری طرف واپس آئیں گے اور ہماری طرف رجوع (واپسی) کا وقت یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد شروع ہوگا جو قیامت کی نشانی ہے مطلب یہ ہے کہ ہلاکت اور فناء کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تب یہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں گے اور دنیا کی طرف لوٹنے کا امکان بالکلیہ ختم ہو جائے گا اور علامات قیامت کے مشاہدہ کے بعد کفر اور شرک سے رجوع (لوٹنا) یعنی اس سے توبہ کرنا بھی ممکن نہ رہے گا۔

اور خروج یاجوج و ماجوج کے بعد قیامت اور رجوع اور بعث کا سچا وعدہ قریب آجائے گا یعنی خروج یاجوج و ماجوج کے بعد قیامت قریب آجائے گی۔ اس کے بعد قیامت کے قائم ہونے میں کچھ دیر نہ ہوگی۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص خروج یاجوج و ماجوج کے بعد کوئی بچھیرا پالے گا تو اس پر سوار نہ ہو سکے گا کہ قیامت آجائے گی۔ پس ناگاہ اس وقت قصہ [2] یہ ہوگا کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے کافروں کی نگاہیں کھلی کی کھلی اور پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور حسرت سے یہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اور بربادی کہ ہم دنیا میں اس قیامت سے اور خدا کی طرف رجوع سے اور حساب و کتاب کے لیے حضوری سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم غافل اور بے خبر نہ تھے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں نے ہم کو بار بار قیامت سے ڈرا دیا تھا اور خوابِ غفلت سے ہم کو جگا دیا تھا اور اوّل روز سے ہی ہم کو اس ہولناک واقعہ سے واقف کر دیا تھا۔ لہٰذا ہمارا قیامت کو جھٹلانا غفلت اور بے خبری کی بناء پر نہ تھا بلکہ عناد اور تکبر کی بناء پر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم بلاشبہ ظالم تھے جان بوجھ کر ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا انبیاء علیہم السلام نے تو ہم کو بیدار اور ہوشیار کر دیا تھا ہم نے خود ہی دیدہ و دانستہ حق کی تکذیب کی غرضیکہ جو لوگ اللہ کی طرف رجوع کے قائل نہ تھے وہ قیامت کو دیکھ کر رجوع اور بعث کے قائل ہو جائیں گے مگر اس وقت کا قائل ہونا اور مجبور ہو کر اپنے ظلم اور جرم کا اقرار کرنا ان کو سودمند نہ ہوگا اس لیے کہ اب فیصلہ کا وقت سر پر آپہنچا۔ یہ کام تو دنیا میں کرنے کا تھا اور وہ اب ختم ہو چکی اور وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ مشرکین مع اپنے معبودوں کے جہنم کا ایندھن بنا دیئے جائیں گے اور اہل ایمان موردِ اعزاز و اکرام اور محلِ احسان و انعام ہوں گے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مشرکو! تحقیق تمہارا فیصلہ اب یہ ہے کہ تم اور تمہارے معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہیں تم دونوں فریق عابد اور معبود جہنم کے لیے

---

[1] اس کلام سے ﴿حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ﴾ میں جو لفظ ﴿حَتّٰۤی﴾ مذکور ہے اس کی غایت اور نہایت بیان کرنے کے لیے یہ سطریں لکھی ہیں تاکہ اہل علم معلوم کریں کہ ﴿حَتّٰۤی﴾ کس چیز کی غایت ہے یعنی حرمت رجوع کی غایت ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

[2] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ﴾ میں ﴿هِیَ﴾ کی ضمیر ضمیر قصہ ہے۔ ۱۲

حاضر ہونے والے اور اس میں داخل ہونے والے ہیں اگر یہ بت اور یہ مورتیں واقعی میں خدا ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور یہ ذلت اور خواری ان کو لاحق نہ ہوتی کہ جہنم کا ایندھن بنتے بت تو بہر حال پتھر ہیں وہ تو ایندھن بنانے کے لائق ہیں لیکن جو پتھروں کو پوجتا ہو وہ پتھر سے بھی زیادہ پتھر ہے وہ اسی قابل ہے کہ پتھر کے ساتھ اس کو بھی دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ جاننا چاہیے کہ بتوں کا جہنم میں جانا اس لیے نہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے بلکہ اس لیے ہوگا کہ مشرکین پر حجت قائم ہو جائے کہ یہ بات لائق معبودیت نہیں ورنہ آگ میں کیوں جھونکے جاتے اور اس قدر عاجز ہیں کہ آگ میں سے نکل بھی نہیں سکتے۔ اور ہر واحد یعنی عابد اور معبود دونوں ہی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے نکلنا نہ ہوگا اور ان مشرکین کے لیے جہنم میں چیخنا اور چلانا اور لمبا سانس ہوگا جس سے دم نکلنے لگتا ہے اور وہاں شور وغل کی وجہ سے کچھ نہیں سن سکیں گے۔ یا اس وجہ سے کہ وہاں جا کر بہرے ہو جائیں گے جیسے دنیا میں حق کے سننے سے بہرے تھے' یہ تو اہلِ شقاوت کا حال ہوا۔ اب آگے اہلِ سعادت کا ذکر کرتے ہیں۔ تحقیق جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی یعنی سعادت ازلی سابق اور مقدر ہو چکی ہے اور جنت کا حکم ان کیلیے صادر ہو چکا ہے وہ جہنم سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ جہنم کی آہٹ اور آواز کو بھی نہیں سنیں گے یعنی جہنم میں کافروں کے اجسام جلائے جائیں گے ان کے جلنے اور چلانے کی آواز بھی ان کے کان میں نہیں آوے گی کیونکہ وہ آواز مکروہ ہوگی اور جس عیش کو ان کا جی چاہے گا اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ تو اہلِ سعادت کی نعمت اور راحت اور لذت کا بیان ہوا۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ ہر قسم کی پریشانی اور گھبراہٹ سے مامون اور محفوظ ہوں گے ان کو قیامت کے دن بڑی گھبراہٹ بھی غم میں نہیں ڈالے گی اور جب ان سعداء کو فزع اکبر (سخت گھبراہٹ) سے غم اور پریشانی نہ ہوگی تو اور چیزوں سے بدرجہ اولیٰ پریشانی نہ ہوگی۔ جس دن تمام عالم حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوگا اس دن یہ اہل سعادت فزع اکبر سے محفوظ ہوں گے۔ اور قبروں سے نکلتے اور اٹھتے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو بشارت اور مبارکبادیں گے اور کہیں گے یہ تمہارا وہ دن ہے۔ جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا کہ تم کو دار آخرت میں یہ نعمتیں اور کرامتیں ملیں گی سو یہ دن وہی دن ہے جس میں تمہارے پروردگار نے تم سے بقاء کا وعدہ کیا تھا یہ روز وصال ہے جس کے بعد فراق نہیں یہ کشف نقاب کا دن ہے جس کے بعد نہ کوئی حجاب ہے اور نہ کوئی عتاب ہے۔

نیک مرداں را نعیم اندر نعیم عشقبازاں رالقاء اندر لقاء
حصہ آنہا وصال حور عین بہرۂ اینہا جمال کبریاء

اب اس کے بعد قیامت کے دن آسمانوں کے فنا ہونے کا ذکر فرماتے ہیں یاد کرو اس دن کو کہ جب ہم نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے کے وقت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے طومار میں مختلف کاغذ لپیٹ دیتے ہیں "طومار" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دفتر اور لمبے کاغذ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح دستاویز کا لمبا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ کر رکھ دیں گے اس سے تم ہماری قدرت اور عظمت کا اندازہ لگالو۔ جس طرح ہم نے اوّل بار مخلوق کو بلا کسی اصل اور مادہ کے پیدا کیا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کر دیں گے ہم نے دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ اپنے ذمہ لیا ہوا ہے ہم اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں سے جو ثواب کا وعدہ کیا ہے وہ بہت پختہ وعدہ ہے اور اس وعدہ کی پہلی علامت نبی آخر الزمان ﷺ کا ظہور اور اس کی بعثت ہے سو وہ ظاہر ہو چکی جیسا کہ ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ (الانبیاء:۱) میں اس کا ذکر ہوا اس لیے اب آئندہ آیات میں نبی آخر الزمان ﷺ کی اُمت کے ظہور اور غلبہ کی بشارت دیتے ہیں یعنی آئندہ آیت ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ

الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۵) میں اسی کا ذکر ہے۔

لطائف ومعارف

① آیت مذکورہ ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے تباہ وبرباد کردیا موت کے ذریعہ یا عذاب کے ذریعہ اس کو ہلاک کردیا تو یہ ناممکن ہے کہ وہ حساب وکتاب کے لیے محشر کی طرف رجوع نہ کریں اس آیت سے منکرین حشر کا رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حشر ونشر کوئی چیز نہیں۔ مرنے کے بعد آدمی زمین میں مل کر خاک ہوجاتا ہے اور نیست ونابود ہوجاتا ہے اس قول کی بناء پر حرف ﴿لَا﴾ آیت میں اصلی ہے زائد نہیں اور رجوع سے محشر کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے کفروشرک سے ہلاک کردیا اور ان کی گمراہی کا قطعی حکم کردیا ان کا کفر سے اسلام کی طرف لوٹنا ناممکن اور محال ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ رجوع سے رجوع الی الدنیا مراد ہے اور حرف ﴿لَا﴾ آیت میں زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ ان کا لوٹ کر آنا ناممکن ہے۔

مرزائے قادیان کا ایک استدلال:

مرزائے قادیان اور اس کے متبعین اپنی مطلب براری اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے سرسری طور پر اس تیسرے قول کو ذکر کرتے ہیں۔ مرزائے قادیان نے اوّل تو یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے بارہ میں جو آیات اور احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں ان میں طرح طرح سے تحریف کی۔ اور اس میں بڑا زور لگایا لیکن مرزا صاحب بڑے ہوشیار اور عیار تھے۔ اب ان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال رہ جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرکے آسمان سے زمین پر بھیج دے تو مرزا صاحب کی مسیحیت ختم ہوجائے اس لیے یہ دعویٰ کیا کہ مرنے کے بعد کسی کا زندہ ہونا ناممکن اور محال ہے اور اس آیت ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ سے استدلال کیا کہ مرنے کے بعد زندہ ہوکر دوبارہ دنیا میں آنا ناممکن ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۵۶۵ میں لکھتے ہیں:

> ’’اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت مسیح بن مریم علیہما السلام اسرائیلی نبی فوت ہوگیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دُنیا میں دوبارہ آنہیں سکتا کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا اور قرآن کریم ﴿اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ کہہ کر ہمیشہ کے لیے ان کو رخصت کرتا ہے۔‘‘ انتہی

جواب: مرزائے قادیان کا یہ استدلال کرنا کہ ’’مردہ کا دوبارہ زندہ ہونا‘‘ قطعاً غلط ہے ہم نے بتلادیا کہ اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں اگر آیت میں رجوع سے رجوع الی اللہ مراد لیا جائے جیسا کہ پہلے قول میں ذکر ہوا تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک کردیا ان کے لیے یہ بات حرام اور ممنوع ہے کہ وہ قیامت کے دن حساب وکتاب کے لیے ہماری طرف نہ لوٹیں ہم ان کے اعمال

لکھ رہے ہیں اگر وہ مر بھی جائیں تو ہماری طرف ان کا لوٹنا اور ہماری حضوری میں حاضر ہونا ضروری ہے اس روز ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور آیت کے یہ معنی۔ آیت کے بقیہ الفاظ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہیں۔ پس اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں تو مرزائے قادیان کے دعوے کے ساتھ اس آیت کا کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ اس آیت میں محشر کی طرف رجوع کرنے کا بیان ہے مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ رجوع کا کوئی بیان نہیں اور اگر آیت میں رجوع سے دنیا کی طرف رجوع اور دوبارہ آنا مراد لیا جائے تب بھی مرزا صاحب کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں اس لیے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بے بس اور عاجز ہے یہ بات اس کی قدرت میں نہیں کہ مرنے کے بعد خود زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آسکے تاکہ اپنی گزشتہ برائیوں کا کفارہ کر سکے اور زمانہ ماضی کی تقصیرات کی تلافی کر سکے۔ یہ بات آدمی کی قدرت میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّ لَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (یٰسین: ۵۰) مطلب یہ ہے کہ خود بخود زندہ ہو کر اپنے اہل و عیال کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔

معاذ اللہ! معاذ اللہ! یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر خدا بھی کسی کو زندہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے' قرآن کریم میں متعدد مواضع میں اسی دارِ دُنیا میں مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے اس سلسلہ میں ذیل میں چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

پہلا واقعہ: مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ﴾ (البقرہ: ۲۶۰) ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ﴾ (البقرہ: ۲۶۰) اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجیے کہ آپ مردوں کو کیونکر زندہ کریں گے تاکہ مجھ کو عین الیقین حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چار پرندوں کے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھ دو۔ وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آویں گے۔ چنانچہ چاروں پرندوں کی بوٹیاں پہاڑوں پر رکھی گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر وہ زندہ ہو کر آ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور چاروں مردہ پرندوں کا زندہ ہونا ان کو دکھلا یا حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ﴿فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ... الخ﴾ فاء تفریعیہ کے ساتھ آیا ہے جو ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ﴾ پر متفرع ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور ان کو حکم ہوا کہ چار پرندے ذبح کریں اور پھر ان کے دوبارہ زندہ ہونے کا مشاہدہ کر لیں مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ نہ کوئی پرندہ زندہ ہوا اور نہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی کوئی دعا قبول ہوئی بلکہ دعا پر ان کو یہ حکم ہوا کہ مسمریزم کے ذریعہ پرندوں کو اپنی طرف کھینچ لو تو معلوم ہو جائے گا کہ مردے اس طرح زندہ ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کے قول کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام عتاب کے مستحق تھے کہ تم نے یہ دُعا کیسے مانگی۔ مردوں کا دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں۔

دوسرا واقعہ: اور اسی طرح قرآن کریم میں حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو سال اسی حالت میں پڑے رہے اور ان کا کھانا اور پینا بغیر کسی تغیر کے سب اسی طرح ان کے پاس رکھا رہا سو سال کے بعد وہ زندہ ہوئے اور ان کا گدھا جو مر چکا تھا اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں وہ بھی ان کے روبرو زندہ ہوا۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنی مردہ سواری کا زندہ ہونا دیکھ لیا اور کرشمہ قدرت کا مشاہدہ کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ

مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ (البقرہ:۲۵۹)

غرضیکہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال کے بعد زندہ کیے گئے اور لوگوں کے لیے خدا کی قدرت کی نشانی بنے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ تفسیر درمنثور میں حضرت علی اور ابن عباس اور کعب اور حسن اور وہب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ عزیر علیہ السلام حقیقۃً مر گئے تھے اور ملک الموت نے ان کی روح قبض کی تھی اور سو سال کے بعد ان کی آنکھوں میں جان آئی جس سے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ رہے تھے بعد ازاں وہ گدھا جو ان کے سامنے مردہ پڑا تھا وہ ان کے روبرو زندہ کیا گیا۔ بعض دیدہ دلیر مرزائی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا واقعہ خواب وخیال تھا خواب میں ایسا دیکھا تھا اور سورۂ بقرہ میں پہلی امت کا واقعہ مذکور ہے کہ کئی ہزار شخص موت کے ڈر سے اپنے وطن سے بھاگ گئے۔ ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الٰہی سب مر گئے۔ پھر سات دن بعد پیغمبر علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہو گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ (البقرہ:۲۴۳)

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات منکرین حشر کی تردید کے لیے ذکر فرمائے ہیں۔ تاکہ معلوم کریں کہ مردوں کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں اور یقین کرلیں کہ خدا نے جو قیامت قائم ہونے کی خبر دی ہے وہ حق ہے خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے کسی کو موت دے اور بندے عاجز اور بے بس ہیں۔ بندوں میں یہ طاقت نہیں کہ مرنے کے بعد وہ خود لوٹ کر دنیا میں دوبارہ آسکیں۔ البتہ خداوند ذوالجلال جس کو دوبارہ دنیا میں لانا چاہیں تو لاسکتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے وقت اور قیامت سے پہلے کسی کو زندہ کرنا یکساں ہے۔ لہٰذا تم احیاء موتی کو محال سمجھ کر قیامت کا انکار نہ کرو ہم ہر طرح سے قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مردہ۔ ہم جس زندہ کو مردہ کردیں تو وہ از خود زندہ نہیں ہوسکتا اور جس مردہ کو زندہ کرنا چاہیں تو اس کی مجال نہیں کہ ہمارے ارادہ اور مشیت سے سرتابی کرسکے۔ مرنے کے بعد بندہ از خود دنیا کی طرف دوبارہ نہیں لوٹ سکتا البتہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو وہ مردہ کو دوبارہ دُنیا کی طرف لوٹا سکتا ہے۔

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند مردوں کے زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے اور یہ امر جس کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ ان سب سے اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ جو چیز تمہیں محال دکھائی دیتی ہے ہم نے اپنی قدرت سے واقع کردیا مگر مرزا اور مرزائی احیاء موتی کو محال سمجھتے ہیں اور جن آیات میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا حال مذکور ہے طرح طرح سے ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ جن آیات میں موت کا لفظ آیا ہے اس کے معنی بیہوشی یا نیند کے ہیں اور احیاء کے معنی جگانے اور ہوش میں لانے کے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ مسمریزمی عمل تھا۔ سُبحان اللہ۔ کیا خوب تاویل ہے کیا کوئی ادنیٰ عقل والا یہ کہہ سکتا ہے کہ حق جل شانہٗ نے سورۂ بقرہ میں جن ہزاروں لوگوں کے گھر سے بھاگ جانے اور مر جانے کا اور پھر ان کے زندہ ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے کیا وہ نیند اور بیہوشی سے بھاگے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اوّل سلا دیا اور پھر ان کو جگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا ہی فضل فرمایا کہ ان کو نیند سے جگا دیا معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی جس کے ڈر سے ہزاروں

آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ اٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جگا دیا یا بیہوش کرنے کے بعد ان کو ہوش دے دیا اور کیا عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب ہی کا واقعہ تھا کہ وہ سو سال تک پڑے سوتے رہے اور ان کے پاس ان کی سواری کا گدھا بھی سوتا رہا۔ اللہ نے سو سال کے بعد دونوں کو خواب سے بیدار کیا۔

تیسرا واقعہ: حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کے معجزہ کو کئی جگہ بیان فرمایا اور ان کے احیاء اموات کے واقعات احادیث سے بھی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے کوئی واقعہ صحیح نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حقیقتاً کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا وہ دراصل قریب الموت آدمی تھے۔ مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے ان میں گرمی پہنچا دیتے تھے۔ اور وہ حرکت کرنے لگتے تھے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام ایک معمولی جادوگر تھے جو مسمریزم میں مشاق تھے اور قریب الموت بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دے دیتے تھے جس سے دنیا کو دھوکہ دینا مقصود تھا کہ لوگ یہ دیکھ کر ان کے معتقد ہو جائیں کہ یہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور طرفہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے بھی ان کے مسمریزمی عمل کو بطور مدح اور منقبت قرآن میں بیان کیا اور ان کے معجزات میں اس کا ذکر کیا اور ایسے الفاظ میں اس کو بیان کیا کہ لوگ سمجھیں کہ احیاء اموات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور باذن اللہ کہہ کر اور اس کو محکم کر دیا کہ یہ سب ہمارے حکم سے تھا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فی الواقع کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا بلکہ یہ سب مسمریزمی عمل تھا جو میرے نزدیک قابل نفرت ہے اگر میرے نزدیک یہ عمل قابل نفرت نہ ہوتا تو میں ان اعجوبہ نمائیوں میں مسیح بن مریم علیہما السلام سے کم نہ رہتا۔ سب کو معلوم ہے کہ مسمریزم کا عمل سو برس سے ایجاد ہوا ہے مگر مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کا ذکر ہے وہ سب مسمریزمی تحریک تھی۔

اے مسلمانو! جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ کا معجزہ عطاء کیا کہ وہ خدا کے حکم سے مردے زندہ کرتے تھے تو کیا اس خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج دے اور مرزا صاحب دیکھتے ہی رہ جائیں۔

اے مسلمانو! کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بیباکانہ تحریف ہو سکتی ہے کیا اس قسم کی بیباکی صریح آیاتِ قرآنیہ کا انکار نہیں مرزا صاحب کو مسیح موعود بننے کا بہت شوق تھا لیکن اس کے لوازم اور آثار سے بالکل عاری اور خالی تھے اس لیے مرزا صاحب کو ڈر ہوا کہ دعوائے مسیحیت کے ساتھ احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ اور ابرص کا معجزہ بھی چاہیے اس لیے سرے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتیٰ کے معجزہ کا انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ کوئی معجزہ نہ تھا بلکہ مسمریزمی عمل تھا اور میں اسے قابلِ نفرت سمجھتا ہوں اس طرح اپنی جان بچائی۔

چوتھا واقعہ: ایک واقعہ احیائے موتیٰ کا قرآن کریم میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا اس مردہ پر مارو تو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتلا دیا۔

یہ واقعہ سورۂ بقرہ کی اس آیت ﴿وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ۔۔۔ الخ﴾ (البقرہ: ۷۲) میں مذکور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا حال ظاہر فرمایا اور اسی وجہ سے اس قصہ کے ختم پر یہ فرمایا ﴿كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی ۙ وَ یُرِیْكُمْ

اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرہ:۷۲) مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ یہ نہ تو قدرتِ خداوندی کا کرشمہ تھا اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور بوٹی لگانے سے کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا تھا بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے مردہ کو حرکت ہوگئی تھی۔ معاذ اللہ۔ پس اگر یہ معمولی حرکت تھی تو قاتل کا نام کیسے معلوم ہوا اور کس نے بتلایا اور یہ مسمریزم کس نے سکھایا تھا کہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کو بلا کر مسمریزم کا طریقہ سمجھا دیا تھا یہ تو قاتل کے معلوم کرنے کا بڑا عمدہ طریقہ ہے جس سے پولیس کو قاتل کے گرفتار کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے مرزا صاحب اگر یہ نسخہ گورنمنٹ برطانیہ کو بتا دیتے تو بڑا انعام ملتا۔

پانچواں واقعہ: اور موسیٰ علیہ السلام ہی کے ایک دوسرے قصہ میں ہے۔ ﴿وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○﴾ (البقرہ:۵۵) یعنی یاد کرو۔ اے بنی اسرائیل جب تمہارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام ہم تیری بات کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کھلم کھلا ظاہری طور پر اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھ لیں اس پر بجلی نے تم کو آ پکڑا اور ہلاک کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مرے پیچھے ہم نے تم کو دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر کرو کہ اللہ نے تم کو دوبارہ زندگی بخشی اور تفسیر درمنثور میں ہے کہ وہ ستر آدمی تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کے لیے لے گئے تھے وہ سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے۔

چھٹا واقعہ: ایوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور نہایت خوشحال تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا پیش آیا کہ مال و دولت سب جاتا رہا اور اولاد دب کر مرگئی اور خود طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوئے بالآخر جب اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت اور عافیت عطا کی اور مری ہوئی اولاد کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ (الانبیاء:۸۴) عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ جو اولا دان کی مرگئی تھی بعینہٖ وہ دوبارہ زندہ کر دی گئی۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعینہٖ زندہ کر دیئے گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۶ ج ۱۱)

کیا مرزا صاحب کے نزدیک یہ سارا مسمریزم تھا اور کیا اس زمانہ میں مسمریزم موجود اور شائع تھا جس کو لوگ استعمال کرتے تھے سب کو معلوم ہے کہ اب سے سو سال پہلے مسمریزم کا کہیں وجود ہی نہ تھا غرضیکہ مرزا اور مرزائیوں نے قرآن کریم کو ایک کھلونا بنا رکھا ہے جو زبان پر آیا وہ کہہ دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے چار پرندوں کے زندہ ہونے کو مسمریزمی قوت بتلا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کو بھی مسمریزمی عمل قرار دے دیا اور یہ امر سب کو معلوم ہے کہ عمل مسمریزم یقینی طور پر سحر ہے تو مرزا صاحب کی تاویلوں کا مطلب یہ کہ انبیاء اولوالعزم سب ساحر اور جادوگر تھے مسمریزم کے عمل سے لوگوں کو عجائبات دکھلا کر مسخر کر لیتے تھے۔ تو اس لحاظ سے مسمریزم کا عمل کرنے والوں کو انبیاء کہنا بھی جائز ہونا چاہیے مرزا صاحب کے نزدیک احیاء موتیٰ وغیرہ جیسے معجزات کو ماننا تو مشرکانہ خیال ہے اور مسمریزم جیسے اعمال سحر کو ماننا یہ موحدانہ خیال ہے مرزا صاحب کو نبوت کا دعویٰ ہے اور معجزات کا ظہور ان سے محال ہے اس لیے وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور ان کی توہین کے درپے ہیں۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ (الکہف:۵)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چند واقعات کا ذکر فرمایا کہ جن میں مردوں کا دوبارہ دُنیا میں زندہ

کرنا ذکر فرمایا جس سے مقصود اظہار قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت کے روز مردوں کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ پس اگر مرزا اور مرزائیوں کے نزدیک اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کی طرح احیاء موتیٰ عقلاً محال اور ناممکن ہے تو پھر قیامت کا بھی کھل کر انکار کر دیں کیونکہ قیامت نام ہی احیاء موتیٰ کا ہے جو تاویل احیاء اموات کی ان آیات میں کی ہے۔ وہی تاویل قیامت کی آیات میں بھی ہو سکتی ہے حالانکہ قرآن کریم میں ﴿ يُحْيِ الْمَوْتٰى ﴾ اور ﴿ اَحْيَاهُمْ ﴾ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے الفاظ صراحۃً مذکور ہیں اور ان آیات کے علاوہ متعدد احادیث سے بطور معجزہ احیاء اموات ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے زرقانی شرح مواہب اور نعیم الریاض شرح شفائے عیاض دیکھیں۔

بلکہ بطریق کرامت اولیاء اللہ سے بھی احیاء اموات ثابت ہے مگر یہ روایتیں تاریخی ہیں اور کتب معتبرہ میں مذکور ہیں لہٰذا ان کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا بہرحال مرزائے قادیان کے تکذیب اور تردید کے لیے کافی اور وافی ہیں اور مرزا اور مرزائی اس بارہ میں ایک حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے شہید ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھ کو پھر دنیا میں رجوع کی اجازت ہو تاکہ دنیا میں جا کر دوبارہ تیری راہ میں جہاد و قتال کروں اور پھر تیری راہ میں مارا جاؤں اور شہادت حاصل کروں اس پر ارشاد ہوا: ((انی قضیت انهم لایرجعون)) اور ایک روایت میں ہے: ((قد سبق القول منی انهم لایرجعون)) یعنی میں پہلے یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔

جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب وہی ہے کہ جو پہلے بیان کر چکے کہ اگر کوئی شخص دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرے کہ دنیا میں دوبارہ آ کر اعمال صالحہ کر سکوں اور درجاتِ عالیہ کے حصول کا سامان کر سکوں تو یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ بارگاہِ خداوندی کا عام قانون اور عام قاعدہ یہی ہے اسی بناء پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور نہ ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کو یہ قدرت بھی نہیں کہ وہ بطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کر سکے' خاص کر جب کہ خدا نے خود اپنے کلام میں خبر دے دی ہے کہ ہم نے بہت سے مردوں کو دنیا میں دوبارہ زندہ کیا تاکہ منکرین حشر کو معلوم ہو جائے کہ اسی طرح خدائے تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

مرزائیوں سے ایک سوال:

بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مرنے کے بعد ان کا دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آنا محال اور ناممکن ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور حیات سے کیا بحث مرزا صاحب اپنی مسیحیت کے مدعی ہیں ان کو چاہیے کہ اپنی مسیحیت کو دلائل سے ثابت کریں کسی نبی کے وفات پا جانے سے مرزا صاحب کی یا کسی اور کی مسیحیت یا نبوت کیسے ثابت ہو سکتی ہے یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ۱۳۰۰ ھ میں نہیں کہ یہ کہا جا سکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتے ہی مرزا صاحب ان کے خلیفہ اور جانشین ہو گئے بلکہ اس سے اٹھارہ سو سال پہلے ہو چکی ہے تو اب مرزا صاحب بتلائیں کہ وہ کس دلیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین بنے اور یہ بتلائیں کہ یہ امر کس دلیل سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یا وفات کے اٹھارہ سو سال بعد قادیان میں ان کا خلیفہ اور جانشین پیدا ہوگا اور یہ بتلائیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے کے بعد دوسرے عیسیٰ کے نکلنے تک اس قدر مدت کیوں درکار ہے ان تمام باتوں کو دلائل سے ثابت کریں اور میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ ساری امت مرزائیہ مر بھی جائے تب بھی ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکتی۔ غرضیکہ جب مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں تو اپنے دعوائے

عیسویت کو مع شرائط اور لوازم کے ثابت کرنا ان کے ذمہ ہے ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم حیات عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ پر گفتگو کریں۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ آپ اپنی عیسویت کے دلائل پیش کریں۔

ع ''عیسیٰ'' نتواں گشت بتصدیق خرے چند

2

﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾﴾ (الانبیاء:۹۶)

یاجوج وماجوج کے کھلنے سے اس دیوار ذوالقرنین کا کھلنا مراد ہے جس کے پیچھے وہ بند ہیں یاجوج وماجوج کا خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے قتل کے بعد ہوگا اور یاجوج وماجوج نسل آدم علیہ السلام سے دو قومیں ہیں جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں یہ لوگ یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور یافث بن نوح علیہ السلام ترک کے جدِ اعلیٰ ہیں اور ترک انہی میں کی ایک شاخ ہیں جو سدِ ذوالقرنین کے پیچھے متروک یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اس لیے ان کو ترک کہتے ہیں تفصیل سورۂ کہف کے اخیر میں ذوالقرنین کے قصہ میں گزر چکی ہے اور خروج یاجوج وماجوج کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے جن میں چار حدیثیں بہت مفصل ہیں جن کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لی جائیں۔

خلاصہ ان کا یہ ہے کہ اوّل شام اور عراق کے درمیان سے دجال خروج کرے گا اور فتنہ برپا کرے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو اپنے نیزہ سے ماریں گے بعد ازاں دیوار ذوالقرنین کے ٹوٹ جانے سے یاجوج وماجوج نکل پڑیں گے اور کثرت کی وجہ سے ہر طرف پھیل جائیں گے چشموں اور نہروں کا پانی پی جائیں گے لوگ اپنے مکانات اور قلعوں اور تہہ خانوں میں محصور ومستور ہو جائیں گے اور اپنے مواشی کو بھی ساتھ لے جائیں گے جب بظاہر کوئی آدمی باہر نظر نہ آئے گا تو یاجوج وماجوج میں سے کوئی کہنے والا کہے گا کہ زمین والوں سے تو ہم نے فراغت پائی اب آسمان والے رہ گئے ایک آدمی اپنا تیر آسمان کی طرف چلائے گا۔ اللہ کی طرف سے ان کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے وہ تیر اوپر سے خون میں ڈوبا ہوا واپس آئے گا۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کا بھی کام تمام کر دیا اس طرح سے یاجوج وماجوج ہر طرف پھیل جائیں گے اور لوگوں میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ آپ علیہ السلام میرے بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایک طاعونی کیڑا پیدا کر دیں گے جس سے وہ سب ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور ان کی عفونت اور بدبو کی وجہ سے زمین پر کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسے پرندے نازل کرے گا جن کی گردنیں بختی اُونٹوں کی طرح لمبی ہوں گی وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں خدا تعالیٰ چاہے لے جا کر پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک عظیم اور عام بارش نازل کرے گا جو چالیس دن تک برابر برستی رہے گی اس بارش سے زمین دھل جائے گی اور کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کی کوئی حد نہ رہے گی اور جانور اس قدر فربہ ہو جائیں گے کہ ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کے لیے کافی ہوگا بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کا حج کریں گے اور حج اور عمرہ کے بعد مدینہ منورہ جائیں گے اور وہیں

انتقال فرمائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور آنحضرت ﷺ کے قریب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہوں گے بعدازاں کچھ عرصہ تک لوگ اسی فراخی اور خوشحالی میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس سے ہر ایک مومن بندہ کی روح قبض ہو جائے گی اور زمین پر صرف بدکار لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح عورتوں سے کھلم کھلا جفتی کریں گے اور یہ لوگ بدترین خلائق ہوں گے باوجودیکہ صورت انسانی ہوگی مگر گدھوں کی طرح بے عقل اور بے حیا اور بے شرم ہوں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

3

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ﴾

اس آیت میں ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ میں صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ خطاب بت پرستوں ہی سے ہے لیکن اگر کلمہ ما کو عام رکھا جائے تو پھر اس میں شرط عدم المانع کے قید معتبر ہوگی یعنی عابدوں کے ساتھ معبودوں کے جہنم کا ایندھن ہونے کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بشرطیکہ ان فرضی معبودوں میں کوئی امر مانع دخول نار سے نہ ہو۔ جیسے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہما السلام جن کو بہت سے لوگوں نے معبود ٹھہرالیا ہے ان حضرات کی مقبولیت اور وجاہت اس امر سے مانع ہے کہ وہ اس حکم میں شریک ہوں جیسا کہ آئندہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ میں اس کی تصریح فرمادی اور بتلادیا کہ خدا کے وہ مقبول اور برگزیدہ بندے جو سعادت ازلی سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں اگرچہ کافروں نے ان کو معبود بنالیا وہ اس حکم میں داخل نہیں شیاطین اور اصنام اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور خدا کے یہ مقبول بندے جہنم سے بہت دُور رہیں گے کیونکہ یہ حضرات لوگوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کا حکم دیتے اور کفر اور شرک سے نہایت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے یہ حضرات تو کفر اور شرک سے بری اور بیزار اور اس سے منع کرنے والے تھے ان کو دوزخ سے کیا واسطہ ان کے لیے تو وہم و گمان سے بڑھ کر نعمتیں اور کرامتیں ہوں گی۔ بالفرض اگر کوئی انبیاء اور ملائکہ کو معبود بنا بھی لے تو ان کے معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حضرات اپنے عابدوں کے ساتھ ہرگز جہنم میں نہیں جائیں گے ان کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی سے سعادت اور عزت اور کرامت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

ان مشرکین کے اصل معبود تو شیاطین ہیں جن کے اغواء سے انہوں نے کفر اور شرک کیا وہ اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اور بت اور پتھر کی مورتیں تو بے قصور ہیں۔ ان پر جہنم کا عذاب نہیں بلکہ وہ بحکم خداوندی کافروں کے لیے عذاب ہوں گے اور یہ بت اور پتھر کافروں کو عذاب دینے کے لیے جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ کافروں پر غم اور حسرت کا اضافہ ہو کہ ان کی پرستش کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئے شجر اور حجر لکڑی اور پتھر پر نہ کوئی عذاب ہے اور نہ کوئی ثواب ان کا جہنم میں ڈالا جانا کافروں کی توبیخ اور تبکیت کے لیے ہوگا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ چاند اور سورج کو بھی لپیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا چاند اور سورج کا جہنم میں ڈالا جانا بطور عذاب کے نہ ہوگا بلکہ چاند اور سورج کے پرستاروں کی تحقیر و تذلیل کے لیے ہوگا۔

4

﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ﴾

"جس دِن ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے۔"

اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ﴾ (الزمر:۶۷) اس آیت میں جو ﴿قَبْضَتُهٗ﴾ مٹھی اور یمین کا ذکر آیا ہے سو فرقہ مجسمہ اور مشبہہ کے نزدیک اس سے عضو معروف مراد ہے اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں قبضہ اور یمین سے عضو اور جارحہ کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسمانیت اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اس سے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ یہ اجسام عظیمہ یعنی آسمان و زمین اللہ کے سامنے ایسے حقیر اور صغیر ہیں جیسے ہماری مٹھی میں کوئی چیز ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ایک معمولی اور حقیر ہو گی۔

5

﴿كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ﴾

علماء محققین کے نزدیک سجل کے معنی صحیفہ اور طومار کے ہیں اور اس معنی کو امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک فرشتہ ہے جو نامہ ہائے اعمال پر مقرر ہے جب کوئی بندہ مر جاتا ہے تو اس کا نامۂ اعمال سجل کے پاس آ جاتا ہے اور وہ اس کو تہ کر کے قیامت کے لیے رکھ لیتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک کاتب وحی کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتا تھا مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں اس بارہ میں جو روایتیں آئی ہیں وہ موضوع ہیں یا قریب بہ موضوع ہیں نیز تشبیہ سے مقصود تفہیم ہوتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے کہ جب کسی معروف شئے کے ساتھ تشبیہ دی جائے جسے عام طور پر لوگ جانتے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی شخص سجل کے نام سے معروف و مشہور نہ تھا۔ کاتبین وحی سب کے سب معروف و مشہور تھے ان میں سے کسی کا بھی نام سجل نہ تھا اور نہ کسی فرشتہ کا نام سجل ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ سجل سے صحیفہ اور طومار کے معنی مراد ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ وغیرہم سے منقول ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا
ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے
عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
میرے نیک بندے۔

بشارتِ وراثت زمین برائے عبادِ صالحین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت یعنی ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤى﴾ میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اُخروی بشارت (خوشخبری) کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں ایک عظیم دنیوی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی بادشاہت اور وراثت زمین کی خوشخبری کا ذکر ہے کہ ہم عنقریب دنیا میں اپنے نیک بندوں کو یعنی صحابہ کرام ؓ کو زمین کا وارث بنائیں گے اور زمین کی حکومت اور سلطنت اور زمین پر غلبہ اور اقتدار اعلیٰ ان کو عطا کریں گے جس سے اشارہ خلافت راشدہ کی طرف ہے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس بشارت (خوشخبری) کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں اور ہماری بارگاہ سے صحابہ کے لیے وراثت زمین کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ ہمارا ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے کہ جس کی رجسٹری ہو چکی ہے اور تمام انبیاء کے صحیفوں میں اس کا اندراج ہو چکا ہے کہ عنقریب قیصر وکسریٰ کی سلطنت صحابہ کرام ؓ کے قبضہ میں آئے گی۔ پھر اس بشارت کے بعد یہ فرمایا ﴿اِنَّ فِیۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ﴾ یعنی اس خوشخبری میں عبادت گزاروں کے لیے ایک عجیب اطلاع ہے جس سے مقصود اتمام حجت ہے کہ اہل اعراض اور اہل غفلت پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی کہ نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوں گے اور یہ کتاب ہدایت نازل کر دی گئی جو کافی اور شافی ہے اور اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کے صحابہ ؓ زمین شام اور زمین ایران کے وارث ہوں گے اور زمین پر غالب ہوں گے۔

پھر اخیر میں فرمایا ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ یعنی ہم نے نبی آخر الزمان ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ کے اتباع کی برکت سے دینی اور دنیوی دونوں قسم کی نعمتیں اور سعادتیں ملیں گی اور جس گروہ کو یہ دونوں قسم کی نعمتیں اور دونوں قسم کی سعادتیں ملیں گی وہ عباد صالحین کے لقب سے ملقب ہوں گے۔ اور جب ولایت اور بادشاہت دونوں ایک کمبل اور ایک گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جب فرمانروائے سلطنت خدا کا نیک بندہ اور ولی بھی ہو تو وہ خلیفۂ راشد ہے جو ظاہر کے اعتبار سے امیر سلطنت اور باطن کے اعتبار سے شیخ طریقت ہے۔

ربط دیگر کہ گزشتہ آیت ﴿كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُهٗ ؕ وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیۡنَ﴾ میں یہ فرمایا تھا کہ پہلی بار کی طرح دوبارہ مخلوق کو پیدا کرنے کا وعدہ ہمارے ذمہ ہے اب آئندہ آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ وعدۂ قیامت کی علامتوں کا ظہور شروع ہو گیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہو گئے اور آخری امت بھی ظاہر ہو گئی پس سمجھ لو کہ قیامت قریب ہو گئی۔ لہٰذا غفلت اور اعراض سے باز آ جاؤ اور اس نبی آخر الزمان ﷺ سے ہمارا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس کے صحابہ ؓ زمین پر غالب ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے توریت کے بعد یا لوح محفوظ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یا انبیاء سابقین علیہم السلام کے صحیفوں اور نوشتوں میں لکھ دیا ہے کہ معمورۂ زمین کے یا سرزمین شام اور ایران کے وارث میرے خاص نیک بندے ہوں گے یعنی زمین کے بادشاہ اور فرمانروا ہوں گے اور باوجود بادشاہت اور سلطنت کے صلاح اور تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہوں گے اس آیت میں جس وراثت ارضیہ کی بشارت دی گئی اس سے خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کو بصیغۂ خبر بیان کیا گیا اور یہ بتلا دیا کہ یہ پیشین گوئی ایسی قطعی اور حتمی ہے کہ اس کو خدائی قبالہ اور دستاویز سمجھو کہ جس کی تمام انبیاء کے صحیفوں میں رجسٹری ہو چکی ہے اور سب جگہ اس کا اندراج ہو چکا ہے جس میں شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآنِ کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے منجملہ ان کے ایک آیت استخلاف ہے۔ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰى

لَهُمْ ﴾ اور حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ ﴾ (الفتح:۲۹) بھی اسی مضمون کی دوسری تعبیر ہے۔

زبور: اس آیت میں زبور سے یا تو حضرت داوٗد علیہ السلام کی کتاب مراد لی جائے یا آسمانی صحیفے اور نوشتے مراد لیے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام پر اُتارے کیونکہ لفظ زبور کے معنی از روئے لغت نوشتہ یعنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں آیت میں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

ذکر: ذکر کے معنی لغت میں نصیحت کے ہیں اور اس جگہ ذکر سے توریت کے معنی مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ذکر سے لوح محفوظ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ توریت کے بعد ہم نے زبور میں یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

الارض (زمین): ارض کے معنی زمین کے ہیں اس بارہ میں مفسرین کے چار قول ہیں۔ **(قول اوّل)** یہ کہ زمین سے ملک شام کی زمین مراد ہے۔ **(قول دوم)** یہ کہ زمین سے روم اور ایران کی زمین مراد ہے۔ **(قول سوم)** یہ کہ ارض سے معمورۂ ارض مراد ہے **(قول چہارم)** یہ کہ زمین سے جنت کی زمین مراد ہے۔

صحیح اور راجح قول۔ قول اوّل اور قول دوم ہے اور تیسرے قول کا مراد لینا بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ شام اور ایران کی زمینیں فتح ہوں گی اور دنیا کی جو دو بڑی سلطنتیں ہیں یعنی ایران اور روم وہ اسلام کے زیر نگیں آئیں گی اور تمام معمورۂ ارض پر اسلام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا اور قول چہارم نہایت بعید ہے۔ اور سیاق وسباق کے خلاف ہے بہر حال آیت میں زمین سے دنیا کی زمین مراد ہے اور یہ تمام زمینیں یعنی شام اور ایران کی زمین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مفتوح ہوئیں۔ لہٰذا روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ان دونوں حضرات کی خلافت خدا کے اس وعدہ کے مطابق تھی اور وہ اور ان کے رفقاء بلاشبہ عباد صالحین تھے۔

بہر صورت آیت میں اسلام کے ظہور اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے اور مخالفین کے لیے تہدید ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ اسلام مٹ جائے گا اور اگر آیت میں ''الارض'' سے ارض مقدسہ مراد ہو تو اہل کتاب کو تہدید ہوگی کہ تمہارا قبلہ عنقریب مسلمانوں کے زیر نگین آئے گا اور وہ اس کے مالک اور وارث ہوں گے اور عنقریب قیصر روم کی سلطنت ملک شام سے ختم ہوجائے گی اور مسلمان اس پر قابض ہوجائیں گے۔

اور یہ زمینیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں جو ان کی حسن تدبیر سے فتح ہوئیں معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین بلاشبہ عباد صالحین کا مصداق تھے۔ جن کی خلافت قرآن سے پہلے توریت اور زبور میں لکھی جاچکی تھی۔

چنانچہ یہ مضمون ابھی موجودہ بائبل کے زبور ۳۷ میں مذکور ہے چند آیتیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

۹۔ لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہوں گے۔

۱۱۔ جو حلیم ہیں ملک کے وارث ہوں گے جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ (دیکھو مجموعہ بائبل ص ۵۴۸ از زبور)

اور توریت میں بھی اس زمین کی وراثت کی تصریح موجود ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ درس ۸ میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ فرمایا کہ میں تجھ کو اور تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک دوں گا۔ (الخ)

کنعان کے ملک سے زمین شام مراد ہے دیکھو باب ۱۷ از اوّل تا آخر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور کی بشارت پر مشتمل ہے۔

شیعہ کیا کہتے ہیں؟:

اس آیت کی تفسیر میں علماء شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور ظہور مہدی علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے

کیونکہ ماقبل میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے اور قیامت کا بھی ذکر ہے اس لیے ارض سے تمام روئے زمین مراد ہے جس پر امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں قبضہ ہوگا۔

اہلسنت والجماعت کہتے ہیں:

کہ یہ قول قطعاً صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس آیت سے مقصود صحابہ کو خوشخبری سنانا ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کو ایسی چیز کی خوشخبری سنانا جس کا ظہور قیامت کے قریب ہو اور اس چیز میں سے ان کو کچھ نہ ملے۔ یہ خوشخبری نہیں بلکہ ایک قسم کا مذاق ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے۔ نیز اس آیت میں جو لفظ ﴿عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ کا مذکور ہے جس کے لفظی معنی نیک بندوں کے ہیں اس سے باجماع مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں جو اس بشارت کے اولین مصداق ہیں جن کے ہاتھوں پر شام اور ایران فتح ہوا اور حسبِ وعدۂ الٰہی وہ اس کی زمینوں کے وارث ہوئے اور تمام معمورۂ ارض پر ان کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا۔

بہرحال اس آیت میں خلافت راشدہ کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے اس لیے کہ کلام کی ابتداء ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ﴾ سے ہوئی اور خلافت راشدہ کی بشارت پر کلام کی انتہاء ہوئی اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ اس دینی اور دنیوی سعادت کا تذکرہ اور شہرہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی ہو چکا تھا جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں اپنی امت کے لیے یہ دعا کی ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ تو بارگاہِ الٰہی سے یہ جواب ملا کہ اس انعام دنیوی اور اخروی کا ظہور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ... الی قولہ ... اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ (الاعراف:۱۵۷) تفصیل کے لیے سورۂ اعراف کو دیکھیں۔

نیز اس آیت میں یعنی ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ میں جس وعدہ کا ذکر فرمایا ہے یہی وعدہ آیت استخلاف یعنی آیت ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ میں صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ نور کی تفسیر میں آئے گا۔

اور علیٰ ہذا سورۂ فتح کی آیت ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

اور بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں واضح الفاظ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ بشارت مذکور ہے کہ تم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے اور ان کو باہم تقسیم کرو گے اور ان کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(اطلاع) اس بارہ میں جو تاریخی روایات اور واقعات منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں اگر ان کی تفصیل درکار ہو تو ازالۃ الخفاء مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی مراجعت کریں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت یعنی ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار زمین کے کیوں مالک ہوئے اس لیے کہ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ نہیں بلکہ محض ایک قضیہ مطلقہ عامہ ہے کہ ایک زمانہ میں خدا کے نیک بندے زمین کے

وارث ہوں گے۔

یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے وارث ہمیشہ ہمیشہ نیک بندے ہی ہوا کریں گے اور کافر کبھی وارث نہ ہوں گے اور اطلاق کے صدق کے لیے ایک مرتبہ کا وقوع کافی ہے چنانچہ بحمد اللہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم روئے زمین کے مالک بن چکے ہیں زمانۂ عروج اسلام میں کوئی سلطنت مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی اور اگر آیت میں زمین سے جنت کی زمین مراد ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جنت کی زمین کے وارث نیک بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ (کذا فی النعم المرغوبہ ص ۲۳ وعظ نمبر ۶۹ از سلسلۂ تبلیغ)

یہ ناچیز کہتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں سے غلبہ و فتح اور نصرت کا وعدہ کیا گیا ہر جگہ ایمان اور عمل صالح کی قید اور شرط مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹) اور اس آیت میں ﴿عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ کا لفظ مذکور ہے اور آئندہ سورت یعنی سورۂ حج میں آنے والی آیت میں ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ﴾ (الحج: ۳۹) میں ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (الحج: ۴۱) کے شرائط اور قیود مذکور ہیں اور آئندہ سورۂ نور میں جو آیت استخلاف آنے والی ہے اس میں بھی ایمان اور عمل صالح کی قید مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور: ۵۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس سلطنت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اہل ایمان اور اصالحین سے فرمایا ہے۔

اب اس زمانہ میں اسلامی سلطنتوں پر جو زوال اور اختلال کے بادل منڈلا رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ارکانِ دولت محض زبان سے رعایا کے خوف سے اسلام کا نام لے لیتے ہیں ورنہ در پردہ ایمان اور عمل صالح سے کورے ہیں۔ محض نام کے مسلمان ہیں اور اندرونی طور پر دشمنانِ اسلام کے نمک خوار اور حاشیہ بردار بنے ہوئے ہیں اور ظاہری طور پر دشمنانِ اسلام کے ہمرنگ بنے ہوئے ہیں کھانا اور پہننا اور اٹھنا اور بیٹھنا اور بولنا اور لکھنا پڑھنا سب انگریزی وغیرہ وغیرہ۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان لوگوں کو کوئی ہمدردی نہیں اس قسم کے نام کے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضیہ اور زمین کی وراثت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ بحمدہٖ تعالیٰ آج بھی روئے زمین پر مسلمانوں کی بہت سی سلطنتیں ہیں اور مال و دولت سے مالا مال ہیں مگر اسلام کے رنگ سے خالی ہیں اگر خلفائے راشدین کے طریقہ پر چلیں تو پھر وہی عروج حاصل ہو سکتا ہے اللہ کا وعدہ اپنی جگہ پر برحق اور صدق ہے سارا قصور ہمارا ہی ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است

خم و خمخانہ بامہ رو نشان است

حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ اے بندو! تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

إِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں ایک لوگ بندگی والے۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہر کر کر

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ

جہان کے لوگوں پر۔ تو کہہ مجھ کو تو حکم یہی آتا ہے کہ صاحب تمہارا ایک صاحب ہے پھر ہو

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ

تم حکم برداری کرتے۔ پھر اگر منہ موڑیں تو تو کہہ میں نے خبر کر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا

اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ

نزدیک ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔ وہ رب جانتا ہے پکار کی بات اور

يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿١١٠﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى

جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا شاید اس میں تم کو جانچنا ہے اور برتوانا (فائدہ پہنچانا) ایک

حِيْنٍ ﴿١١١﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا

وقت تک۔ رسول نے کہا اے رب! فیصلہ کر انصاف کا۔ اور رب ہمارا رحمٰن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو

تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾ ع ۱۹/۷

تم بتاتے ہو۔

خاتمۂ سورت بر اتمام حجت بہ تنزیل کتاب ہدایت

وبعثت رسول رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ○ ... الٰى ... وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○﴾

ربط: یہ سورت کا خاتمہ ہے جس میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لیے یہ قرآن نازل کیا اور ایسے نبی کو تمہاری لیے مبعوث کیا جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے جس کے اتباع کی برکت سے تم کو دینی اور دنیوی نعمت اور سعادت اور زمین کی وراثت اور بادشاہت میسر آئی۔ اللہ نے تم پر حجت پوری کر دی۔ نبی کے ذمہ صرف تبلیغ ہے سو وہ آپ ﷺ کر چکے اب رہ گیا کہ قیامت اور حساب و

کتاب کا وقت کب آئے گا جس کے متعلق یہ اہلِ غفلت اور معترضین آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ وعدۂ حساب و کتاب قریب ہے یا بعید ہے، خدا ہی اس کو خوب جانتا ہے میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ شاید عذاب کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش اور چند روزہ تمتع اور مہلت ہو۔ (واللہ اعلم)

شروع سورت میں بھی قربِ قیامت اور حسابِ آخرت کا ذکر تھا اور سورت کے اخیر میں بھی یہی مضمون ذکر فرمایا اور اسی مضمون پر سورت کو ختم فرمایا۔ اس طرح خاتمہ سورت کو ابتداءِ سورت کے ساتھ غایت درجہ مناسبت ہوگئی۔

چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اس قرآن میں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا جو وعدہ اور وعید اور حکمت و موعظت پر مشتمل ہے۔ عبادت گزاروں کے لیے کفایت ہے کہ اس کے ذریعہ دینی اور دنیوی سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور یہ قرآن مسافرانِ آخرت کے لیے کافی اور شافی زادِ راہ ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے کافی ہے عابدین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مقصود زندگی ہی بندگی اور اطاعت ہے۔

اور جس طرح ہم نے اس قرآن کو ہدایت اور رحمت کے لیے نازل کیا ہے اسی طرح اے نبی! ہم نے جو تجھ کو بھیجا ہے تو دنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ نے خدا کا راستہ بتلایا اور حلال اور حرام کی تفصیل کی اور اخلاقِ کاملہ اور آدابِ فاضلہ کی تعلیم کی اور آپ ﷺ کے اتباع کی برکت سے آپ ﷺ کی اُمت کو وراثتِ زمین اور فرمانروائی کا پروانہ ملا اور آپ کی برکت سے خسف اور مسخ اور قذف کا عذاب استیصال اٹھالیا گیا۔ جو گزشتہ اُمتوں پر دنیا میں نازل ہوا اور اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے۔ انما انا رحمة مهداة یعنی جز ایں نیست کہ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیۂ رحمت ہوں اور قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی شفاعت کبریٰ اور خاص کر گناہ گارانِ اُمت کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت یہ بھی اس رحمت عامہ کا ایک فرد ہے۔

نظم

عاصیان پر گنہ در دامن آخر فرماں
دست در داماں تو داند و جان در آستیں
نا اُمید از مغفرت بانصرتت نتواں شدن
چوں توئی در ہر دو عالم رحمت للعالمین

اے نبیؐ! آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ میری طرف تو بس یہی وحی نازل کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے میری بعثت کا مقصد اوّل بھی توحید ہے۔

پس کیا تم اس کا حکم مانتے ہو یعنی توحید اور اخلاص کی جو وحی میری طرف آتی ہو اس کو مانو پھر اگر وہ اس کے ماننے سے منہ موڑیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تم کو صاف طور پر خبردار کر دیا ہے کہ اس کے جاننے میں ہم اور تم سب برابر ہوئے۔ واضح طور پر سب کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔

اور میں نہیں جانتا کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے اس کا وقوع قریب ہے یا کچھ دُور ہے اور وعدہ سے قیامت اور حشر کا وعدہ مراد ہے یا اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا وعدہ مراد ہے۔

بیشک اللہ خوب جانتا ہے آشکارا بات کو۔ اور اس بات کو بھی خوب جانتا ہے جو تم سینوں میں چھپاتے ہو اس کو تمہارا چھپا اور کھلا حال سب معلوم ہے۔

اور میں نہیں جانتا شاید اس وعدہ کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش ہو اور شاید تمہارے لیے ایک وقت معین تک مہلت ہو کہ ممکن ہے کہ تم اس مہلت سے کچھ فائدہ اٹھالو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فوراً نہیں پکڑا۔ بہر حال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس تاخیر میں کیا مصلحت ہے بعد ازاں رسول نے بحکم خداوندی یہ دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! میرے اور میرے جھٹلانے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجیے یعنی حق کو باطل پر اور صادق کو کاذب پر فتح اور غلبہ دے کر فیصلہ کر دیجیے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی یہ دعا نقل کی ہے: ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾ (الاعراف:۸۹) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ دُعا قبول فرمائی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بدر کے دن فیصلہ کر دیا اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلے میں جو تم کہتے ہو جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا یا وہ کہتے تھے کہ اسلام تو عنقریب ختم ہو جائے گا اور کبھی کہتے کہ یہ شخص تو ساحر ہے یا شاعر ہے یا مجنون ہے۔ کفار کی اس قسم کی باتوں کے بارہ میں آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مدد فرمائی اور اپنی رحمت اور عنایت سے آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمایا۔

مراد خویش زور گاہ بادشاہی خواہ
کہ ہیچ کس نشود ناامید زاں درگاہ

الحمد للہ! آج بوقت نماز صبح ۱۰ ذی الحجۃ الحرام یوم یکشنبہ ۱۳۹۰ھ سورۃ انبیاء کی تفسیر سے فراغت پائی۔

فللہ الحمد اولا واٰخرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ الحج

سورۂ حج مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی مگر چار آیتیں مکی ہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ﴾ سے لے کر ﴿عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴾ تک چونکہ اس سورت میں حج کے احکام کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ سورت الحج کی نام سے مشہور ہوئی اس میں اٹھتر (۷۸) آیتیں اور دس رکوع ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر چھ آیتیں ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ سے ﴿صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ تک مدنی ہیں اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مختلط ہے بعض آیتیں اس کی مکی ہیں اور بعض مدنی ہیں اور یہی قول صحیح اور راجح ہے۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد و ترمذی میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ حج کو دوسری سورتوں پر اس لیے فضیلت دی گئی کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے کہ اس سورت میں دو سجدے ہیں اور عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرف گئے ہیں کہ اس سورت میں صرف ایک ہی سجدہ ہے یعنی صرف پہلا سجدہ اور امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما اور علماء کرام کا مذہب بھی یہی ہے کہ اس سورت میں ایک سجدہ ہے صرف پہلا سجدہ۔ تفصیل کے لیے شرح بخاری اور ہدایہ دیکھیں۔

رُكُوعَاتُهَا ۱۰	(۱۰۳) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۲۲)	آيَاتُهَا ۷۸

سورۂ حج مدنی ہے اس کی اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے بڑا رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

لوگو! ڈرو اپنے رب سے۔ بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ

جس دن اس کو دیکھو گے، بھول جاوے گی ہر دودھ پلانے والی اپنے پلائے کو اور ڈال دے گی ہر

ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمۡ بِسُكٰرٰى

پیٹ والی اپنا پیٹ اور تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور ان پر نشہ نہیں

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيۡدٌ ②

پر آفت اللہ کی سخت ہے۔

آغاز سورت بحکم تقویٰ کہ آں بہترین زاد آخرت است وتخویف از زلزلہ قیامت کہ ذکر آں غفلت است

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ . . . الى . . . وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيۡدٌ ②﴾

ربط: پہلی سورت یعنی سورۃ الانبیاء کا آغاز بھی قیامت کے حساب وکتاب سے ہوا تھا۔ اس سورت کا آغاز بھی قیامت کے ہولناک زلزلہ سے فرمایا اور سب سے پہلے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس لیے کہ تقویٰ بہترین توشۂ آخرت ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى﴾ (البقرہ:۱۹۷) نیز تقویٰ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی متفقہ وصیت ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (النساء:۱۳۱)۔

اور چونکہ تقویٰ اور خوف خداوندی پر سب سے زیادہ برانگیختہ کرنے والی چیز قیامت کے ہولناک احوال اور اہوال ہیں۔ اس لیے سورت کا آغاز قیامت کے احوال اور اہوال سے فرمایا اور سب سے پہلے اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد قیامت کے ہولناک واقعات کا بیان شروع کیا کہ اس دن ایک سخت زلزلہ آئے گا تاکہ اس سے حفاظت کی تیاری کرو اور جان لو کہ سخت وقت میں انسان کو تقویٰ ہی کام دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو ✽ اور اس کی نافرمانی سے بچو مبادا اس کی ناشکری میں مبتلا ہو کر اس کے قہر کے مستحق بنو۔ بے شک قیامت کا بھونچال بڑی سخت چیز ہے۔ جس سے دنیا میں تہلکہ اور کہرام مچ جائے گا عجیب و غریب حادثہ ہوگا جس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں اور ایسی ہلچل ہوگی کہ جس سے بڑھ کر کوئی ہلچل نہیں اور جس کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں۔ ''زلزلہ'' کے معنی لغت میں شدید اور ہولناک حرکت کے ہیں جو زَلَّ کی تضعیف ہے اور زَلَّ کے معنی قدم پھسل جانے کے ہیں جس روز تم اس زلزلہ کو دیکھو گے تو اس روز یہ حال ہوگا کہ ہول کے مارے ہر دودھ پلانے والی اپنے اس ✽ بچہ سے غافل ہو جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے اس سے بڑھ کر کیا آفت اور مصیبت ہوگی کہ ماں اپنے شیر خوار بچہ کو بھول جائے اور شدت ہول کی وجہ سے ہر حمل والی

✽ اشارہ اس طرف ہے کہ تقویٰ کے دو معنی ہیں: ① ڈرنے کے اور ② بچنے کے۔ آیت میں ہر معنی کا مراد لینا درست ہے۔

✽ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿عَمَّآ اَرۡضَعَتۡ﴾ میں ''ما'' موصولہ ہے بمعنی الذی یا بمعنی مَنۡ جس سے مراد بچہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿عَمَّآ اَرۡضَعَتۡ﴾ میں لفظ ما مصدریہ ہو یعنی عن ارضاعھا۔ ۱۲

عورت حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اپنے حمل کو ڈال دے گی یعنی ڈر کے مارے حمل ساقط ہو جائے گا اور دیکھے گا تو اس دن لوگوں کو کمال دہشت کی وجہ سے نشہ میں مست ہوا ہوا حالانکہ حقیقت میں وہ نشہ والے نہ ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے اس کی ہول اور دہشت کی وجہ سے مست اور مدہوش نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ مست نہ ہوں گے ان کی بدحواسی کو دیکھنے والا یہ خیال کرے گا کہ یہ نشہ پیے ہوئے ہیں۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ زلزلہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ کب ہوگا۔

زلزلۂ مذکورہ میں مفسرین کے اقوال

قول اوّل: یہ زلزلہ دنیا میں ہوگا اور یہ زلزلہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب ظہور ہوگا اور اس کے بعد آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا یعنی قیامت قائم ہونے سے پہلے زمین زلزلہ میں لائی جائے گی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ﴾ (زلزال: ۱، ۲)

﴿وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴾ .. الآیۃ﴾ (الحاقہ: ۱۴، ۱۵)

﴿اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴾ (الواقعہ: ۶)

اور اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی مرضعہ ہوگی اور نہ کوئی حاملہ ہوگی معلوم ہوا کہ یہ واقعہ دنیا سے متعلق اور یہ زلزلہ اخیر عمرِ دنیا میں روز قیامت سے پہلے ہوگا اور زلزلہ کی اضافت قیامت کی طرف اس لیے ہے کہ اس کے قریب ہوگا جسے اشراط الساعت کہتے ہیں۔

قول دوم: یہ زلزلہ قیامت کے دن نفخۂ اولیٰ کے ساتھ ہوگا جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن زمین کانپ اٹھے گی اور جیسے کشتی موجوں میں ہلنے لگتی ہے اس طرح زمین ہلنے لگے گی۔

کَمَا قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۙ﴾ (النازعات: ۷)

قول سوم: یہ زلزلہ اس وقت ہوگا کہ جب لوگ نفخۂ ثانیہ کے بعد اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر کی طرف روانہ ہوں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابنِ جریر طبریؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس بارہ میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ قیام قیامت اور قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت قرآنی میں اس زلزلہ کے وقت کی کوئی تصریح نہیں۔ لہٰذا نظم قرآنی میں سب کی گنجائش موجود ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

قول چہارم: یہ ہے کہ آیت میں زلزلہ سے روز قیامت کے اہوال اور دہشت ناک احوال مراد ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا﴾ (البقرہ: ۲۱۴) اور حدیث میں ہے: ((اللّٰھم اھزمھم وَزلزلھم)) (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۴ ج ۱۲)

پس اگر اس آیت میں قیام قیامت سے پہلے دنیا میں زمین کا زلزلہ مراد ہو تو یہ آیت اپنی حقیقت پر محمول ہوگی کہ جس وقت یہ زلزلہ آئے گا تو اس وقت حقیقتاً ایسا ہوگا کہ حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی۔

اور اگر عین قیام قیامت کے وقت یا قیام قیامت کے بعد کا زلزلہ مراد ہو تو دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ حقیقۃً ایسا ہی ہوگا کہ جو عورتیں دودھ پلانے کی حالت میں مری ہیں یا حمل کی حالت میں مری ہیں وہ قیامت کے دن اس حالت میں زندہ کی جائیں گی اور بچہ کو دودھ پلاتی ہوئی قبروں سے اٹھیں گی اور قیامت کے دن ان کی یہ حالت ہوگی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کلام کو تمثیل اور تصویر پر محمول کیا جائے کہ اگر حاملہ عورتیں اس حالت کو دیکھیں تو ان کے حمل گر جائیں مقصود اس روز کی ہول و دہشت کی تصویر بیان کرنا ہے حقیقی معنی مراد نہیں اور مقصود یہ ہے کہ روز قیامت سخت ہولناک ہے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ اس دن کی شدت سے محفوظ رہو اور اس بارہ میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں روز قیامت کے اہوال اور احوال کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ (یعنی غزوۂ بنی المصطلق میں تھے) کہ اثناء سفر میں رات کے وقت یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ... تا ... وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ﴾ (الحج: ۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو سن کر اس قدر روئے کہ اس رات سے زیادہ کبھی نہیں روئے تھے اور ایسے غمگین اور متفکر ہوئے کہ نہ کھانا پکایا اور نہ خیمے لگائے اور نہ سواریاں باندھیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پکارے گا تو آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے پروردگار! حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا پروردگار تجھ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا لشکر نکال جو دوزخ کی طرف بھیجے جائیں گے۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار اس کی مقدار اور اندازہ کیا ہے اور اس لشکر کی تعداد کتنی ہے حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ نشہ میں معلوم ہوں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے چہرے غم کے مارے متغیر ہو گئے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ایک ہم سے کون کون ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو یاجوج و ماجوج سے وہ نسبت ہے جو ایک کو نو سو ننانوے سے ہے اور تمہاری نسبت پہلی اُمتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے سفید بیل کے جسم میں سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل کے جسم میں سفید بال ہوں اور فرمایا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں چہارم حصہ ہو گے یہ سن کر ہم نے خوشی سے تکبیر کہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں اُمید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں ایک تہائی ہو گے۔ ہم نے خوشی سے تکبیر کہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنتیوں میں نصف ہو گے۔ ہم نے تکبیر کہی۔ اس حدیث کو امام احمد نے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۴ ج ۳)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ دونوں آیتیں غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی میں نازل ہوئیں معلوم ہوا کہ یہ آیتیں مدنی ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ

اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بن خبر اور ساتھ پکڑتا ہے ہر شیطان

مَّرِيْدٍ ۙ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ

بے حکم کا۔ جن کی قسمت میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکاوے اور لے جاوے

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ

عذاب میں دوزخ کے لوگو! اگر تم کو دھوکہ (شک) ہے

الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ

جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند سے پھر پھٹکی سے

ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ

پھر بوٹی سے نقشہ بنی اور بن نقشہ بنی اس واسطے کہ تم کو کھول سناویں اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم

فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ

پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک ٹھہرے ہوئے وعدے تک پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک کہ

لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى

پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں پورا بھرلیا اور کوئی تم میں پھر چلایا

اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ

نکمی عمر تک، تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔ اور تو دیکھتا ہے زمین میں

هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ

دبی پڑی پھر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی تازی ہوئی اور اُبھری اور اگائیں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ

ہر بھانت بھانت رونق کی چیزیں۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے تحقیق اور وہ جلاتا ہے

الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ﴿۶﴾ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ

مردے اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں

فِیْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ

اور یہ کہ اللہ اٹھاوے گا قبر میں پڑوں کو اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے

فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۙ﴿۸﴾ ثَانِیَ عِطْفِهٖ

اللہ کی بات میں بن خبر اور بن سوجھ اور بن کتاب چمکتی۔ اپنی کروٹ موڑ کر کہ

لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ نُذِیْقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

بہکاوے اللہ کی راہ سے۔ اس کو دنیا میں رسوائی ہے اور چکھاویں گے ہم اس کو قیامت کے دن

عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ

جلن کی مار۔ یہ اس پر ہے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور یہ کہ اللہ نہیں

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۰﴾ ع

ظلم کرتا بندوں پر۔ ع ۸

اثبات حشر ونشر وابطال شبہات مجادلین ومنکرین قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ... الٰی ... وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں تقویٰ کی تاکید اور قیامت کے بعض احوال اور اہوال کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو قیامت کے منکر ہیں اور قیامت اور قرآن کے بارہ میں جہالت سے بغیر علم اور بغیر دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں۔ بعد ازاں حشر اور نشر کا اثبات اور منکرین قیامت کے شبہات کا ابطال فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارہ میں یعنی اس کی شان میں اور اس کی قدرت میں بدون کسی علم کے جھگڑتے ہیں یہ نضر بن حارث کا حال ہے کہ جو آنحضرت ﷺ سے کبھی کتاب الٰہی کے بارہ میں کہتا ﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ کہ یہ قرآن تو اگلوں کا افسانہ ہے اور کبھی توحید کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کبھی اللہ کی قدرت کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ جب انسان مر کر اور گل سڑ کر مٹی ہو گیا تو پھر کیسے زندہ ہوگا اور ایسے شخص کے پاس دلیل کوئی نہیں صرف شیطان سرکش کی پیروی کرتا ہے۔ شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے

اور بے دلیل اس کو مان لیتا ہے اور انبیاء علیہ السلام دلائل عقلیہ و براہین قطعیہ بیان کرتے ہیں تو ان میں بے دلیل جھگڑا لگا تا ہے اور شیطان کی پیروی کرتا ہے جس کی نسبت قضائے الٰہی میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو شخص شیطان کو دوست بنائے گا تو یہ شیطان اس کو ضرور گمراہ کرے گا۔ اور عذاب دوزخ کی راہ پر اس کو لگا دے گا۔ غرضیکہ اس نادان کا گمان یہ تھا کہ قیامت اور حشر و نشر سب محال ہے اس لیے آئندہ آیات میں اثبات معاد کی دو دلیلیں بیان فرماتے ہیں۔

دلیلِ اوّل: اے لوگو! اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں تم شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہو اور دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے ہو تو حق تعالیٰ کی دلیل قدرت میں ذرا غور کرلو اور پہلے اپنے حال پر نظر کرو۔ تحقیق ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ہے اس لیے کہ آدم علیہ السلام جو سب کی اصل ہیں وہ مٹی سے پیدا ہوئے پھر پیدائش آدم علیہ السلام کے بعد جب سلسلۂ توالد و تناسل جاری ہوا تو مرتبۂ دوم میں ہم نے تم کو نطفہ سے۔ پھر مرتبۂ سوم میں جمے ہوئے خون سے۔ پھر مرتبۂ چہارم میں ایسے پارۂ گوشت سے کہ کبھی اس کی پوری صورت بن جاتی ہے جس میں کوئی عیب اور نقصان نہیں رہتا اور کبھی پوری صورت نہیں بنتی جو ایام پورا ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ پس ہم نے تم کو اس ترتیب و تدریج کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت ظاہر کریں کہ تم پہلی بار کی خلقت سے دوسری بار کی خلقت کو سمجھ سکو۔ کہ جو چیز پہلی بار تغیر اور تکون کو قبول کر سکتی ہے وہ دوسری بار بھی اسے قبول کر سکتی ہے اور جان لو کہ یہ سب قادرِ مطلق کی صنعت اور کاریگری ہے کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں۔ اور پھر ایک مدت مقررہ تک جس کو چاہتے ہیں رحم مادر میں ٹھہرائے رکھتے ہیں اس کو وقت سے پہلے گرنے نہیں دیتے اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے اس کو گرا دیتے ہیں پھر اس مدت معینہ کے بعد تم کو بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالتے ہیں۔ پھر ہم تم کو پالتے ہیں تاکہ تم اپنی کمال قدرت کو پہنچ جاؤ یعنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض وہ ہے جو بڑا ہونے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی تم میں سے نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جاننے پہچاننے کے بعد انجان اور بے خبر بن جائے یعنی ہوش و حواس میں فتور آ جائے اور جیسا بچپن میں قلیل العلم اور قلیل الفہم تھا ویسا ہی پھر ہو جائے اور جاننے کے بعد کچھ نہ جانے پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کر سکتا ہے اور اخیر میں انتہاء کے بعد پھر ابتداء کی طرف لوٹا سکتا ہے تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ بعث بعد الموت کی ایک دلیل ہوئی اب آئندہ آیت میں دوسری دلیل بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تر و تازہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

دوسری دلیل: اور اگر ان منکرین قیامت کا یہ گمان ہے کہ انسان کی پیدائش میں جس قدر تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ سب شکم مادر میں ہیں شکم قبر میں یہ تغیرات اور انقلابات نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو مردہ کی طرح خشک اور بے رونق دیکھتا ہے کہ عرصہ تک بجھی ہوئی آگ کی طرح خشک پڑی رہتی ہے جس میں سبزہ کا کہیں نام و نشان نہیں ہوتا۔ اس طرح قبر میں مردہ بھی خشک پڑا رہتا ہے پھر جب کچھ عرصہ بعد ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس خشک زمین کی قوت نامیہ جوش میں آ جاتی ہے اور سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے۔ اور ولادت حمل کی طرح خروج نباتات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں گویا کہ زمانۂ ولادت قریب آ گیا ہے اور پھر باذن الٰہی ہر قسم کے تر و تازہ اور خوشنما چیز اگاتی ہے جس طرح بطنِ مادر سے ایک خوشنما بچہ نمودار ہوتا ہے پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے پھر اسی حال

پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھا کیا یہ تخمِ شجر نطفہ کے مشابہ نہیں کہ جب یہ تخم زمین میں ڈال دیا جاتا ہے تو گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر بعد چندے خوشنما ہو کر زمین سے نکل آتا ہے جس طرح نطفہ سے بچہ پیدا ہونے کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح تخم ریزی کے بعد روئیدگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔

یہاں تک دونوں دلیلیں ختم ہوئیں اب آئندہ آیت میں ان دونوں دلیلوں کا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ پانچ باتیں ہیں۔

اوّل: یہ سب جو ابتداء خلقت انسان سے احیاء زمین تک ہوا۔ اس کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ جو ہے وہی حق ہے یعنی خدائے برحق وہ ہے کہ جس کی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

دوم: اور یہ کہ تحقیق وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے جیسا کہ نطفہ کو اور مردہ زمین کو زندہ کرنا، تمہاری نظروں کے سامنے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور حیات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

سوم: اور یہ کہ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت مردہ زمین کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تمام ممکنات پر قادر ہے۔

چہارم: اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے یعنی اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں کچھ شک نہیں۔

پنجم: اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں مدفون ہیں اور اس دوبارہ زندہ ہونے کا نام بعث بعد الموت ہے غرضیکہ ان دلائل سے بخوبی یہ ثابت ہو گیا کہ قیامت کا آنا حق ہے ضرور آئے گی اس کے آنے میں ذرا شک نہیں اور باوجود ان دلائل واضحہ کے لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے کہ جو اللہ کی قدرت قاہرہ اور حکومت باہرہ میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے یعنی بعضے ایسے کج فہم اور ضدی اور عنادی ہیں کہ ان واضح اور روشن دلائل سننے کے بعد بھی اللہ کی باتوں میں جھگڑتے ہیں۔ نہ ان کے پاس علم اور عقل ہے اور نہ کوئی ہدایت اور عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ جو آسمانی کتاب سے پیش کر سکے اور اس کج رو اور بے عقل کی حالت یہ ہے کہ متکبر اور مغرور ہے اپنی گردن اور شانہ کو موڑ کر جھگڑتا ہے جیسا کہ متکبروں کا طریقہ ہے کہ شانہ اور گردن کو موڑ کر گفتگو کیا کرتے ہیں اور غرض اس کی یہ ہے کہ اس قسم کی بے سروپا باتوں سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے۔ جیسے خود گمراہ ہے اسی طرح دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ دُنیا کی ذلت و خواری اس کے تکبر اور غرور کی سزا ہے کیونکہ اس کا اکبر ہم اور مبلغ علم یہی دنیا تھی اس لیے اس دُنیا میں اس کو ذلیل کیا اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اور اس وقت ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ عذاب تیرے ان اعمال کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں۔ بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتے اور مغرور اور متکبر مجرم کو بغیر سزا دیئے نہیں چھوڑتے یہ آیت بھی نضر بن حارث کے بارہ میں ہے۔ بدر کے دن وہ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ یہ دنیا کی رسوائی تھی اور آخرت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ
اور بعضا شخص ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر مل گئی اس کو بھلائی چین پکڑا

بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ

اس پر اور اگر مل گئی ان کو جانچ (آزمائش) پھر گیا الٹا اپنے منہ پر۔ گنوائی دنیا اور آخرت

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ

یہی ہے ٹوٹا صریح۔ پکارتا ہے اللہ کے سوا ایسی چیز کہ اس کا برا نہیں کرتی

وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ

اور ایسی کہ اس کا بھلا نہیں کرتی۔ یہی ہے دُور پڑنا بھول کر۔ پکارے جاتا ہے البتہ جس کا ضرر

اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

پہلے پہنچے نفع سے۔ بیشک برا دوست ہے اور برا رفیق۔

مذمت مذبذبین ومترددین دربارۂ دین متین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ... الٰی... لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منکرین اور مجادلین کی مذمت تھی۔ جو کھلم کھلا اور صریح طور پر قیامت کے منکر تھے۔ اب ان آیات میں مذبذبین اور مترددین کی مذمت بیان کرتے ہیں جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آئے ہیں مگر ان کے دل میں ابھی تک تردد باقی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ آتے اور اسلام لے آتے پس اگر انہیں وہاں مال اور اولاد کی ترقی معلوم ہوتی تو کہتے دین اسلام اچھا دین ہے اور اگر کچھ اس کے خلاف ہوتا تو کہتے کہ اسلام کچھ اچھا دین نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں متزلزل اور متذبذب لوگوں کا حال بیان کیا کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں میں زیاں کار ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک حقانیت کا معیار دنیاوی منفعت ہے پس جو اسلام محض دنیوی منفعت پر مبنی ہو وہ اسلام شریعت میں معتبر نہیں اس لیے آئندہ آیات میں اہلِ شک اور اہلِ نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کرتا ہے کہ گویا ایک کنارہ پر کھڑا ہے یعنی دل جما کر اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔ شک اور تردّد میں پڑا ہوا ہے۔ اللہ کے وعدہ اور وعید کا اس کو یقین نہیں سو اگر اس کو کوئی دنیاوی بھلائی پہنچ گئی۔ جیسے صحت اور مالداری تو اس خیر اور بھلائی کی وجہ سے اس کو دین پر کچھ اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کوئی دنیاوی تکلیف پہنچ گئی جیسے بیماری اور تنگدستی تو پھر الٹا اپنے منہ پر پلٹ جاتا ہے یعنی دین اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کا انجام یہ ہے کہ اس نے دُنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی گنوائی۔ یہی تو کھلا ہوا خسارہ اور نقصان ہے کہ دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ دُنیا کا خسارہ تو یہ ہوا کہ مراد کو نہ پہنچا اور آخرت کا خسارہ یہ ہوا کہ سارے اعمال نیست و نابود ہو گئے یہ اس شخص کی حماقت ہے کہ اس نے دین اسلام کو دُنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا۔ دُنیا کا نفع و نقصان ہر حال میں انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے باطل کی اتباع سے دنیا کے نقصان سے محفوظ نہیں ہو جاتا۔ یہ مرتد یا

مشرک اللہ کے سوا ایسے معبود کو پکارتا یا پوجتا ہے کہ اگر وہ اس کو نہ پوجے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اگر اس کی عبادت کرے تو اس کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے جو راہِ حق سے بہت دور ہے ایک عاقل بالغ آدمی کا ایسی چیز سے روزی اور مدد مانگنا کہ جو نہ سن سکے اور نہ بول سکے پرلے درجے کی بیوقوفی ہے۔ یہ نادان ایسی چیز کو پکارتا ہے جس کا نقصان بہ نسبت اس کے خیالی نفع کے بہت زیادہ قریب ہے۔ آخرت کا ضرر تو بعد میں ہوگا۔ بت پرستی کا جو ضرر پیش آیا وہ اس کے سامنے ہے کہ ایک بے جان چیز کے پوجنے کی وجہ سے دنیا میں احمق اور نادان ٹھہرا اور البتہ تحقیق ایسا کارساز بھی بہت برا اور ایسا رفیق بھی بہت برا۔ جو کہ کسی کام نہ آوے۔ ''مولیٰ'' سے مراد بت ہے جس کو وہ اللہ کے سوا پکارتا ہے اور ''عشیر'' سے اس کا دوست اور یار و مددگار مراد ہے جو شب و روز اس کے ساتھ خلط ملط رکھتا ہے اور اس کو کفر و شرک پر آمادہ کرتا ہے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ جیسا کہ آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ
اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں باغوں میں بہتی
تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۱۴﴾ مَنۡ كَانَ يَظُنُّ اَنۡ
نیچے ان کے نہریں۔ اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ جس کو یہ خیال ہو کہ
لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ
ہرگز مدد نہ کرے گا اس کو اللہ دنیا میں اور آخرت میں تو تانے ایک رسی آسمان کو
ثُمَّ لۡيَقۡطَعۡ فَلۡيَنۡظُرۡ هَلۡ يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهٗ مَا يَغِيۡظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ
پھر کاٹ دے اب دیکھے کچھ گیا اس کی تدبیر سے اس کے جی کا غصہ۔ اور یوں
اَنۡزَلۡنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّرِيۡدُ ﴿۱۶﴾
اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سوجھ دیتا ہے جس کو چاہے۔

بیان فلاح اہلِ ایمان وخیبت وخسران دشمنان بدسگالان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ... الیٰ ... وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّرِيۡدُ ﴿۱۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان اور اسلام میں متذبذب اور متزلزل تھے اب ان آیات میں ان ایمانداروں کا حال ذکر کرتے ہیں جو ایمان پر جمے ہوئے ہیں اور اعمالِ صالحہ پر ثابت قدم ہیں۔ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں اول تو ایسے مؤمنین

مخلصین کی فلاح اور کامیابی کا ذکر کیا اور اس کے بعد دشمنانِ اسلام کی ناکامی اور نامرادی کو بیان کیا کہ ان مجادلین فی الدین اور ان منافقین کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دنیا اور آخرت میں کوئی مدد نہیں کرے گا اور چند روز میں دین اسلام ختم ہو جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ گمان غلط ہے ان کے دل میں اسلام کا غیظ وغضب بھرا ہوا ہے وہ جتنی چاہیں تدبیریں کرلیں مگر خوب سمجھ لیں کہ ان کا مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے مکانوں اور درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے دوستوں کو عزت اور کرامت اور فتح ونصرت سے نوازتا ہے اور مرتدین ومنافقین کو ذلیل وخوار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا وآخرت میں مدد نہیں کرے گا یعنی دُنیا میں اس کو دشمنوں کے مقابلہ میں غلبہ نہیں دے گا اور آخرت میں اس کے درجے بلند نہیں کرے گا تو جس شخص کا یہ خیال ہو تو اس کو چاہیے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ جائے پھر وہاں پہنچ کر آپ کی مدد کو قطع کردے اگر وہ اس پر قادر ہے کیونکہ آسمانی مدد کو روکنا بغیر آسمان پر پہنچے ہوئے ممکن نہیں۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ کسی ذریعہ سے آسمان پر چڑھے اور وہاں پہنچ کر آپ کی نصرت اور مدد کو قطع کردے کیونکہ دنیاوی وسائل تو آپ کے پاس موجود نہیں۔ آپ کو جو نصرت پہنچ رہی ہے وہ آسمان ہی سے پہنچ رہی ہے تو اگر اس سے یہ ممکن ہے اور یہ اس پر قادر ہے تو آسمان پر جا کر اس کو قطع کردے پھر دیکھے کہ اس کی یہ تدبیر اس کے سینہ کے غیظ وغضب کو دور کرتی ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غیظ وغضب سے جو چاہے تدبیر کرلو مگر کوئی حیلہ اور تدبیر آسمانی مدد کو نہیں روک سکتی۔ پس جب یہ امر ناممکن ہے تو پھر اس غیظ وغضب سے کیا فائدہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِلَى السَّمَآءِ﴾ میں سے لفظ سماء سے آسمان کے معنی مراد نہیں بلکہ چھت کے معنی مراد ہیں۔ کلام عرب میں سماء کا اطلاق چھت پر بھی آتا ہے۔ **کل ما علا فھو سماء** جو شے تیرے اُوپر ہے وہ تیرا آسمان ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نصرت اور غلبہ کی وجہ سے غصہ اور غیظ وغضب ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے گھر کی چھت میں ایک رسی باندھ لے پھر اس رسی میں پھندا لگا کر اپنا گلا گھونٹ لے اور رسی کو توڑ دے یہاں تک کہ مرجائے پھر دیکھے کہ اس تدبیر سے اس کا غصہ فرو ہوتا ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی فتح ونصرت پر غصہ آتا ہو اس کو چاہیے کہ غصہ کے مارے اپنا گلا گھونٹ لے یہاں تک کہ مرجائے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد کرنے والا ہے اس کا غصہ اس کو کوئی نفع نہیں دے گا اور اپنا گلا گھونٹنے کا نام لے کر اس لیے کہا کہ حاسد کی آخری تدبیر یہی ہے کہ وہ غصہ میں آکر اپنا گلا گھونٹ لے اور اس تعبیر میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حاسدوں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر مقصود ہے کہ تم خواہ کتنا ہی غصہ کرو۔ مگر تم سوائے گلا گھونٹنے کے اور کچھ نہیں کرسکتے جو چاہے کرلو۔ تمہارا مقصد کسی حال میں پورا نہ ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾ (النساء:۱۱۹)

اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی دوسری طرح تفسیر فرمائی جو نہایت لطیف ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ کے ساتھ مربوط اور متعلق قرار دے کر فرمایا کہ ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ﴾ میں ضمیر مفعول ﴿مَنْ﴾ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے مصائب اور تکالیف سے گھبرا کر اللہ سے اُمید قطع کر کے اس کی بندگی چھوڑ دے اور جھوٹی چیزوں کو پوجنے لگے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اُونچی لٹکتی رسی سے لٹک رہا ہے اگر اوپر چڑھ نہیں سکتا تو یہ توقع تو ہے کہ اگر رسی کوئی اوپر کو کھینچے تو یہ اُوپر چڑھ

جائے لیکن جب رسی ہی توڑ دی تو پھر کیا توقع رہی گویا کہ آسمان سے بلندی اور بارگاہِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے اور رسی پکڑنے سے اللہ سے اُمید رکھنا مراد ہے اور رسی قطع کردینے سے خدا کی رحمت سے نا اُمید ہوجانا مراد ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ ایک کنارہ پر کھڑا ہو کر عبادت کرنے والا بنے' اور دُنیاوی پریشانیوں سے گھبرا کر خدا سے امید کی رسی کو نہ کاٹ ڈالے اور خداوند آسمان سے امید قطع کرکے غیر اللہ کی پوجا نہ کرے۔

اور ایسا ہی اتارا ہم نے یہ قرآن واضح اور روشن آیتیں جن میں کوئی خفاء اور ابہام نہیں جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہوجائے اور حقیقت یہ ہے کہ تحقیق اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلائل خواہ کتنے ہی واضح اور روشن کیوں نہ ہوں مگر ہدایت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے جسے وہ سمجھ دے وہی سمجھتا ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ

جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ

وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور مجوس اور جو شرک کرتے ہیں اللہ فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن اللہ کے

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ⑰ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ

سامنے ہے ہر چیز۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمان میں ہے

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ

اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت

وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ

اور جانور اور بہت آدمی۔ اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر چکا عذاب۔

وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ⑱ السجدة

اور جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی نہیں عزت دینے والا اللہ کرتا ہے جو چاہے

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ

یہ دو مدعی ہیں جھگڑے ہیں اپنے رب پر سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے بیونتے (کاٹے) ہیں

ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾

کپڑے آگ کے۔ ڈالتے ہیں ان کے سر پر جلتا پانی۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ۭ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

نچڑتا ہے اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے۔ اور کھال بھی۔ اور ان کے واسطے موگریاں ہیں لوہے کی۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا

جس بار چاہا کہ نکل پڑیں اس سے گھٹنے کے مارے۔ پھر ڈال دیئے اندر۔ اور چکھتے

ع ۲/۱۲/۹ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

رہو جلن کی مار۔ اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ

باغوں میں، بہتی ان کے نیچے نہریں۔ گہنا پہناویں گے ان کو وہاں کنگن

ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ

سونے کے اور موتی، اور ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی۔ اور راہ پائی انہوں نے ستھری

مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

بات کی۔ اور راہ پائی اس خوبیوں سراہے کی راہ۔

بیان فیصلہ اختلافِ مِلَل واُمم درروز قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا . . . الٰى . . . اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کا دین اسلام اور اہل ایمان کے ساتھ اختلاف کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دین کے بارہ میں لوگ مختلف ہیں۔ ہر شخص اپنے کو حق اور ہدایت پر بتلاتا ہے اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس دن اہل حق کو عزت اور کرامت حاصل ہوگی اور اہل باطل کو ذلت اور اہانت ملے گی اور اس دن معلوم ہوجائے گا کہ عزت وذلت کی مالک کون ذات ہے کہ جس کو تمام آسمان اور زمین کی چیزیں آفتاب و ماہتاب اور شجر وحجر سب سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق جو لوگ ① قرآن کریم کی آیات بینات پر ایمان لائے اور دین اسلام میں داخل ہوئے یعنی مسلمان ہوئے اور جو لوگ ② یہودی ہوئے اور ③ ستارہ

پرست لوگ جو کواکب اور نجوم کی تاثیر کے معتقد ہیں اور تغیرات عالم کو انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ④ نصاریٰ اور ⑤ مجوس یعنی آتش پرست جو آگ کو پوجتے ہیں اور دو خدا مانتے ہیں۔ خالق خیر کو "یزدان" کہتے ہیں اور خالق شر کو "اہرمن" کہتے ہیں اور وہ لوگ ⑥ جو مشرک ہیں یعنی بت پرست ہیں۔کل چھ اہلِ ادیان ہیں ان میں سے صرف ایک دین والے یعنی مسلمان جن کا مذہب اسلام ہے وہ حق پر ہیں اوران کا دین اللہ کا دین ہے اور باقی پانچوں باطل پر ہیں اوران کا دین شیطان کا دین ہے۔بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی طور پر فیصلہ کردے گا کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل کردے گا اور کافروں کو دوزخ میں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے اس سے کسی کا عمل مخفی نہیں۔سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

عام طور پر دُنیا میں چھ فریق ہیں: ① اہل ایمان جن کو ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے تعبیر کیا ② یہود ③ نصاریٰ ④ مجوسی یعنی آتش پرست ⑤ مشرکین یعنی بت پرست۔ یہ سب مشہور ہیں۔ ⑥ صابئین۔ان کے بارہ میں اختلاف ہے کہ اس فرقہ کا کیا مذہب ہے۔

صابئین کے بارے میں تین قول

پہلا قول: امام شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ ملل ونحل میں فرماتے ہیں کہ یہ کواکب پرستوں کا گروہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا کواکب اور نجوم کی تعظیم ان کا مذہب تھا بعض یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کی تدبیر انہی کواکب کے سپرد ہے اور بعض سرے سے قادر مختار کے منکر تھے اور تغیرات عالم کو انہی کی طرف منسوب کرتے تھے اوران کی اصلاح اور ہدایت کے لیے ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ فرقہ صابئین نہ کسی ملت اور مذہب کا قائل تھا اور نہ پیغمبر اور پیغمبری کا قائل تھا اس فرقہ کے مقابل فرقہ کا نام حنفاء تھا جو ابراہیم علیہ السلام حنیف کے ماننے والے تھے۔

دوسرا قول: صابئین ایک قوم ہے جو فرشتوں کو پوجتی ہے اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتی ہے اور زبور پڑھتی ہے اور صابئین اہل کتاب میں کا ایک فرقہ ہے۔

تیسرا قول: صابئین ایک قوم ہے جو مجوس اور نصاریٰ کے درمیان ہے اوران کا کوئی دین نہیں اور نہ ان کی کوئی شریعت ہے اور نہ کسی ملت کی جانب منسوب ہیں اور نہ کسی پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں۔انہی مختلف اقوال کی بناء پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام اوران کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا ناجائز۔جن فقہاء کے نزدیک صابئین اہلِ کتاب میں کا کوئی فرقہ ہے تو ان کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال ہے اوران کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور جن فقہاء کے نزدیک یہ بے دین فرقہ ہے ان کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ چھ دین ہیں جن میں سے پانچ دین شیطان کے ہیں اور ایک دین رحمان کا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ادیان مختلفہ کا فیصلہ فرمائیں گے اہل ایمان اور اہل اسلام کو جنت میں داخل کریں گے۔اوران کے سوا سب کافروں کو خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا صابی یا مشرک سب کو جہنم میں داخل کریں گے اور یہ فیصلہ علم کی بناء پر ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر قول وفعل پر شہید ہے کوئی شے اس سے غائب نہیں اوران چھ فرقوں کے علاوہ ایک ساتواں فرقہ اور بھی ہے جو فرقۂ دہریہ کے نام سے مشہور ہے کہ جو خدا کا منکر ہے اور حوادث عالم کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہے دنیا کا گمراہ ترین فرقہ یہی ہے اس کا ذکر سورۂ جاثیہ کی اس آیت میں آیا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثیہ: ۲۴) اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم کو بیان فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں اپنی کمال قدرت اور کمال عظمت اور کمال حکومت وسلطنت کو بیان کرتے ہیں کہ کوئی شے اس کے احاطۂ تسخیر اور دائرۂ سلطنت سے خارج نہیں چنانچہ فرماتے ہیں: اے مخاطب کیا تُو نے اس پر نظر نہیں کی اور عقل کی آنکھ سے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی ہر ایک اپنی اپنی حالت کے مطابق اللہ کو سجدہ کرتا ہے ایک سجدہ تو یہ ہے کہ جس میں زمین وآسمان سب شامل ہیں وہ یہ کہ تکوینی طور پر اللہ کی قدرت کے سامنے بے بس ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں اور اس عام سجدہ کے علاوہ ایک اور سجدہ ہے جو ہر چیز کا الگ الگ اور جدا جدا ہے وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کے لیے بنا دیا وہ اسی کام میں لگی ہوئی ہے۔ سب اس کے حکم کے متبع اور فرمانبردار ہیں لیکن بہت سے لوگوں نے اس کے سجدہ سے اعراض اور انحراف کیا۔ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ قضاء وقدر میں ان پر عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے اللہ کا ارادہ ان کو ذلیل کرنے کا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ عزت اور ذلت کا مالک ہے جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ زمین کو یہ حق نہیں کہ حق تعالیٰ سے سوال کر سکے کہ میں نے کیا قصور کیا جو مجھ کو پست بنایا اور آسمان نے کیا خدمت انجام دی کہ اس کے صلہ میں اس کو بلندی عطاء ہوئی۔ **مسئلہ**: یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق اور اہلِ باطل کے فیصلہ کا ذکر فرمایا اور تفصیل کے ساتھ اہلِ باطل کی انواع واقسام کو بیان فرمایا لیکن یہ تمام فرقے جن کا اوپر کی آیت میں ذکر ہوا حق اور باطل ہونے کی حیثیت سے دو فریق ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں یہ دونوں یعنی مؤمن اور کافر اور اہل اطاعت اور اہلِ معصیت دو جھگڑنے والے فریق ہیں۔ ایک فریق مسلمانوں کا ہے اور دوسرا فریق کافروں کا ہے جس میں یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین سب داخل ہیں اس لیے کہ ہمہ اقسامِ کفر ملت واحدہ ہیں۔ ہدایت ربانی اور کتاب آسمانی کے نہ قبول کرنے میں سب شریک ہیں اور ایک ہیں۔ غرضیکہ یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارہ میں جھگڑا کیا۔ مسلمانوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا اور باقی پانچ مذکورہ فرقوں نے یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین نے دین اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور باہم جنگ وجدال اور قتل وقتال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا آغاز معرکۂ بدر سے ہوا۔ چنانچہ بدر کے میدان میں ان میں حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم عتبہ اور شیبہ اور ربیعہ کے مقابلہ پر نکلے۔ اللہ نے مسلمانوں کو عزت دی اور کافروں کو ذلیل کیا۔ اب آگے دونوں فریق کے اُخروی انجام کو بتلاتے ہیں۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا سو اوّل تو ان کے لیے ان کے جثہ کے مطابق آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے یعنی حقیقتاً آگ کا لباس ہوگا جو ان کی مصیبت کا سامان اور ان متکبرین کی ذلت کا نشان ہوگا اور دوم ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کے پیٹوں کی انتڑیاں اور بدن کی کھالیں پگھل جائیں گی اور پھر ان کو ویسا ہی کر دیا جائے گا جیسے پہلے تھے۔ ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ (النساء: ۵۶) اور سوم ان کو مارنے کے لیے لوہے کے بڑے بھاری گرز ہوں گے جو ان کے سروں پر مارے جائیں گے اور کبھی اس مصیبت سے ان کو نجات نہ ہوگی، چنانچہ جب کبھی شدت غم کی وجہ سے اس آگ سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور فرشتے ان سے کہیں گے کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ایک فریق مخاصم یعنی فریق کفار کا حال بیان فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں دوسرے فریق مخاصم یعنی فریق مؤمنین کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخرت میں غایت درجہ ناز و نعمت اور عیش و عشرت میں ہوں گے اس آیت میں اہل ایمان کی چار نعمتوں کا ذکر فرمایا' چنانچہ فرماتے ہیں:

① تحقیق اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا ان بندوں کو جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نیک کام کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت میں مومن کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک کنگن سونے کا اور ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔ سونے اور موتی کے کنگن کا ذکر تو اس آیت میں ہے اور چاندی کے کنگن کا دوسری آیت میں ہے ﴿وَ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ (الدہر:۲۱) اور ان کا لباس وہاں ریشمین ہوگا۔ اہلِ جہنم کے ثیاب النار کے مقابلہ میں ان کا لباس حریری ہوگا۔ ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ﴾ (الدہر:۲۱) اور ان کو دنیا میں پاکیزہ قول کی طرف ہدایت کی گئی اور خدائے ستودہ کے راستے کی طرف ان کو ہدایت کی گئی۔ پاکیزہ قول سے کلمۂ توحید یعنی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ مراد ہے اور ''صراط حمید'' سے صراط مستقیم اور دین اسلام مراد ہے اس کے صلہ میں آج ان کو یہ نعمتیں اور کرامتیں مل رہی ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پاکیزہ قول سے جنت میں اللہ کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح و تقدیس کرنا مراد ہے اور صراطِ حمید سے طریق جنت مراد ہے اور سیاق کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ گزشتہ آیات کی طرح ان دونوں آیتوں میں اُخروی ہدایت مراد لی جائے کہ اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ کہیں گے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ (زمر:۷۴) اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ (فاطر:۳۴) اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ (الاعراف:۴۳) اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے اور ان کو سلام کریں گے۔ ﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝﴾ (الرعد:۲۴)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ادب والی مسجد سے

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ يُّرِدْ

جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اس میں لگا رہنے والا اور باہر کا اور جو اس میں چاہے

فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۵ ع وَ اِذْ بَوَّاْنَا ع ۳ ۱۰

ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھاویں گے ایک دکھ کی مار۔ اور جب ٹھیک کر دیا ہم نے

لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ

ابراہیم کا ٹھکانا اس گھر کا کہ شریک نہ کر میرے ساتھ کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر

لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ

طواف کرنے والوں کے لیے اور کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع و سجدہ والوں کے لیے اور پکار دے لوگوں میں

بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ

حج کے واسطے کہ آویں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آتے راہوں

عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ

دُور سے۔ کہ پہنچیں اپنے بھلے کی جگہوں پر اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو

مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا

معلوم ہیں ذبح پر چوپایوں مواشی کے جو اس نے دیئے ہیں ان کو سو کھاؤ اس میں سے

وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

اور کھلاؤ بُرے حال محتاج کو۔ پھر چاہیے نبیڑیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ

اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔ یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کے ادب کی

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى

سو وہ بہتر ہے اس کو اپنے رب کے پاس۔ اور حلال ہیں تم کو چوپائے مگر جو تم کو سناتے ہیں

عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾

سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ

ایک اللہ کی طرف کے ہو کر نہ اس کے ساتھ ساجھی بنا کر اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا

مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

آسمان سے پھر اوچکتے ہیں اس کو اڑتے جانور یا لے ڈالا اس کو باؤ نے کسی دور مکان میں۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا۔ سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع ۸ / ۱۱

تم کو چوپایوں میں فائدے ہیں ایک ٹھہرے وعدے تک۔ پھر ان کو پہنچنا اس قدیم گھر تک۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

اور ہر فرقے کو ہم نے ٹھہرا دی ہے قربانی کہ یاد کریں نام اللہ کا، ذبح پر

مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَ

چوپایوں کے جو ان کو دیئے۔ سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی کے حکم میں رہو۔ اور

بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

خوشی سنا عاجزی کرنے والوں کو۔ وہ کہ جب نام لیجیے اللہ کا ڈر جاویں ان کے دل،

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

اور سہنے والے جو ان پر پڑے اور کھڑی رکھنے والے نماز کے۔ اور ہمارا دیا کچھ

يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا

خرچ کرتے ہیں۔ اور کعبے کے چڑھانے کے اونٹ، ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے نام کی۔

خَيْرٌ ۖ ق فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا

تمہارا اس میں بھلا ہے۔ سو پڑھو ان پر نام اللہ کا قطار باندھ کر۔ پھر جب گر پڑے ان کی کروٹ

فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا

تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو اسی طرح تمہارے بس میں دیئے ہم نے

لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

وہ جانور، شاید تم احسان مانو۔ اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور نہ لہو،

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا

اور لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب۔ اسی طرح ان کو بس میں دیا تمہارے کہ اللہ کی بڑائی

اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۷ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ

پڑھو اس پر کہ تم کو راہ سجھائی اور خوشی سنا احسان کرنے والوں کو۔ اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا

۵ع۵ ۱۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝۳۸ ع

ایمان والوں سے۔ اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکر۔

مذمت کفار لئام بر مزاحمت اہل اسلام وزیارت مسجد حرام وبیان بعض احکام متعلقہ آں مقام واجب الاحترام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝۳۸ ع﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں فریق کفار کی خصومت اور جدال اور اضلال کا ذکر تھا کہ کفار مکہ اہلِ اسلام کی عداوت اور خصومت پر تلے ہوئے ہیں اب ان آیات میں ان کی دوسری قسم کی خصومت اور جدال کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں جانے سے روکتے ہیں اور ان کو حج اور عمرہ کے ارکان ادا نہیں کرنے دیتے' حالانکہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ اس بیت حرام یعنی خانہ کعبہ کے اولیاء یعنی متولی ہم ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الانفال:۲۶) اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر اور مشرک تو کبھی بھی اس کے متولی نہ تھے اس کے اولیاء یعنی متولی تو فقط متقی لوگ ہیں پس اس مناسبت سے آئندہ آیات میں مسجد حرام کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مقدس مقام کی فضیلت اور ان ایام کی برکت اور حج اور عمرہ اور قربانی کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں کہ یہ مقدس عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آرہی ہے مگر کفار قریش اس عبادت میں مانع اور مزاحم ہیں اور اپنے افعال شرکیہ سے باز نہیں آتے حالانکہ خانہ کعبہ کی بنیاد ہی خالص توحید پر رکھی گئی ہے کہ اس گھر میں خالص اللہ کی عبادت کی جائے اور رسوم شرکیہ سے اس گھر کو پاک رکھا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اسلام * اور اہلِ اسلام کی عداوت اور خصومت پر اس درجے تلے ہوئے ہیں کہ وہ فقط اپنے کفر اور شرک اور اپنی گمراہی پر قانع نہیں بلکہ شدت اختصام اور جذبہ انتقام کی بناء پر اہل اسلام کی ہدایت میں مزاحم بنے ہوئے ہیں

---

* اس کلام میں اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کی خبر محذوف ہے اور جملہ ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ خبر محذوف پر معطوف ہے اس آیت کے اعراب میں کلام بہت طویل ہے حضرات مدرسین البحر المحیط اور حواشی بیضاوی اور روح المعانی ص ۱۲۵ ج ۱۷ کی مراجعت کریں۔ واللہ اعلم

اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے یعنی دین اسلام اور طریق حق سے اور مسجد حرام کی زیارت اور حاضری سے روکتے ہیں کہ اس مسجد میں جا کر کوئی خالص اللہ کی عبادت نہ کر سکے اور اس مسجد کی صفت یہ ہے کہ ہم نے سب لوگوں کے لیے اس کو قبلہ اور معبد بنایا ہے کہ اس میں مقیم یعنی مکہ کا متوطن اور باشندہ اور باہر سے آنے والا برابر ہے مقیم اور مسافر اور شہری اور پردیسی سب کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں ہر ایک وہاں جا کر عبادت کر سکتا ہے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں اس میں سب کا حق مساوی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسجد حرام کے بارہ میں شہری اور بیرونی کو برابر قرار دیا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں مساوات اور برابری مراد ہے۔

سَوَآءَ الْعَاكِفُ میں اقوال

قول اوّل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت اور مناسک حج کی ادائیگی میں برابری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد حرام کی حاضری اور وہاں آ کر عبادت کرنے میں شہری اور بیرونی سب برابر ہیں کسی شہری کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیرونی کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک سکے۔

قول دوم: اور ابن عباس اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تمام مکہ اور سرزمین حرم مراد ہے کیونکہ حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ نے آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا اور ﴿سَوَآءَ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ﴾ میں مساوات سے مکہ میں قیام اور سکونت اور نزول کے بارہ میں مساوات اور برابری مراد ہے مکہ کی زمینوں اور مکانات میں مقیم لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا سب کا حق یکساں ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک مکہ کی زمین کسی کی ملک نہیں اور وہاں کے مکانات کا کرایہ لینا جائز نہیں اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا پس اس کی اراضی کی بیع اور اس کا ثمن کھانا حرام کیا اور تیسری دلیل وہ ہے کہ جو علقمہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور نہیں پکارا جاتا تھا مکہ کی زمینوں کو مگر ''سوائب'' جس کو جہاں ضرورت ہوتی تھی وہ ٹھہر جاتا تھا۔ (رواہ ابن ماجہ)

اور سوائب کے معنی وقف عام اور غیر مملوک کے ہیں اور ایک روایت میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام اور زیادہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی مکہ کی زمینیں سوائب کے نام سے پکاری جاتی تھیں کوئی اپنی ملک کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۳ ج ۱۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۴ ج ۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اراضی مکہ وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں ان کو بیع و شراء کا اور اپنے مکانات کا کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس پر چند حجتیں قائم فرمائیں۔

① اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ (اپنے گھروں سے نکالے گئے) اس آیت میں گھروں کی اضافت ان کی طرف فرمائی معلوم ہوا کہ گھر ان کے مملوک تھے۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا وہ امن سے ہے اور جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر اس کی ملک ہے۔

③ صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کل کو مکہ میں اپنے مکان میں اُتریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا عقیل علیہ السلام نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے اور بات یہ تھی کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو عقیل اس وقت کفر پر تھے اور حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اسلام پر تھے تو ابوطالب کی میراث عقیل کو پہنچی کیونکہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ میراث اسی چیز میں جاری ہوتی ہے جس کا میت مالک ہو۔

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں قید خانہ کے لیے ایک مکان خرید فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ غیر مالک ہی مالک سے خریدا کرتا ہے تاکہ مالک بن جائے۔

لیکن ان دلائل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیار کی نسبت سے یہ لازم نہیں کہ یہ اضافتِ مِلک ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اضافت باعتبار سکونت اور عمارت کے ہو کہ وہ عمارت تو بہرحال ان ہی کی ملک تھی۔ علاوہ ازیں زمانہ اسلام سے پہلے لوگ ان مکانات کو اپنی املاک جانتے تھے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانوں کا کرایہ جائز ہے۔ ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ بیوت مکہ کی عمارت فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور لیکن زمین سمیت عمارت کا فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ زمین کے فروخت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانات کا کرایہ جائز ہے اور کتب فتاویٰ میں یہ بھی آیا ہے کہ اب فتویٰ اسی قول پر ہے۔ دیکھو روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۱۷ اور تفصیل کے لیے ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ دیکھیں اور مزید تفصیل کے لیے شروح ہدایہ اور شروح بخاری دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ مسجد حرام کی یہ شان ہے اور اس درجہ اس کا احترام واجب ہے اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے تو جو شخص مسجد حرام میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ کج روی اور راہِ حق سے عدول اور انحراف کا ارادہ بھی کرے تو ایسے ظالم کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ ''الحاد'' سے دین سے عدول اور انحراف اور مسجد حرام کی بے حرمتی مراد ہے اور ظلم کے معنی زیادتی اور ستم گاری کے ہیں یہاں ﴿بِظُلۡمٍ﴾ سے عمداً اور قصداً اور دیدہ دانستہ حرم میں الحاد کا ارادہ کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حرم محترم میں الحاد اور بے دینی کا ارادہ سخت ترین اور شدید ترین جرم ہے جو اس پاک مقام میں الحاد کا ارادہ کرے اگرچہ اس کو نہ کرے تو اس پر دردناک عذاب ہوگا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حرم محترم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا ارتکاب نہ کرے اور حدودِ حرم سے باہر جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک محض ارادہ اور خیال پر وہ عذاب کا مستحق نہیں ہوتا۔

ان آیات میں مسجد حرام سے روکنے کو ظلم قرار دیا اور حرم میں الحاد اور بے دینی کے ارادہ پر وعید فرمائی اب آئندہ آیات میں اس مقام محترم میں ظلم عظیم یعنی شرک کرنے پر وعید اور تہدید فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس محترم مقام کی ابتداء اور بنیاد ہی توحید اور خالص اللہ کی عبادت سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے خانہ کعبہ کی جگہ کو ابراہیم کے لیے ٹھکانا بنا دیا اور خانہ کعبہ بنانے کے لیے جگہ معین اور مقرر کر دی اور بذریعہ وحی کے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ عبادت کے لیے اس جگہ کعبہ بناؤ اور یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے اس گھر کو کفر اور شرک کی نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھو طواف کرنے

والوں کے لیے اور نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ اللہ کا گھر تیار ہو گیا اور اس کا حج فرض ہے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز لوگوں کو کیسی پہنچے گی۔ حکم ہوا کہ تمہارے ذمہ صرف پکار دینا ہے۔ پہنچانا ہمارا کام ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام جبل ابوقبیس پر کھڑے ہوئے اور پکارا اے لوگو! تمہارے پروردگار نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر اس کی زیارت فرض کی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ آواز تمام اقطار زمین تک پہنچ گئی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں نے اس آواز کو سنا جس کے مقدر میں اللہ نے حج لکھ دیا تھا اس نے لبیک کہا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے لوگو! تم پر اللہ نے اپنے گھر کا حج فرض کیا ہے پس تمہارے اس اعلان کے بعد لوگ آئیں گے تیرے پاس پا پیادہ اور بعضے سوار ہو کر دبلے دبلے اور کمزور اونٹوں پر۔ چلی آئیں گی یہ سواریاں ہر دور دراز راہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کے لیے مکہ جانا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا ہے اور ان کی زیارت کرنا ہے اور وہ لوگ اس لیے آئیں گے تاکہ اپنے دینی اور دنیاوی فائدوں پر حاضر ہوں اور وہاں پہنچ کر دنیا و آخرت کے منافع حاصل کریں' دُنیا کی تجارت بھی کریں اور آخرت کی بھی تجارت کریں اور منافع حاصل کریں اور اس لیے آویں تاکہ مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں یعنی اونٹ اور گائے اور بکری اور بھیڑ پر ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں ﴿ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ﴾ سے بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عشرۂ ذی الحج مراد ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ ایام نحر یعنی ایام قربانی مراد ہیں۔ دسویں اور گیارہویں اور بارہویں ذی الحج مراد ہے۔ کفار بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اللہ نے حکم دیا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لو پھر اس قربانی کے گوشت سے تم خود بھی کھاؤ اور عاجز اور درماندہ فقیر کو بھی اس میں سے کھلاؤ۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا اور کھلانا مستحب ہے واجب نہیں اور علیٰ ہذا یہ بھی ضروری نہیں کہ اس میں سے فقیر ہی کو کھلائے بلکہ غنی کو بھی کھلانا جائز ہے پھر قربانی کے بعد اپنے بدن کا میل کچیل دور کریں یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر کے بال منڈوائیں اور ناخن ترشوائیں اور بغلوں کے بال صاف کرائیں اور مونچھیں کتروائیں اس کے لیے دسویں ذی الحج مقرر ہے ہدی ذبح کرنے کے بعد ان میلوں کو دور کریں اور احرام سے باہر ہو جائیں اور اپنی نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو منتیں مانی ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذور سے مناسک حج اور واجبات حج مراد ہیں جب سے احرام شروع ہوا تھا اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہا تھا اس وقت سے بالوں کا کٹوانا اور ناخنوں کا ترشوانا ممنوع ہو گیا تھا۔ اس مدت میں بدن پر میل کچیل چڑھ گیا تھا۔ جب دسویں تاریخ ذی الحجہ کو قربانی کر کے احرام ختم ہوا تو حکم ہوا کہ اب حجامت بنواؤ اور بدن کا میل کچیل دور کرو۔ اور غسل کرو اور خوشبو لگاؤ اور اپنی منتیں پوری کرو اور پھر قربانی کے بعد انہی ایام معلومات میں اس قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں اس طواف کو طوافِ زیارت اور طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں جو فرض ہے اور رمی جمار اور قربانی اور حلق کے بعد دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

فائدہ ① : جاننا چاہیے کہ طواف تین ہیں: **اوّل: طواف قدوم** جب آدمی مکہ میں داخل ہو کر طواف کرے وہ طواف قدوم ہے۔ **دوم: طواف زیارت** جس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اس آیت میں جس طواف کا حکم مذکور ہے وہ یہی طواف زیارت ہے جو دسویں تاریخ ذی الحجہ کو رمی جمار اور سر منڈوانے کے بعد ہوتا ہے اور یہ طواف فرض ہے۔ **سوم: طواف وداع** ہے جو مکہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جائے یہ طواف واجب ہے۔

فائدہ ②: اس آیت میں خانہ کعبہ کو بیت عتیق کہا گیا۔ عتیق کے معنی قدیم کے بھی آتے ہیں اور آزاد کے بھی آتے ہیں پس بعض کہتے

ہیں کہ اس کو بیت عتیق اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظالموں کے ہاتھوں سے آزاد رکھا ہے کوئی جبار اس پر غالب نہیں آیا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا معبد ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا یہ وجہ قرآن کریم کی اس آیت ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ﴾ (النسآء: ۹۴) سے ماخوذ ہے۔

یہ حکم ❁ تو تم سن چکے اور اداء مناسک اور احترام کعبہ کے متعلق بات پوری ہوئی اور اب دیگر احکام کے متعلق دوسری بات سنو کہ جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم اور ادب اور احترام کو ملحوظ رکھے اور ان کی بے حرمتی نہ کرے تو یہ تعظیم اور ادب اس کے پروردگار کے یہاں اس کے لیے بہتر ہے یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم اور قابلِ ادب قرار دیا ہے۔ ان کے ادب اور تعظیم کو ملحوظ رکھنا بڑی خوبی کی بات ہے اور اس کا انجام بہت خوب ہے۔

﴿حُرُمٰتِ اللّٰہِ﴾ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک قابلِ احترام اور قابلِ تعظیم ہیں جو بظاہر تمام احکام الٰہیہ کو شامل ہے مگر اس مقام پر خصوصیت سے مسجد حرام اور قربانی اور صفا اور مروہ اور منیٰ اور عرفات اس قسم کے مناسک حج اور شعائرِ اسلام مراد ہیں کہ ان کی تعظیم اور احترام کو ملحوظ رکھے اور جس طرح حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں حکم دیا ہے اسی طرح ان کو بجالائے۔

اور اے مسلمانو! تمہارے کھانے کے لیے حالت احرام میں اور بلد حرام میں چوپائے اُونٹ' گائے' بکری' بھیڑ حلال کر دیئے گئے سوائے ان چیزوں کے جن کی حرمت تم کو دیگر آیاتِ قرآنیہ میں پڑھ کر سنائی جاتی ہے جیسے سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام میں ان محرمات کا ذکر ہے سو وہ چیزیں تمہارے لیے کسی حال میں حلال نہیں جیسے مردار اور دم مسفوح اور خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا' یہ چیزیں قطعاً حرام ہیں پس تم بتوں کی گندگی سے بچو یعنی بتوں کی بندگی اور ان کے نام پر ذبح کرنے کو چھوڑ دو۔ یہ سب گندے افعال ہیں اور تلبیہ میں لَبَّیۡکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیۡکَ کے ساتھ الا شریکا ھو لك تملکه وما ملك کہنے سے بھی بچو۔ یہ گندہ قول ہے اور جھوٹی بات سے احتراز کرو خدا کا شریک قرار دینا اور جھوٹی گواہی دونوں برابر ہیں۔ شرک بھی تو آخر ایک قسم کا جھوٹ ہے اور زجاج وغیرہ سے منقول ہے کہ قول زور سے مشرکین کا یہ قول مراد ہے۔ ھذا حلال وھذا حرام کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے۔ یہ سب اللہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنا ہے۔ پس اے مسلمانو! تم بتوں کی پلیدی سے اور جھوٹ بولنے سے احتراز کرو۔ سب سے ہٹ کر اور بچ کر خدا کی طرف جھک جانے والے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے والے ہو جاؤ۔ اخلاص اور توحید آدمی کو نجات دیتا ہے اور کفر اور شرک آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہو گیا کہ گویا آسمان سے گر پڑا۔ پھر پرند اس کو اچک لے گئے یا ہوا نے اس کو کسی دور دراز مکان میں لے جا کر پھینک دیا۔ تو ایسا شخص کبھی سلامت نہیں رہ سکتا اور اس قدر بلندی سے گرنے کے بعد زندہ نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح جس نے شرک کیا وہ آسمان توحید کی بلندی سے شرک کی پستی کی طرف گرا اور مردار خوار پرندوں کی طرح نفسانی خواہشوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا وسوسۂ شیطانی کی تند اور تیز ہوا نے اس کو لے جا کر کسی وادئ ضلالت میں پھینک دیا جس سے اس کی تمام ہڈیاں اور پسلیاں الگ الگ ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ کہ شرک کرنے والا اس طرح ہلاک ہوتا ہے کہ پھر نجات کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۸۲ ج ۶)

یہ بات تو ختم ہوئی اب دوسری بات سنو اور وہ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی یادگاروں یعنی اس کے دین کی نشانیوں'

❁ یہ کلمہ ﴿ذٰلِکَ﴾ کا ترجمہ ہے یہ لفظ دو کلاموں میں فصل کے لیے بولا جاتا ہے یا ایک ہی کلام کے دو طرفوں میں فصل کرنے کے لیے لایا جاتا ہے اور اسی طرح کبھی لفظ ﴿ذٰلِکَ﴾ کے بجائے ﴿ھٰذَا﴾ لایا جاتا ہے۔ (روح المعانی ص ۱۳۴ ج ۱۷)

علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس میں شک نہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیز گاری سے پیدا ہوتی ہے قلب میں جس درجہ کا تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی عظمت ہوگی اسی درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہوگی۔ تقویٰ اور فجور کا اصل منشا اور منبع قلوب ہیں اور اعضاء ظاہری ان کے آثار کے مظہر ہیں۔ اندر کا اثر ان اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے اس لیے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اس کے محبوب کی طرف منسوب ہو یا اس کی نامزد ہو یا اس کے دین کی نشانی ہو۔ دل و جان سے اس کی تعظیم کرے۔

شعائر:

جمع شعیرۃ یا شعارۃ کی ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اس جگہ شعائر اللہ سے مناسکِ حج اور قربانی کے جانور مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت سے مفہوم ہوتا ہے اور تمہارے لیے ان جانوروں میں جن کو تم نے اللہ کے لیے نامزد کر دیا ہے جیسے قربانی کے جانور۔ ان میں تمہارے لیے ایک وقت مقررہ تک بہت سے فائدے ہیں کہ بحالت ضرورت یا بحالت اضطرار ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی کے جانور پر بحالت ضرورت سواری جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اضطرار اور غایت درجہ کی مجبوری کی حالت میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ (تفصیل کے لیے شروح ہدایہ اور شروح بخاری دیکھیں)

البتہ قربانی کے بعد ان کے گوشت اور کھال سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

پھر ان ہدایا یعنی قربانی کے جانوروں کی حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر کے قریب ہے یعنی منیٰ اور حدودِ حرم کے اندر اس کو خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔ حدودِ حرم سے باہر ذبح جائز نہیں باقی مسائل جو ان آیات سے ماخوذ ہیں وہ کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ اور مکان معین اور مقرر کیا تھا تاکہ ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں، ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں اللہ کے نام پر قربانی کرنے کا حکم تمام شریعتوں میں رہا ہے کہ ذبح کرتے وقت اس خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا نام لیں جس نے یہ نعمت عطاء کی۔ خدا کے سوا کسی کے نام پر ذبح کرنا اور اس کی نذر و نیاز کرنا یہ ہر ملت میں شرک رہا ہے پس سمجھ لو کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے۔ سو تم اپنے آپ کو اسی ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کر دو اور خالص اسی کی اطاعت کرو اور اسی کی اطاعت پر جمے رہو۔ اور اے نبی خوشخبری سنا دیجیے۔ اللہ کے سامنے [1] پست ہونے والوں اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکانے والوں کو اور اس کے سامنے خجل اور شرمندہ ہونے والوں کو اور بندگی میں عاجزی اور فروتنی کرنے والوں کو جن کے دل خدا کی عظمت سے اس درجہ لبریز ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور دوسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں یعنی مصیبت کے وقت ان کے قدم استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آتا اور تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھنے والے ہیں۔ نماز ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور چوتھی صفت ان کی یہ ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی مال کا کچھ حصہ ہمارے نام پر قربان کرتے ہیں تاکہ اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

اور قربِ الٰہی کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ایام حج میں جانور کی قربانی ہے اس لیے کہ ہم نے قربانی کے جانوروں کو یعنی

---

[1] خَبْت کے معنی اصل میں پست زمین کے ہیں اور مخبت اس کو کہتے ہیں کہ جو پستی میں جائے۔ مخبتین کے اصل معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہم نے یہ ترجمہ کیا۔ واللہ اعلم

اُونٹ اور گائے کو اور اسی طرح بھیڑ بکری کو تمہارے لیے اللہ کے دین کی نشانیوں اور علامتوں میں سے بنا دیا ہے۔ جن کے ذبح کرنے میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ان دنوں میں خدا کے لیے قربانی اور اس کے لیے خون بہانے سے بہتر اور بڑھ کر کوئی عمل نہیں پس تم ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لو۔ خدا کے سوا اور کسی کا نام نہ لو۔ درآنحالیکہ وہ قطار باندھے کھڑے ہوں یا یہ معنی ہوں کہ وہ اپنے تین پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اونٹ اسی طرح ذبح کیے جاتے ہیں اور یہی سنت ہے پس تم ان جانوروں کو اس طرح خالص اللہ کا نام لے کر اللہ کے لیے قربان کرو پھر جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں اور ان کی جان نکل جائے اور ٹھنڈے ہو جائیں تو تم خود بھی اس میں سے کھاؤ اور قناعت کرنے والے فقیر کو جو سوال نہیں کرتا اور سوال کرنے والے کو جو اپنی خواہش لے کر تمہارے سامنے آئے اس کو بھی اس میں سے کھلاؤ اور کھلانے سے گوشت دینا مراد ہے ''قانع'' سے وہ درویش مراد ہے جو صبر و قناعت کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا ہے اور سوال نہیں کرتا اور ''معتر'' سے وہ محتاج مراد ہے جو تمہارے سامنے آئے اور ادب کے ساتھ تم سے سوال کرے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ''قانع'' وہ ہے کہ جو تیری طرف جھکے اور سوال کرے اور ''معتر'' وہ ہے کہ جو چاپلوسی کے ساتھ تیرے سامنے آئے اور سوال نہ کرے بعض کہتے ہیں کہ قانع سے طامع مراد ہے کہ جو طمع کرے اور معتر وہ ہے کہ جو قربانی کے وقت موجود ہو خواہ تو انگر ہو یا فقیر ہو مطلب یہ ہے کہ مبارک گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور دوستوں اور فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ اور یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ اگر سب صدقہ کر دے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر سب اپنے ہی لیے رکھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تہائی صدقہ کر دے اور تہائی اقارب اور احباب کو ہدیہ کر دے اور تہائی اپنے لیے رکھ لے۔ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اتنے عظیم الجثہ بڑے بڑے جانور تمہارے قبضہ میں کر دیئے کہ تم ان کو پکڑتے اور باندھتے ہو اور اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو تاکہ تم ہمارا احسان مانو اور شکر کرو مگر تم بجائے شکر کے شرک اور ناشکری کرنے لگے تم کو چاہیے کہ جس طرح یہ جانور تمہارے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہیں اسی طرح تم بھی خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ ان جانوروں کو جو اللہ کا عطیہ ہیں ان کو خالص اللہ کے نام پر ذبح کرو کسی غیر کا نام اس میں شریک نہ کرو اور قربانی میں مشرکوں کا طریقہ نہ اختیار کرو۔ عرب کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں جو قربانی کرتے تھے تو اس کا خون بتوں پر چھڑکتے تھے اور کعبہ کی دیواروں پر بھی ملتے تھے اس کے بارہ میں آئندہ آیت میں نازل ہوا کہ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو قربانی کے گوشت اور ان کے خون لیکن پہنچتا ہے اس کو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب کہ تم نے کس جذبۂ محبت و اخلاص سے ایک قیمتی چیز خالص اس کے نام پر قربان کی اور شرک سے بچے پس تمہارا یہ اخلاص اور یہ تقویٰ یعنی شرک سے پرہیزگاری اور جذبۂ جاں نثاری قبولیت کا سبب بنا اور پھر جب تم نے اس گوشت کو محتاجوں کی حاجت رفع کرنے کے لیے محض خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کیا تو بارگاہِ خداوندی میں تمہاری یہ چیز قبول ہوئی ورنہ اس کی ذات والا صفات اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی بارگاہ میں جانوروں کا گوشت اور خون پہنچے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس بات پر اللہ کی عظمت اور اللہ کی کبریائی کو بیان کرو کہ تم کو اللہ نے اپنے قرب اور رضا کے حصول کے لیے قربانی کی ہدایت اور توفیق دی اور جہالت اور جاہلیت کی مشرکانہ رسموں سے تم کو آگاہ کیا اور اے نبی ﷺ! ان اخلاص سے قربانی کرنے والوں کو ہمارے قرب و رضا اور قبولیت کی بشارت سنا دیجیے اور بتلا دیجیے کہ خدا کی طرف جو چیز پہنچتی ہے وہ تمہارا تقویٰ اور اخلاص ہے اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پر ختم فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ احسان یعنی اخلاص اور صدق نیت تمام اعمالِ صالحہ کی روح ہے۔

تتمۂ کلام سابق (یعنی اہل ایمان کی طرف سے مدافعت)

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝۳۸﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ دفع کرے گا اہل ایمان سے کافروں کے شر اور ضرر کو اور ان کے فتنوں کو کہ عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ کفار اہلِ اسلام کو مسجد حرام سے نہیں روک سکیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے یعنی جو لوگ کفر اور شرک کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کرتے ہیں اور طرح طرح سے ان کو ستاتے ہیں اور مسجد حرام کی زیارت سے ان کو روکتے ہیں یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں محبوب نہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے بطور پیشین گوئی ایک تسلی آمیز وعدہ ہے اور کفار کے لیے وعید ہے اس لیے کہ اس آیت میں اہل ایمان کی حمایت اور دشمنوں کی مدافعت کی خبر دی جارہی ہے۔ یہ کلام شروع کلام کا تتمہ ہے آغاز کلام اس آیت سے ہوا تھا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الحج:۲۵) یعنی کفار قریش مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے ہیں اب آخر میں اہلِ اسلام کو تسلی فرماتے ہیں کہ تم ان احکام مذکورہ کو سن کر یہ خیال نہ کرنا کہ ہمیشہ غلبہ انہی کفار مانعین کا رہے گا۔ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ مسلمان بے خوف وخطر حج وعمرہ کیا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹادے گا اے مسلمانو! تم فی الحال کافروں کے غلبہ سے یہ نہ سمجھنا کہ یہ کفار اللہ کے نزدیک محبوب ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک مبغوض اور معتوب ہیں کیونکہ سرتاپا کفر اور خیانت ہیں، ایسے کیسے محبوب ہوسکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر ان کو مہلت دے رکھی ہے گھبراؤ نہیں عنقریب راستہ بالکل صاف ہوجائے گا اور اللہ اہلِ اسلام کی مدد کرے گا اور ان کو کافروں پر غلبہ عطاء فرمائے گا۔ جیسا کہ اس کا وعدہ ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (مومن:۵۱) پس یہ آیت غلبۂ اسلام کی بشارت ہے اور گزشتہ آیت ﴿وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ

حکم ہوا ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر

لَقَدِيْرُ ۝۳۹ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا

قادر ہے۔ وہ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور کچھ دعویٰ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ

مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰ اَلَّذِيْنَ

اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کو جو مدد کرے گا اس کی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا۔ وہ

اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

کہ اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک میں، کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱

بھلے کام کا اور منع کریں برے سے اور اللہ کا اختیار ہے آخر ہر کام کا۔

اجازت جہاد وعدۂ نصرت وتمکین براعدائے دین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ ... الی ... وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ کفار مسلمانوں کو ایک اللہ کی عبادت پر مارتے تھے اور طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے یہاں تک کہ کفار نے مکہ سے مسلمانوں کو نکال دیا۔ مسلمان کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آ کر کافروں سے لڑنے کی اجازت مانگتے تھے کہ ہم بھی ان کا مقابلہ کریں اور ان سے لڑیں اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی۔ اور صبر اور توکل کا حکم دیتے تھے' یہاں تک کہ باطنی جہاد کی منزلیں طے ہوگئیں اور نفوس ایسے پاک اور مقدس ہوگئے کہ ہمرنگ ملائکہ ہوگئے اور ادھر کفار ناہنجار کی ستم رانی انتہاء کو پہنچ گئی تب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ (الحج: ۳۸) کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کفار کی مضرت کو دور کرے گا اور کافروں کے شر کو مسلمانوں سے دفع کرے گا اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے اس لیے اجازت دی جاتی ہے کہ خدا کے شکر گزار بندے خدا کے کفر کرنے والوں اور خیانت اور دغابازی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ سب سے پہلی آیت ❁ جو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت کے بارہ میں نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے۔ اجازت دی گئی مسلمانوں کو جن کے ساتھ مشرکین قتال کرتے ہیں کہ کافروں سے جہاد و قتال کریں اور یہ جہاد و قتال کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں کافروں نے ان پر ظلم کیا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ ان بے سروسامان مظلومین کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ مظلوم ہیں اور مظلوم کو ظالم کے ظلم کا مقابلہ تمام مذاہب میں نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب اور لازم ہے اور حق کو

❁ حضرت ابن عباس اور مجاہد اور عروہ بن زبیر اور زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان اور قتادہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے منقول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۵ ج ۳)

باطل کی سرکوبی کا ہر وقت حق حاصل ہے حتی کہ اگر حق مصلحت سمجھے قبل اس کے کہ باطل سر اٹھائے۔ سر اٹھانے سے پہلے ہی اس کا سر کچل دیا جائے تو یہ بھی عین حق ہے اور کمال تدبر و دانائی ہے اور انتظار میں رہنا کہ جب باطل مجھ پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کروں گا تو یہ کم عقلی ہے اور مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے اور تعداد میں بھی بہت قلیل تھے۔ اس لیے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم نے جہاد و قتال کی اجازت سے گھبرانا نہیں ﴿ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر قادر ہے۔ اگرچہ تمہاری تعداد قلیل ہے مگر تم اپنی قلت اور دشمن کی قوت اور کثرت پر نظر نہ کرو۔ ہماری قدرت پر نظر رکھو۔ یہ کلام مسلمانوں کے لیے عجیب عنوان سے فتح کی بشارت ہے اور کافروں کے لیے تہدید ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ بادشاہ کمال مہربانی کی حالت میں اپنے وفاداروں سے یہ کہے کہ کیا ہم تمہارے سرفراز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور غصہ کی حالت میں باغیوں سے یہ کہے کہ کیا ہم تمہارے تباہ اور برباد کرنے پر قادر نہیں۔ یہ مختصر سا کلام صریح وعدہ اور وعید سے بدرجہا زیادہ بلیغ ہے۔ والکنایة ابلغ من التصریح۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ کون لوگ تھے جن کو کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی اور ان کی فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا سو یہ لوگ وہ مؤمنین صادقین تھے کہ جو بدون کسی وجہ کے ناحق اور بلا قصور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ کوئی کام ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا تھا کہ جو ان کے نکالنے کا سبب بنتا۔ مگر محض اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اس عنوان میں کافروں کے ساتھ عجیب تہکم اور استہزاء ہے کہ یہ لوگ عجیب نادان ہیں کہ اول تو مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بغیر کسی قصور کے اور دوسرا یہ کہ توحید کو کہ جو تعظیم و توقیر کا سبب تھی اس کو جرم اور گناہ قرار دے کر موحدین کے ساتھ مجرمین کا سا معاملہ کیا اور ان کے اخراج کے درپے ہوئے۔ مسلمانوں کا اگر کوئی جرم اور گناہ تھا تو صرف یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے نزدیک توحید ایسا بڑا گناہ تھا کہ جس کی بناء پر مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ﴾ (الممتحنۃ:۱)... ﴿ وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴾ (البروج:۸)... ﴿ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ (المائدہ:۵۹)... ﴿ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا ﴾ (الاعراف:۱۲۶)

حالانکہ توحید خداوندی عقلاً اخراج کا سبب نہیں ہوسکتی۔ خدا پرستی جرم نہیں البتہ بت پرستی اور صلیب پرستی عقلاً بھی جرم ہے پس یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کی اجازت کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اور اللہ نے جو نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا کہ مہاجرین اور انصار کو قیصر و کسریٰ کے تخت کا مالک بنا دیا اور ﴿ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ میں مہاجرین کے محب صادق ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں نے ہماری محبت میں اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنے خویش و اقارب سے جدا ہونا گوارا کیا مگر ہمارے دین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جاننا چاہیے کہ اس وعدہ میں اگرچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہیں مگر آیت کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ اس آیت میں نصرت اور تمکین فی الارض کا جو وعدہ ہے وہ اولاً مہاجرین اوّلین سے ہے اس لیے کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ کا مصداق مہاجرین اوّلین ہیں۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں ہے: ((الایمة بعدی من قریش)) یعنی میرے بعد میرے خلیفہ مہاجرین میں سے ہوں گے۔ اس لیے کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ ﴾ کی ضمیر ﴿ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ کی طرف راجع ہے جس کا مصداق بلا کسی شبہ کے مہاجرین ہیں۔ اب آئندہ آیت میں اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ شریر اور بدکاروں کو ایمانداروں اور نیک کاروں کے

ذریعہ دفع نہ کرتا اور ان کے شر اور فساد کو نہ دور کرتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور راہبوں کے بہت سے خلوت خانے اور نصاریٰ کے کلیسے اور یہود کے کلیسے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے سب منہدم اور مسمار کر دیئے جاتے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرمایا یعنی جس طرح مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کی مدافعت اجازت جہاد کا سبب بنی۔ اسی طرح اجازت جہاد کا ایک سبب ایک دینی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ اللہ کی حکمت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر زمانہ میں دین حق انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبوں کے ہاتھ غالب ہوتا رہے۔ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو تمام کارخانہ ملت و مذہب درہم برہم ہو جاتا حتیٰ کہ ہر مذہب کے عبادت خانے اور درویشوں کے خلوت خانے ویران ہو جاتے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ﴾ (البقرہ:۲۵۱)

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت اور مشروعیت کا سبب بیان فرمایا اور مجاہدین سے نصرت کا وعدہ فرمایا اب آئندہ آیات میں شرائط نصرت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا یعنی خدا کی طرف سے مدد جب آتی ہے کہ جب وہ شخص بھی دین کی مدد کا ارادہ کرے اور دل و جان سے کمر ہمت کلمۃ الٰہی کے بلند کرنے کے لیے باندھ لے۔ بغیر اس کے وعدۂ نصرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾ (محمد:۷) "اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تم کو فتح و نصرت دے گا اور تمہارے قدم جما دے گا" اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ﴾ (آل عمران:۱۶۰) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت اور عزت والا ہے دم کے دم میں جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل و خوار کرے۔ خدا جس کی مدد کرے وہ مظفر و منصور ہے اور خدا جس کی مدد نہ کرے وہ ذلیل و خوار ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ ﴾ (آل عمران:۱۶۰) یعنی اگر خدا تمہاری مدد نہ کرے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ (الصافات:۱۷۱۔۱۷۳) یعنی بارگاہِ خداوندی میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مرسلین مظفر و منصور ہوں گے اور خدا کا لشکر غالب ہوگا حق جل شانہٗ نے اس آیت میں قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے جس فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا اور دنیا نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مہاجرین و انصار جو بے سر و سامان اور فقیر اور درویش تھے۔ ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں سے بڑی شان و شوکت والی سلطنتوں پر حملہ آور ہوئے اور ان پر فتح یاب ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حسب ارشاد خداوندی ﴿ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ خدا تعالیٰ کا لشکر تھے باوجود بے سر و سامانی ساز و سامان والوں کے لشکر پر غالب آئے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ بے سر و سامان درویش فتح اور غلبہ کے بعد جب برسرِ حکومت اور برسرِ اقتدار آ جائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا تو فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان بے سر و سامانوں کو جو چند روز پہلے اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے۔ زمین میں تمکین یعنی حکومت اور اقتدار عطا کریں تو یہ وہ لوگ ہیں کہ قوت اور غلبہ اور حکومت اور اقتدار ملنے کے بعد بھی ہم سے غافل نہ ہوں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے یعنی بذاتِ خود نیک ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے کہ دوسروں کو ہر بھلے کام کا حکم دیں گے اور ہر بُری بات سے ان کو منع کریں گے اور اللہ ہی کے لیے ہے یعنی اسی کے ہاتھ میں ہے ہر کام کا انجام وہ سوائے اس کے کسی کو معلوم نہیں کہ امت محمدیہ کے حکمران کب تک ان صفات مذکورہ کے ساتھ متصف رہیں گے۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم

فائدہ: اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور درویشانِ اسلام سے تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا۔ اس آیت میں خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کی حقیقت ایسی تمکین فی الارض ہے جس کے ساتھ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہو یعنی حکومت کے ساتھ ولایت بھی ہو۔ حق جل شانہٗ نے اس آیت میں جو اہلِ تمکین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی عنقریب ان کو روئے زمین کی حکومت اور سلطنت عطا ہوگی اور یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد دین کے قائم کرنے والے ہوں گے پس یہ آیت خلفائے اربعہ کی خلافت کی صحت اور حقانیت کی دلیل ہے کہ چاروں مہاجرین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے بموجب ان کو زمین کی تمکین عطاء فرمائی اور وہ چاروں ان صفات مذکورہ کے ساتھ علیٰ وجہ الکمال موصوف تھے یہ آیت چاروں خلیفہ کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر انسان کی کیا خوبی ہے کہ فرمانروا ہو اور ان چاروں صفتوں کا جامع ہو بادشاہ بھی ہو اور ولی بھی ہو۔ امیر سلطنت بھی ہو اور شیخ طریقت بھی ہو۔ امیری اور فقیری ایک کمبل میں جمع ہوں جاننا چاہیے کہ خلافت راشدہ کے دو جز ہیں ایک تمکین فی الارض یعنی حکومت اور سلطنت اور دوسرا اقامتِ دین یعنی قانونِ شریعت کا اجراء اور نفاذ جو انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور اسلامی حکومت کا اولین مقصد ہے۔ اصل مقصود دین ہے اور حکومت اس کی خادم ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تمکین فی الارض کے بعد جو اصحابِ تمکین کے اوصاف بیان کیے ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا: ﴿وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اس جملہ میں تمام شعائر اسلامیہ کے قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد ﴿اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ﴾ میں تمام علوم دینیہ کے احیاء کی طرف اشارہ ہے اور ﴿نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ میں کافروں سے جہاد اور جزیہ لینے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ کفر سے بڑھ کر کوئی منکر اور کوئی بدتر شے نہیں اور مسلمانوں پر حدود اور تعزیرات قائم کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد خود بھی احکام شریعت کے پابند ہوں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ دوسروں کو بھی شریعت کا پابند بنائیں گے اور اخیر میں ﴿وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انجام کی خبر اللہ ہی کو ہے تم کو خبر نہیں کہ اس جہاد کا کیا اثر ہوگا اور کیسے عجیب و غریب ثمرات و برکات اس پر مرتب ہوں گے نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ درمیانی احوال اور وقتی شکست پر نظر نہ کرنا۔ انجام پر نظر رکھنا۔ ﴿وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ و كذلك تكون العاقبة للرسل جیسے مریض کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں مگر انجام اس کا صحت ہے۔ بہر حال یہ تمکین فی الارض اللہ کا وعدہ ہے جو عرش سے نازل ہوا ہے لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس خدائی وعدہ کو کوئی غصب کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے ایفاء کو اپنے ذمہ لیا ہے جو خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ وعدۂ خداوندی میں نہ مخالفت کا امکان ہے اور نہ مخاصمت کا اور نہ تسلط اور تغلب کا اور نہ غصب کا اور نہ خیانت کا۔

نکتہ: سورۂ حج کی اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں اور سورۂ نور کی آیت یعنی ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور: ۵۵) اس کو آیت استخلاف کہتے ہیں مقصود دونوں کا ایک ہے اگرچہ عبارت مختلف ہے۔ ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور: ۵۵) اور ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ﴾ (الحج: ۴۱) اور ﴿وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ (النور: ۵۵) اور ﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (الحج: ۴۱) سب کا مفہوم ایک ہے اور ﴿وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (النور: ۵۵) اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ﴾ (الحج ۳۸، ۴۰) کا مفہوم ایک ہے۔ ایک مضمون کو مختلف عبارتوں سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کا مضمون نص اور محکم ہو جائے۔ غرضیکہ

دونوں آیتیں حقیقت میں ایک ہیں اور عبارت میں مختلف ہیں اور دونوں خلفائے راشدین کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ وعدہ کرے اور پورا نہ کرے ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ (ابراہیم: ۴۷)... ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ... الخ﴾ (آل عمران: ۹) اور نہ کسی جبار وقہار میں یہ طاقت ہے کہ خدا کے وعدہ کو پورا نہ ہونے دے یا اسے اپنے لیے غصب کرے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مہاجرین اوّلین کو تمکین دین عطا فرمائیں گے اور ان کے ہاتھوں پر دین حق قائم ہوگا۔ آیت میں اگرچہ ان اشخاص کے ناموں کی تصریح نہ تھی لیکن جب خلفائے راشدین کے ہاتھوں سے تمکین دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہو گیا تو حقیقت سے پردہ اٹھ گیا اور سب نے جان لیا بلکہ دیکھ لیا کہ وہ شخص کون کون ہیں کہ جن کے ہاتھ پر اللہ نے ان وعدوں کے ظہور کو مقدر فرمایا تھا جب استخلاف فی الارض اور تمکین فی الارض کا قرعہ خلفائے راشدین کے نام پر نکلا تو متعین ہو گیا کہ آیت میں یہی اشخاص مراد ہیں۔ جیسے واقعہ خیبر میں جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ اور رسول ﷺ اس کو دوست رکھتے ہوں گے' لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کون اس دولت اور عزت سے سرفراز ہوگا۔ جب دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت ہوا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ مردِ موصوف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اسی طرح ان آیات کے نزول کے وقت لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کن اشخاص کے سروں پر استخلاف اور تمکین فی الارض کا تاج رکھا جائے گا اور کار پردازانِ قضاء وقدر اس تمکین دین میں کس کے معین اور مددگار ہوں گے۔ پس جب تمکینِ دین کا ظہور خلفاء کے ہاتھ پر ہوا تو متعین ہو گیا کہ اللہ کے علم میں یہی اشخاص مراد تھے۔ (ازالۃ الخفاء)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾
اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو ان سے پہلے جھٹلا چکے ہیں نوح کی قوم اور عاد اور ثمود۔
وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى
اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم۔ اور مدین کے لوگ اور موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا
فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ
پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو پھر ان کو پکڑا۔ تو کیسے ہوا میرا انکار؟ سو کئی
مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ
بستیاں ہم نے کھپا دیں اور وہ گناہگار تھیں اب وہ ڈھے پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور
بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ
کتنے کنوئیں نکمے پڑے اور کتنے محل گچ گیری کے۔ کیا پھرے نہیں ملک میں' جو

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا

ان کو دل ہوتے جن سے بوجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے؟ سو کچھ

لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَ

آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہوتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں۔ اور

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا

تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ اور ایک دن

عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے۔ جو تم گنتے ہو اور کئی بستیاں ہیں کہ

ع ٦ ١٠ ١٢ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ

میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گناہگار تھیں پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے۔ تو کہہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

لوگو! میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تم کو کھول کر۔ سو جو یقین لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ

کیں بھلائیاں ان کے گناہ بخشنے ہیں اور روزی عزت کی۔ اور جو دوڑے

اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾

ہماری آیتوں کو ہرانے۔ وہ ہیں لوگ دوزخ کے۔

تسلیۂ رسالت مآب وتہدید کفار بر استعجالِ عذاب ووعدۂ مغفرت ورزق کریم برائے اہلِ طاعت ووعید عذاب جحیم برائے اہلِ معصیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ... الى ... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کے جدال وقتال اور ان کی ایذا رسانی کی بناء پر مسلمانوں کو جہاد وقتال کی اجازت دی گئی اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کفار کی مخالفت اور تکذیب اور عداوت سے ملول نہ ہوں ہمیشہ سے عام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہوتی چلی آئی ہے اور کافروں نے اس کا نتیجہ دیکھ لیا اور یہ کافر ملک شام کو جاتے ہوئے راستہ میں ان مقامات سے گزرتے ہیں جہاں ان پر عذاب نازل ہوا تھا پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے کیا ان کی آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں اور اس درجہ دلیر ہو گئے ہیں کہ جلدی عذاب کی خواہش کرتے ہیں اور آپ ﷺ سے مجادلہ اور مخاصمہ کرتے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ عذاب ضرور آئے گا مگر اپنے وقت پر آئے گا جس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر یہ کفار آپ ﷺ کی تکذیب کریں اور اپنی موجودہ قوت وکثرت کے گھمنڈ میں یہ کہیں کہ آپ ﷺ جو ان فقراء مہاجرین کو تمکین فی الارض کی خبر دے رہے ہیں یہ سب جھوٹ اور غلط ہے اور ناممکن اور محال ہے اور محض ایک خواب وخیال ہے تو آپ ان کی تکذیب کی پرواہ نہ کریں اور ان سرداران مکہ سے پہلے قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی اور قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی اور قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی اور قوم ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی اور قوم لوط نے لوط علیہ السلام کی اور اصحاب مدین نے شعیب علیہ السلام کی اور موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحب معجزات کی بھی تکذیب کی گئی پھر میں نے ان منکروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ مہلت دی پھر جب حد سے گزر گئے اور حجت ان پر پوری ہوگئی تو میں نے ان کو عذاب میں پکڑا، پس دیکھ لو کہ میری گرفت کیسی سخت ہوئی کہ کوئی نکل نہ سکا اور کس طرح رسوا ہوئے۔ ''نکیر'' کے معنی انکار کے ہیں پس یا تو نکیر سے عذاب منکر یعنی عذاب شدید مراد ہے جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے: ﴿فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا﴾ (الکہف:۸۷) کہ شدت اور سختی کی وجہ سے اس عذاب کو منکر کہا گیا کہ وہ عذاب ایسا تھا کہ جس کو کوئی جانتا اور پہچانتا ہی نہ تھا۔ یا نکیر کے معنی الٹ دینے اور بدل دینے کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کو موت سے اور ان کی آبادی کو بربادی سے بدل دیا اور جس حالت پر تھے اس کو بری حالت سے متغیر اور متبدل کر دیا۔ پس آیت میں نکیر سے بایں معنی انکار مراد ہے اور یہ معنی نہیں کہ زبان سے انکار کر دیا الغرض کفار خدا تعالیٰ کی چند روزہ مہلت سے غرہ میں پڑ گئے بالآخر گرفتار ہو کر سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۝﴾ (ہود:۱۰۲) تلاوت فرمائی۔

سو جان لو کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور وہ بستیاں بڑی ظالم تھیں، خدا کے رسولوں کی تکذیب پر تلی ہوئی تھیں پس وہ بستیاں اب اپنی چھتوں پر گر پڑی ہیں کوئی ان میں رہنے والا اور بسنے والا نہیں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کا نام ونشان نہیں رہا اور کتنے ہی کنوئیں ہیں جو بیکار پڑے ہیں یعنی جن کنوؤں پر بھیڑ رہتی تھی اب وہاں کوئی پانی بھرنے والا اور ڈول ڈالنے والا نظر نہیں آتا۔ اور کتنے ہی اونچے اونچے اور قلعی چونہ سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں جو کھنڈر بنے پڑے ہیں جن میں کوئی آدم اور آدم زاد دکھائی نہیں دیتا پس کیا اہل مکہ نے ملک کی سیر نہیں کی اور یہ مواضع عبرت ان کی نظروں سے نہیں گزرے تا کہ ہوتے ان کے لیے ایسے دل جن سے وہ ان مکذبین کے انجام کو سمجھ لیتے یا ایسے کان ہوتے جن سے وہ گزشتہ مکذبین کے انجام کو سنتے اور ہوش میں آجاتے، پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں یعنی جب یہ مکذبین گزشتہ مکذبین کی بستیوں کو دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے تو معلوم ہوا کہ یہ دل کے اندھے ہیں۔ بصارت رکھتے ہیں مگر بصیرت نہیں رکھتے اور اصل اندھا وہی ہے جو دل کا

اور عقل کا اندھا ہو اور یہ دل کے نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور عداوت میں ایسے اندھے ہو چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلد عذاب طلب کرتے ہیں اور اب یہ تقاضا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا جس عذاب کے نازل کرنے کا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے وہ جلد لے آؤ اور ان کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو نہیں ٹالے گا۔ عذاب اپنے وقت پر آ کر رہے گا۔ ان کا جلدی مچانا فضول ہے اور دنیا کے دن تو چھوٹے ہیں اور تحقیق ایک دن تیرے پروردگار کے نزدیک ان ہزار برس کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ وہ حلیم و کریم اگر تم کو اپنے حلم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دے دے تو اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن کی مہلت اور ایک ہزار سال کی مہلت برابر ہے۔ عذاب کی تاخیر سے اس کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لوگوں کے نزدیک جو مدت طویل ہے وہ خدا کے نزدیک قصیر ہے۔ ﴿اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۙ‏ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ؕ‏﴾ (المعارج:۶،۷) وہ اس کو دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن اور ہزار برس برابر ہے اور اس کی قدرت کے اعتبار سے وقوع عذاب میں استعجال اور تاخیر یکساں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا کہ ان کو مہلت دی پس اگر وہ قادرِ مطلق کسی کو اپنے حلم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دے تو اس کے نزدیک بمنزلہ ایک روز کے ہے وہ اپنے حلم سے جتنی چاہے طویل سے طویل مہلت دے دے مگر کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتی وہ جب چاہے پکڑ سکتا ہے۔ بادشاہ لوگ مجرم کے پکڑنے میں اس لیے جلدی کرتے ہیں کہ مجرم کہیں نکل کر بھاگ نہ جائے مگر اللہ کے قبضۂ قدرت سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا اس لیے خدا تعالیٰ کو کوئی جلدی نہیں کہ وہ اپنے مجرم کو فوراً پکڑے۔ پس سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کا مہلت دینا عجز کی بناء پر نہیں بلکہ حکمت و مصلحت کی بناء پر ہے اس کی ذات والا صفات زمان اور مکان سے پاک اور منزہ ہے اس کے نزدیک زمانہ کا وجود اور عدم اور مدت کی قلت اور کثرت سب برابر ہے پھر یہ نادان کس لیے عذاب میں جلدی کرتے ہیں پس اگر خدا تعالیٰ اپنی کسی حکمت اور مصلحت سے ایک ہزار سال بھی عذاب کو مؤخر کر دے تو تمہارے حساب سے تو ایک ہی دن کی تاخیر ہوئی اور ایک دن کی تاخیر کوئی تاخیر نہیں۔

یہ تمام تشریح تفسیر کبیر ص ۱۹۱ ج ۶ اور حاشیۂ شیخ زادہ علیٰ تفسیر البیضاوی ص ۳۸۸ ج ۳ سے ماخوذ ہے حضرات اہلِ علم اصل کی مراجعت فرمائیں اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آیت میں عذاب سے عذابِ آخرت مراد ہے اور دن سے روز قیامت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا مگر یہ تفسیر سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے۔ ظاہر نظم قرآنی کا اقتضاء یہ ہے کہ اس جگہ عذاب سے عذاب دنیوی مراد ہے۔ (دیکھو تفسیر ابوالسعود و تفسیر روح المعانی)

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل مکہ اور نضر بن حارث وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ کیا ہے وہ قطعی ہے ہرگز اس میں خلاف نہ ہوگا اور اس کی تاخیر سے خدا کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا' اس کے نزدیک قصیر مدت اور طویل مدت سب برابر ہیں اور اس کی طرف سے جو مہلت مل رہی ہے وہ اس کا حلم اور اس کا فضل و کرم ہے۔ ہماری ڈھیل سے یہ نہ سمجھیں کہ ہم پکڑنے پر قادر نہیں اور ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیوں کو ڈھیل دی اور وہ بھی ان کی طرح نافرمان تھی مگر ہم نے اس کو مہلت دی اور فوراً نہیں پکڑا حالانکہ وہ بھی عذاب میں جلدی کرتے تھے پھر بالآخر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو میں نے ان کو پکڑا اور وہ ہماری ڈھیل دینے سے کہیں نکل کر بھاگ نہیں سکے اور آخرت میں سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور وہاں اپنی جزا کو پہنچیں گے اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مکذبین اور مستعجلین سے کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم کو اللہ کی نافرمانی کے

نتیجۂ بد سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اختیار سب اللہ کو ہے۔ اللہ کی اس مہلت سے یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارے پکڑنے سے عاجز ہے بلکہ اس مہلت کو غنیمت جانو کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو حق کی طرف رجوع کرنے کا موقع دیا پس جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے آخرت میں گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے مٹانے میں کوشش کی اور اس گمان میں رہے کہ ہم اللہ پاک کو عاجز کر دیں گے اور اس کے عذاب سے نکل کر کہیں بھاگ جائیں گے اور اس کی گرفت سے چھوٹ جائیں گے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''معاجزین'' سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ بعث اور حشر و نشر کوئی چیز نہیں اور مرنے کے بعد اللہ کو ہم پر کوئی قدرت نہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۷۹ ج ۱۲)

کما قال تعالیٰ: ﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت: ۴)

یا یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ خدا کی آیتوں کو مٹا دیں اور مقابلہ کر کے اہل حق کو عاجز کر دیں کہ وہ حق پر نہ چل سکیں مطلب یہ ہے کہ معاجزین سے مخالفین اسلام مراد ہیں جو لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۸۷ ج ۱۲) ان کا گمان یہ ہے کہ ان کی کوشش سے اسلام مٹ جائے گا تو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں نہ ان کے لیے مغفرت ہے اور نہ رزق کریم ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ

شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں۔ پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا پھر پکی کرتا ہے

اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۲ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ

اپنی باتیں۔ اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا۔ اس واسطے کہ اس شیطان کے ملائے سے

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ

جانچے ان کو جن کے دل میں روگ ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور

الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۳ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ

گناہ گار تو ہیں مخالفت میں دور پڑے۔ اور اس واسطے کہ معلوم کریں جن کو سمجھ ملی ہے کہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لاویں اور وہیں اس کے آگے ان کے دل اور اللہ

لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ

سوجھانے والا ہے، یقین لانے والوں کو راہ سیدھی اور منکروں کو

كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ

ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا جب تک آپہنچے ان پر قیامت بے خبر یا آپہنچے ان کو

عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ

آفت ایک دن کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی۔ راج اس دن اللہ کا ہے ان میں چکوتی (فیصلہ) کرے گا

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَ الَّذِيْنَ

سو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں۔ اور جو

كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع ٩ / ١٤

منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں سو ان کو ہے ذلت کی مار۔

ذکر فتنۂ شیطان برائے امتحان مخلصان و منافقان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ... الى... فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات ﴿ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ ﴾ میں اس بات کا بیان تھا کہ مجادلین اور معاندین ہمیشہ آیاتِ خداوندی کے ابطال کی سعی میں اور دین حق کی تخریب کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں ابطال آیات کی سعی اور اس میں جدوجہد ان مجادلین اور معاندین کی قدیمی عادت ہے اور اس سلسلہ میں شیطان طرح طرح کے فتنے برپا کرتا رہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہے ڈالتا رہتا ہے جو کافروں اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ اس قسم کے فتنے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ ہر نبی اور رسول کے زمانہ میں اسی قسم کا فتنہ پیش آیا ہے، جب کبھی کسی نبی اور رسول نے اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر لوگوں کو سنایا تو شیطان نے آیاتِ الٰہیہ میں طرح طرح کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جس سے لوگ شبہات کے دلدل میں پھنس گئے بعد میں اللہ تعالیٰ آیات محکمات کو نازل کرتا ہے جس سے تمام شیطانی شکوک اور شبہات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حکم خداوندی ایسا صاف اور واضح ہوجاتا ہے کہ اس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی یہ سب شیطان کا فتنہ ہے جس سے اللہ کا مقصود مخلصین اور منافقین کا امتحان اور آزمائش ہے لہٰذا اے نبی! آپ ﷺ اس قسم کے فتنہ کو دیکھ کر رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

شانِ نزول:

مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو اشکال کا سبب بنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی تفسیر سے پہلے اس قصہ کو ذکر کر دیا جائے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نے سورۂ نجم ایک مجلس میں پڑھی جس میں مشرکین مکہ بھی حاضر تھے جب آپ ﷺ اس آیت یعنی ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۙ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴾ (النجم:۱۹، ۲۰) پر پہنچے تو شیطان نے اس کی ساتھ آپ کی طرف سے یہ الفاظ پڑھ دیئے:

تلك الغرانيق العلى۔ وان شفاعتهن لترتجى۔

"یہ شہباز (بت) بڑے بلند پرواز اور معظم و محترم ہیں اور ان کی سفارش قبول ہونے کی اُمید کی جاتی ہے۔"

شیطان نے یہ عبارت آپ ﷺ کے لہجے میں آپ ﷺ کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا کر پڑھی جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ ہی کی زبان سے نکلے ہیں، کافر ان الفاظ کو سُن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ آج محمد ﷺ ہمارے موافق ہو گئے کہ بتوں کی تعریف میں آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اس قدر خوش ہوئے کہ جب مسلمانوں نے اس سورت کے ختم پر سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور کافروں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی بھر لی اور اس پر سجدہ کیا۔ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قریش بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب محمد ﷺ نے اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کیا ہے آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری اثناء تلاوت میں وہ چیز بھی پڑھ دی گئی جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور خوف زدہ اور پریشان ہو گئے، اس پر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ قصہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے جس کو امام قرطبی اور حافظ ابن کثیر اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔

اس قصہ کے بارہ میں علماء کے دو گروہ

چونکہ یہ قصہ بظاہر ہر منصب نبوت اور شانِ عصمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ نبی کی اثناء تلاوت میں اپنی طرف سے کوئی آمیزش کر سکے اس لیے اس قصہ کی روایت کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل باطل اور بے اصل اور موضوع ہے اور علماء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کو روایت کی تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ تفسیر درمنثور کو دیکھے۔

بہر حال اس قصہ کی روایت کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے اور ہر گروہ نے اپنے اپنے مسلک کی بناء پر آیت کی اس طرح تفسیر کی کہ جو منصب نبوت اور عصمت کے خلاف نہ ہو کیونکہ عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ دین کے اُصول مسلمہ میں سے ہے جس پر تمام اُمت کے علماء کا اجماع ہے۔ علماء کا جو گروہ کسی درجہ میں فی الجملہ اس قصہ کے ثبوت کا قائل ہے۔ عصمت انبیاء علیہم السلام کے اجماعی مسئلہ سے وہ بھی غافل نہیں یہ گروہ کثرت طرق اور تعدد اسانید سے مجبور ہو کر اس قصہ کو فی الجملہ ثابت ماننے کے بعد آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے

کہ جو عصمت نبوّت کے منافی نہ رہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا۔

گروہ اوّل: امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ اور قاضی عیاض اور امام رازی اور امام بزار اور امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ وغیرہ اور دیگر حضرات محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل باطل ہے اور ملاحدہ اور زنادقہ (بے دین لوگوں) کا بنایا ہوا اور گھڑا ہوا ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہٗ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ سے ثابت ہے۔

① قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾﴾ (الحاقہ: ۴۴، ۴۵)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اگر بالفرض پیغمبر ہماری نسبت کوئی غلط بات کہے تو یقیناً ہم ان کو پکڑتے اور ہلاک کر ڈالتے۔"

معلوم ہوا کہ نبی کی زبان سے خدا کی نسبت غلط بات کا نکلنا محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تقول (افتراء) کو بصیغۂ لَوْ تعبیر فرمایا ہے جو محالات اور ناممکنات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

② ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ﴾ (یونس: ۱۵)

"اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس قرآن میں اپنی طرف سے ذرّہ برابر تغیّر و تبدل کر سکوں میں تو صرف اللہ کی وحی کا تابع ہوں۔"

یعنی میں خدا کے کلام میں ایک شوشہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔

③ ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾﴾ (النجم: ۳، ۴)

خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں وہ محض خالص اللہ کی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو بھیجی جاتی ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو نکلتا ہے وہ سر تا پا وحی ہوتا ہے اور نفسانی اور شیطانی آمیزش سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے یہ سورۂ نجم کی آیت ہے جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ستارہ کی کہ تمہارا پیغمبر کبھی گمراہ اور بے راہ نہیں ہوا کوئی بات اس کی زبان سے ہوائے نفسانی سے نہیں نکلتی وہ جو بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

پس جب اسی سورت میں خُدا تعالیٰ نے قسم کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاہت اور عصمت کو بیان فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس سورت کے اثناء تلاوت میں شیطان لعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ القاء کرے اور بتوں کی مدح کے الفاظ اس میں ملا دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلوا دے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔

ایک صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو نکلتا وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ بشر ہیں کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں۔ سو تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات نہ لکھا کرو معلوم نہیں کہ غصہ کی حالت میں زبان سے کیا نکل جائے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنا کرو لکھ لیا کرو قسم ہے اس ذاتِ مبارک کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا اور اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس جب آپ کی زبانِ مبارک سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی زبانِ مبارک سے بتوں کی

تعریف میں کوئی لفظ نکل سکے۔

④ نیز اسی سورت میں شرک اور مشرکین کی مذمت مذکور ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی سورت کی اثناء تلاوت میں بتوں کی مدح کے متعلق آپ ﷺ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلیں۔

⑤ نیز نبی تو توحید کی دعوت اور کفر و شرک سے زجر اور ممانعت کے لیے مبعوث ہوتا ہے اس کی زبان سے بتوں کی مدح میں کسی لفظ کا نکلنا قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کی زبان سے ایسے الفاظ کا نکلنا جن میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو بلاشبہ محال اور ناممکن ہے۔ ایسا کلمہ تو نبی کی زبان سے نہ قصداً نکل سکتا ہے۔ اور نہ سہواً اور نہ نسیاناً نکل سکتا ہے اور نہ جبراً و قہراً نکل سکتا ہے کہ نفس اور شیطان آپ کو اس کلمہ کے تلفظ پر مجبور کر دے جس میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو۔

① قصداً اور عمداً تو ایسا کلمہ نبی کی زبان سے اس لیے نہیں نکل سکتا کہ قصداً بتوں کی تعظیم اور اس کی مدح کفر اور شرک ہے اور نبی کی زبان سے قصداً تو کیا سہواً بھی کفر و شرک کا کلمہ نکلنا قطعاً محال ہے اور جو شخص نبی کی زبان پر بتوں کی تعظیم اور مدح کو جائز قرار دے وہ بلاشبہ کافر ہے۔ نبی کی تمام ترسعی اور جدوجہد شرک اور بت پرستی کے مٹانے کے لیے ہے نہ کہ ان کی مدح اور تعظیم کے لیے۔

② اور سہواً اس وجہ سے محال ہے کہ تلاوت وحی اور امور تبلیغیہ میں نبی سے سہو اور نسیان اور غفلت کا صدور ناممکن اور محال ہے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (الاعلیٰ: ۶، ۷)

ہم آپ ﷺ کو یہ قرآن پڑھائیں گے پس آپ اس میں سے کوئی حرف نہ بھولیں گے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ ہی کسی حکمت اور مصلحت سے اس لفظ کو باقی نہ رکھنا چاہے۔

حدیث میں ہے کہ جب جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آتے تو حضور پرنور ﷺ بھی جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے کہ کہیں کوئی حرف بھول نہ جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیامہ: ۱۶۔ ۱۸)

یعنی جب جبریل علیہ السلام وحی قرآنی آپ ﷺ کے سامنے پڑھا کریں تو آپ ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔ قرآن کا آپ ﷺ کے سینہ میں بتمام وکمال جمع کر دینا اور اس کا محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے آپ ﷺ بے فکر رہیے قرآن کا کوئی لفظ آپ ﷺ بھول نہیں سکتے۔

غرض یہ کہ تلاوت وحی اور دعوت و تبلیغ میں نبی کو سہو و نسیان کا پیش آجانا بالاجماع ناممکن اور محال ہے البتہ نبی کو اپنے ذاتی افعال میں جیسے نماز وغیرہ میں سہو و نسیان کا لاحق ہونا ممکن ہے جیسا کہ نماز ظہر یا عصر میں آپ ﷺ نے بھولے سے دو رکعت یا تین پر سلام پھیر دیا اور بعد یاد آنے کے سجدۂ سہو کیا تو یہ سہو و نسیان بھی حکمت و مصلحت پر مبنی تھا جس سے سجدۂ سہو کی تشریع مقصود تھی کہ اگر نماز میں سہو پیش آجائے تو امت کو کیا کرنا چاہیے اور لیلۃ التعریس میں جو حضور پرنور ﷺ کی نماز فوت ہوئی تو اس سے قضاء فائتہ کی تشریع مقصود تھی کہ اگر بھولے سے

---

* دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۵ ج ۶

* اس تمام تفصیل کی اصل بنیاد تو امام رازیؒ کا کلام ہے لیکن تفصیل میں دلائل کا کچھ اضافہ ہو گیا ہے وہ تفسیر المعانی وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

نماز قضا ہو جائے تو کس طرح اس کی قضا کی جائے یہ سہو ونسیان جو آپ کو پیش آیا اس کا وحی رسالت اور تبلیغ شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

④ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ شیطان جبراً قہراً کسی بہانہ یا دھوکہ سے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس قسم کا الفاظ نکلوادے اس لیے کہ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ (بنی اسرائیل:۶۵) اے شیطان! میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ اور زور نہیں۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (النحل:۹۹،۱۰۰) اور شیطان کا خود اقرار ہے ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ (الصافات:۱۲۸) اے پروردگار! میرا اغواء تیرے عباد مخلصین پر نہیں چل سکے گا اور آنحضرت ﷺ تو سید المخلصین تھے۔ آپ پر شیطان کے کسی زور اور زُور کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ جبراً بلا اختیار آپ کی زبانِ مبارک پر ایسے کفر و شرک کے الفاظ جاری کر سکے اگر خدانخواستہ شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو کوئی کلمۂ حق آپ ﷺ کی زبان سے جاری نہ ہونے دیتا پھر یہ کہ جب شیطان کو آپ ﷺ پر یہ قدرت حاصل ہوگئی تو خدا کے خاص اور مخلص بندے کون ہیں جن پر شیطان کو قدرت اور غلبہ نہیں۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ اگر نبی اور رسول پر بھی شیطان کا زور چل سکے تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہا۔ نیز نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اس وقت کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں کوئی پر مار سکے یا اس کے قریب سے گزر سکے جیسا کہ سورۂ جن میں ہے ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ﴾ (الجن:۲۷،۲۸) یعنی جب وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی حفاظت کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں کہ کوئی شیطان قریب یا بعید سے وحی ربانی میں کوئی القاء نہ کر سکے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کے پیغام کو بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دے پس اگر نبی القاء شیطانی سے محفوظ نہ رہے تو پھر فرشتوں کی رصد اور ان کے پہروں کا کیا فائدہ؟۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۷ و ص ۱۶۵ ج ۱۷)

نیز قرآن کریم میں ہے: ﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۝ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ﴾ (حٰمٓ سجدہ:۴۱) یعنی اس کتاب عزیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ خود ذمہ دار ہے کسی باطل کی مجال نہیں کہ وہ آگے یا پیچھے سے وہاں آسکے بہر حال یہ امر قطعاً محال ہے کہ آنحضرت ﷺ شیطان کے القاء سے کسی چیز کا تلفظ کر دیں اور آپ کو القاء شیطانی اور وحی جبریل علیہ السلام میں اور قرآن اور غیر قرآن میں تمیز نہ ہو اور معاذ اللہ آپ ﷺ کی زبان سے قرآن میں کوئی حرف اور کوئی لفظ زیادہ نہ ہو جائے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل نہیں کیا اور شیطان وحی خداوندی میں کوئی آمیزش کر دے اور آپ ﷺ کو اس پر تنبیہ نہ ہو اور آپ ﷺ یہ نہ سمجھ سکیں کہ وحی ربانی تو یہ ہے اور یہ مزید القاء شیطانی ہے۔ غرض یہ کہ یہ امر ناممکن ہے کہ نبی کو وحی اور غیر وحی میں کوئی اشتباہ لاحق ہو جائے۔ اشتباہ کا واقع ہونا علامت ہے قلت بصیرت کی اور اللہ کا نبی اس سے پاک اور منزہ ہے۔

⑥ نیز اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ یہ واقعہ آیات مذکورہ کے خلاف ہے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ قرآن کریم اور وحی الٰہی سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائے گا اور امان اور اطمینان زائل ہو جائے گا اس لیے کہ اس واقعہ کی طرح دوسری جگہ بھی القاء شیطانی سے وحی الٰہی اور پیغام خُداوندی میں کمی اور زیادتی کا جواز اور امکان نکل آئیگا کہ ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی القاء شیطانی سے احکام الٰہیہ اور پیغامات خداوندی میں اسی قسم کی کمی اور زیادتی اور تغیر اور تبدل پیش آیا ہو اور لازم آئے گا کہ حسب حکم خداوندی

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ (المائدہ:۶۷) احکام خداوندی کی پوری پوری اور صحیح صحیح تبلیغ نہ ہوئی ہوا ایسی صورت میں وحی الٰہی پر یقین نہیں رہ سکتا کہ بالیقین یہ پوری اور صحیح وحی ہے اور بعینہٖ وہی وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ القاء شیطانی کی وجہ سے اس میں غیر وحی کی آمیزش ہوگئی ہے۔ غرض یہ کہ ایسی صورت میں وحی الٰہی پر اعتماد اور یقین نہیں رہتا بلکہ وحی الٰہی مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۴ ج ۶ و روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۱۷)

⑦ نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ نظم قرآنی باہم متضاد اور متناقض اور مختلف ہو جائے گی اس لیے کہ ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ..... الخ ﴾ (النجم:۱۹) سے تو بتوں کی مذمت مقصود ہے اور تلك الغرانيق العلٰى سے بتوں کی مدح مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسا صریح اختلاف اور واضح تناقض و تضاد حاضرین مجلس پر اور خاص کر نبی اکرم ﷺ پر کیسے مخفی رہا یہ ناممکن ہے کہ صاحبِ نبوت پر یہ اختلاف اور تضاد مخفی رہے۔

⑧ نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ تلك الغرانيق العلٰى ایک معمولی عبارت ہے اور نظم قرآنی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیا حاضرین مجلس پر ان دو مختلف النوع کلاموں کا تفاوت مخفی رہا اور وہ اس فرق پر متنبہ نہ ہوئے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضور پُر نور ﷺ پر وحی الٰہی مشتبہ ہوگئی اور آپ ﷺ کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں فرق نہ معلوم ہوا اور قرآن اور غیر قرآن اور منزل من اللہ اور غیر منزل من اللہ میں آپ ﷺ کو فرق نہ معلوم ہوا اور فرشتہ اور شیطان آپ پر کیسے ملتبس اور مشتبہ ہو گئے اور ملکِ معصوم اور شیطان خبیث میں آپ ﷺ نے فرق نہ کیا اور توحید اور شرک اور فرشتہ اور شیطان کا فرق آپ ﷺ پر ملتبس ہو گیا۔ (روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۱۷)

⑨ نیز اس آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت حضور پُر نور ﷺ کی تسلی کے لیے نازل ہوئی نہ کہ عتاب اور تنبیہ کے لیے مقصود آیت آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ﷺ ان معاجزین اور معاندین کی سعی فی ابطال الآیات سے رنجیدہ نہ ہوں پس اگر واقعۂ مذکورہ صحیح ہوتا تو آپ ﷺ پر عتاب نازل ہوتا۔ (روح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۷)

⑩ نیز حدیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((من رانی فی المنام فقد رانی حقا فان الشیطن لا تمثل بی))۔ یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ کو خواب میں دیکھا اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت بنا سکے اور کسی کے سامنے میری شکل میں ظاہر ہو سکے۔ پس جب شیطان عام مؤمنین کے لیے بشکل نبی متمثل اور متشکل نہیں ہو سکتا تا کہ اہل ایمان مجھے خواب میں دیکھ کر کسی اشتباہ میں نہ پڑیں تو شیطان کا خود آنحضرت ﷺ کے لیے بشکل جبریل علیہ السلام متمثل اور متشکل ہونا بدرجۂ اولیٰ محال اور ناممکن ہوگا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۶۸ ج ۱۷ ﴿ فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ﴾ پس یہ دس دلیلیں جو زیادہ تر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہیں اور کچھ حصہ شروح بیضاوی سے بھی ماخوذ ہے ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کر دیا ہے۔ حضرات اہلِ علم تفاسیر مذکورہ بالا کی مراجعت فرمالیں۔ دلائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی دلائل ملیں گے جن کو ہم نے اختصار کی بناء پر چھوڑ دیا۔

بہر حال اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور صحیح روایتوں میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا سب نے سجدہ کیا مگر قریش میں کے ایک شیخ

نے مٹھی بھر کر کنکریاں لیں اوران کو اپنی پیشانی پر اٹھایا اوران پر سجدہ کیا۔ صرف اتنی روایت صحیح ہے اور باقی موضوع اور باطل ہے، تمام روایات صحیحہ میں واقعہ غرانیق العلیٰ کا کہیں ذکر نہیں۔

آمدیم برسر مطلب

اب ہم آیت ہذا کی صحیح تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن تفسیر آیت سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں دو لفظ مذکور ہیں ایک "تمنیٰ" دوسرا "القاء" آیت کی تفسیر سے پہلے ان دونوں لفظوں کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

لفظ تمنّٰی: سو جاننا چاہیے کہ لفظ تمنیٰ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک بمعنی قراءت و تلاوت جس کے معنی پڑھنے کے ہیں اور دوسرے معنی دلی آرزو اور تمنا کے ہیں۔ لفظ کلام عرب میں دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے سورۂ نجم میں ہے: ﴿ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴾ (النجم: ۲۴) یہاں سے تمنی سے دلی خواہش اور آرزو کے معنی مراد ہیں اور سورۂ بقرہ میں ﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ ﴾ (البقرہ: ۷۸) یہاں اُمنیہ سے صرف زبان سے الفاظ توریت پڑھنے کے معنی مراد ہیں۔

لفظ القاء: لفظ القاء کے اصل معنی ڈالنے کے ہیں اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ آیت میں القاء سے لفظ کے اعتبار سے القاء مراد ہے یعنی شیطان ایسے الفاظ القاء کرتا ہے جن کو سُن کر لوگ فتنہ میں پڑ جائیں یا معنی کے اعتبار سے القاء مراد ہے یعنی شیطان کفار کے دلوں میں کوئی ایسی چیز القاء کرے جو ان کے فتنہ کا سبب بن جائے تو آیت میں تمنی اور القاء کے دونوں معنوں میں جونسے معنی بھی مراد لیے جائیں تو آیت کا مطلب صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔

اب ہم اس بارہ میں حضرات مفسرین کے اقوال ذکر کرتے ہیں اور اول ان حضرات مفسرین کے گروہ کے اقوال نقل کرتے ہیں جو قصہ غرانیق کو باطل اور بے اثر قرار دیتے ہیں۔

تفسیر اوّل:

اکثر مفسرین کے نزدیک تمنی کے معنی قراءت کے ہیں اور القاء سے القاء معنوی مراد ہے یعنی جب کبھی کسی نبی نے اللہ کی وحی کی قراءت کی تو شیطان نے ان کی قراءت اور تلفظ میں کافروں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے پس اگر اس آیت میں تمنی سے تلاوت اور قراءت کے معنی مراد لیے جائیں اور اُمنیّہ کو بمعنی متلو اور مقروء لیا جائے یعنی وہ الفاظ مراد لیے جائیں جن کو نبی نے پڑھا ہے اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد لیا جائے یعنی شیطان نے انبیاء کی قراءت کے بعد لوگوں کے دلوں میں کچھ شبہ اور وسوسہ ڈال دیا جس سے وہ وحی متلو اور مقرو لوگوں پر مشتبہ ہو گئی تو اس صورت میں آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہوگی اور اے نبی! آپ ﷺ ان کفار معاجزین یعنی معاندین کے مجادلہ سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ لوگ جو ابطال آیات کی سعی اور جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اس کی فکر میں نہ پڑیئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب کبھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا یا اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو اس وقت شیطان نے اس کی تلاوت کردہ چیز کے بارہ میں لوگوں کے دل میں بذریعہ وسوسہ کچھ شکوک اور شبہات ڈال دیئے جس سے لوگ نبی کی تلاوت کردہ یعنی اس کی پڑھی ہوئی اور سنائی ہوئی چیز کے بارہ میں شک اور شبہ میں پڑ گئے مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کبھی اللہ کے کسی رسول اور نبی

نے کوئی آیت تلاوت کی یا اللہ کا کوئی حکم پڑھ کر سنایا یا کوئی بات بیان کی تو شیطان نے اللہ کے حکم اور اللہ کی بات اور نبی کی بیان کردہ چیز کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بذریعہ وسوسہ شکوک اور شبہات ڈال دیئے بعد ازاں کفار شیاطین کے انہی القاء کردہ شبہات اور اعتراضات کی بناء پر انبیاء ورسل علیہم السلام سے مجادلہ کرتے تھے اور اپنے اس مجادلۂ باطلہ سے انبیاء ورسل علیہم السلام کی بیان کردہ چیز کے ابطال اور محو کی سرتوڑ کوشش کرتے تھے مگر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی سعی اور جدوجہد ناکام ہوتی تھی۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿ وَ اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـِٕہِمۡ لِیُجَادِلُوۡکُمۡ ﴾ (الانعام:۱۲۱) کما قال الله تعالیٰ: ﴿ وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُہُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ ﴾ (الانعام:۱۱۲)

پس اسی قسم کے شبہات سے کفار مکہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں لگے ہوئے ہیں جیسا کہ ﴿ وَ الَّذِیۡنَ سَعَوۡا فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ ﴾ (سباء:۵) میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

① مثلاً جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ ﴾ پڑھ کر سنائی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالا کہ دیکھو مسلمان اپنی ماری (یعنی ذبیحہ) کو تو حلال بتاتے ہیں اور خدا کی ماری ہوئی چیز (یعنی میتہ اور مردار) کو حرام بتاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل کر کے اس کو منسوخ یعنی زائل اور باطل کر دیا یعنی ﴿ وَ لَا تَاۡکُلُوۡا مِمَّا لَمۡ یُذۡکَرِ اسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ وَ اِنَّہٗ لَفِسۡقٌ ﴾ اور ﴿ فَکُلُوۡا مِمَّا ذُکِرَ اسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ ﴾ نازل کر کے ان کے شبہ کو زائل کر دیا اور بتلا دیا کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ حلال ہے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے باقی مارنے والا اور جان نکالنے والا ہر حال میں اللہ ہی ہے۔ جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے بندہ کا کام ذبح کرنا یعنی چھری چلانا ہے اس کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر چھری چلاؤ تو جانور حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

② اور مثلاً جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی ﴿ اِنَّکُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ ﴾ تو شیطان نے اس میں یہ شبہ القاء کیا کہ ﴿ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ﴾ میں تو حضرت مسیح اور حضرت عزیر اور ملائکہ کرام علیہم السلام بھی داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شیطانی شبہ کے ازالہ کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴾ مطلب یہ تھا کہ ﴿ اِنَّکُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴾ میں کلمہ ما سے اُن کے اصنام اور بت مراد ہیں۔ خُدا کے برگزیدہ بندے مراد نہیں۔ (دیکھو حاشیہ شیخ زادہ بر تفسیر بیضاوی ص ۹۰ ج ۳)

پس اس طرح اللہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کو مٹا دیتا ہے یعنی شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات اور اعتراضات کو محکم اور قطعی دلائل سے اور کافی وشافی جوابات سے دور کر دیتا ہے اور ان کو بالکل نیست ونابود کر دیتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قطعی دلیل اور محکم جواب کے بعد شبہ اور اعتراض کی بیخ و بُن بھی باقی نہیں رہتی پس حق جل شانہ کے اس قول ﴿ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ ﴾ میں نسخ سے لغوی معنی مراد ہیں شرعی معنی مراد نہیں۔ نسخ کے لغوی معنی محو اور ازالہ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کی تاثیر کو باطل اور زائل کر دیتا ہے اور شیطانی خلط وملط کو مٹا دیتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے نسخ کی حقیقت رفع اور ازالہ ہے سو آیت میں نسخ سے لغوی معنی مراد ہیں عرفی اور اصطلاحی معنی مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے جو وحی نازل کرتا ہے اس کی حفاظت اور حراست کرتا ہے اور اگر کوئی دوسری چیز اس میں خلط ملط ہو جائے تو اس کو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۷ ج ۶)

پھر شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کے ازالہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ان آیات بینات کے مضامین کو جن کو نبیؑ نے پڑھ کر سنایا تھا پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط بنا دیتا ہے وہ آیتیں اگرچہ پہلے سے محکم اور مضبوط تھیں مگر قطعی اور شافی جواب کے بعد ان کا استحکام اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے جس سے القاء شیطانی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور شیطان کے القاء کردہ شکوک وشبہات یکلخت کافور ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے جواب کے بعد کسی شک اور شبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہتی اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے یعنی شیطان نے جو القاء کیا۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور شیطان کو جو اس القاء پر قدرت دی اس میں اللہ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اس کا ہر حکم اور ہر کام حق ہوتا ہے اور حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ شیطان کو اس القاء کی اس لیے قدرت دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کی القاء کردہ چیز کو ان لوگوں کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بنائے جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور تردد اور تذبذب کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور نیز ان لوگوں کے لیے بھی آزمائش بنائے جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں یعنی کھلم کھلا کافر ہیں اور اپنے کفر پر پختگی سے قائم ہیں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو دارِ ابتلاء اور دارِ امتحان بنایا ہے۔ شیطان کے ذریعہ لوگوں کا امتحان کرتا ہے اللہ نے شیطان کو پیدا ہی بندوں کے ابتلاء اور آزمائش کے لیے کیا ہے ﴿ اَلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں جیسے منافقین اور مذبذبین جو تاہنوز حیرت میں پڑے ہوئے ہیں اور ﴿ وَ الۡقَاسِیَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ﴾ سے وہ سخت دل اور سنگ دل لوگ مراد ہیں جو باطل پر جمے ہوئے ہیں اور ان کے دل بالکل سیاہ پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ سو القاء شیطانی کا یہ فتنہ ان دونوں گروہوں کی آزمائش کے لیے ہے تاکہ خبیث اور طیب ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہو جائیں اور حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں مذکورہ گروہ ① منافقین جو دل کے بیمار ہیں اور ② کفار مجاہرین جو سنگ دل ہیں۔ واقعی یہ دونوں ظالم گروہ حد درجہ کی مخالفت میں ہیں جو حق سے بہت دور و دراز نکل گئے ہیں ظاہر اسباب میں حق کی طرف ان کی واپسی بہت بعید ہے اور اسی طرح القاء شیطانی میں ایک حکمت یہ ہے کہ تاکہ وہ لوگ جن کو من جانب اللہ صحیح علم اور صحیح فہم عطا کیا گیا ہے اس بات کو جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہی حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا اور جو کچھ جتنی مقدار میں انہوں نے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنا ہے اور سمجھا ہے صرف اتنا ہی حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب غلط ہے پس جو نبی سے سنیں اور سمجھیں اس پر ایمان لائیں اور اسی کو حق جانیں۔ ایمان تو پہلے ہی سے تھا۔ مراد یہ ہے کہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو جائے پھر نبی نے جو ان کو پڑھ کر سنایا ہے اس کے سامنے ان کے دل جھک جائیں اور دل وجان سے اس کے حکم کی تعمیل کریں پس اس القاء شیطانی اور اس کے ازالہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اہل ایمان کا ایمان اور ایقان پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط ہو گیا اور یہی صراطِ مستقیم ہے جو نہایت باریک ہے اور اس پر قائم رہنا بہت مشکل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر انہیں بندوں کو چلاتا ہے جو اس کی باتوں کو مانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اس آیت میں اہل ایمان کی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے سے ان کی استقامت اور حفاظت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کو ہدایت پر محفوظ اور مستقیم رکھتا ہے اور معاندین اور مجادلین اور معاجزین کو اپنی توفیق سے سرفراز نہیں کرتا۔

یہاں تک آیت کی پہلی تفسیر ختم ہوئی اور یہ تمام تفسیر اس صورت میں تھی کہ آیت میں تمنی سے قراءت اور تلاوت یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القاء سے ازروئے معنی القاء مراد لیا جائے یعنی وسوسۂ شیطانی مراد لیا جائے۔ اس صورت میں آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ شیطان کی قدیم عادت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر کوئی چیز لوگوں کو پڑھ کر سناتا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں اپنی تاویلات

فاسدہ اور شبہات واہیہ کا القاء کرتا جس سے نبی کی تلاوت کردہ چیز لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی اور لوگ شبہ میں پڑ جاتے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ تاویلات باطلہ تسویلات مہملہ کو منسوخ یعنی نیست اور نابود کر دیتا ہے جس سے وہ تمام القاء شیطانی باطل اور زائل ہو جاتا ہے اور حق پہلے سے زیادہ واضح اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

آیت کی دوسری تفسیر:

اور اگر آیت میں ﴿تَمَنّٰۤی﴾ کے معنی بجائے پڑھنے کے دل سے تمنا اور آرزو کرنے کے لیے جائیں اور القاء سے معنوی القاء مراد لیا جائے تو پھر آیت کی صحیح تفسیر دوسری ہوگی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہما نے اختیار فرمایا ہے جس کو اب ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں جس کو ہم ذرا وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے اس میں ذرّہ برابر بھی ہرگز کوئی تفاوت نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اللہ کی بات ہوتی ہے اور ایک نبی کی طرف سے اس کے دل کا طبعی میلان اور خیال ہوتا ہے۔ اور اس کی دلی آرزو ہوتی ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے اور کبھی نہیں کیونکہ وہ نبی کی طبعی اور ذاتی آرزو ہوتی ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اس لیے اس میں فرق ہوسکتا ہے کہ پوری نہ ہو۔

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خواب تو صرف اسی قدر تھا جس میں کسی وقت کا ذکر نہ تھا مگر دلی آرزو اور شوق کی بناء پر یہ خیال آیا کہ شاید اسی سال ایسا ہو جائے۔ اسی آرزو اور خیال کی بناء پر عمرہ کی نیت سے مکہ کا سفر اختیار فرمایا مگر اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ نہ کر سکے۔ اور واپس آ گئے اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

یا مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں پر غلبہ دے گا آپکو خیال آیا کہ شاید اسی لڑائی میں فتح ہوگی مگر اس لڑائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نہ ہوا بعد میں ہوا۔

غرض یہ کہ اس طرح گاہ بگاہ اصل وعدۂ الٰہی کے ساتھ نبی کے خیال اور آرزو کی آمیزش ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے جس سے لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ نبی نے جو کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا حالانکہ وہ نبی کی آرزو تھی اور اگر پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ تو جب لوگ نبی کی آرزو پوری نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شبہ میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ اس آمیزش کو دُور کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ اللہ کا حکم اور اللہ کا وعدہ صرف اس قدر تھا وہ سرتاپا حق ہے اس میں سرمو فرق اور تفاوت نہیں اور اس قدر اس میں نبی کا ذاتی خیال اور دلی آرزو تھی۔ نبی نے کسی چیز کی خبر نہیں دی تھی اور نبی کی آرزو اور اس کے طبعی خیال میں فرق نکل سکتا ہے کہ پورا نہ ہو۔ غرض یہ کہ جب اس قسم کا کوئی شبہ پیش آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اصل حکم الٰہی اور اصل وعدۂ خداوندی صرف اس قدر تھا اور اس کے علاوہ نبی کی دلی تمنا اور آرزو تھی جو اس کے ساتھ مل گئی تھی کوئی خبر اور پیش گوئی نہ تھی، اللہ تعالیٰ وحی نازل کر کے اصل وعدہ اور اصل حکم کو نبی کی طبعی آرزو سے جدا اور الگ کر دیتا ہے تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں اس سے اللہ کی بات کی مضبوطی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ ہو بہو پوری ہوا اور بلاشبہ اللہ کی بات ضرور پوری ہو کر رہتی ہے البتہ نبی کی تمنا اور دلی آرزو کبھی کبھی پوری نہیں ہوتی اور اس سے پیغمبری میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اللہ نے پیغمبروں کو علم غیب عطا نہیں کیا۔ پیغمبر باقتضاء بشریت اپنے دل سے کچھ خیال باندھ لیتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پورا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کے ہر خیال اور آرزو کا پورا ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ناممکن اور محال ہے کہ

نبی کسی چیز کی خبر دے اور وہ غلط نکلے۔ خبر اور چیز ہے اور خیال اور آرزو اور چیز ہے آنحضرت ﷺ کی آرزو تو یہ تھی کہ سب ایمان لے آئیں مگر یہ آرزو پوری نہیں ہوئی ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۴) آپ کی دلی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئیں مگر پوری نہیں ہوئی اور یہ آیت نازل ہوگئی ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (القصص: ۵۶) رہا یہ امر کہ اس صورت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی گئی۔ سو جاننا چاہیے کہ اس آیت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہے جیسا کہ ﴿وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ (الکہف: ۶۳) میں اِنساء (بھلا دینے) کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی اور سہو ونسیان نہ عصمت کے منافی ہے نہ نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے بمقتضائے بشریت کبھی بھول چوک ہوجاتی ہے تو ادب خداوندی کی بناء پر اس کو شیطان کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

یہ تمام کلام حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہٗ کے کلام کی توضیح وتشریح ہے۔ جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حقیقت رقم سے موضح القرآن میں نکلا ہے اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمان میں لکھتے ہیں:

مترجم گوید مثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ ہجرت کردہ اند بزمینے کہ نخل بسیار دارد پس وہم بجانب یمامہ وہجر رفت درنفس الامر مدینہ بود۔ ومثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ بمکہ درآمدہ اند وحلق وقصر می کنند پس وہم آمد کہ درہماں سال ایں معنی واقع شود ودر نفس الامر بعد از سال ہائے چند متحقق شد ودر امثال ایں صورت امتحان مخلصان ومنافقان درمیان فی آید۔ واللہ علم (فتح الرحمٰن)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کی ہے کہ جہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں آپ کو خیال آیا کہ عجب نہیں کہ وہ سرزمین ہَجَر یا یمامہ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بستی مدینہ ہے جس قدر وحی آسمانی تھی وہ حق تھی اس میں سرمو تفاوت نہیں ہوا۔ البتہ آپ ﷺ کے خیال اور وہم وگمان میں فرق نکلا اور پورا نہ ہوا اور آپ ﷺ نے ہجر اور یمامہ کی بابت جو خیال فرمایا تھا وہ بھی غلط نہ تھا کیونکہ جو خواب آپ کو دکھلایا گیا تھا اس میں کسی بستی کی تعیین نہ تھی۔ صرف اس قدر تھا کہ آپ ﷺ نے ایسی بستی کی طرف ہجرت کی جہاں کھجور کے درخت بکثرت ہیں چونکہ ہجر اور یمامہ میں بھی بکثرت کھجور کے درخت تھے اس لیے آپ کا خیال اس طرف گیا کہ شاید وہ بستی ہجر یا یمامہ ہو بعد میں یہ نکلا کہ وہ بستی مدینہ منورہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بات میں کبھی فرق نہیں نکلتا اور نہ نکل سکتا ہے۔ البتہ نبی کے طبعی خیال اور دلی آرزو میں بایں معنی فرق نکل سکتا ہے کہ پوری نہ ہو اور اگر نبی کی کوئی آرزو پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ نبی بمقتضائے بشریت کبھی کوئی آرزو کرتا ہے مگر کسی حکمت غیبی سے وہ پوری نہیں ہوتی تو یہ نبوت کے منافی نہیں۔ ابتداء میں اللہ کی طرف سے جو وعدہ ہوا وہ مجمل تھا اور اجمال کی وجہ سے متعدد معانی کا اس میں احتمال تھا اللہ کی طرف سے کوئی تعیین نہ تھی۔ ایسے مجمل اور محتمل وعدہ میں نبی کا خیال اور اس کی آرزو کسی ایک معنی کی طرف چلی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اس مجمل اور محتمل سے ہماری مراد فلاں معنی ہیں۔ سو یہ نہ کوئی خطا ہے اور نہ کوئی غلطی ہے اور نہ نبوت اور عصمت کے منافی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر تمنّا سے پہلے معنی یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد ہو تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جس کو سب سے پہلے ہم نے جمہور مفسرین سے نقل کیا اور اگر تمنا سے آرزو اور دلی خواہش کے معنی مراد ہوں تو آیت

کی وہ تفسیر ہوگی جو ہم نے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما سے نقل کی اور یہ دوسری تفسیر تھی اور یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے وہ یہ ہے۔

تیسری تفسیر:

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں تمنّیٰ سے اپنی قوم کے ایمان کی حرص اور تمنا مراد ہے یعنی ہر نبی اپنی قوم کے ایمان اور ہدایت کی تمنا کرتا ہے مگر شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہے ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان شبہات کا ازالہ فرما دیتے ہیں۔

آیت ہٰذا کی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ:

ابتداء کلام میں ہم یہ بتلا چکے ہیں ہیں کہ قصۂ غرانیق علیٰ کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہیں ایک گروہ وہ ہے جو اس قصہ کو بالکل باطل اور موضوع قرار دیتا ہے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے اور گزشتہ تین تفسیریں اسی قول پر مبنی تھیں جو گزر گئیں دوسرا گروہ علماء کا وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ اگرچہ پورا صحیح نہیں مگر بالکلیہ باطل اور بے اصل بھی نہیں بلکہ فی الجملہ ثبوت رکھتا ہے۔ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اسی طرف ہے اس لیے کہ یہ قصہ متعدد اسانید سے منقول ہے اگرچہ ان میں سے بعض روایتیں مرسل ہیں اور بعض منقطع ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کچھ نہ کچھ اصل ہے اس گروہ کے نزدیک بھی آیت ہٰذا کی تفسیر میں مختلف اقوال ہو گئے ہیں جن کو امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے [1] اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی درجہ میں اس قصہ کو ثابت مانا جائے تو برتقدیر ثبوت آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو وہاں بشکل انسان شیطان بھی حاضر تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے پڑھتے ﴿وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی﴾ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت سکوت فرمایا اس لیے کہ آپ کی عادت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے شیطان نے آپ کے اس وقفہ کو غنیمت اور فرصت جانا اور آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے متصل ان الفاظ کو یعنی تلك الغرانیق العلیٰ کو پڑھ دیا۔ نیز قریش کا یہ طریقہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تو بہت شور و غل مچاتے تا کہ آپ کی قراءت کسی کو سنائی نہ دے۔ پس ایسی حالت میں شیطان نے آپ کی آواز بنا کر یہ الفاظ پڑھ دیئے جو کفار اور مشرکین شیطان کے قریب تھے انہوں نے ان الفاظ کو سُنا اور گمان کیا کہ یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھا ہے مشرکین ان الفاظ کو سُن کر خوش ہو گئے کہ آج تو ہمارے بتوں کی تعریف کی گئی اور تمام مکہ میں اس کو مشہور کر دیا اور شیطان کی یہ آواز صرف ان چند کفار نے سنی جو شیطان کے قریب تھے باقی مسلمانوں نے صرف اسی قدر سنا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پڑھ کر سنایا اس کے سوا کچھ نہیں سنا۔ مشرکین کی مشہور کردہ خبر کو جب مسلمانوں نے سُنا تو تعجب اور حیرت میں پڑ گئے کہ ہم نے تو یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں سُنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس شہرت کا علم ہوا کہ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھا ہے تو آپ بہت رنجیدہ اور غمگین ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل کیں کہ اے نبی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ جب اللہ کے پیغمبر نے خدا کی طرف سے کوئی بات بیان کی تو شیطان نے موقع پا کر وحی الٰہی کے ساتھ اپنی طرف سے کوئی بات ملا دی اور اپنی جانب سے اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیا تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر دے مگر

---

[1] قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ واما الماخذ الثانی فھو مبنی علی تسلیم الحدیث لوصح. الی قولہ. وھذا التاویل احسن ماقیل فی ھٰذا. (قرطبی ص ۸۲ ج ۱۲)

شیطان کا یہ فتنہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے جب کبھی ایسا فتنہ پیش آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کو نیست و نابود کر دیتا ہے یعنی اپنے بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اتنا حصہ القاء شیطانی ہے اور اتنا حصہ وحی ربانی اور القاء آسمانی ہے پس اس طرح وحی ربانی۔ القاء شیطانی سے جدا اور ممتاز ہو جاتی ہے اور دونوں کا فرق لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے اور اس وقتی خلط ملط اور عارضی آمیزش سے جو اشتباہ ہوا تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر مظہری ✿ ص ۳۳۹ ج ۶)

اس طرح آنحضرت ﷺ نے جب مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو شیطان نے موقع پا کر آپ کی آواز میں آواز ملا کر اس قسم کا کلام ان مشرکین کے کانوں میں ڈالا جو اس کے قریب تھے جس سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ کلام بھی آنحضرت ﷺ کی زبان سے نکلا ہے حالانکہ نفس الامر میں ایسا نہ تھا بلکہ وہ شیطان کی کاری گری تھی۔ اور شیطان کی عادت ہے کہ وہ اس قسم کے جھوٹ کے لیے موقع کا متلاشی رہتا ہے اور انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر کفار کی مجالس میں حاضر ہوتا ہے۔ اور ان کو مشورے دیتا ہے۔ مثلاً مشرکین دار الندوہ میں حضور پُرنور ﷺ کے قتل کے مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو شیطان شیخ نجدی کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کو مشورہ دیا۔

اور اسی طرح جب قریش جنگ بدر میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو اس موقع پر شیطان سراقۃ بن مالک کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کو غلبہ اور کامیابی کا اطمینان دلایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ﴾ (الانفال: ۴۸) اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں آپ کی قراءت کے وقت شیطان کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا ہو اور وہاں بیٹھ کر یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ (دیکھو حاشیۂ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۹۰ ج ۳)

غرض یہ کہ یہ الفاظ حضور پُرنور ﷺ نے ہرگز ہرگز اپنی زبان مبارک سے نہیں پڑھے بلکہ حضور ﷺ کو تو اس کا علم بلکہ تصور بھی نہ تھا شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیئے جن کو کفار نے سن کر مشہور کر دیا جو فتنہ کا سبب بن گیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس خبر کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلا دیا کہ یہ سب القاء شیطانی تھا وحی ربانی نہ تھی اور بتلا دیا کہ ہماری یہ قدیم عادت ہے کہ ہم شیطان کو اس قسم کے القاء پر اوّل قدرت دیتے ہیں اور بعد میں اس کا ازالہ کر دیتے ہیں اور ہمارا مقصود اس سے ایک قسم کا امتحان اور آزمائش ہوتا ہے جس سے سچے اور پکے ایمان والوں اور مذبذب اور کچے ایمان والوں کا حال ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اے نبی آپ ﷺ اس سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ حضرات اہل علم تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۱۲۔ اور احکام القرآن لابن العربی ص ۲۹۱ ج ۳۔ اور احکام القرآن للجصاص ص ۲۴۷ ج ۳ اور حاشیہ شیخ زادہ ✿ علی تفسیر البیضاوی ص ۸۹ ج ۳ ضرور دیکھیں۔

✿ قال القاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ تعالیٰ قال بعضهم ان الرسول لم یقرأه ولا سمع منه اصحابه ولکن الشیطان القی ذالك بین قراءته فی اسماء المشرکین فظن المشرکون ان الرسول ﷺ قرأه اوجرٰی علی لسانه... وهو یخل بالوثوق بالقراٰن. قلنا قد تکفل اللہ اثوق بقوله فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ای یبطله ویظهر علی الناس انه من القاء الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیاته ای یثبته او یحفظها من لحوق الزیادة من الشیطان. (کذا فی التفسیر المظهری ص ۳۳۹ ج ۶)

✿ قال البیضاوی وهو (ای ما روی عن قصّة الغرانیق) مردود عند المحققین وان صح فابتلاء یتمیز به الثابت علی الایمان من المتزلزل فیه وقال ابن الشیخ والظاهر ان مبنی الصحة ان یتکلم به الشیطان عند سکوته علیه السلام بعد قوله وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی فانه اقرب الاحتمالات المذکورة الی الصحة فیکون المعنی ما من رسول ولا نبی قبلك الا امکن الشیطان ان یلقی فی قراءتهم مثل ما القی فی قراءتك عند ما تمنیت فلا تهتم لذالك فانا نجعل ذالك لاضلال قوم وهدایة اٰخرین بین الثابت علی الایمان والمتزلزل فیه انتهٰی کلام شیخ زادہ حاشیة البیضاوی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو مسلک ہیں ایک مسلک تو جمہور علماء کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصۂ مذکورہ بالکل باطل ہے، اوّل کی تین تفسیریں اس مسلک پر مبنی ہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں کچھ اصلیت اور ثبوت رکھتا ہے۔ اس دوسرے مسلک کی بناء پر صرف ایک تفسیر ہے جس کو قاضی ابوبکر بن عربی اور قرطبی اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہم نے اس عنوان سے ذکر کیا کہ اگر بالفرض والتقدیر کثرت طرق اور اسانید پر نظر کر کے اس واقعہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے جو ہم ان حضرات سے نقل کر چکے ہیں اس تفسیر سے اگرچہ پورے اشکالات دور نہ ہوں گے مگر ان شاء اللہ تعالیٰ اکثر اشکالات تو ضرور دور ہو جائیں گے اور امام قرطبی اور قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہما نے یہی فرمایا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اس قصہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو آیت کی اس طرح تفسیر کی جائے تاکہ کوئی اشکال لازم نہ آئے۔

دوسری اور تیسری تفسیر:

جن لوگوں نے اس قصہ کو بدرجۂ مجبوری کسی درجہ میں ثابت مانا تو بعض نے اس قصہ کی یہ تاویل کی ہے کہ غرانیق علیٰ سے ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ بت مراد نہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں حرف استفہام مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے قریش کیا یہ غرانیق جو تمہارے نزدیک بڑے عالی مرتبہ ہیں کیا ان سے کسی شفاعت کی اُمید کی جاسکتی ہے ہرگز نہیں، مگر یہ دونوں قول سراسر تکلف ہیں جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

تتمہ بیان سابق:

اب اس کے بعد آئندہ آیات بیان سابق کا تتمہ ہیں جن میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار مجادلین اور معاجزین ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں شک کرتے رہیں گے اور آپ سے مجادلہ کرتے رہیں گے اور ابطال آیات کی سعی کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے یا ان کو موت آجائے اس لیے فرماتے ہیں اور ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے قرآن کی طرف سے یا القاء شیطانی کی وجہ سے شک * اور شبہ ہی میں یا ہمیشہ جدال و خصام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ آپہنچے ان پر ناگہانی قیامت کبریٰ یا قیامت صغریٰ یعنی ان پر موت آجائے یا آپہنچے ان پر ایک منحوس دن کی آفت منحوس دن سے جنگ بدر کا دن مراد ہے یا قحط کا زمانہ مراد ہے۔ عقیم اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ گویا کہ وہ دن بانجھ عورتوں کی طرح ہے جو کسی خیر اور بھلائی کو نہیں جنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ معاجزین اور معاندین اپنے کفر اور عناد اور جدال و خصام پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ بغیر مشاہدۂ عذاب کے کفر اور عناد سے باز نہ آئیں گے مگر اس وقت کا باز آنا نفع نہ دے گا۔ اس دن یعنی قیامت کے دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی یعنی آج تو بادشاہوں کو اپنی سلطنت اور بادشاہت کا دعویٰ ہے مگر اس روز سوائے خدا کی بادشاہت اور حکومت کے کسی کی حکومت کا ظاہری اور مجازی طور پر بھی نام و نشان نہ رہے گا۔ اور بادشاہ حقیقی کی حکومت سے سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس دن وہ بادشاہ حقیقی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ ان دو فریق کے حق میں ہوگا۔ جن کی تفصیل آئندہ آیت میں ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں آرام سے ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لیے ذلّت و خواری کا عذاب ہوگا۔ اس روز لوگوں کے

---

* اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿مِرْيَةٌ﴾ کے دو معنی آتے ہیں ایک شک اور شبہ کے اور دوسرے معنی مراء اور جدال کے یعنی مجادلہ اور مخاصمت کے آتے ہیں۔ آیت میں ہر معنی صحیح اور درست ہے۔ واللہ اعلم

درمیان اس طرح فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جن متکبرین نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا سو ان کے استکبار کے مقابلہ میں ان کو ذلت وخواری کا عذاب دیا جائے گا۔ حق اور اہل حق کے ذلیل کرنے والے اس دن ذلیل اور رسوا ہوں گے۔

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ
اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں، پھر مارے گئے یا مر گئے پھر البتہ اُن کو دے گا
اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ
اللہ روزی خاصی۔ اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دیتا۔ البتہ پہنچا دے گا اُن کو
مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ
ایک جگہ جس کو وہ پسند کریں گے اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا۔ یہ سُن چکے! اور جس نے
عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ
بدلا دیا جیسا اس سے کیا تھا، پھر اس پر کوئی زیادتی کرے تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ۔ بیشک
اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ
اللہ درگزر کرتا ہے بخشتا۔ یہ اس واسطے کہ اللہ پیٹھاتا (داخل کرتا) ہے رات کو دن میں اور
يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ
دن کو رات میں اور اللہ سُنتا ہے دیکھتا۔ یہ اس واسطے کہ
اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ
اللہ وہی ہے صحیح اور جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا وہی ہے غلط، اور اللہ
هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾
وہی ہے اُوپر بڑا۔

بشارت مہاجرین ومجاہدین ونعمائے آخرت ووعدۂ فتح ونصرت وتنبیہ بر کمال قدرت وحکمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . . . الٰی . . . وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں عام مؤمنین صالحین کی فضیلت بیان فرمائی ان آیات میں خاص مہاجرین ومجاہدین کی فضیلت بیان فرماتے ہیں آیت مذکورہ بالا ﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾ میں مہاجرین کو جہاد کی اجازت اور فتح و نصرت کی بشارت سناتے ہیں کہ ہم دُنیا میں بھی ان مہاجرین کی ضرور مدد کریں گے اس لیے کہ یہ مظلوم ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ لوگوں کو چاہیے کہ ان مہاجرین اور مجاہدین کی بے سروسامانی کی طرف نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی قدرت کی طرف نظر کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ جیسا کہ وہ گزشتہ آیت میں بتلا چکا ہے ﴿ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور خدا کے لیے اپنے اہل وعیال کو اور خویش واقارب کو اور اپنے گھر کو اور وطن کو چھوڑا جن کا ذکر گزشتہ آیت ﴿ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ ﴾ میں ہو چکا ہے پھر وہ لوگ جہاد میں قتل اور شہید ہوئے یا ویسے ہی اپنی موت سے مر گئے بے شک اللہ تعالیٰ ان کو متروکہ اموال کے بدلہ میں ایک عمدہ رزق دیگا اور بے شک اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے وہ ہر جگہ بہتر سے بہتر روزی دینے پر قادر ہے اور متروکہ مکانات کے بدلہ میں البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کو ایسے مقام میں پہنچا دے گا جس کو یہ لوگ نہایت پسند کریں گے اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ گزری ہوں گی اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں کتنی مشقت برداشت کی اور وہ بڑا بردبار ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا یہ بات [1] تو ہوگئی اب دوسری سنو اور وہ یہ ہے کہ جس مظلوم نے ظالم سے اپنا بدلہ لے لیا بمقدار اس کے کہ جتنی اس پر تعدی اور زیادتی کی گئی تھی کہ صرف اس قدر بدلہ لیا کہ جس قدر اس پر ظلم اور زیادتی کی گئی تھی یعنی اس مظلوم نے اپنا واجبی بدلہ لیا۔ بدلہ لینے میں اس نے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی اس طرح دونوں برابر برابر ہو گئے پھر اس مظلوم پر اس ظالم دشمن کی طرف سے ازسرنو دوبارہ زیادتی کی گئی یعنی وہ ظالم پھر بھی اپنے ظلم سے باز نہ آیا اور دوبارہ اس نے اس پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد کرے گا اور اب کی بار ظالم کو گزشتہ کی طرح مہلت نہ دے گا اس لیے کہ یہ مظلوم پہلی بار بھی مظلوم تھا اور اب دوبارہ پھر مظلوم ہوا۔ اور اس نے انتقام لینے میں کوئی ظلم اور زیادتی نہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد کرے گا اور ایسی مدد کرے گا کہ ظالم سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا۔

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یعنی مظلوم کو ظالم سے انتقام لینے کی جو اجازت دی گئی تھی اس میں مماثلت کی قید تھی لیکن بعض اوقات باوجود حتی الامکان کوشش کے انتقام میں مماثلت نہیں رہتی بلکہ سہواً اور نسیاناً کچھ زیادتی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے والا ہے ایسی غفلت پر اللہ کی طرف سے مؤاخذہ نہیں اور نہ اس کی وجہ سے وعدۂ نصرت میں کوئی خلل پڑتا ہے ایسی کوتاہی معاف ہے۔

یہ مظلوم کی مدد اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے اور منجملہ اس کی قدرت کے یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے حالانکہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس وہ اپنی قدرت سے کسی کو غلبہ دیتا ہے اور کسی کو پست کرتا

---

[1] قال الزجاج ای الامر ماقصصنا علیك من انجاز الوعد للمهاجرین الّذین قتلوا او ماتوا تفسیر کبیر ص ۲۰۰ ج ۶۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ذالك کے معنی یہ ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو ہم نے بیان کر دی کہ خاص مہاجرین کے لیے ہم نے جو وعدہ کیا ہے اس کو ضرور پورا کریں گے خواہ وہ جہاد میں شہید ہوں یا اپنی موت سے مریں مطلب یہ ہے کہ ذالک خبر ہے مبتداء محذوف کی اور مابعد کا کلام کلام مستانف ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ذالك کو مبتدا بنایا جائے اور خبر محذوف مانی جائے۔

ہے۔ پس اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بندوں میں سے جس کو چاہے زیر وزبر کرے اور بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے وہ سب کی آوازیں سن سکتا ہے اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ ظالم اور مظلوم سب اس کی نظروں کے سامنے ہیں یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خدائے برحق ہی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت اور مشیت میں مزاحمت کر سکے اور یہ بے عقل جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہیں یعنی جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں وہ سب غلط ہے وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور اللہ وہی ہے جو بلند اور برتر ہے اور سب اس کے سامنے ذلیل اور حقیر ہیں وہ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے یہ شان تو اللہ ہی کی ہے بتوں میں یہ قدرت کہاں ہے اور اللہ اس پر قادر ہے کہ حق کو بلند کرے اور باطل کو پست کرے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ

تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر صبح کو زمین ہو جاتی ہے سبز۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۚ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ

بیشک اللہ چھپی تدبیریں جانتا ہے خبردار۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اور

اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۧ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ع ۸/۱۵

اللہ وہی ہے بے پروا سب خوبیوں سراہا۔ تو نے نہ دیکھا؟ کہ اللہ نے بس میں دیا تمہارے جو کچھ ہے زمین میں

وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ

اور کشتی چلتی دریا میں اس کے حکم سے اور تھام رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے

عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾

زمین پر، مگر اس کے حکم سے مقرر اللہ لوگوں پر نرمی کرتا ہے مہربان۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ

اور اسی نے تم کو جلایا، پھر مارتا ہے، پھر جلاوے گا۔ بیشک انسان

لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

ناشکر ہے۔

بیان بعض دلائل کمال قدرت وحکمت بالغہ وکمال تسخیر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً . . . الی . . . اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ﴿٦٦﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی اپنی کمال قدرت اور کمال حکمت اور کمال تسخیر کے کچھ دلائل بیان کرتے ہیں جو چھ ہیں اور وہ چھ دلائلِ قدرت بھی ہیں اور دلائل نعمت بھی۔

دلیل اوّل: ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ﴿٦٣﴾ ﴾

اے مخاطب تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین سرسبز اور تروتازہ ہوجاتی ہے یعنی ہر قسم کے نباتات اُگاتی ہے بیشک اللہ بڑا مہربان ہے کہ اس نے بندوں کی زندگی کا سامان اُگایا اور بیشک وہ خبردار ہے بندوں کا حال اور اُن کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے یہ سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ یہ سارا کارخانہ اس کی مشیت سے چل رہا ہے جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ پس اس سے تم اس کی معرفت حاصل کرو۔

دلیل دوم: ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِيُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿٦٤﴾ ﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور سب اسی کے قبضہ قدرت میں مقہور اور مسخر ہیں اور اس کے زندہ رکھنے سے زندہ ہیں اور اسی کے حرکت دینے سے متحرک ہیں اور اسی کے ساکن رکھنے سے ساکن ہیں اور بیشک اللہ ہی سب سے بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں اور ہر شان میں اور ہر آن میں وہی مستحق حمد وستائش ہے اسے اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور ان کو غلبہ دینا کیا مشکل ہے۔

دلیل سوم: ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي الۡاَرۡضِ ﴾

اے منکر توحید کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے کہ جس طرح چاہو اس میں تصرّف کرو اور اس سے منافع حاصل کرو ایک ضعیف البنیان انسان کو اتنی بڑی زمین اور اس کی چیزوں میں تصرف کرنے کی قدرت آخر کس نے دی پس جس ذات نے اس کرۂ ارضی کو تمہارے بس میں کر دیا وہی تمہارا خدا ہے۔

دلیل چہارم: ﴿ وَالۡفُلۡكَ تَجۡرِيۡ فِي الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ؕ ﴾

اور اس خدا نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہے یہ بھی اس کی نعمت ہے اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل پنجم: ﴿ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿٦٥﴾ ﴾

اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ وہ آسمان جیسے عظیم کو تھامے ہوئے ہے اور زمین پر گرنے سے اس کو روکے ہوئے ہے اور اسی کی مشیت سے وہ اپنے مقام پر قائم ہے زمین پر گرتا نہیں مگر یہ کہ اس کا حکم ہوجائے تو فوراً گر پڑے اور بندے ہلاک ہوجائیں۔ دیکھو یہ اللہ کی کیسی رحمت ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ قیامت کے دن یہ زمین وآسمان سب لپیٹ دیئے جائیں گے۔

دلیل ششم: ﴿وَهُوَ الَّذِیٓ اَحْیَاکُمْ ۫ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾﴾
اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو زندگی بخشی اور عدم کے بعد تم کو وجود عطا کیا اور تم میں جان ڈالی پھر جب تمہاری اَجل آجائے گی تو تم کو موت دے گا اور دن رات تم اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو کہ اس عالم میں اب کوئی آرہا ہے اور کوئی جارہا ہے پھر قیامت میں تم سب کو جزا سزا کے لیے زندہ کرے گا پس سمجھ لو کہ وہ موت اور حیات اور وجود اور عدم کا مالک ہے۔ پس اس کی قدرت پر نظر کرو اور جہالت اور حماقت سے قیامت کا انکار نہ کرو۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے کہ اس کو اس قدر کثیر نعمتیں دی ہیں مگر وہ ہماری ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور ہمارا احسان نہیں مانتا اور ہماری الوہیت اور وحدانیت کا قائل نہیں ہوتا۔

لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا هُمْ نَاسِکُوْهُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ
ہر فرقے کو ہم نے ٹھہرا دی ہے ایک راہ بندگی کی کہ وہ اس طرح کرتے ہیں بندگی، سو چاہیے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں

وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ ؕ اِنَّکَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْکَ
اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بیشک تو ہے سیدھی راہ سوجھا۔ اور اگر جھگڑنے لگیں تو تُو

فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
کہہ، اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اللہ چکوتی کریگا تم میں قیامت کے دن

فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی
جس چیز میں تم کئی راہ تھے۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں؟ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿٧٠﴾
آسمان وزمین میں۔ یہ ہے لکھا کتاب میں۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ
اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا جس کی سند نہیں اتاری اس نے۔ اور جس کی خبر نہیں

لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿٧١﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ
اُن کو۔ اور بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار۔ اور جب سنایئے ان کو

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ

ہماری آیتیں صاف تو پہچانے منکروں کے منہ بری شکل۔ نزدیک ہوتے ہیں کہ

يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ

دوڑ پڑیں ان پر جو پڑھتے ہیں ان کے پاس ہماری آیتیں تو کہہ، میں تم کو بتاؤں ایک چیز اس سے بری۔

ع ۹/۱۶
مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾

وہ آگ ہے۔ اس کا وعدہ دیا ہے اللہ نے منکروں کو۔ اور بہت بری ہے پھر جانے کی جگہ۔

تہدید مجادلین دربارۂ احکام شریعت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا... الی... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں ہر اُمت کو ایک خاص شریعت عطاء کی گئی جو اس زمانے کے مناسب تھی اور اب اخیر میں آپ کو یہ شریعت عطاء کی گئی تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت میں حق تھیں اور واجب الاتباع تھیں اب اخیر زمانہ میں یہ شریعت کاملہ ہے جو آخری شریعت ہے سب پر اس کا اتباع واجب ہے کسی کو اس میں مجادلہ اور منازعت کا حق نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک شریعت اور بندگی کی ایک راہ مقرر کر دی جس پر وہ چلتے ہیں اسی طرح ہم نے آپ کو ایک شریعت عطاء کی پس لوگوں کو چاہیے کہ دین کی کسی بات میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور اس طمع میں نہ پڑیں کہ آپ ﷺ کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اپنی جگہ سے آپ ﷺ کو پھسلا دیں بلکہ چاہیے کہ آپ کی شریعت کی پیروی کریں اور آپ ﷺ ان کی منازعت کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ ﷺ حق پر ہیں اور آپؐ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ پس آپؐ اپنے حق پر قائم رہیے اور اسی پر جمے رہیے اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف ملاطفت اور نرمی کے ساتھ دعوت دیتے رہیں۔ اور ان کی منازعت کی طرف التفات نہ کیجیے، بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں جس میں کسی طرح کی کجی نہیں توحید اور اُصول دین میں تمام انبیاء علیہم السلام متفق رہے، البتہ ہر اُمت کے لیے عبادت اور بندگی کے طریقے بدلتے رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص شریعت عطاء کی ہے جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اُصولِ دین ہمیشہ ایک ہی رہا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور آپ لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں پھر یہ لوگ آپ ﷺ سے کیوں جھگڑا لگاتے ہیں۔ توحید تو ایک مسلّم امر ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اس کا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اور اگر باوجود اس کے وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ﷺ ان کے جواب میں فقط اتنا کہہ دیجیے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اختلاف کرتے ہو اس روز تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون

حق پر ہے اور کون باطل پر۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں منسک سے شریعت اور منہاج یعنی طریقہ عبادت کے معنی مراد ہیں لفظ منسک نُسک سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ منسک سے ذبح اور قربانی کے معنی مراد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ منسک سے شریعت اور مطلق طریقۂ عبادت مراد ہے جس کے عموم میں ذبائح بھی داخل ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۰۳ ج ۶ اور روح المعانی ص ۱۷۸ ج ۱۷)

اب آئندہ آیات میں اثباتِ توحید اور ابطال شرک کے لیے اپنے کمال علم کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا علم آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے تحقیق یہ یعنی آسمان وزمین کی تمام چیزوں کا جاننا اور از روئے علم ان کا احاطہ کرنا اور لوحِ محفوظ میں ان کا ثبت کرنا اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ اللہ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود و غیر متناہی بالفعل ہے وہاں کسی دقت اور مشقت کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اب آگے مشرکین کی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی۔ بے دلیل ان کو پوجتے ہیں اور اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی بابت ان کو کوئی علم نہیں۔ یعنی محض جہالت کی بناء پر ان کی عبادت کرتے ہیں کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بناء پر نہیں کرتے غرض یہ کہ جن بتوں کو انہوں نے معبود بنایا ہوا ہے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل ہے۔

اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن ان کو عذاب سے بچا سکے یا چھڑا سکے اور ان ظالموں کے ظلم اور عناد کا حال یہ ہے کہ جب ان پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو اس کی الوہیت اور وحدانیت کی روشن دلیلیں ہوتی ہیں تو اے دیکھنے والے! تُو اس وقت ان کافروں کے چہروں میں ناگواری کو اچھی طرح پہچان لے گا اس قسم کی آیات بینات کو سنتے ہی ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور ناگواری اور ترش روئی سے بڑبڑانے لگتے ہیں اور کمال نفرت سے حال یہ ہوتا ہے کہ قریب ہوتا ہے ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں یعنی غیظ وغضب میں آکر اس کے قریب ہو جاتے ہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دیں اور یہی حالت ان کی جہالت کی واضح دلیل ہے۔ اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجیے کہ کیا میں تم کو اس سے بُری اور ناگوار چیز کی خبر نہ دوں۔ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے تو اس قرآن سے کیا ناخوش ہوتے ہو۔ ناگواری اور ناخوشی کی چیز تو وہ آگ ہے جو تمہارے لیے مہیا ہے اس ناگواری کی کچھ فکر کرو اور سوچو کہ یہ قرآن تمہارے حق میں زیادہ بُرا ہے یا وہ آگ زیادہ بُری ہے۔

⁂

يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

لوگو! ایک کہاوت کہی ہے اس کو کان رکھو۔ جن کو تم پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ

اللہ کے سوائے۔ ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں۔ اور اگر کچھ چھین لے اُن سے

الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

مکھی، چھڑا نہ سکیں وہ اس سے۔ بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ

اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اس کی قدر ہے۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔ اللہ چھانٹ لیتا ہے

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ ج

فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں۔ اللہ سنتا ہے دیکھتا۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔

بیان مثال معبودات باطلہ برائے ابطال شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ . . . الٰی . . . وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا کہ جن چیزوں کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل اور سند نہیں۔ اب ان آیات میں شرک کی شناعت اور قباحت کو اور مشرکین کی حماقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو یہ معبود بنائے ہوئے ہیں وہ چیزیں قابل عبادت نہیں۔ عبادت کے لائق تو وہ ذات ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور یہ بُت تو عاجز مطلق ہیں۔ ان میں کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں یہ تو اس قدر عاجز ہیں کہ اپنے اوپر سے مکھی دفع کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے، چنانچہ فرماتے ہیں: اے انسانو! تمہارے سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کی جاتی ہے تو اس مثال کو کان کھول کر خوب غور سے سنو۔ تحقیق جن بتوں کو تم اللہ کے سوا اپنی مدد کے لیے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ ایک نہایت حقیر و صغیر جانور ہے اگرچہ وہ سب اس کام کے لیے جمع بھی ہو جائیں اور متفق ہو کر پیدا کرنا چاہیں تو مکھی جیسی چھوٹی چیز کو بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اور پیدا کرنا تو درکنار ان کی عاجزی کا حال تو یہ ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے مشرکین اپنے بتوں پر زعفران لگاتے اور ان کے سامنے کھانے اور مٹھائیاں رکھتے تو مکھیاں جمع ہو جاتیں اور اس میں سے لے جاتیں تو یہ بُت ان مکھیوں سے بھی بدتر ہوئے اور وہ مکھیاں ان بتوں سے بہتر ہوئیں کہ وہ ان سے چھین لے جاتی ہیں اور یہ بت ان سے کچھ نہیں چھین سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں ہی ضعیف اور ناتواں ہیں۔ طالب سے عابد اور بت پرست مراد ہے اور مطلوب سے ان کا معبود یعنی بت مراد ہے افسوس کہ ان نادانوں نے اللہ کی قدر نہ جانی۔ جیسا کہ اس کا حق تھا، جہالت اور حماقت کی حد ہے کہ خالق السماوات والارض کے ساتھ ان بتوں کو معبودیت میں شریک بنالیا کہ

جو ایک مکھی کے سامنے بھی عاجز اور لاچار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور عزت والا ہے، عبادت تو اس کا حق ہے۔ قوی اور عزیز کو چھوڑ کر ایک حقیر و کمزور چیز کو خدا بنانا پرلے درجہ کی حماقت ہے اور انسانیت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ کو صحیح طور پر پہچان سکے اس لیے اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو خُدا کی ذات وصفات سے آگاہ کریں بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ محض اپنی عقل سے خدا کو پہچان سکیں، اس لیے آئندہ آیت میں نبوت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں اللہ ہی انتخاب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور اسی طرح لوگوں میں سے پیغمبروں کو اپنے پیغامات اور احکام پہنچانے کے لیے منتخب کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ پیغام پہنچانے کے لیے انتخاب کرنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اپنا پیغام دیکر ملائکہ کو انبیاء علیہم السلام کی طرف بھیجتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کی طرف بھیجتا ہے۔ پیغام لے جانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فرشتہ ہی ہو خدا کو اختیار ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ بھیجے یا بشر کے ذریعہ۔

بے شک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور وہ سمیع وبصیر خوب جانتا ہے جو ان کے روبرو اور سامنے ہے اور جو ان کے پس پشت اور پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور پیغمبروں اور تمام احوال سے اور ان کے ماضی اور حال اور استقبال سے پورا پورا باخبر ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنی رسالت کے لیے منتخب کرے ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (الانعام: ۱۲۴) اور تمام اُمور کا مرجع اللہ ہی کی ذات بابرکات ہے، ہر چیز کا اختیار اسی کو ہے اللہ کے سوا اختیار کسی کو نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا
اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۩ ﴿۷۷﴾ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ
بھلائی کرو شاید تم بھلا پاؤ۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جو چاہیے اس کی محنت
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ
اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔ دین تمہارے
اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا
باپ ابراہیم کا۔ اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان حکمبردار۔ پہلے سے اور اس قرآن
لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ
میں تا رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ

سو کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور گٹھ پکڑو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ع ۷۸

ع ۱۰/۶ ۱۷

سو خوب صاحب ہے اور خوب مددگار۔

خاتمۂ سورت بر ترغیب اعمال وتاکید اعتصام بملّت اسلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا . . . الٰى . . . وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ع ۷۸﴾

ربط: گزشتہ آیات میں شرک کا ابطال اور توحید و رسالت کا اثبات فرمایا اب ان آیات میں مسلمانوں کو اعمال خیر کی ترغیب اور دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید اکید فرماتے ہیں جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں اور اعمال خیر میں تمام خیرات وصدقات اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سب داخل ہیں بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا جو اعمال خیر میں ایک بہترین اور افضل ترین عمل ہے اور ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ دین اسلام بہت آسان دین ہے اس پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ دن رات سرگرم عبادت رہو۔ اور ملّتِ ابراہیمی پر قائم و دائم رہو اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو تاکہ مولائے برحق کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ رہے اور ملتِ ابراہیمی اور ملتِ اسلام تمام اُصول وفروع کے مجموعہ کا نام ہے اس پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مضامین کو ملتِ ابراہیمی کے اتباع کے حکم پر ختم فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! جو انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے ہماری باتوں پر ایمان لائے اگر تم ہماری رضا اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہماری عبادت اور بندگی کو اختیار کرو۔ رکوع اور سجدہ کرو اور دن رات اپنے پروردگار کی بندگی میں لگے رہو اور عبادت کے علاوہ ہر خیر اور نیکی کا کام کرو جو خدا کے نزدیک نیکی اور بھلائی ہے اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اس آیت پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ ہے اس سورت میں جو پہلا سجدہ گزرا وہ تو متفق علیہ ہے اور یہ دوسرا سجدہ مختلف فیہ ہے امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں جیسا کہ ترمذی اور ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا سورۂ حج میں دو سجدے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور جو شخص دو سجدے نہ کرے وہ اس سورت کو نہ پڑھے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت پر سجدہ نہیں۔ کیونکہ اس سجدہ کا ذکر رکوع کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا یہ سجدہ نماز کا ہے۔ تلاوت کا نہیں۔

اور اگر تم قرب اور رضا کے بلند مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو حق ہے اس کے جہاد کا۔ ظاہری دشمن یعنی کافروں اور مشرکوں سے بھی جہاد کرو اور باطنی دشمن یعنی نفس امارہ اور نفسانی خواہشوں کے لشکر سے اور شیطان کے لشکر سے بھی جہاد کرو اور ایسا جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے۔ خدائے برحق نے تم کو اپنی عبودیت اور اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب کیا ہے اور اسی لیے تم

کو منتخب کیا ہے کہ تم اس کی عبودیت اور اس کے دین کی خدمت میں اپنی جان و مال اور جدوجہد کو پانی کی طرح بہادو۔ اور خدا کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ کرو اور دین کے بارہ میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی اور سختی نہیں رکھی۔ خُدا نے تم کو کوئی حکم ایسا نہیں دیا کہ جو تمہاری طاقت سے باہر ہو اور ضرورت کے وقت تم کو رخصتیں عطا کیں جیسے سفر میں نماز کا قصر کرنا اور بیماری کی حالت میں تیمم کرنا اور سفر اور بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا غرض یہ کہ اللہ نے فرائض اور واجبات میں طرح طرح کی رخصتیں اور سہولتیں رکھی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((الدین یسر)) "دین اسلام بہت آسان ہے۔"

لہٰذا تم اپنے باپ کی ملّت کو لازم پکڑو ✿ جو نہایت آسان ہے اور حدیث میں ہے:

((بعثت مع الحنیفیة السمحة))

"میں ابراہیم علیہ السلام حنیف کی ملّت اور آسان شریعت دے کر بھیجا گیا ہوں۔"

اور ابراہیم علیہ السلام اکثر عرب کے باپ تھے اور ان کی حیات جسمانی کے سبب تھے اور ان کی ملّت جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، وہ قیامت تک کے لیے تمام عالم کی روحانی حیات کا سبب ہے اللہ تعالیٰ ✿ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے گزشتہ کتابوں میں اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور مسلم اور مسلمان کے معنی فرمانبردار اور وفادار کے ہیں تو تم کو چاہیے کہ اس نام کی لاج رکھو اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ اور سپرد کرو اور اس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دو۔ اسلام کے معنی لغت میں تسلیم کے ہیں یعنی اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دینے اور اس کے سامنے گردن ڈال دینے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور اگلی کتابوں میں تمہارا نام مسلمین اور مؤمنین اور عباد اللہ رکھا ہے۔ پس فرمانبردار بندہ بن کر دکھلاؤ تاکہ اسم با مسمیٰ کا مصداق بن سکو اور اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں تم کو یہ شرف اور امتیاز اس لیے عطا کیا تاکہ قیامت کے دن رسولِ خُدا تم پر گواہ ہوں اور تم تمام امتوں پر گواہ بنو۔ قیامت کے دن جب تمام امتیں اور ان کے رسول جمع ہوں گے تو وہ اُمتیں یہ کہیں گی کہ ہم کو پیغمبروں نے تبلیغ نہیں کی۔ پیغمبر کہیں گے کہ ہم نے ان کو تبلیغ کر دی تھی، اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے گواہ مانگے گا تو وہ اُمتِ محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے، اُمت محمدیہ گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے اُمتوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا تو اس وقت اُمتِ محمدیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ سو جواب دیں گے کہ ہم کو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی خبر دی تھی۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ اس کی تصدیق فرمائیں گے۔

پس اے مسلمانو! اللہ نے تم کو جو تمام اُمتوں میں سے منتخب کیا اور تم کو خیر الامم بنایا اور تمہارا نام ہی مسلمان رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے ایک بڑے مقدمہ میں تم کو بطور گواہ کھڑا کرنا ہے تاکہ تمہاری شہادت سے تمام اُمتوں کے مقابلہ میں تمہاری عدالت اور فضیلت ظاہر ہو۔ پس اس عزت و کرامت کی لاج رکھنا اور خدا کی فرمانبرداری اور وفاداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا۔ پس جب خدا تعالیٰ

✿ اشارہ اس طرف ہے کہ ملة ابیکم منصوب علی الاغراء یعنی الزموا مقدر کا مفعول ہے اور زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں اتبعوا ملة ابیکم ابراھیم۔ اور فراء رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی کملة ابیکم ابراھیم وغیرہ وغیرہ۔

✿ اشارہ اس طرف ہے کہ ھو سماکم کی ضمیر ھو خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔
(دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۱۰ ج ٦)

نے تم کو یہ فضل وشرف عطاء کیا ہے تو تم نماز کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھو اور زکوٰۃ وخیرات دیتے رہو اور ہر حال میں اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہی تمہارا آقا ہے سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔ لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھو اور کسی پر نظر نہ کرو۔ اس سے تعلق رکھنے والا بندہ کبھی ذلیل وخوار نہیں ہو سکتا۔ فلاح دارین کا دارومدار اس سے وابستگی اور تعلق پر ہے اس کے بعد سورۂ مؤمنین آتی ہے جس کے شروع میں ان اعمال خیر کا ذکر ہے جن سے انسان کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۸۱ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۸۲﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ روز سہ شنبہ بعد اذانِ ظہر بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور۔ سورۂ حج کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ اپنی رحمت سے بقیہ قرآن کی تفسیر بھی مکمل فرما۔ آمین یاربّ العالمین۔ اور قبول فرما۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۲۷ وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۲۸﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ مومنون

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو اٹھارہ یا ایک سو انیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کی ابتداء مومنوں کے اوصاف سے ہوئی اس لیے اس سورت کا نام مومنون ہو گیا اور یہ اوصاف در حقیقت ایمان کے اہم شعبے ہیں۔

ربط: گزشتہ سورت کے آخر میں اعمال خیر کے کرنے کا حکم مذکور تھا ﴿وَافۡعَلُوا الۡخَیۡرَ﴾ جس پر فلاح کا وعدہ فرمایا تھا ﴿لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ اب اس سورت کا آغاز فلاح سے فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ فلاح کا دارومدار ایمان اور ایمان کے شعبوں پر ہے اور گزشتہ سورت کے اخیر میں جن اعمال خیر کرنے کا حکم تھا اس سے یہی ایمان کے شعبے مراد ہیں جو ان کو بجا لائے گا وہ فلاح پائے گا۔

نیز سورۂ حج کی اس آیت ﴿فَاِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّ غَیۡرِ مُخَلَّقَۃٍ﴾ میں انسان کی پیدائش کا ذکر تھا۔ ﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ... الی اخر الآیات﴾

آیاتھا ۱۱۸ — (۲۳) سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ مَکِّیَّۃٌ (۷۴) — رکوعاتھا ۶

سورۂ مومنون مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے بڑا رحم والا

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾

کام نکال گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں نوے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾ۙ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ﴿۴﴾ۙ

اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۵﴾ۙ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا

اور جو اپنی شہوت کی جگہ تھامتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر، یا اپنے

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ

ہاتھ کے مال پر سو ان پر نہیں اُلاہنا۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے

رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ هُمُ

خبردار ہیں۔ اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں۔ وہی ہیں

الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١

میراث لینے والے۔ جو میراث پاویں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اسی میں رہ پڑے۔

صفات مؤمنین مفلحین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ ... الی ... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١﴾

ربط: گزشتہ سورت کے اخیر میں اعمال خیر کا حکم اور فلاح کی اُمید کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں مؤمنین صالحین کے لیے وقوع فلاح کی خبر دیتے ہیں کہ بلاشبہ وہ مسلمان کامیاب ہیں جن میں یہ سات صفتیں پائی جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق فلاح پائی اہل ایمان نے جس کی پہلے ہی سے اہل ایمان کو اُمید اور توقع تھی اہل ایمان سے اہل تصدیق اور اہل اطمینان مراد ہیں۔ اب اس بشارت کے بعد ان مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہیں۔

اوّل صفت خشوع:

ان میں سے پہلی صفت یہ ہے جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع اور عجز وزاری کرنے والے ہیں یعنی ان کے دل میں اللہ کی عظمت اور ہیبت اور اس کا ادب ایسا ہے کہ جس کا اثر ظاہر پر نمایاں ہوتا ہے کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو لرزاں اور ترساں ہوتے ہیں گویا کہ اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں۔

دوسری صفت اعراض عن اللغو:

اور دوسری صفت یہ ہے کہ یہ مسلمان اور اہل ایمان لغو یعنی بیکار باتوں سے اعراض کرنے والے اور مُنہ پھیرنے والے ہیں یعنی جس چیز کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہ ہو اور آخرت میں کام نہ آئے اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔

تیسری صفت اداء زکوٰۃ:

اور تیسری صفت یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے اصل زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں

شروع ہو چکی تھی۔ البتہ زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کی تعیین مدینہ پہنچ کر ہوئی۔

چوتھی صفت عفت وعصمت:

اور چوتھی صفت یہ ہے کہ جو اپنی شرمگاہوں کی ناجائز شہوت رانی سے حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی منکوحہ یا مملوکہ [1] عورتوں کے کسی اور جگہ اپنی شرمگاہوں کو استعمال نہیں کرتے سو ایسوں پر بلاشبہ کوئی ملامت اور الزام نہیں سو جس نے ان کے سوا یعنی اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے کوئی اور راہ ڈھونڈی سو ایسے ہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور عصمت اور عفت کے دائرہ سے باہر نکلنے والے ہیں کہ حلال کی حدود سے نکل کر حرام کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایسے لوگ بلاشبہ قابلِ ملامت ہیں۔ شریعت نے جب تم کو بیوی اور باندی سے قضاء حاجت کی اجازت دے دی تو ضرورت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد قضاء شہوت کے لیے کوئی راہ ڈھونڈنا جیسے زنا اور لواطت اور متعہ اور جلق اور وطی بہائم وغیرہ وغیرہ یہ سب حد سے گزرنا ہے۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ حرام ہے کیونکہ زن متعہ نہ تو بیوی ہے اور نہ لونڈی ہے بیوی تو اس لیے نہیں کہ مرد پر اس کا نان و نفقہ نہیں اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور باندی اس لیے نہیں کہ اس کی بیع و شراء اور ہبہ اور عتق صحیح نہیں اور جب زن متعہ نہ ازواج میں سے ہے اور نہ ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ سے ہے تو لامحالہ ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ میں سے ہوگی کسی عورت سے متعہ کرنا حدودِ شریعت سے تجاوز کرنا اور حلال کو چھوڑ کر حرام میں پڑنا ہوگا۔ جس کی تفصیل پارۂ پنجم کے شروع میں گزر چکی ہے۔ غرض یہ کہ متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ باندی ہے اس لیے حسبِ آیت مذکورہ لامحالہ وہ حرام ہوگی اور اسی پر تمام صحابہ و تابعین کا اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے اور اسی پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ اگر حسب زعمِ شیعہ۔ متعہ کسی قسم کا نکاح ہوتا یا کوئی خیر و برکت کی چیز ہوتی تو نکاح کی طرح متعہ کے لیے بھی دعوتی خطوط۔ اور ولیمہ وغیرہ بھی ہونا چاہیے تھا اور اعزاء اور اقارب اور احباب کو نکاح متعہ کی شرکت کے لیے مدعو کیا جاتا اور ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں آتیں اور سننے والے اس پر آمین کہتے۔ متعہ کو چھپا کر کرنا اور اس کے اعلان کو باعث ندامت سمجھنا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ متعہ شیعوں کے نزدیک بھی جرم ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔

پانچویں اور چھٹی صفت اداء امانت اور ایفائے عہد:

اور پانچویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں وہ امانت خواہ اللہ کی ہو یا بندوں کی ہو اور چھٹی صفت یہ ہے کہ جو اپنے عہد اور پیمان کی پوری رعایت اور نگہبانی کرنے والے ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے اور عہد کا پاس رکھتے ہیں عہد اور پیمان کر کے اسے توڑتے نہیں بلکہ اس پر قائم رہتے ہیں۔

آنکھ اور کان اور اعضاء اور جوارح سب اللہ کی امانتیں ہیں ان کو خلاف حکم خداوندی استعمال کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے اور شرمگاہ کو سوائے بیوی اور شرعی باندی کے دوسری جگہ استعمال کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ (الانفال: ۲۷) ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (النساء: ۵۸) ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ باندیاں مراد ہیں اگرچہ ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ کے ظاہری عموم میں غلام بھی داخل ہیں مگر وہ باجماع مراد نہیں اس لیے کہ لواطت بالاجماع حرام ہے ۱۲۔

ساتویں صفت نماز کی پابندی:

اور ساتویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی پنجگانہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی نمازوں سے غفلت نہیں کرتے بلکہ ان پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے وقت پر ان کو ادا کرتے ہیں۔ شروع کلام میں نماز کا ذکر فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ فلاح کا زیادہ تر دارومدار نماز پر ہے ایسے ہی اہل ایمان جن میں ایمان کے یہ شعبے اور یہ صفتیں جمع ہوں۔ فردوس بریں کے وارث ہوں گے جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور یہی فلاح اور کامیابی کا بلند ترین مقام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ مؤمنین مکی ہے اور شروع سورت میں جن مؤمنین مفلحین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اوّلین مصداق مہاجرین اوّلین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ

اور ہم نے بنایا ہے آدمی چُن لی مٹی سے۔ پھر رکھا اس کو

نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا

بُوند کر کر ایک جمے ٹھہراؤ میں۔ پھر بنائی اس بُوند سے پھٹکی پھر بنائی

الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

اس پھٹکی سے بوٹی، پھر اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت،

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿١٤﴾ ثُمَّ

پھر اٹھا کھڑا کیا اُس کو ایک نئی صورت میں سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانیوالا۔ پھر

اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾

تم اس کے پیچھے مرو گے۔ پھر تم قیامت کے دن کھڑے کیے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾

اور ہم نے بنائی ہیں تمہارے اوپر سات راہیں اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر، پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں اور ہم اس کو

ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ

لے جاویں تو سکتے ہیں۔ پھر اُگا دیئے تم کو اس سے باغ کھجور اور انگور کے،

لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ

تم کو ان سے میوے ہیں اور انہی میں سے کھاتے ہو۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے

طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنَّ لَكُمْ فِي

سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے تیل، اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو۔ اور تم کو

الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

چوپایوں میں دھیان کرنا ہے۔ پلاتے ہیں تم کو ان کے پیٹ کی چیز سے اور تم کو ان میں بہت فائدے

كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲۲/۱

ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو، اور ان پر اور کشتی پر لدے پھرتے ہو۔

ذکر مبدأ و معاد و دلائل توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ . . . الٰی . . . وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل سعادت اور اہل فلاح کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں ان کے مبدأ اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

ربط دیگر: کہ گزشتہ آیات میں مؤمنین مفلحین کے لیے جنّت الفردوس کا وعدہ تھا اور منکرین حشر اس بات کو نہیں مانتے تھے اس لیے آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائی پیدائش کا حال ذکر فرمایا تا کہ اس کی کمال قدرت ثابت ہو اور قیامت کے لیے دلیل بنے اور انسان کو اپنا مبدأ اور معاد معلوم ہو جائے۔

ربط دیگر: کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور بندگی کو فلاح اور کامیابی کا دار و مدار بتلایا۔ اب آئندہ آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے عابد کو اپنے معبود کی معرفت کاملہ حاصل ہو اس سلسلہ میں حق جل شانہٗ نے چار قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

اوّل: انسان کی پیدائش کو اور مختلف اطوار اور ادوار سے اس کے گزرنے کو اور پھر مرنے کے بعد اس کے دوبارہ زندہ ہونے کو بیان فرمایا۔

دوم: آسمانوں کی عجائب صنعت کو ذکر فرمایا: کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾

سوم: آسمان سے پانی نازل کرنا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾

چہارم: حیوانات مختلفۃ الاوضاع اور مختلف المنافع کا پیدا کرنا بیان کیا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً﴾ تاکہ ان دلائل سے حق تعالیٰ کی کما قدرت خوب واضح ہو جائے اور یقین کر لے کہ خدا تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

قسم اوّل: ﴿وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ ... الی ... ثُمَّ اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۶﴾﴾

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ قرار گاہ میں یعنی رحم میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا پھر اس گوشت کے ٹکڑے کو ہم نے ہڈیاں بنایا پھر ان ہڈیوں کو ہم نے گوشت کا لباس پہنایا پھر ہم نے اس میں روح پھونک کر اس کو ایک نئی صورت میں کھڑا کیا یعنی پھر ہم نے اس کو انسانی صورت و شکل عطا کی جس سے اس کی خلقت اور پیدائش ہی دوسری ہو گئی کہ روح پھونکنے سے وہ حرکت کرنے لگا اور سمجھنے لگا۔ جمادیت سے نباتیت میں داخل ہوا اور پھر نباتیت سے حیوانیت میں داخل ہوا اور پھر حیوانیت سے انسانیت میں داخل ہوا۔ ان عجیب وغریب تغیرات اور انقلابات میں ذرا غور کرو کہ دوسری حالت پہلی حالت سے بالکل مغایر ومباین ہے۔

اور پھر پیدائش کے بعد سے بڑھاپے تک جو تغیرات پیش آتے ہیں وہ سب تمہاری نظروں کے سامنے ہیں تو کیا یہ تغیرات خود بخود پیش آتے ہیں یا کسی بے شعور مادہ اور نیچر کا طبعی اقتضاء ہے یا محض کوئی اتفاقی امر ہے یہ کچھ نہیں بلکہ صرف ایک علیم وقدیر کی کاریگری اور اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔ پس بڑا ہی بزرگ ہے اللہ جو سب کاریگروں میں سب سے بہتر ہے کہ کسی صناع کی صنعت اور کاریگری اس کی صنعت اور کاریگری کو نہیں پہنچ سکتی

کہ کرد است بر آب صورت گری

اس آیت میں خالقین سے خالقِ حقیقی کے معنی مراد نہیں تاکہ یہ شبہ کیا جائے کہ خالق حقیقی متعدد ہو سکتے ہیں بلکہ خالق کے معنی صناع اور کاریگری کے ہیں۔

پھر اس پیدائش کے کچھ عرصہ بعد بلا شبہ تم مردہ ہو جاتے ہو اور تمہارا سارا حسن و جمال خاک میں مل جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس پیدائش کے بعد تمہارا انجام موت ہے، پھر تم قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے اسی مٹی سے زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ پہلی پیدائش بھی تمہاری مٹی سے ہوئی تھی اور پھر دوسری پیدائش بھی اسی مٹی سے ہوگی، پس جو ذات اجزاء نطفہ کو انسان بنانے پر قادر ہے وہ اس اجزاء منتشرہ کو جمع کر کے اس میں دوبارہ جان ڈالنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ انسان کا مبدأ ہی اس کے معاد کی دلیل ہے جو فلاسفہ حشر اجساد کو ناممکن سمجھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مبداء ہی کو نہیں سمجھے ہوئے ہیں جو ذات اجزاء نطفہ میں انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان کے اجزاء منتشرہ میں دوبارہ انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں پس جب وہ ایک مشتِ خاک اور قطرۂ منی سے ایک زندہ انسان اور متکلم انسان بنانے پر قادر ہے تو ایک زندہ اور متکلم ہستی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اور متکلم بنانا کیا مشکل ہے۔ لہٰذا جو ذات تمہاری موت اور حیات کی اور تمہارے وجود اور عدم کی مالک ہے وہی تمہارا خدا ہے جس طرح اس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح تم کو وہ دوبارہ مرنے کے بعد پیدا کرے گا۔ اور یقین رکھو کہ تم کیسے ہی توانا اور دانا

اور فلسفی اور سائنسدان بن جاؤ مگر انجام تمہارا موت ہے اور سمجھ لو کہ اس جہان کی زندگی اس جہان کی زندگی کا نمونہ ہے، سفر درپیش ہے تیاری کرلو۔ فلسفہ اور سائنس موت سے نہیں بچا سکتا۔

قسم دوم: ﴿ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ ﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر راستوں والے سات طبق پیدا کیے یعنی سات آسمان پیدا کیے ایک طبقہ کے اوپر دوسرا طبقہ جس میں فرشتوں کی آمد ورفت کی راہیں ہیں اور وہ راہیں اس قدر بلند ہیں کہ نگاہیں ان کے ادراک سے قاصر ہیں اور چونکہ آسمان زمین سے پانسومیل کے راہ پر ہے اس لیے دُور بین بھی وہاں کام نہیں دیتے اور کسی چیز کا دُور بین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس شئے کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا اور کسی چیز کا محض اس بنا پر انکار کر دینا کہ یہ چیز ہمارے دائرۂ ادراک اور احساس سے خارج ہے۔ جہالت اور حماقت ہے۔

جن چیزوں کا انسان ادراک کر سکا وہ محدود اور قلیل مقدار میں ہیں اور جن چیزوں تک انسان کی رسائی نہیں ہوئی وہ غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور محدود تجربہ کی بنا پر غیر محدود چیزوں پر حکم لگانا یہ غیر محدود جہالت اور غیر متناہی حماقت کی دلیل ہے۔

اور ہم اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر نہیں آسمان اور زمین کا کوئی حال ہم سے پوشیدہ نہیں یہ تمام کائنات اس کے علم اور قدرت سے قائم اور محفوظ ہیں یہ سب ہماری مخلوق ہے ہم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

قسم سوم: ﴿ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ... الی ... وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ ﴾

اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا تا کہ وہ پانی تمہاری حیات اور زندگی کا سامان بنے اور جس طرح ہم اس پانی کے نازل کرنے پر قادر ہیں بلاشبہ اسی طرح ہم اس پانی کے لے جانے پر بھی قادر ہیں کہ زمین کو خشک اور بنجر بنا دیں۔ اور تم پیاسے مرجاؤ پھر ہم نے اپنے اس نازل کردہ پانی سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ تمہارے لیے ان باغات میں کھجوروں اور انگور کے علاوہ اور بھی بہت سے میوے ہیں۔ جن سے تم لذت حاصل کرتے رہو، اور ان باغات میں سے کھاتے بھی ہو اور ہم نے اسی پانی سے تمہارے لیے زیتون کا درخت پیدا کیا جو طور سیناء سے بکثرت اُگتا ہے جو تیل کو اور کھانے والوں کے لیے سالن کو لے کر اُگتا ہے۔ وہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن نکلتا ہے جو سینہ کے امراض کے لیے غایت درجہ مفید ہے اور کھانے والوں کے لیے وہ سالن کا کام دیتا ہے یہ بڑا مبارک درخت ہے جس کے منافع کثیر ہیں اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔

قسم چہارم: ﴿ وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ... الی ... وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴾

نباتات کے بعد حیوانات میں اپنی قدرت اور اپنی نعمت کا ذکر کرتے ہیں کہ تم ان کے گوشت اور پوست اور ان کے دودھ سے اور ان کی سواری سے نفع اٹھاتے ہو ان نعمتوں سے اپنے منعم حقیقی کو پہچانو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے لوگو! تحقیق ان چوپایوں میں تمہارے لیے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان ہے اگر تم ان میں غور وفکر کرو تو خدا کی قدرت کو اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو ہم ان کے پیٹوں میں سے جو خالص دودھ نکالتے ہیں اس میں سے ہم تم کو پلاتے ہیں خدا کی عجیب قدرت ہے کہ وہ خدا فَرث اور دَم یعنی گوبر اور خون کے

درمیان سے تمہارے لیے ایک نہایت خوش ذائقہ اور خوشگوار اور لذیذ غذا نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی یعنی دودھ جو تمہاری غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے سوائے خدا تعالیٰ کے کون ایسا کر سکتا ہے (اس مضمون کی زیادہ تفسیر سورۂ نحل میں گزر چکی ہے) اور اس کے علاوہ اور بھی تمہارے لیے ان چوپایوں میں بہت سے فوائد ہیں۔ ان کے گھی اور مکھن اور صوف اور اون وغیرہ تمہارے کام آتے ہیں اور یہ جانور تمہاری زراعت میں کام دیتے ہیں اور ان میں سے بعض جانوروں کو تم کھاتے ہو یعنی ان کا گوشت کھاتے ہو اور خشکی میں تم ان جانوروں پر سوار ہوتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو اور تری میں تم کشتیوں پر لدے لدے پھرتے ہو، اور ان پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہو، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

اب آگے کشتی کی مناسبت سے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جن سے کشتی کی صنعت کا آغاز ہوا اور اس کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن میں یہ بات بتلاتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین توحید اور مکذبین رسل کا کیا انجام ہوا لہٰذا ان کے واقعات سے عبرت پکڑو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس تو اُس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

حاکم نہیں اس کے سوا۔ کیا تم کو ڈر نہیں؟ تب بولے سردار جو منکر تھے

مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ

اس کی قوم کے یہ کیا ہے، ایک آدمی ہے جیسے تم، چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ ۚ

اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے۔ ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک۔ بولا اے رب!

انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو۔ کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے

وَ وَحۡيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ

اور ہمارے حکم سے، پھر جب پہنچے ہمارا حکم، اور اُبلے تنور تو تُو ڈال لے اس میں ہر چیز کا

زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَ اَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ ۚ وَ لَا

جوڑا دوہرا، اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس کی قسمت میں آگے پڑ چکی بات۔ اور نہ

تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسۡتَوَيۡتَ

کہہ مجھ سے ان ظالموں کے واسطے ان کو ڈوبنا ہے۔ پھر جب چڑھ چکے

اَنۡتَ وَمَنۡ مَّعَكَ عَلَى الۡـفُلۡكِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ نَجّٰنَا مِنَ

تُو، اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو

الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ

گنہگار لوگوں سے۔ اور کہہ اے رب اتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تُو ہے

خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ﴿۳۰﴾

بہتر اتارنے والا۔ اس میں نشانیاں ہیں، اور ہم ہیں جانچنے والے۔

قصۂ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ ... الٰی ... وَّاِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ﴿۳۰﴾﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جو عبادت کا مستحق ہو اس لیے کہ وہی تمہارا خالق ہے کیا پس تم ڈرتے نہیں کہ اپنے خالق کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کرتے ہو کہیں وہ خالق تم کو تباہ نہ کر دے۔ اس پر اس کی قوم کے سرداروں اور صاحب ثروت لوگوں نے عام لوگوں سے یہ کہا نہیں ہے یہ شخص جو تم کو توحید کی طرف بلاتا ہے مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے پیغمبری کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سردار بن کر تم کو اپنا تابع اور محکوم بنائے اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنے پیغام بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا۔ علاوہ ازیں یہ انوکھی بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی کہ آدمی بھی مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں صرف ایک آدمی ہے جس کو جنون آ گیا ہے، ساری دنیا کے خلاف یہ کہتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے سوا ایک

وقت تک انتظار کرو۔ یا تو مر جائے اور قصہ ختم ہو یا جنون سے ہوش میں آ جائے۔ نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت اور نصیحت کارگر نہیں ہوئی اور اسی کشمکش میں نو سو سال گزر گئے تو ان کے ایمان سے مایوس ہو کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے میرے پروردگار میری مدد کیجیے اور میرا بدلہ لے لیجیے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں یعنی ان کو غارت کر کہ میرے جھٹلانے کی سزا پائیں پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان پر وحی نازل کی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ کہ اب عنقریب طوفان آنے والا ہے۔ لہٰذا ایک کشتی تیار کر و تاکہ تم اور تمہارے متبعین اس کشتی میں سوار ہو کر غرق سے نجات پائیں۔ پس جب ہمارا حکم عذاب کے متعلق آ پہنچے تو تنور جوش میں آ جائے، یعنی تنور میں سے پانی اُبلنے لگے تو اس وقت اس کشتی میں ہر قسم کے حیوانات سے ایک جوڑا یعنی نر و مادہ دو عدد بٹھلا لینا جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو مگر ان گھر والوں میں سے جس کی بابت اس کے کفر کے باعث ڈوبنے کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اس کو سوار مت کرو۔ اشارہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان اور اس کی بیوی کی طرف ہے جو باوجود سمجھانے کے کفر پر قائم رہے اور یہ بھی سن لو کہ مجھ سے ان لوگوں کے بارہ میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر کیا ان کی نجات کے بارہ میں کوئی حرف سفارش کا زبان پر نہ لانا تحقیق یہ لوگ ضرور غرق کیے جائیں گے۔ ان کافروں کے لیے نجات کی دعا نہ کرنا ممکن ہے کہ ان کی ہلاکت کو دیکھ کر بمقتضائے شفقت و رحمت آپ علیہ السلام ان کے لیے دُعا مانگنے لگیں تو ایسا نہ کرنا یہ لوگ دریائے ضلالت میں تو پہلے ہی غرق ہو چکے ہیں اب وقت آ گیا کہ ان کو دریائے ہلاکت میں بھی غرق کر دیا جائے۔ پھر جب عذاب الٰہی کے ظہور کے وقت تو اور جو ایمان والے تیرے ساتھ ہیں۔ اطمینان کے ساتھ سب کشتی میں سوار ہو جائیں تو اللہ کا شکر بجا لانا اور یہ کہنا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے کہ ان کے درمیان سے ہم کو نکال لیا، کافروں کے درمیان میں رہنا ایک مصیبت ہے اور خدا کے دشمنوں سے علیحدہ ہو جانا اللہ کی عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔

با محباں باش دائم ہمنشیں

تا توانی روئے اعدا را مبیں

حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب و احباب طوفان آنے سے پہلے ہی باطنی طور پر ایمان اور اعتقاد صحیح کے کشتی پر سوار ہو چکے تھے اس لیے صرف اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اے نوح علیہ السلام یہ دعا تو ہم نے تم کو کشتی پر سوار ہونے کے وقت بتلائی تھی اور اب جب تم کشتی سے اُترنے لگو تو یہ کہنا اے میرے پروردگار مجھے کشتی سے زمین پر اتار مبارک اُتارنا، یعنی اُترنا بھی برکت کے ساتھ ہو اور جس جگہ اتروں وہ بھی برکت والی ہو۔ نزول بھی بابرکت ہو اور منزل بھی بابرکت ہو اور اے پروردگار تُو تو سب سے بہتر اتارنے والا اور ٹھکانا دینے والا ہے، آپ کی مہمانی میں داخل ہونے کے بعد تو کوئی خطرہ ہی نہیں بیشک نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں اور اس معاملہ میں جو قوم نوح علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم تو امتحان کرنے والے تھے، اس تمام ماجرے سے مقصود امتحان اور آزمائش تھا۔ سو دکھلا دیا کہ ایمان اور کفر کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، ایمان نجات کی کشتی ہے اور کفر ہلاکت کا طوفان اور سیلاب ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ ج فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا

پھر اٹھائی ہم نے ان سے پیچھے ایک سنگت اور پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول

مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۲/۱۰

اُن میں کا کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا، پھر کیا تم کو ڈر نہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ

اور بولے سردار اس کی قوم کے جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو۔ اور

اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا

آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کے جیتے۔ اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے

تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ صلے وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ

تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔ اور کبھی تم چلے کہے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ لا اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا

تو تم بیشک خراب ہوئے۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر گئے اور ہو گئے مٹی

وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ صلے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ صلے

اور ہڈیاں، کہ تم کو نکالنا ہے۔ کہاں ہو سکتا ہے، کہاں ہو سکتا ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے؟

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ صلے

اور کچھ نہیں، یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے۔ باندھ لایا اللہ پر جھوٹ اور ہم اس کو نہیں ماننے والے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ

بولا اے رب! میری مدد کر، کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جائیں گے

نٰدِمِيْنَ ۝۴۰ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا	
پچھتاتے۔ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑنے، تحقیق پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا۔ سو دُور ہو جاویں	
لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱	
گنہگار لوگ۔	

قصہ قوم عاد یا قوم ثمود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۳۱ ... الٰی ... فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱﴾

ربط: ان آیات میں بھی امم سابقہ کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر ان آیات میں اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ کس نبی اور کس قوم کا ذکر ہے بعض کہتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود کا ذکر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ یہ قصے پہلے گزر چکے ہیں جن کے مطالب واضح ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: پھر ہم نے قوم نوح علیہ السلام کے بعد ابتلاء اور آزمائش کے لیے دوسری قوم کو پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قوم عاد مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود مراد ہے پھر ہم نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہود علیہ السلام مراد ہیں یا صالح علیہ السلام مراد ہیں۔ اور بدیں حکم بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں پس کیا شرک کر کے تم کو ڈر نہیں کہ تم پر اللہ کا کوئی عذاب آجاوے، یہ تو اللہ کے رسول نے ان کو ہدایت اور نصیحت کی۔ اب آگے ان کی قوم کا جواب مذکور ہوتا ہے اور ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات یعنی حشر و نشر کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دولت و ثروت دے کر دنیاوی زندگانی کے عیش و عشرت میں ایسا غرق کر دیا تھا کہ اترانے لگے تھے۔ تو ان متکبرین نے اپنے رسول کی بات سُن کر یہ کہا کہ نہیں ہے یہ شخص مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے جس چیز سے تم کھاتے ہو اس سے یہ کھاتا ہے اور جس سے تم پیتے ہو اسی سے یہ پیتا ہے یہ شخص تم سے کس بات میں بڑھا ہوا ہے جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور اگر تم اپنے جیسے آدمی کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے تو ایسی حالت میں بلاشبہ تم بڑے گھاٹے میں رہو گے یہ ان کافروں کی حماقت تھی کہ آخر دنیا کے حاکم اور سردار بھی تو تمہاری ہی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، پھر کیوں ان کی اطاعت کرتے ہو۔ اور اس سے بڑھ کر حماقت یہ کہ اپنے جیسے بشر کی اطاعت کو تو عیب جانا اور شجر اور حجر اور بت کی عبادت کو عیب نہ جانا جو اپنے سے مکھی کو بھی دفع نہیں کر سکتے۔ اپنے سے بدتر پتھروں کے بندے بننے میں تو عار نہ آئی اور بشر کو رسول ماننے سے عار آئی اور باوجود آیات بینات کے دیکھنے کے دل ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہ بات تو کافروں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق کہی کہ اپنے جیسے معمولی آدمی کو اپنا مخدوم اور مطاع بنا لینا بری ذلت ہے، اب آگے قیامت کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ کیا یہ پیغمبر تم کو اس کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو تم حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے بہت بعید ہے۔ بہت بعید ہے وہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے قیامت کا قائم ہونا اور مُردوں کا قبروں سے اٹھنا بعید از عقل و امکان ہے جس کا وقوع کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہے کوئی زندگی مگر یہی ہماری دنیاوی زندگی قدیم سے اسی طرح سلسلہ جاری ہے کہ ہم

مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اور ہم نہیں ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں یہ شخص تو کچھ بھی نہیں مگر ایک آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی دوبارہ زندہ ہوگا۔ یہ سب جھوٹ ہے اور ہم تو ہرگز اس بات کو ماننے والے نہیں اور ہمیں اس شخص کی خبر کا بالکل یقین نہیں۔ اس پر رسول نے کہا: اے میرے پروردگار! ان کی تکذیب اور عداوت کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے کفر اور تکذیب پر سخت نادم ہوں گے۔ ہم نے ان کو جو مہلت دی ہے وہ ذرا پوری ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ مہلت پوری ہوگئی تو ایک کرخت آواز نے ان کو وعدۂ برحق کے موافق پکڑ لیا کہ جبریل امین علیہ السلام نے ایک سخت آواز دی جس سے ان کے دل اور جگر پھٹ گئے پس ہم نے ان کو خس و خاشاک کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا۔ پس پھٹکار ہو ظالموں پر۔ جس طرح سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے، اس طرح عذاب الٰہی کا سیلاب ان کو بہا کر لے گیا اور اللہ کی رحمت سے دُور ہو گئے۔

فائدہ: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ قوم ثمود کا ہے اس لیے کہ صیحہ یعنی کرخت آواز اور چنگھاڑ سے وہی لوگ ہلاک کیے گئے۔ واللہ اعلم

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

پھر اٹھائیں ہم نے ان سے پیچھے سنگتیں۔ اور نہ پہلے جاوے کوئی قوم

اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ

اپنے وعدہ سے نہ پیچھے رہیں۔ پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار، جہاں پہنچا کسی

اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ

امت پاس ان کا رسول اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسری اور کر ڈالا ان کو کہانیاں،

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

سو دُور جاویں ہو جو لوگ نہیں مانتے۔

قصۂ بعض دیگر اُمم سابقہ بطریق اجمال

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ... الٰی ... فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾

ربط: ان آیات میں اجمالاً حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب اور حضرت یونس اور حضرت ایوب علیہم السلام کے قصوں کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ ان سب کا قصہ اسی ترتیب کے ساتھ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ پھر قوم عاد یا ثمود کے ہلاک ہونے کے بعد

ہم نے دوسری امتیں پیدا کیں انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور مدت مقررہ پر ہلاک ہوئیں۔کوئی اُمت اپنی میعاد ہلاکت سے نہ آگے جاسکتی ہے اور نہ اس سے پیچھے رہ سکتی ہے بلکہ ٹھیک اس وقت ہلاک ہوئے جو خدا نے ان کے لیے مقرر کر دیا تھا پھر ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے جب کبھی کسی اُمت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کو ہلاکت میں ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ یعنی تباہی اور بربادی میں ان کا تانتا باندھ دیا اور ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگایا اور ان کو پچھلی امتوں کے لیے قصہ اور افسانہ بنا دیا وہ تو ختم ہوئے اور ان کی داستانیں عبرت کے لیے باقی رہ گئیں پس لعنت اور پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لائی، جو ایمان لایا وہ اللہ کی رحمت سے قریب ہوا۔ اور جس نے کفر کیا وہ اللہ کی رحمت سے دُور رہا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۟ۙ ﴿۴۵﴾
پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کا بھائی ہارون، اپنی نشانیاں دے کر اور سند کھلی،
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ﴿۴۶﴾ ۚ فَقَالُوْۤا
فرعون اور اس کے سرداروں پاس پھر بڑائی کرنے لگے، اور تھے وہ لوگ چڑھ رہے۔ سو بولے
اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ۚ فَكَذَّبُوْهُمَا
کیا ہم مانیں گے ایک دو آدمیوں کو ہمارے برابر کے اور ان کی قوم کرتی ہیں ہماری بندگی۔ پھر جھٹلایا
فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ
ان دونوں کو، پھر ہوئے کھپنے والوں میں۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب شاید وہ
یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾
راہ پاویں۔

قصہ موسیٰ وہارون علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ ... الٰی ... لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾

ربط: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال اور فرعون اور اس کی قوم کی تکذیب اور ان کا غارت ہونا بیان کیا، چنانچہ فرماتے ہیں: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دے کر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور وہ بڑے سرکش لوگ تھے حق کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہوئے تو بولے۔ تو کیا ہم اپنے جیسے دو

آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی کل قوم ہماری غلام اور تابعدار رہی ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان کے تابعدار بنیں پس فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کی تکذیب کی پس ہو گئے وہ غارت شدہ لوگوں میں سے۔ اس تکذیب کی وجہ سے بحر قلزم میں غرق کر دیئے گئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی توراۃ عطا کی تاکہ بنی اسرائیل ہدایت پاویں اور احکام شریعت پر عمل کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنٰهُمَا إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ
اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا۔ اور اس کی ماں ایک نشانی، اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلے پر، جہاں ٹھہراؤ تھا
وَّمَعِيْنٍ ع ⑤⓪
اور پانی نتھرا

ع ۳ ۱۸ ۴

قصۂ مریم وعیسیٰ علیہما السلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنٰهُمَا إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ⑤⓪﴾

ربط: اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم صدیقہ علیہا السلام کا نہایت اختصار کے ساتھ حال بیان کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور بغیر باپ کے ان کو پیدا کیا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے مریم علیہا السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی ماں مریم علیہا السلام کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ مریم علیہا السلام کے بغیر شوہر بچہ جننے سے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا تعالیٰ کی قدرت عیاں ہے اور ہم نے ان دونوں کو ایک بلند اور اُونچی زمین پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور چشموں والی تھی یعنی سرسبز و شاداب تھی جہاں پانی کے چشمے جاری تھے یہ مقام شام یا فلسطین میں واقع ہے غالباً اس سے وہ ٹیلہ مراد ہے جہاں یا جس کے قریب حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت ہوئی تھی اور آپ نے اس پر پناہ لی تھی۔ قادیان کے دھقان اوّل تو یہ کہتے ہیں کہ ربوہ سے کشمیر مراد ہے اور اب ان لوگوں نے اپنی ایک خاص آبادی کا نام ہی ربوہ رکھ لیا ہے جو کھلی ڈھٹائی اور بے حیائی ہے، اب اگر کوئی دیوانہ دو مسجدیں بنائے اور ایک کا نام مسجد حرام اور دوسری کا نام مسجد اقصیٰ رکھے تو وہ بلاشبہ مجنون اور دیوانہ ہے اور جو اس کو مانے وہ اس سے بڑھ کر خبطی اور دیوانہ ہے۔ ایبٹ آباد اور کوہ مری میں سرسبز ٹیلوں کی کیا کمی ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی کوئی اس قسم کا خبطی پیدا ہو جائے اور دعویٰ کرنے لگے کہ میں بھی مسیح موعود ہوں اور یہ میرا ربوہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا، جو کرتے ہو میں

عَلِيْمٌ ۭ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

جانتا ہوں۔ اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب، سو مجھ سے ڈرتے رہو۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر پھوٹ کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے۔ ہر فرقہ، جو ان کے پاس ہے اس پر ریجھ رہے ہیں۔

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ

سو چھوڑ دے ان کو اپنی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک۔ کیا خیال رکھتے ہو کہ یہ جو ہم ان کو دیئے جاتے ہیں

مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

مال اور اولاد۔ دوڑ دوڑ ملاتے ہیں ان کو بھلائیاں، کوئی نہیں، ان کو بوجھ نہیں۔

اتحاد رسل دربارۂ حکم توحید وتقویٰ واکل حلال ومحاسن اعمال
وتحذیر وتخویف از مخالفت پیغمبران وذم متکبرین وہوا پرستاں

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ ... الی ... بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوعات میں انبیاء ورُسل علیہم السلام کے واقعات بیان کیے جن میں یہ بیان تھا کہ تمام انبیاء ورُسل علیہم السلام توحید وتقویٰ اور ایک خدائے برحق کی عبادت کے داعی تھے، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ توحید اور تقویٰ اور اکلِ حلال اور نیک اعمال کی دعوت بھی تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے اور یہی تمام پیغمبروں کی راہ ہے اور سب رسولوں نے اس کی تعلیم دی لیکن متکبرین اور ہوا پرستوں نے نفسانی خواہشوں کی بنا پر پیغمبروں کی مخالفت کی اور دین کو پارہ پارہ کیا اور ہر ایک نے اپنا دین جُدا جُدا بنا لیا اور جس فرقہ نے جو طریقہ نکال لیا وہ اس پر ریجھ رہا ہے خوب سمجھ لو کہ ہر زمانہ میں اللہ نے ہر رسول کو یہی حکم دیا ہے مگر ان کی اُمتوں نے اس میں اختلاف کیا اور مال ودولت کے نشہ میں اپنے تراشیدہ خیالات اور نفسانی خواہشوں کے پیرو بن گئے اور نئے نئے مذاہب نکال لیے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں اختلاف نہیں البتہ تمہاری نفسانی خواہشیں مختلف ہیں اور یہی خرابی کا باعث ہیں۔ ان لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کو تو بُرا سمجھا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی ان کو لذیذ معلوم ہوئی اس لیے مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنے زعم پر نازاں اور فرحاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتلادیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ حق کا اتباع کریں اور اپنی نفسانی خواہش کا اتباع نہ کریں، بالفرض اگر حق لوگوں کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین تباہ ہو جائیں۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ جس چیز پر تمام انبیاء علیہم السلام متفق رہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور اس پر عمل کریں اور جن لوگوں نے نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ان کے طریقہ پر نہ چلیں اس لیے ان آیات میں حق سے اختلاف کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو یہ حکم دیا کہ اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور کہا کہ اللہ کا شکر کیا کرو اور شریعت کے مطابق نیک کام کیا کرو۔ بیشک میں تمہارے اعمال سے پورا باخبر ہوں۔ یعنی اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے رسولوں کو یہ حکم دیا کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک پاکیزہ یعنی حلال ہیں وہ کھاؤ اور حرام سے بچو اور نیک عمل کرو۔ اکل طیبات کے حکم میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین اسلام میں رہبانیت نہیں اور نصاریٰ کی طرف تعریض ہے کہ وہ ترک لذائذ وطیبات کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا اور قربِ الٰہی کا دارومدار توحید اور تقویٰ اور اکلِ حلال اور حسنِ اعمال پر ہے اور ان باتوں پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے نیز اس حکم میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کھانا اور پینا نبوت کے منافی نہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ پیغمبر ہماری طرح کھاتے اور پیتے ہیں ان کو ہم پر کیا فضیلت ہے کہ جو ہم ان کی اطاعت کریں جیسا کہ نوح علیہ السلام کے قصہ میں گزرا۔ ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ﴾ اس لیے بتادیا کہ فضیلت کا دارومدار توحید اور تقویٰ اور اعمال صالحہ پر ہے اور اکلِ حلال اعمال میں مد اور معاون ہے اور کھانا پینا لوازم بشریت میں سے ہے نبوت کے منافی نہیں۔

اور اے رسولو! تحقیق یہ ہے کہ تمہاری ایک ملّت ہے یعنی ہر ملت میں توحید اور تقویٰ اور اکلِ حلال اور نیک اعمال کا حکم ہے تم سب کا دین ایک ہے اگرچہ شریعتیں مختلف ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ اے گروہ انبیاء تم سب ایک جماعت ہو۔ ایمان اور توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور صدق مقال اور نیک افعال پر تم سب متفق ہو۔ لفظ اُمّت جس طرح جماعت پر بولا جاتا ہے اسی طرح جماعت کے دین اور ملت پر بھی بولا جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ﴾ (الزخرف: ۲۳) (ای علیٰ دین وملّة). لہٰذا اس آیت میں لفظ اُمت سے ملت کے معنی مراد لینا بھی صحیح ہے اور جماعت مراد لینا بھی صحیح ہے۔ اور میں ہی تنہا تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ہی ڈرو اور میرے سوا کسی طرف نظر نہ کرو پس لوگوں کو چاہیے تھا کہ سب اسی ایک دین اور ایک ملت پر متفق ہو جاتے لیکن لوگ دین کے بارہ میں مختلف اور متفرق ہو گئے اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور خوب اختلاف کیا اور ہر ایک نے اپنا دین الگ الگ بنالیا اور ہر فرقہ اور گروہ اس دین پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے، ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اس پر خوش اور نازاں ہے حالانکہ اوّل تا آخر سب غلط ہے۔ اور گمراہی ہے پس اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جاہلوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں آپ ان کو ایک زمانہ تک ان کی غفلت اور جہالت میں چھوڑ دیجیے وقت آنے پر ان کو اپنی جہالت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ کی ڈھیل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کیا ان منکرین کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور اولاد سے مدد دیتے چلے جا رہے ہیں تو کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں کو پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں اور طرح طرح سے ان کو نفع پہنچا رہے ہیں۔ یہ بات نہیں بلکہ وہ سمجھے نہیں کہ بات کیا ہے۔

یہ لوگ مال واولاد کی کثرت کو اپنی فضیلت کی دلیل سمجھے ہوئے ہیں۔ بات یہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت استدراج ہے خدا کی طرف

سے ڈھیل دی جا رہی ہے تا کہ ناؤ پوری بھر کر ڈوبے مگر کافر اس بات کو سمجھتے نہیں۔ حق تعالیٰ نے کافروں کو خوب کھانے پینے کو دیا۔ کھا پی کر مست ہو گئے اور سمجھے کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا ﴿بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ یعنی یہ لوگ اللہ کے چہیتے نہیں بلکہ خدا کے نزدیک مثل بہائم کے ہیں، سمجھتے نہیں کہ ہم کو یہ چارہ اور گھاس دانہ کیوں خوب دیا جا رہا ہے مقصود ذبح کرنا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ
البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے
رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ
رب کی باتیں یقین کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اور جو لوگ
يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾
دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔
اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾
وہ دوڑ دوڑ لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے۔

ذکر صفات اہل صدق وایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ . . . اِلٰى . . . وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں ان اہل جہالت وضلالت کا ذکر تھا کہ جو شرور اور معاصی میں مسارعت کرنے والے تھے اب ان آیات میں ان اہل صدق اور اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہیں کہ جو خیرات اور اعمالِ صالحہ میں مسارعت کرنے والے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پانچ صفتیں بیان فرمائیں: ① اللہ سے ڈرتے ہیں ② اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں ③ شرک نہیں کرتے۔ ④ نیکیاں کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ان کو اپنے ایمان اور عمل پر ناز نہیں بلکہ ان کو ہر وقت اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا عمل قبول ہوگا یا نہیں ⑤ ان کو آخرت کا یقین ہے ایسے لوگ حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں اور سابقین اوّلین میں سے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

① تحقیق جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حق جل شانہ، کی خشیت اور اس کی عظمت وہیبت نے ان کو مضطرب اور بے چین بنا رکھا ہے۔

② اور وہ لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

③ اور وہ ایسے مخلص ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ سرتاپا اخلاص اور صدق ہیں ان کی عبادت جلی اور خفی شرک اور ریاء اور نفاق کے شائبہ سے پاک ہے۔

④ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ دیتے ہیں خدا کی راہ میں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور باوجود اس کے ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کی خیرات وصدقات یا ان کے اعمال خیر رد نہ ہوجائیں اور آخرت میں ان کو نفع نہ دیں۔

⑤ اور خوف کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یقین ہے کہ وہ بلاشبہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یعنی ان کو قیامت کا یقین ہے۔

ایسے ہی لوگ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں نیکیوں بھلائیوں میں دوڑتے ہیں یعنی بصد شوق و رغبت اعمالِ صالحہ کو بجالاتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ کوئی طاعت ان سے نہ رہ جائے اور نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور سب سے آگے نکل جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے حق تعالیٰ کی سعادت سابق ہوچکی ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ
اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر جو اس کی سمائی ہے اور ہمارے پاس لکھا ہے جو بولتا ہے سچ۔ اور ان پر
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ
ظلم نہ ہوگا۔ کوئی نہیں، ان کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے۔ اور ان کو اور کام لگے ہیں
دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ
اس کے سوا کہ وہ ان کو کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ لوگوں کو آفت میں
اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾
تبھی وہ لگیں گے چلانے۔ مت چلاؤ! آج کے دن تم ہم سے چھڑائے نہ جاؤ گے۔
قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾
تم کو سنائی جاتیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اُلٹے بھاگتے تھے۔
مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾
اس سے بڑائی کر کر ایک کہانی والے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ترغیب براعمالِ خیر و بیان حال و مآل اہل طغیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا . . . الٰی . . . سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝۶۷ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جن اعمال خیر کی مدح فرمائی تھی اب ان آیات میں ان کی ترغیب دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ وہ افعال واعمال جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اور جن لوگوں کو ان نیکیوں کی طرف رغبت نہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ احکام اسلام سخت اور دشوار ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جب خدا کا عذاب دیکھتے ہیں تب ہوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جن اعمال خیر میں اہل ایمان مسارعت اور مسابقت کر رہے ہیں، یہ اعمال کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اس لیے کہ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ مثلاً جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ بیٹھ کر پڑھ لے وغیرہ وغیرہ یعنی ہم بندہ کو اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس کی وہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے یعنی ہر شخص کا نامۂ اعمال ہمارے پاس محفوظ ہے جو قیامت کے دن لوگوں کا حال سچائی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی خلاف واقع اس میں کچھ نہیں لکھا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بایں طور کہ جو انہوں نے نہیں کیا وہ لکھ دیا جائے اور جو کیا ہے اس کو نہ لکھا جائے کتاب سے اس جگہ نامہ ہائے اعمال مراد ہیں جن کو قیامت کے دن خود پڑھ لیں گے۔

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الجاثیہ:۲۹)

اور نطق سے مراد بیان اور اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ نامۂ اعمال قیامت کے دن تمہارے سب کاموں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے گا اور بدون کمی اور زیادتی تمہارے اعمال کو ظاہر کر دے گا کوئی بات اس میں خلاف واقع نہ ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے نامہ ہائے اعمال کی شہادت کے متعلق جو خبر دی ہے وہ حق اور صدق ہے کفار یہ باتیں سن کر خیرات یعنی نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف رغبت نہیں کرتے بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت اور حیرت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے لیے سوائے کفر اور شرک اور انکار قرآن کے اور بھی بُرے عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح برابر شک اور غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے دولتمند اور آسودہ حال لوگوں کو آفت اور مصیبت میں پکڑیں گے تو فوراً بلبلائیں گے۔ اور گریہ وزاری کریں گے اس وقت غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھے گا اور غرور و نخوت کا سارا نشہ کافور ہو جائے گا اس وقت ان کو ہماری طرف سے یہ کہا جائے گا آج تم بلبلاؤ نہیں اس میں شک نہیں آج تم ہماری طرف سے مدد نہ دیئے جاؤ گے یعنی تمہارا یہ بلبلانا اور گڑگڑانا بے سود ہے اور تم ہمارے عذاب سے رہائی نہیں پاؤ گے۔ کیونکہ تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کو حقارت اور نفرت سے سنتے تھے اور تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاتے تھے تکبر کرتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے اور قرآن کو افسانہ اور مشغلہ بناتے ہوئے اور قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں بیہودہ باتیں بکتے ہوئے ایسوں کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں جو قرآن سے اعراض کریں اور افسانوں اور ناولوں میں مشغول رہیں۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

سو کیا دھیان نہیں کی یہ بات یا آیا ہے اُن پاس جو نہ آیا تھا اُن کے پہلے باپ دادوں پاس۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ

یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنا پیغام لانے والا۔ سو اس کو اوپری سمجھتے ہیں۔ یا کہتے ہیں اس کو

جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَ لَوِ اتَّبَعَ

سودا ہے۔ کوئی نہیں وہ لایا ہے ان کے پاس سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بُری لگتی ہے۔ اور اگر

الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ

سچا رب چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے بیچ ہے۔ کوئی نہیں

اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا

ہم نے پہنچائی ہے ان کو نصیحت سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے۔ یا تُو اُن سے مانگتا ہے کچھ حاصل؟

فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى

سو حاصل تیرے رب کا بہتر ہے، اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا۔ اور تُو تو بلاتا ہے ان کو

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ

سیدھی راہ پر اور جو لوگ نہیں مانتے پچھلا گھر، راہ سے

لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

ٹیڑھے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم ان کو رحم کریں، اور کھول دیں جو تکلیف ہے اُن پر، مقرر لگے جاویں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا

اپنی شرارت میں بہکے۔ اور ہم نے پکڑا تھا اُن کو آفت میں۔ پھر نہ دبے

لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا

اپنے رب کے آگے، اور نہیں گڑگڑاتے۔ یہاں تک کہ جب کھولیں گے ہم ان پر دروازہ ایک سخت

عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع

آفت کا، تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی۔

بیان اسباب جہالت وضلالت متکبرین ومعرضین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ... الٰی... اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾﴾

ربط: * گزشتہ آیات میں متکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا، اب ان آیات میں ان کی جہالت ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کا رد فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن وجوہ اور اسباب کی بنا پر کفر اور انکار پر آمادہ ہوئے ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے۔

① یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور وفکر نہیں کیا جو آپ ﷺ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ اور ہر شان میں توریت اور انجیل سے کہیں بلند اور برتر ہے اور فصحاء عالم اس کے معارضہ سے عاجز ہیں۔

② یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی بعثت کو بدعت اور امر غریب جانا۔

③ یا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے حال سے اور آپ ﷺ کے صدق اور امانت سے واقف نہیں کہ اُمّی ہیں پڑھا لکھا کچھ نہیں مگر علم اور حکمت کے چشمے ان کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہیں ذرا غور تو کریں۔

④ یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور پُر نور ﷺ مجنون اور دیوانہ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ حضور پُر نور تو عقل مجسم ہیں جس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا گویا اس نے عقل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

⑤ یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں سے کچھ مالی منفعت کے امیدوار اور طلب گار ہیں۔

حق جل شانہٗ نے کفار کی ان باتوں کو نقل کر کے سب کا جواب دیا اور بتلا دیا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ: ① یہ لوگ قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز سے واقف نہیں۔ ② یا آپ ﷺ کی صداقت اور امانت سے۔ ③ یا آپ ﷺ کی فہم وفراست سے واقف نہیں۔ ④ یا آپ ﷺ کو پہچانتے نہیں ⑤ یا آپ ﷺ ان سے کسی مالی منفعت کے اُمیدوار ہیں۔ ان میں سے انکار کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور غرور اور تکبر کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ حق کا اتباع کریں چاہتے یہ ہیں کہ حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے، بالفرض اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ لوگ بڑے سرکش ہیں بغیر کسی عذاب اور بلاء آسمانی کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں۔ (دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۰۷ ج ۳ و حاشیۂ صاوی علی تفسیر جلالین)

چنانچہ فرماتے ہیں: کیا یہ لوگ جو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اور کفر اور انکار پر تلے ہوئے ہیں آخر اس کا

---

* یہ تمام کلام تفسیر کبیر اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی کے کلام کی تفصیل ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

کیا سبب ہے پس یا تو اس کی تکذیب کی وجہ ① یہ ہے کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا تا کہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر ظاہر ہو جاتا اور جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور سرتا پا حق اور صدق ہے اور دلائل توحید اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

یا تکذیب کی وجہ ② یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی تا کہ یہ عذر کریں کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کوئی خبر ہی نہیں ان سے پہلے پیغمبر بھی آچکے ہیں اور ان پر اللہ کی کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔

یا تکذیب کی وجہ ③ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اور اس کی امانت اور صداقت اور فہم و فراست کو نہیں جانا پس اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ سو یہ غلط ہے یہ سب لوگ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے حسب و نسب کو اور صدق و راستی اور امانت کو پہچانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ پھر انکار کی کیا وجہ۔ سوائے حسد کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور علماء بنی اسرائیل تو آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں ﴿ یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ﴾ (البقرہ:۱۴۶) اور ہرقل شاہ روم کا آپ ﷺ کے حسب و نسب اور صدق اور امانت کے متعلق سوال کرنا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا جواب دینا معروف و مشہور ہے۔

یا تکذیب کی وجہ ④ یہ ہے کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کو جنون ہے سو یہ امر بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے جن مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ آپ ﷺ آراستہ ہیں اور جن کا آپ ﷺ دوسروں کو حکم دیتے ہیں یہ سب آپ ﷺ کے کمال عقل اور کمال حکمت کی روشن دلیل ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی باتوں کو جنون اور دیوانگی بتلانا یہ خود جنون اور دیوانگی ہے یہ سب باتیں غلط ہیں کچھ بھی نہیں بلکہ تکذیب کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ نبی ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے جس کی صحت اور حُسن اور خوبی میں کسی عاقل کو کلام نہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے متنفر اور بیزار ہیں کیونکہ وہ حق بات ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے اور نفس پرستوں کا کسی چیز سے ناخوش ہونا بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ حق کا پیرو بنے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو حق کے تابع کر دے۔ اور اگر بالفرض حق ان کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ سب تباہ و برباد ہو جائیں یہ کارخانہ عالم عجیب و غریب حکمتوں اور مصلحتوں پر چل رہا ہے اور لوگوں کی خواہش اور اغراض مختلف ہیں اور عالم میں جو بھی فساد ہے وہ نفسانی خواہشوں کی بنا پر ہے پس ہم نے ان کو ایسی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائی ہیں یعنی ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس میں ان کے لیے وعظ و نصیحت ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کے پاس ان کی عزت اور شرف کی چیز لائے ہیں پس وہ لوگ اپنی نصیحت کی چیز سے یا اپنی عزت و شرف کی چیز سے منہ موڑنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنی نصیحت سے اور اپنی عزت اور شرف کی چیز سے روگردانی سخت حماقت ہے۔

یا تکذیب کی وجہ ⑤ یہ ہے کہ آپ ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تبلیغ رسالت پر آپ ﷺ ان سے اُجرت چاہتے ہیں اس وجہ سے آپ ﷺ پر حرص اور طمع کی تہمت رکھتے ہیں پس ان لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کی اُجرت کی اور ان کے مال و دولت کی ذرّہ برابر ضرورت نہیں تیرے پروردگار کا مال و دولت اور اس کا عطیہ سب سے بہتر ہے، آسمان و زمین کے خزانے تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے آپ ﷺ ان سے کیا اُجرت مانگتے آپ ﷺ تو علی الاعلان فرماتے تھے:

﴿ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ﴾ (الانعام:۹۰) ﴿ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِیۡنَ ○ ﴾ (ص:۸۶)

اور تحقیق آپ ﷺ تو ان کو سیدھے راستہ کی دعوت دیتے ہیں آپ ﷺ کا مقصود تو آخرت ہے معاذ اللہ اجرت آپ ﷺ کا مقصود نہیں اور آپ ﷺ کی راہ ایسی سیدھی ہے کہ تمام عقول سلیمہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ راہِ راست ہے، اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔

اور تحقیق جو لوگ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے منحرف ہیں۔ اور گمراہی کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ آخرت کے راستہ سے بھاگ رہے ہیں اور آنکھ بند کر کے دنیا کے راستہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اور طرح طرح کی آسمانی آفتیں اور مصیبتیں سامنے آ رہی ہیں مگر ہوش میں نہیں آتے۔

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور قحط کی تکلیف اور سختی جو ان پر پہنچ رہی ہے اس کو دُور کر دیں تو تب بھی احسان نہ مانیں اور برابر اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں اور مصیبت کے وقت جو خدا سے وعدے کیے تھے وہ سب طاقِ نسیان میں رکھ دیئے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا﴾ (یونس:۱۲)

وَقال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ (العنکبوت:۶۵)

اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو بعض اوقات آفت اور مصیبت اور سختی میں بھی پکڑا۔ پھر بھی یہ سرکش اپنے رب کی طرف نہ جھکے اور نہ نرم پڑے اور نہ عاجزی اور زاری کی بلکہ برابر اپنی غفلت میں غرق رہے اور کفر اور مخالفت پر جمے رہے یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھولا تو فوراً اس میں ناامید اور آس توڑنے والے ہو گئے اور دل کی ساری اُمیدیں ختم ہوئیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا

اور اسی نے بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا

تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

حق مانتے ہو۔ اور اسی نے تم کو بکھیر رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا

اور وہی ہے جلاتا اور مارتا، اور اسی کا کام ہے بدلنا رات اور دن کا۔ سو کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَ

تم کو بُوجھ نہیں؟ کوئی نہیں، یہ وہی کہتے ہیں جیسے کہہ چکے ہیں پہلے۔ کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے، اور

كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا

ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو جلا اٹھانا ہے؟ وعدہ مل چکا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو

هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ

یہی پہلے سے، اور کچھ نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی۔ تو کہہ کس کی ہے زمین

وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا

اور جو کوئی اس کے بیچ ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب کہیں گے اللہ کو۔ تو کہہ، پھر تم سوچ نہیں

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

کرتے۔ تو کہہ کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور مالک اس بڑے تخت کا؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ

بتاویں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈر نہیں رکھتے؟ تو کہہ کس کے ہاتھ ہے حکومت

كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

ہر چیز کی؟ اور وہ بچا لیتا ہے، اور اس سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ

اب بتاویں گے اللہ کو تو کہہ، پھر کہاں سے تم پر جادو پڑجاتا ہے۔ کوئی نہیں، ہم نے ان کو پہنچایا سچ۔ اور وہ البتہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا

جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے۔ یوں ہوتا تو

لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ

لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور چڑھ جاتا ایک پر ایک اللہ نرالا ہے

عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۵ ۱۵ ۵

ان کے بتانے سے۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا۔ وہ بہت اوپر ہے اس سے جو یہ شریک بتاتے ہیں۔

تذکیر انعامات وذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ... الٰی ... فَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کے اسباب جہالت وضلالت کا بیان تھا اور ان سب کا اصل منشاء حشر ونشر کا انکار تھا کہ یہ لوگ جزاء اور سزا اور قیامت کے قائل نہ تھے۔ اس لیے اب آئندہ آیات میں اپنی نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں تا کہ اس کا شکر کریں اور اپنی قدرت کاملہ کے آثار کو ذکر کرتے ہیں تا کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے میں شک نہ کریں اور قیامت اور جزاء اور سزا پر ایمان لے آئیں کہ جس خدا کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں اس کے نزدیک مُردوں کا زندہ کرنا کیا بڑی بات ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار دلائل بیان فرمائے جو دلائل وحدانیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دلیل اوّل: اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ اگر حق تعالیٰ تمہارے لیے یہ اعضاء پیدا نہ کرتا تو تم نہ سُن سکتے اور نہ دیکھ سکتے۔ اور نہ سمجھ سکتے ان کے بغیر زندگی موت سے بھی بدتر ہے تم کو یہ عجیب وغریب نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ تم خدا کا خوب ہی شکر کرو۔ لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو تو کیا ایسا ناشکرا اس کا مستحق نہیں کہ اس پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے۔

دلیل دوم: اور وہ وہ ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور پھیلایا اور تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کو زمین میں بکھیر دیا کہ ان کے لیے اِدھر سے اُدھر جا رہے ہو اور پھر قیامت کے دن اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور تم سے سوال ہوگا کہ تم نے ہماری نعمتوں کا کیا شکر کیا۔ یہ خدا کی رحمت اور نعمت بھی ہے اور کرشمۂ قدرت بھی ہے۔

دلیل سوم: اور وہ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے یعنی تمہاری موت اور حیات اور تمہارا وجود اور عدم سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

دلیل چہارم: اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے دن رات کی آمد ورفت یعنی ان کا روشنی اور تاریکی میں مختلف ہونا اور ان کا گھٹنا اور بڑھنا یہ سب اسی کے ارادہ اور اختیار سے ہے سو کیا تم سمجھتے نہیں کہ یہ کارخانہ کسی قادر مختار کے اختیار سے جاری ہے اور کیا ان دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی بعث اور حشر ونشر کا انکار کرتے ہو، لیکن ان لوگوں نے اس عجیب وغریب کرشمہ کو دیکھ کر عقل سے کام نہیں لیا بلکہ انہوں نے وہی بات کہی جو اگلوں نے کہی تھی۔ عقل کو تو بالائے طاق رکھ دیا اور بولے بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ ان کا یہ کلام خالی خیال ہی خیال تھا کوئی دلیل عقلی نہ تھی جس سے دوبارہ زندگی کا محال ہونا معلوم ہو اور بولے یہی وعدہ یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ مگر ہم نے اس کی کوئی اصلیت نہیں دیکھی اور اب تک یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف اگلوں کے افسانے اور من گھڑت قصے ہیں، انہی کی نقل یہ نبی بھی کرتا ہے۔ اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان منکرین بعث سے جو مٹی سے انسان کے پیدا ہونے کو محال سمجھتے ہیں یہ سوال کیجیے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ یہ زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے وہ کس کی مِلک ہے اور کون اس کا خالق اور موجد ہے اگر جانتے ہو تو بتلاؤ۔ عنقریب مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ سب زمین مع اپنی مخلوقات اور عجائبات کے اللہ ہی کی ملک ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے پس جب وہ یہ اقرار کر لیں تو آپ ان سے یہ کہیں کہ پھر دھیان کیوں نہیں کرتے یعنی جب تم اس کو ابتداءً خالق مانتے ہو تو دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں مانتے۔ نیز آپ ان منکرین بعث

سے یہ بھی دریافت کیجیے کہ اچھا بتلاؤ کہ سات آسمانوں کا پروردگار اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے۔ سو اس کے جواب میں بھی ضرور وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے تو پھر آپ ﷺ ان سے یہ کہیے کہ پھر تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں کہ تم اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز بتلاتے ہو، جس ذات کی قدرت کی یہ شان ہو اسے مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز اے نبی ﷺ! آپ ان منکرین بعث سے یہ بھی دریافت کیجیے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر شئے کی بادشاہی اور حکومت ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر شئے کا اختیار ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے برخلاف پناہ نہیں دی جاسکتی۔ بتلاؤ اگر تم کچھ جانتے ہو وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ سب صفتیں تو اللہ ہی کے لیے خاص ہیں تو آپ ان سے یہ کہیے کہ اچھا بتلاؤ کہ پھر تم کہاں سے جادو کردیئے گئے ہو یعنی ان واضح دلائل کے بعد تمہاری عقلیں کہاں چلی گئیں کہ اس کی قدرت میں شک کرنے لگے اور اس کی وحدانیت میں شرک کرنے لگے اور باوجود اس علم اور اقرار کے اس کے غیر کو پوجنے لگے خوب سمجھ لو کہ اللہ ایک ہے اور بعث حق ہے اور یہ ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ نہیں بلکہ ہم ان کے پاس حق اور صدق لے کر آئے ہیں۔ اس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور بلا شبہ یہ مشرکین ہی جھوٹے ہیں جو خدا کے لیے شریک اور اولاد ٹھہراتے ہیں اور اس بارہ میں ان کے پاس کوئی دلیل اور برہان نہیں اللہ تو وحدہٗ لاشریک ہے کوئی اس کا ہم جنس نہیں اس لیے کہ اللہ نے کسی کو اولاد نہیں ٹھہرایا۔ نہ بیٹا اور نہ بیٹی اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خُدا ہے بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا یعنی خدائی تقسیم ہو جاتی اور ہر خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جُدا کر لیتا تاکہ اس کی قدرت اور سلطنت کا علم ہو اور لوگ جانیں کہ یہ فلانے خدا کی مخلوق ہے اور ہرگز پسند نہ کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق کے ساتھ رَل مِل جاوے، اس لیے کہ جب دو خدا ہوتے تو ان کی مخلوق بھی دو حصوں میں منقسم ہوتی اور ہر ایک خدا اپنی سلطنت اور ملکیت کو علیحدہ کر لیتا تاکہ دوسرا خدا اس خدا کی حدود ملکیت و سلطنت میں مداخلت نہ کرسکے ایک بادشاہ کبھی بھی اس بات پر راضی نہیں ہوسکتا کہ اس کی حدود سلطنت دوسرے کی حدود سلطنت کے ساتھ رَل مل جائیں۔ ہر کارخانہ کا نشان اور مہر الگ ہوتی ہے تاکہ اس کارخانہ کی چیز دوسرے کارخانہ کی چیز سے ملتبس نہ ہوسکے۔ غرض یہ کہ ایک خدا کبھی اس پر راضی نہیں ہوسکتا کہ دوسرا خدا اس کی مِلک اور اُس کے مُلک میں شریک اور دخیل ہوسکے اور ایک خدا ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے کی طرف منسوب ہوسکے، تمام دنیا کی سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ ایک بادشاہ کی حدود سلطنت دوسرے بادشاہ کی حدود سلطنت سے جُدا اور ممتاز ہوتی ہیں اور ہر سلطنت کا امتیازی نشان علیحدہ ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اگر دو خدا ہوتے تو ہر ایک کی مخلوق اور ہر ایک کی حدود سلطنت دوسرے سے جُدا اور ممتاز ہوتے۔ لیکن مخلوقات میں کوئی علامت فرق کی نظر نہیں آتی کہ یہ مخلوق اس خدا کی ہے اور وہ مخلوق اس خدا کی ہے معلوم ہوا کہ خدا ایک ہی ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں اور اگر دو خدا ہوتے تو آخر کار ان دو خداؤں میں لڑائی جھگڑا ہوتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اور ہر ایک اپنا غلبہ چاہتا اور اپنی جمعیت اور طاقت فراہم کر کے دوسرے پر ہلہ بول دیتا اور پھر اس لڑائی میں لامحالہ ایک دوسرے پر غالب آتا اور زور آور کمزور کو دبا لیتا۔ اور اس کا ملک اس سے لے لیتا اور دوسرا مغلوب ہو جاتا، جیسا کہ لڑائی کا انجام ہے۔ اور جو مغلوب ہو جاتا وہ خدائی کے قابل نہ رہتا اور جو ایک غالب ہوتا وہی خدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دو خداؤں کی لڑائی میں نظام عالم درہم برہم ہو جاتا اور سارا جہاں تہ و بالا ہو جاتا۔ اور دو خداؤں کی جنگ میں عالم کا یہ محکم نظام ایک دن بھی قائم نہ رہتا۔ مگر سب دیکھتے ہیں کہ نظامِ عالم میں کوئی خلل اور فساد نہیں۔ اور نہ کوئی علامت فرق کی نظر آتی ہے کہ یہ چیز اس خدا کی مخلوق ہے اور وہ چیز فلاں خدا کی مخلوق ہے اور نہ کسی مخلوق پر کسی خدا کی خاص علامت ہے کہ یہ فلانے خدا کی ہے۔ پس جب ہم

دیکھتے ہیں کہ ایک خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں اور نہ آپس میں کوئی لڑائی اور جھگڑا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سارا کارخانہ ایک ہی خدا کے اختیار سے چل رہا ہے اور سارے عالم کا خالق ایک ہی خدا ہے اور یہ سارا عالم ایک ہی خدا کی مخلوق ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں اسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ کسی شریک کی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۳۶ ج ۶)

اور اس دلیل کی مفصل تقریر سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۲۳ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اللہ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے لیے بتاتے ہیں یعنی نہ اس کے لیے اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خدا اوّل تو علو اور غلبہ کو چاہے گا کہ دوسرے پر غالب آجاؤں اور اگر بالفرض ایک خدا سے دوسرے خدا پر چڑھائی ممکن نہ ہوئی تو کم از کم وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور علیحدہ تو ضرور کرے گا شرکت اور خلط ملط پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔

دلیلِ دیگر وہ تو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب اور شہادت کا جاننے والا نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے کہ اگر دو خدا ہوں تو لامحالہ دونوں عالم الغیب ہوں گے اور ہر ایک کا علم اپنے ماسوا کو محیط ہوگا تو لازم آئے گا کہ ہر خدا ایک ہی اعتبار سے محیط بھی ہو اور محاط بھی اور یہ بات عقلاً محال ہے۔ پس وہ بالا اور برتر ہے اس سے جس کو وہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ
تو کہہ اے رب کبھی تو دکھادے مجھ کو جو ان کو وعدہ ملتا ہے۔ تو اے رب مجھ کو نہ کریو، ان
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ
گنہگار لوگوں میں۔ اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھادیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں۔ بری
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ
بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں۔ اور کہہ
رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، شیطان کی چھیڑ سے۔ اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے
يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾
پاس آویں۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو موت کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیجو،

لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ

شاید کچھ میں بھلا کام کروں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا۔ کوئی نہیں، یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے۔ اور

مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ

ان کے پیچھے اٹکاؤ ہے جس دن تک اٹھائے جاویں۔ پھر جس وقت پھونک مارے صور میں تو نہ

اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ

ذاتیں ہیں ان میں اُس دن، نہ آپس میں پوچھنا۔ سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ

وہی لوگ کام لے نکلے۔ اور جس کی ہلکی ہوئی تولیں سو وہی ہیں جو

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ج تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ

ہار بیٹھے اپنی جان، دوزخ میں رہا کریں گے۔ مارتی ہے ان کے منہ پر آگ

وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہیں۔ تم کو سُناتے نہ تھے ہماری آیتیں؟ پھر تم ان کو

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا

جھٹلاتے تھے۔ بولے اے رب! زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ

ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ

بہکے۔ اے رب! نکال لے ہم کو اس میں سے، اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار۔ فرمایا

اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ

پڑے رہو پھٹکارے اس میں اور مجھ سے نہ بولو۔ ایک فرقہ تھا میرے بندوں میں

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ ج

جو کہتے تھے اے رب ہمارے! ہم یقین لائے، سو معاف کر ہم کو، اور مہر کر ہم پر اور تو سب مہر والوں سے بہتر ہے۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ
پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا۔ یہاں تک کہ بھولے ان کے پیچھے میری یاد، اور تم ان سے
تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ
ہنستے رہے۔ میں نے آج دیا ان کو بدلہ ان کے سہنے کا، کہ وہی ہیں
الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا
مراد کو پہنچے۔ فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے؟ بولے
لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا
ہم رہے ایک دن یا کچھ دن کم، تُو پوچھ لے گنتی والوں سے۔ فرمایا تم اس میں بہت نہیں
قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾
تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہو۔

تلقین دُعا و آداب تبلیغ و دعوت و ذکر احوال و اہوال آخرت برائے تخویف اہل شقاوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ... الٰى ... لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں کفار کے عناد و طغیان کا بیان تھا کہ وہ بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ کے منکرین پر عذاب کب آئے گا۔ اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو ایک مناسب وقت دعا کی تلقین فرماتے ہیں کہ کافروں کی ایذا رسانی اور بدکلامی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں بلکہ ان کی بدی کا نیکی سے جواب دیں اور یقین رکھیں کہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بدیر یا بسویر ضرور آ کر رہے گا اور اس کے بعد قیامت کے احوال اور اہوال بیان کیے کہ اس دن ہماری آیات کے ساتھ ان کے تمسخر کا انجام ان کے سامنے آ جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی! آپ ﷺ حق تعالیٰ سے یہ دُعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار! اگر مجھ کو میری زندگی میں اس عذاب کا مشاہدہ کرا دیں جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں میں نہ شامل کرنا یعنی اگر وہ عذاب میری زندگی اور میری موجودگی میں نازل ہو تو مجھے اس عذاب سے محفوظ رکھنا۔ اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن ہے لیکن اظہار عبودیت کے لیے ایسی دعا فرمائی۔ بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے۔ لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ خدا کے عذاب سے ہر

وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظلم کی نحوست سے عذاب عام آتا ہے جس کی لپیٹ میں بے قصور بھی آجاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ﴾ (الانفال: ۲۵)

اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ((واذا اردت بقوم فتنة فتوفني غير مفتون)). یعنی اے پروردگار! جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ رکھنا اور مجھ کو ایسی حالت میں اپنے پاس بلا لینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

غرض یہ کہ اس دُعا کی تلقین سے تواضع اور کسر نفسی کی تلقین ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے بعض مرتبہ کفر اور ظلم کی نحوست بے گناہ کو بھی پہنچ جاتی ہے۔ عذاب تو نازل ہوگا بدوں پر۔ لیکن اندیشہ ہے کہ عذاب کی کوئی چنگاری کسی بے گناہ کو نہ جا لگے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر ان ظالموں پر عذاب آیا تو وہ بڑا ہولناک ہوگا معلوم نہیں کہ اس کے شرارے اور چنگارے کہاں کہاں تک پہنچیں سب کو اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

اور بلاشبہ ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں۔ وہ آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں دکھا دیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھوں سے اپنے دشمنوں کی ذلت و خواری کو دیکھ لیں لیکن جب تک عذاب نہ آوے اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ان کی بدی اور بُرائی کا نیک خصلت کے ساتھ مقابلہ کیجیے یعنی دشمنوں کی ایذا دہی کا مقابلہ حلم وصبر اور عفو اور درگذر کے ساتھ کیجیے ہم خوب جانتے ہیں جو بیہودہ بکواس وہ تیری اور میری شان میں کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور ساحر بتلاتے ہیں اور مجھ کو صاحب اولاد بتلاتے ہیں اور اگر بمقتضائے بشریت ان کی باتوں پر غصہ آجائے تو اس طرح دُعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار میں پناہ لیتا ہوں تیری اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے کچھ ضرر پہنچائیں اور اپنا کوئی تیر مجھ پر چلائیں۔ آگے پھر انہی کافروں کا حال بد مآل بیان کرتے ہیں کہ یہ اس طرح اپنی غفلت میں رہیں گے اور کفر اور عناد سے باز نہیں آئیں گے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اور عالم آخرت اسے نظر آنے لگتا ہے اس وقت اس کی آنکھ کھلتی ہے اور نادم ہو کر یہ کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو دُنیا میں واپس بھیج دے تا کہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں وہاں جا کر نیک عمل کروں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا اور اگر بالفرض اس کو واپس بھی کر دیا جائے تو تب بھی یہی کرے گا جواب تک کرتا رہا۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾ (الانعام: ۲۸)

یہ اس کی ایک بات ہے جو کہے جا رہا ہے اور غلبۂ حسرت و ندامت کی وجہ سے زبان سے کہے چلا جا رہا ہے کہ مجھے دُنیا میں واپس کر دو۔ مگر ہمارے یہاں اس کی کوئی شنوائی نہیں اور ابھی کیا دیکھا ہے ابھی تو موت ہی آئی ہے جسے دیکھ کر اس قدر گھبرا گیا اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آرہا ہے جو عالم دُنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے وہاں پہنچ کر اس پر عذاب شروع ہوگا۔ جو عذابِ آخرت کا ایک نمونہ ہوگا جس کا مزہ قیامت تک چکھتا رہے گا یعنی اس دن تک کہ جب مُردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے موت سے لے کر قیامت تک جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے۔

فائدہ: برزخ کے اصل معنی یہ ہیں کہ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اس کو برزخ کہتے ہیں اسی طرح سمجھو کہ اس عالم دُنیا اور عالم آخرت کے درمیان میں یہ عالم برزخ ہے موت سے لے کر حشر تک کا جو درمیانی زمانہ ہے وہ برزخ ہے اور اس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد سے اور قیامت سے پہلے ایک نیا جہان بسایا ہے اور وہ جہان دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے، یہاں ایمان اور کفر کی اور اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اور عذابِ آخرت کا کچھ نمونہ دکھلا دیا جاتا ہے۔ عالم برزخ کی تکلیفیں تو بطور ماحضر کے ہیں اصل عذاب اور پوری پوری سزا تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ہوگی۔

پس عالمِ برزخ کے بعد جب قیامت قائم ہوگی اور دوبارہ صُور پھونکا جائے گا اور مُردے قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو اس دن جس مصیبت کا سامنا ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔ اس دن لوگوں کے درمیان کسی قسم کا رشتہ ناطہ باقی نہیں رہے گا اور نہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے اس روز نہ کوئی قرابت باقی رہے گی اور نہ محبت ایک دوسرے سے بالکل اجنبی ہو جائیں گے۔ اس روز سوائے ایمان اور عمل صالح کے کوئی چیز کام نہ دے گی، اس دِن ایک میزان (ترازو) قائم کی جائے گی جس میں ایمان اور عمل کا وزن ہوگا، سو جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے یہ اہل ایمان کا گروہ ہوگا اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا جیسے کفار اور مشرکین تو ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کے مونہوں کو آگ جھلس لے گی اور وہ اس میں نہایت بدشکل ہوں گے، دانت باہر نکلے ہوئے ہوں گے اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کی کھوپڑی سے جا ملے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک آ لگے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس وقت حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ کیا یہ بات نہیں تھی کہ دنیا میں تمہارے سامنے میرے قرآن کی آیتیں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔ پس تم ان کو جھٹلاتے تھے ان کا مذاق اُڑاتے تھے اس لیے تم عذاب کے مستحق ہوئے اور یہ اس کی سزا تم کو مل رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی اور بے شک ہم گمراہ لوگ تھے کہ تیرے پیغمبروں پر ایمان نہ لائے۔ اے ہمارے پروردگار اب ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہم کو اس آگ سے نکال دیجیے اور ہم کو دوبارہ دُنیا میں بھیج دیجیے۔

پس اگر ہم دُنیا میں جانے کے بعد پھر ایسے ہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں اس وقت جو چاہیں سزا دینا۔ مگر اس وقت تو چھوڑ دیجیے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا دُور ہو جاؤ اور ذلت و خواری کے ساتھ اسی آگ میں پڑے رہو اور بولو نہیں۔ اب تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ تحقیق دُنیا میں میرے بندوں میں سے اہل ایمان کا ایک گروہ تھا جو یہ کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے، یہ گروہ ہمارے خاص محبین اور مخلصین کا گروہ تھا۔ پس تم نے ان درویشان اسلام کا جو ہم سے مغفرت اور رحمت کی دُعا مانگا کرتے تھے مسخرہ اور مضحکہ بنایا اور تم ان کے ساتھ مسخرہ پن اور عیب جوئی میں یہاں تک پہنچے کہ ان کے اس مشغلہ نے تم کو میری یاد بھی بھلا دی سو ایسے مسخروں کو جو خدا سے دعا مانگنے والوں کے ساتھ مسخرہ پن کریں آج ان کی کوئی دعا قبول نہیں۔ اے نابکارو! دُور ہو جاؤ آج تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں اور تم وہی ہو جو مسلمانوں کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے۔ تمہارے اس مسخرہ پن اور ہنسی سے اہل ایمان کا کچھ نہیں بگڑا۔ صبر کیا۔ چند روز کی تکلیف تھی گزر گئی، تحقیق آج میں ان درویشانِ اسلام کو ان کے صبر کی جزا دوں گا۔ جو انہوں نے تمہاری ہنسی پر کیا تھا اور وہ جزا یہ ہے کہ یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں اور تم ہنسنے والے سب ناکام اور نامراد ہو۔ حق کی تکذیب اور اس کا تمسخر ایسا عظیم جرم ہے کہ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں۔ یہ آیت بلال اور عمار اور صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم وغیرہ فقراء مہاجرین کے بارہ میں نازل ہوئی جن سے سردارانِ قریش تمسخر کیا کرتے تھے اور دلدادگانِ مغربیت جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں وہ سیدھے سادے اور پرانے وضع قطع کے مسلمانوں کے مذاق

اڑانے میں کچھ کم نظر نہیں آتے۔

بعد ازاں کافروں سے بطور توبیخ اور ملامت سوال ہوگا تاکہ ان کی ذلت وحسرت میں اور شدت ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کفار سے پوچھے گا تم زمین میں کتنے سال رہے اور کتنے سال ٹھہرے۔ تمہارا گمان یہ تھا کہ دُنیا ہمیشہ رہے گی اور کبھی فنا نہ ہوگی اور جو لوگ دُنیا کو فانی بتلاتے تھے ان کا تم مذاق اڑاتے تھے اب بتلاؤ کہ دُنیا کی زمین پر کتنے برس زندہ رہے اور پھر قبر کی زمین میں کتنے برس مردہ رہے تو جواب میں یہ بولیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے۔ ہمیں تو اچھی طرح یاد نہیں پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے، یعنی فرشتوں سے دریافت کر لیجیے۔ جو اعمال بنی آدم کے کاتب اور ان کی عمروں کے شمار کرنے والے ہیں۔ آخرت کے ہولناک منظر نے دُنیا کی طویل وعریض زندگی کو یکلخت بھلا دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا بہر حال تم نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر بہت تھوڑے آخرت کے مقابلہ میں تمام دنیا کی زندگی قلیل ہے۔ کاش اگر تم دنیا میں دنیا کے قلیل اور فانی ہونے کو جانتے تو فانی کو باقی کے مقابلہ میں اختیار نہ کرتے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾
سو کیا تم خیال رکھتے ہو؟ کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو، اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے۔
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾
سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں اُس کے سوا۔ مالک اس خاصے تخت کا۔
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ
اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اُس کے پاس، سو اس کا حساب ہے
عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ
اس کے رب کے نزدیک۔ بیشک بھلا نہ پاویں گے منکر۔ اور تُو کہہ اے رب معاف کر۔ اور مہر کر
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع
اور تُو ہے بہتر سب مہر والوں سے۔

خاتمۂ سورت بر تہدید اہلِ غفلت از حساب آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ... الى ... وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾

ربط: اب سُورت کو اہل غفلت کی تنبیہ اور تہدید پر ختم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں کیا جائے گا اور کسی کو کوئی جزاء اور سزا نہیں ملے گی یہ گمان بالکل غلط ہے اور ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ سے بتلا دیا کہ قیامت کے دن کافروں کو کوئی

فلاح نصیب نہ ہوگی۔ اس روز فلاح ان اہل ایمان کو نصیب ہوگی جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور خشوع وخضوع کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سورت کی ابتداء ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ سے فرمائی اور ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پر اس سورت کو ختم فرمایا۔ شروع سورت میں اہل ایمان کے فلاح اور کامیابی کی خبر دی اور اخیر سورت میں کافروں کی ناکامی اور فلاح سے محرومی کی خبر دی۔ اور ﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ فلاح کا اصل دارومدار اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر ہے۔ لہٰذا اگر فلاح چاہتے ہو تو توبہ واستغفار کی راہ اختیار کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگ حساب وکتاب اور جزاء اور سزا کے منکر ہو اور کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی لغو اور بے کار بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے پیدا کیا اور کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور نیکی اور بدی کی تم کو سزا نہیں ملے گی۔ تمہارے دونوں خیال غلط ہیں۔ تمام اہل عقل اور دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عبث یعنی بے فائدہ اور خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ اہل عقل کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾۔

اور تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیامت کے دن تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور جزا سزا کچھ نہیں۔ دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے حشر ونشر کا امکان ہے اور کل انبیاء مرسلین علیہم السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے جن کا صدق دلائل قطعیہ سے واضح ہے۔

پس اللہ تعالیٰ بڑا عالی شان ہے اور بادشاہ برحق ہے کہ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ پیدا کرے۔ اور بادشاہ اور سلطنت کے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو انعام ملنا اور بادشاہ سلطنت کے باغیوں اور غداروں اور مجرموں کو سزا ملنا لوازمِ سلطنت میں سے ہے اور عین حکمت اور مصلحت ہے اور کسی حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔ قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رب ہے عرشِ عظیم کا۔ جو تمام آسمانوں کا حاطہ کیے ہوئے ہے پس جو عرش کا مالک ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے۔ جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تو ایسے مشرک کا اللہ کے یہاں ضرور حساب وکتاب ہوگا اور ضرور اس کو اس کی سزا ملے گی کہ جس خدا کی وحدانیت کے بے شمار دلائل تھے اس کے ساتھ بے دلیل کسی کو شریک ٹھہرالیا۔ ایسے شخص سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ضرور سزا دی جائے گی۔ بلاشبہ کافروں کو فلاح اور کامیابی نہیں بلکہ ابدالآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے اور کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

شروع سورت میں اہل ایمان کے لیے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔ اے نبی! آپ ﷺ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار! ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمالِ صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ (محمد:۱۹) ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝﴾ (مومن:۵۵)

فائدہ جلیلہ: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ﴾ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ

نے جہاد کے لیے ایک سرِیّہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا.... الخ﴾

صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ اخرجه ابن السنی وابن منده وابونعیم بسند حسن۔ (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ﴿اَفَحَسِبْتُمْ﴾ سے لے آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اخرجه الحکیم الترمذی وابن المنذر وابونعیم فی الحلیة واخرون عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸ و تفسیر قرطبی ص ۱۵۷ ج ۱۲)

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ یوم چہار شنبہ کو بوقت عصر سورۂ مومنون کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد والمنة ۔ اَللّٰھُمَّ اجعلنا من عبادك المؤمنین المفلحین الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکٰوة فاعلون والذین ھم لفروجھم حافظون والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون والذین ھم علی صلواتھم یحافظون والذین ھم للفردوس وارثون. آمین یارب العالمین. رب اغفروارحم وانت خیر الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علی اٰله واصحابه اجمعین و علینا معھم یا ارحم الرّاحمین ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تفسیر سورۃ النور

یہ سورت مدنی ہے اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں اس سورت سے زیادہ مقصود عفت اور پاکدامنی اور ستر اور نظر کے احکام بیان کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام یہ فرمان جاری کیا۔

((علّموا نساء کُمْ سورة النّور)).

"اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ تاکہ عورتوں کو معلوم ہوجائے کہ عفت اور پاکدامنی نُور ہے اور بدکاری ظلمت اور تاریکی ہے۔"

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں۔

((لاَ تُنزلو االنساء الغرف ولا تعلموهن الكتابة وعلموهن سورة النور والغزل)). (تفسیر قرطبی ص ۱۵۸ ج ۱۲)

"عورتوں کو بالاخانوں میں نہ اُتارو اور نہ ان کو لکھنا سکھاؤ یعنی ان کو تعلیم یافتہ نہ بناؤ اور ان کو سورۃ نور سکھاؤ (تاکہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کریں بے حیائی سے محفوظ رہیں) اور ان کو سوت کاتنا سکھاؤ۔"

خلاصہ وربط: گزشتہ سورت کے شروع میں مؤمنین کے اوصاف اور ایمان کے شعبوں کا ذکر فرمایا جن میں ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ سے شعبۂ عفت و پاکدامنی کا ذکر فرمایا جو ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے اور اس کے ساتھ فرمایا تھا ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ جس میں اشارہ اس طرف تھا کہ جو اپنی منکوحہ یا اپنی کنیز پر قناعت نہ کرے وہ حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے اس لیے اب اس سورت میں اوّل زیادہ تر ان احکام کا بیان ہے جو زنا اور عفت اور پاکدامنی اور پاک نظری اور معاشرہ سے متعلق ہیں تاکہ بندہ حد سے نہ نکل جائے اور اُخروی فلاح سے اور جنت الفردوس کی وراثت سے محروم نہ ہوجائے، اب اس سُورت میں حد سے گزرنے والوں کی سزا کا بیان ہے اور یہ بتلانا ہے کہ جب بندہ عفت کی حد سے نکل جاتا ہے تو اس کے دل سے نور نکل جاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا نُور نکل جاتا ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ النور ہوا کہ عفت اور پاکدامنی سے اور نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جو آدمی کو دارِ غرور (دُنیا) سے متنفر اور بیزار اور دارِ بقاء کا مشتاق اور عاشق زار بنا کر چھوڑتا ہے اور یہی نورِ ایمانی قیامت کے دن پل صراط پر اس کی رہنمائی کرے گا۔

کما قال الله تعالیٰ: ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ (التحریم:۸) اور پُل صراط پر جب منافقین کا نور بجھ جائے گا تو اہل ایمان کو ڈر ہوگا کہ کہیں ہمارا نورِ ایمان نہ بجھ جائے اس لیے وہ اس نور کے اِتمام کی دعا کریں گے اور یہ کہیں گے۔

﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (التحریم:۸)

اس لیے ان احکام عفت وعصمت کے بیان کے بعد ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے نورِ ہدایت کو بیان فرمایا اور بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نور کہاں ملتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے یعنی مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے اور اس کی عبادت سے ملتا ہے۔ اس

کے بعد ﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ﴾ سے کفر کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو بیان کیا۔ کیونکہ نور کی ضد ظلمت ہے۔ اہل ایمان کے اعمال نورانی ہیں اور کافروں اور منافقوں کے اعمال ظلماتی ہیں۔ اس کے بعد ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الخ﴾ سے کچھ دلائل توحید بیان کیے جس سے اشارہ اس طرف فرمایا کہ باطنی ظلمتوں کے ازالہ کے لیے توحید اور تسبیح وتحمید سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں۔ بعدازاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اوّل ایمان اور اطاعت کی اُخروی کامیابی کو بیان فرمایا اور اس کے بعد ﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ میں ایمان اور اعمال صالحہ کے دنیوی ثمرہ کو بیان کیا کہ ہم مؤمنین صالحین کو اپنے نبی کا جانشین کریں گے اور روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ان کو عطا کریں گے۔ اس کے بعد چند آدابِ معاشرت اور آدابِ مجلس کی تعلیم دی جس میں اللہ کے رسول کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور پھر توحید اور آخرت کی یاددہانی پر سورت کو ختم فرمایا، یہ اس سورت کے مضامین کا اجمالی بیان ہے اور اس سورت میں عفت اور پاکدامنی کے ذیل میں جو احکام بیان فرمائے ان میں وہ حصہ جس کا تعلق حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کے قصۂ افک سے ہے وہ ایک خاص شانِ امتیازی رکھتا ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قصہ کی وہی شان ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے قصہ کی شان ہے جس کی تفصیل سورۂ مریم میں گزری اور جس طرح حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔

آیاتھا ۶۴ (۲۴) سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۲) رکوعاتھا ۹

سورۂ نور مدنی ہے اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ①

ایک سُورت ہے ہم نے اُتاری اور [illegible] پر لازم کی، اور اتاریں اس میں باتیں صاف شاید تم یاد رکھو۔

تمہید اجمال احکام سورت در بارۂ عفت و عصمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①﴾

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اتارا ہے۔ جو عفت اور عصمت کے احکام پر مشتمل ہے، جیسے حدِ زنا اور حدِ قذف اور حکم لعان اور حکم استیذان اور حکم غض بصر۔ یعنی نظر اور بصر کو نامحرموں کو دیکھنے سے محفوظ رکھنے کا حکم وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم نے ان احکام کو مقرر کیا ہے۔ یعنی یہ احکام ہمارے نازل کردہ اور مقرر کردہ ہیں ان میں کوتاہی نہ کرنا، یا یہ معنی ہیں کہ ان احکام کو ہم نے فرض اور لازم کیا ہے۔ تم پر ان احکام کی تعمیل لازم ہے اور ہم نے اس سورت میں تمہارے لیے واضح اور روشن آیتیں نازل کیں جو ایسی ہدایتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے تمہارا دل منور ہو جائے۔ شاید نصیحت پکڑو اور سمجھو کہ بدکاریوں اور بے حیائیوں سے دل کا نور رخصت ہو جاتا ہے اور جانو کہ نفس کی تطہیر بغیر ان حدود اور تعزیرات کے ممکن نہیں کہ جو تم کو اس سورت میں بتلا دی گئیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سورت میں معاشرہ کا دستور العمل بتلا دیا کہ زنا سے بچو اور عورتوں کو بے حجابی سے بچاؤ اور بے دھڑک اور بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کوئی شخص اپنے گھر میں کس حال میں ہے یہ چیزیں معاشرہ اور تمدن کو خراب کرنے والی ہیں۔ اب اس تمہید کے بعد احکام کی تفصیل شروع فرماتے ہیں اور چونکہ تمام رذائل میں خبیث ترین اور سب سے زیادہ گندہ فعل زنا ہے اس لیے اس سورت کے احکام کی ابتدا حکم زنا سے فرمائی کیونکہ زنا سے حسب ونسب کا نظام درہم وبرہم ہو جاتا ہے اور قرابتوں کا فرق ملتبس اور مشتبہ ہو جاتا ہے جس پر نکاح اور میراث کا دارومدار ہے، دینی اور دنیوی فلاح اور کامیابی [1] بغیر عفت اور پاکدامنی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ایک ایک کو دونوں میں سے، سو چوٹ ٹھپی۔ اور نہ

تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

آوے تمکو ان پر ترس، اللہ کے حکم چلانے میں۔ اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور

الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

پچھلے دن پر۔ اور دیکھیں ان کا مارنا، کوئی لوگ مسلمان

حکم اوّل۔ حدِ زنا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ ... الٰی ... طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②﴾

[1] اس تعبیر میں سورۂ مومنون کے آغاز ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ... الخ﴾ اور اس کے خاتمہ ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سوان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو۔ اور اے مسلمانو! تم کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ان دونوں پر رحم اور ترس نہ آنا چاہیے کہ رحم کھا کر ان کو چھوڑ دو یا ان کی سزا میں کچھ کمی کر دو دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے آسان ہے۔

اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوئے ہو تو حکم الٰہی کو پوری طرح جاری کرو اور اس میں نرمی اور سُستی نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ آخرت میں تم سے سوال کرے گا کہ تم نے ہمارے قانون کے جاری کرنے میں لوگوں کی رعایت سے سُستی اور بُزدلی دکھلائی۔ اللہ کا حق یہ تھا کہ اس کی تعمیل میں ہمت اور دلیری سے کام لیتے اور جب تم یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اس دن کی باز پرس سے ڈرنا چاہیے تھا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ کی مقرر کردہ حد کو بلا کسی رعایت کے پوری طرح جاری کرو اور چاہیے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔ تاکہ لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سزا کی تشہیر بھی ضروری ہے تاکہ اس فضیحت کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں۔ اگر کسی بند مکان میں یہ سزا جاری کی گئی تو یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد عاقل اور بالغ اور غیر شادی شدہ ہو۔ ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں غیر محصن کہتے ہیں اور جو شخص شادی شدہ ہو اور ہمبستری بھی کر چکا ہو ایسے شخص کو محصن کہتے ہیں اس آیت میں غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ کی سزا کا ذکر ہے کہ اس کے سو کوڑے مارے جائیں اور جو شخص محصن ہو یعنی جس کا نکاح ہوا ہو اور وہ ہمبستری بھی کر چکا ہو تو اس کی سزا رجم سنگسار کرنا ہے یعنی سب کے سامنے اس کے پتھر مارے جائیں یہاں تک کہ وہ مر جائے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں بحوالہ توریت یہ گزر چکا ہے ﴿وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ (المائدہ:۴۳) کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی مرد اور یہودی عورت پر جو شادی شدہ تھے زنا کی سزا میں ان کو بحکم تورات رجم و سنگسار کیا اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کو قبول کیا کہ تورات میں شادی شدہ زنا کار کا حکم رجم و سنگسار کرنا ہے اور علی الاعلان رجم کی سزا جاری کی گئی اور اسی بارہ میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔ جس میں رجم کی سزا کو حکم اللہ کہا گیا اور جب آنحضرت ﷺ نے یہود کے بارہ میں رجم کا فیصلہ فرمایا تو یہ ارشاد فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ انی اوّل من احیا امرك اذا اماتوهُ)).

"خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم (رجم) کو زندہ کیا جب کہ وہ مٹا چکے تھے۔"

بہر حال آنحضرت ﷺ نے بحکم خداوندی شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ فرمایا اور پھر اس واقعہ یہود کے بعد جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں آپ ﷺ نے زانی محصن کو رجم کی سزا دی اور اس بارہ میں اس قدر احادیث مروی ہیں کہ ان کا قدر مشترک بلا شبہ تواتر معنوی کو پہنچا ہوا ہے اور حضور پُرنورؐ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا اور تمام اُمت کا اس پر اجماع ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عمل نے اور خلفاء راشدین کے عمل نے یہ واضح کر دیا کہ تورات میں جو رجم کا حکم تھا وہ شریعت محمدیہ میں حسب سابق باقی ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا میں قتل کا حکم قرآن حکیم میں بحوالہ تورات بیان کیا گیا ہے ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (المائدہ:۴۵) اسی طرح رجم کے حکم کو سمجھو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں جو سو کوڑے لگانے کا حکم مذکور ہے وہ اس بدکار مرد اور عورت کا ہے کہ جو غیر شادی شدہ

ہوں اور جو مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور وہ بدکاری کریں تو ان کا حکم رَجم (یعنی سنگسار) کرنا ہے۔ جیسا کہ احادیث صریحہ اور متواترہ سے اور خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے جس میں نہ مجال انکار کی ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے۔

(دیکھو احکام [1] القرآن للجصاص رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶۳ ج ۳)

بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج سے واپسی کے بعد اور اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل طویل خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:

ان الله بعث محمدا ﷺ بالحق وانزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله اٰية الرجم فقرأنا ها وعقلنا ها ووعينا هارجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده فاخشى ان طال بالنّاس زمان يقول قائل والله مانجد اٰية الرجم فى كتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله والرجم فى كتاب الله حق على من زنى اذا اُحصن من الرّجال والنساء اذاقامت البينة اوكان الحبل او الاعتراف.

(دیکھو فتح الباری ص ۱۳۰ ج ۱۲۔ باب رجم الحبلى من الزنا اذا احصنت)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق دیکر بھیجا اور ان پر قرآن اتارا اور اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رجم کی آیت بھی اُتاری پس ہم نے اس آیت رجم کو پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا اور اس کو یاد رکھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں رجم کے حکم پر عمل کیا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہم لوگوں نے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے رجم کے حکم پر عمل کیا اور اس حکم کو جاری کیا۔ سو میں ڈرتا ہوں کہ ایک مدت زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں پاتے، پھر گمراہ ہوں ایک فرض کے ترک سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا (یعنی آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم باقی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو رجم کا حکم نازل فرمایا وہ بالکل حق اور درست ہے اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہے کہ جو مرد یا عورت شادی شدہ ہو۔ اور وہ زنا کرے اور زنا گواہی سے ثابت ہو جائے یا حمل سے ظاہر ہو جائے یا مرد یا عورت کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو ایسے زنا کار مرد اور عورت کا رجم ازروئے کتاب الٰہیہ کے حق اور درست ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا پوری آیت اس طرح ہے۔

الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم. اخرجه النسائى وصححه الحاكم. (دیکھو فتح الباری ص ۷ ج ۱۲ باب الاعتراف بالزنا)

"شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

---

[1] قال ابوبكر وقد الكرت طائفة شاذة لا تعد خلا فالرجم وهم الخوارج وقد ثبت الرجم عن النّبى ﷺ بفعل النبى ﷺ وبنقل الكافة والجزء الشائع المستفيض الذى لا مساغ للشك فيه. واجمعت الامة عليه فروى الرجم ابوبكر وعمر وعلى وجابر بن عبدالله وابوسعيد الخدرى وابوهريرة وبريدة الاسلمى وزيد بن خالد فى آخرين من الصحابة وخطب عمر فقال لولا ان يقول الناس زاد عمر فى كتاب الله لاثبتُّهٗ فى المصحف آه كذا فى احكام القرآن للجصاص ص ۲۶۳ ج ۳۔

ایک اور روایت میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب خطب النّاس فقال لا تشکوا فی الرجم فانه حق. (فتح الباری ص ۷ ۱۲ ج ۱۲)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رجم کے حکم میں شک نہ کرنا۔ اس لیے کہ رجم کا حکم بلاشبہ حق ہے۔"

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن کے حاشیہ میں یہ آیت لکھ دیتا۔

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما نکالا من الله والله عزیزٌ حکیم. (دیکھو فتح الباری ص ۷ ۱۲ ج ۱۲)

بے شمار روایتوں سے ثابت ہے کہ آیت رجم جو اوپر مذکور ہوئی وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔ تلاوت اگرچہ اس کی منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم بالاجماع باقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے موافق عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے بار بار رجم کے حکم کا اعلان فرمایا۔ مقصود یہ تھا کہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے قرآن میں نازل ہوا، اور اب اگرچہ اس آیت کی تلاوت منسوخ ہے مگر اس کا حکم بدستور باقی ہے اور اس حکم سے اعراض اور انحراف گمراہی ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح موطا ص ۱۴۵ ج ۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈر یہ تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ ایسے پیدا نہ ہوں کہ جو رجم کے حکم کا انکار کریں اور بہانہ یہ بنائیں کہ رجم کا حکم صراحةً قرآن میں موجود نہیں اس فتنہ کے انسداد کے لیے بار بار آیت رجم کا برسر منبر اعلان فرمایا تا کہ آئندہ چل کر کسی کو رجم کے انکار کی مجال نہ رہے۔

حضرات اہل علم تفصیل کے لیے فتح الباری باب الاعتراف بالزنا اور باب رجم الحبلی کی مراجعت کریں۔ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ابواب کی شرح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بارے میں جو روایتیں وارد ہوئی تھیں ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز زرقانی شرح مؤطا امام مالک ص ۱۴۵ ج ۴ کتاب الحدود دیکھیں جس میں آیت رجم کا ذکر ہے۔ اور امام بخاری نے جامع صحیح میں کتاب المحاربین کے ذیل میں رجم پر مختلف ابواب اور تراجم قائم فرمائے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ رجم محصن کا حکم قطعی اور یقینی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو خطرہ تھا کہ آئندہ زمانہ میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم رجم کا حکم صراحةً کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ گمان صحیح نکلا اور خارجیوں نے یہی کہہ کر رجم کے حکم کا انکار کیا کہ قرآن میں تو صرف جلد یعنی کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ رجم۔ سنگسار کرنے کا حکم مذکور نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے نور بصیرت سے پہلے ہی اس فتنہ کو دیکھ لیا اور اس کا انسداد فرما دیا اور اس شدت کے ساتھ حکم رجم کا اعلان فرمایا کہ آئندہ چل کر کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔

نکتہ : شریعت کے جس طرح تمام احکام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں اسی طرح زنا کے بارہ میں جو حکم دیا گیا وہ بھی سراسر حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

زنا کے بدترین خصلت ہونے میں تو کسی عاقل کو شبہ نہیں۔ شریعت نے اس بے حیائی کے انسداد کے لیے یہ حکم دیا کہ اگر زنا کار غیر شادی شدہ ہے تو اس کو اس نفسانیت کی سزا میں سو کوڑے لگائے جائیں مگر اس کو مارا نہ جائے بلکہ سزا دے کر اسے زندہ رہنے دیا جائے اور اگر یہ حرام کار شادی شدہ ہے تو اب اس کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہو اس لیے شریعت نے ایسے شخص کے رجم کا حکم دیا تاکہ ایسے خبیث کے وجود سے اللہ کی زمین ہی پاک ہو جائے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ؗ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ

بدکار مرد نہیں بیاہتا مگر عورت بدکار یا شریک والی۔ اور بدکار عورت کو بیاہ نہیں لیتا

اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③

مگر بدکار مرد یا شریک والا۔ اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر

حکم دوم۔ نکاح زانی وزانیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً ... الی ... وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③﴾

ربط: گزشتہ آیت میں زنا کی سزا کو بیان کیا۔ اب آئندہ آیت میں زنا کے متعلق ایک دوسرا حکم بیان کرتے ہیں، آئندہ آیت میں اوّل زنا کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں کہ زنا ایسی خبیث اور گندی چیز ہے جس سے آدمی کی طبیعت ہی خبیث اور گندی بن جاتی ہے کہ خبیث ہی چیزوں سے رغبت کرنے لگتی ہے اور اس کے بعد زنا کے متعلق یہ حکم بیان کیا کہ مؤمنوں کے لیے زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زنا کرنے والی عورت سے جو زنا کو بُرا نہیں سمجھتی یا مشرک عورت سے اور زنا کرنے والی عورت سے کوئی نکاح نہیں کرنا چاہتا مگر زنا کرنے والا مرد یا مشرک مرد جس کے دل میں زنا اور شرک کی نفرت نہ رہی ہو مطلب یہ ہے کہ زنا ایسی بُری خصلت ہے کہ اس کی وجہ سے زنا اور شرک سے نفرت نہیں رہتی اور یہ کام یعنی زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے ایک مؤمن، مؤمن رہتے ہوئے یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ جان بوجھ کر ایک بدکار عورت یا کافرہ عورت سے جو اپنی بدکاری اور کُفر پر مُصر اور قائم ہو۔ ازدواجی تعلق قائم کرے جب اس کو یہ علم ہے کہ یہ عورت بدکار ہے اور اپنی بدکاری پر قائم ہے اور اس بدکاری سے باز نہیں آتی تو ایسی عورت سے نکاح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ بے غیرت اس بات پر راضی ہے کہ اس کی عورت بدکاری کرتی رہے اور یہ اُسے کچھ نہ کہے۔ شریعت میں اس بے غیرتی کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نکاح کے حلال اور جائز ہونے کی شرط یہ بتلائی ہے کہ وہ عورتیں عفیف اور پاکدامن ہوں بدکار اور زنا کار اور آشنا بنانے والی نہ ہوں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ﴾ (النساء:۲۴)
﴿مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾ (النساء:۲۵)

قال الامام النسفی واصح الاقاویل فی ھذہ الأیۃ الشریفۃ انھا تزھید فی حق نکاح البغایا و تاویل

ذٰلك ان اهل الاسلام والایمان سیبتلیهم ان لا یرغبوا اِلّا فی المسلمات العفیفات و اما الزانی فانما یمیل الیٰ کل من کان علی مذهبه فی الزنا او الیٰ من لایعتقد الْایمان فضلا عن ان تفکر فی التعفف والزانیة ایضاً انما تمیل الی احد الرجلین اما زانٍ او الی مشرك شر منها.

(حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۱۴ ج ۳)

"امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا مقصود بدکار اور زنا کار عورتوں سے نکاح کرنے سے نفرت دلانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ سوائے مسلمان پاکدامن عورتوں کے کسی عورت سے نکاح کی طرف راغب نہ ہوں۔ اس لیے کہ زانی اور بدکار مرد کا میلان اور رغبت اسی عورت کی طرف ہوتا ہے کہ جو زنا اور بدکاری میں اس کے مذہب پر ہو یا اس عورت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے جو سرے سے ایمان ہی کی قائل نہ ہو۔ چہ جائیکہ وہ عفت اور پاکدامنی میں کچھ غور وفکر کرے اور علیٰ ہذا القیاس زانیہ اور بدکار عورت کا میلان دو شخصوں میں سے کسی ایک شخص کی طرف ہوتا ہے یا تو زانی مرد کی طرف یا کسی کافر اور مشرک مرد کی طرف جو زانی سے بھی بدتر ہے اور کسی حلال وحرام کا قائل نہیں۔"

مسئلہ: اس آیت کے ظاہر کی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے کہ پارسا مرد کا نکاح زانیہ عورت سے صحیح نہیں اور اسی طرح پارسا عورت کا نکاح زانی اور فاجر مرد سے جائز نہیں یہاں تک کہ وہ صحیح توبہ کرے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ و جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ زانیہ اور فاجرہ عورت سے جو زنا پر مُصر ہو نکاح کرنا تو ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر وہ نکاح کرے تو وہ نکاح فی حد ذاتہٖ درست ہے۔

اور بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ ایک بدکار عورت نے جس کا نام اُم مہزول تھا اس نے ایک مسلمان سے نکاح کرنا چاہا تو اس مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عجب نہیں کہ جس طرح ابتداء اسلام میں مشرکہ سے نکاح جائز تھا اسی طرح زانیہ سے بھی نکاح جائز ہو مگر اس آیت کے نزول سے زانیہ سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہوا۔ حرمت اور بطلان میں فرق ہے حرام ہونے سے باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زانیہ سے نکاح باطل ہے اور جمہور علماء کے نزدیک زانیہ اور اہلِ کتب کی کافرہ سے نکاح کرنا تو ناجائز ہے لیکن اگر نکاح کرلیا تو وہ نکاح درست ہوجائے گا۔ شاید یہ نکاح اس زانیہ کی عفت اور پاکدامنی کا سبب بن جائے جیسے یہودیہ اور نصرانیہ سے بلاضرورت نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر کرلیا تو نکاح درست ہوجائے گا شاید یہ نکاح اس یہودیہ اور نصرانیہ کے اسلام کا سبب بن جائے اور اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کی تفصیل سورۂ مائدہ میں گزر چکی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والیوں کو۔ پھر نہ لائے چار مرد شاہد

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ

تو مارو ان کو اسّی چوٹ کچی کی اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی۔ اور

أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٤﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا۟

وہی لوگ ہیں بے حکم۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اس پیچھے اور سنوار پکڑی۔

فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

تو اللہ بخشتا ہے مہربان۔

حکم سوم۔ حدِّ قذف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ... الٰی ... فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

گزشتہ آیت میں زانیہ سے نکاح کی حرمت بیان کی۔ اب اس آیت میں کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جو کسی پر بغیر ثبوت کے زنا کی تہمت لگائے اس کی کیا سزا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر ان کے زنا کے ثبوت پر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو ایسے ہی لوگ خدا کے نزدیک فاسق ہیں کہ انہوں نے ایک پاکدامن کو بے آبرو کیا اور بلا ثبوت کے اس پر زنا کی تہمت لگائی مگر جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کرلی اور اپنی حالت کی اصلاح کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کردیا اور فسق کا نام ان سے اُٹھ گیا مگر توبہ کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی اس لیے کہ وہ بندہ کا حق ہے توبہ کرنے سے اس کو یہ فائدہ پہنچا کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے کہ قذف یعنی تہمت لگانے کا جو گناہ اس کے ذمہ تھا وہ توبہ سے رفع ہوگیا۔ باقی رہی حد۔ سو یہ اس کی دنیوی سزا ہے کہ تم نے کسی پاکدامن کو بلاثبوت کے کیوں بے آبرو اور خوار کیا یہ اسی کوڑے بلاثبوت تہمت کی دنیوی سزا ہے جس سے مقصود دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ یہ سزا توبہ کرنے سے بالاجماع ساقط نہیں ہوسکتی۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول ہوسکتی ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد فسق کے دائرہ سے تو باہر ہوجائے گا مگر اس کی شہادت اور گواہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد اس کے فسق کا حکم بھی ختم ہوجائے گا اور عدم قبول شہادت کا حکم بھی اس سے اٹھ جائے گا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ اس آیت میں ﴿قَاذِفْ﴾ یعنی تہمت لگانے والے کے تین حکم مذکور ہیں۔ ایک ﴿ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ یعنی اسی کوڑے لگانا۔ دوم ﴿لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ یعنی اس کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ سوم ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ایسے لوگ فاسق ہیں۔ اب تین حکموں کے بعد تائبین کا استثناء فرمایا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ تو علماء نے اختلاف کیا کہ یہ استثناء تین حکموں میں سے کس حکم کی طرف راجع ہے پس اس پر تو ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ استثناء پہلے حکم یعنی اسی کوڑے مارنے کی طرف راجع نہیں تہمت لگانے والے پر حد قذف یعنی اسی کوڑوں کی مار بالاجماع جاری ہوگی چاہے وہ توبہ کرے یا نہ کرے اب باقی رہے دو جملے ایک ﴿لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ یعنی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور دوسرا جملہ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ یہ لوگ فاسق ہیں۔ اب اخیر میں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ

﴿تَابُوْا﴾ کا استثناء مذکور ہے تو امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس استثناء کا تعلق دونوں جملوں سے ہے یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق صرف اخیر جملہ سے ہے پس توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور قاضی شریح اور ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر اور مکحول اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی مذہب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور قواعد عربیت کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جب تین جملوں کے بعد کوئی استثناء آ رہا ہے یا تو تینوں سے متعلق کرو۔ یا صرف اخیر جملہ سے اس کو متعلق کرو۔ اور اس آیت میں یہ استثناء بالاجماع پہلے جملہ کی طرف راجع نہیں کیونکہ توبہ کر لینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثناء جملہ اخیرہ کی طرف ضرور راجع ہے اب درمیانی جملہ ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ محتمل رہا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ استثناء اخیر جملہ کی طرف راجع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے۔ نیز قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں توبہ کا ذکر آیا ہے اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے۔ نہ کہ دنیوی احکام سے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ استثناء فقط ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ سے متعلق اور مربوط ہے کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے۔ اور درمیانی جملہ ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم ﴿ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ احکام دنیا سے متعلق ہے پس بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ کو ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے اور تائبین کے استثناء کو فقط اخیری جملہ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ سے متعلق رکھا جائے۔ نیز ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ کی جزاء تو ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ پر پوری ہوئی اور ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ جملہ مستانفہ ہے جو قذف کے جزا اور سزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے اور اسلوب کلام بھی بدلا ہوا ہے اس لیے کہ ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ﴾ اور ﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً﴾ دونوں خطاب کے صیغے ہیں اور دونوں جملے جملہ انشائیہ میں ایک امر ہے اور ایک نہی ہے اور جملہ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ مستقل جملہ ہے جو سابق خطاب کے ختم کے بعد لایا گیا ہے اور یہ جملہ خبریہ اسمیہ ہے۔ پہلے دو جملوں کی طرح جملہ انشائیہ فعلیہ نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف یعنی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ کا عطف شروع جملہ اسمیہ خبریہ یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ پر کیا جائے اور ﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ جو کہ جملہ انشائیہ فعلیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو کیونکہ جملہ انشائیہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ یعنی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز ہی نہیں یا مناسب نہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔

حضرات اہل علم اس مقام پر حاشیہ شیخ زادہ وحاشیہ قونوی علی تفسیر البیضاوی ملاحظہ فرماویں۔

*

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ
اور جو عیب لگا دیں اپنی جوروؤں کو اور شاہد نہ ہوں اُن کے پاس سوائے اپنی جان
فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥
تو ایسے کسی کی گواہی یہ کہ چار گواہی دیوے اللہ کے نام کی مقرر یہ شخص سچا ہے۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَ

اور پانچویں یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اُس شخص پر اگر وہ ہو جھوٹا۔ اور

يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ

عورت سے ٹلتی ہے مار یوں کہ گواہی دے چار گواہی اللہ کے نام کی مقرر وہ شخص

الْكٰذِبِيْنَ ۙ⑧ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ

جھوٹا ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر وہ شخص

الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ

سچا ہے۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اس کی مہر اور یہ کہ اللہ

تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع

معاف کرنے والا ہے، حکمتیں جانتا (تو کیا کچھ ہوتا)

ع ۱۰/۷

حکم چہارم۔ لعان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ... الٰى ... وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع﴾

ربط: پہلی آیت میں اجنبی عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان فرمایا تھا' اب ان آیات میں اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا حکم بیان کرتے ہیں۔ جس کو اصطلاحِ شریعت میں لعان کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو لوگ اپنی منکوحہ بیوی پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز ان کی ذات کے اور کوئی گواہ نہ ہوں۔ جس کے لیے چار عدد گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو ایسے شخص کی شہادت جو اس کو حدِ قذف اور سزاء جبس سے بچالے یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ شہادت دے کہ وہ بلاشبہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ یہ مرد کا لعان ہوا۔ جس سے مرد سے حدِ قذف ساقط ہوئی۔

چونکہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے اور اپنے گھر کے معاملہ میں شہادت کا فراہم کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے شریعت نے یہ حکم دیا کہ اگر مرد اپنی بیوی کو زنا کے ساتھ متہم کرے تو بجائے چار گواہوں کے چار حلفیہ شہادتیں دے دے تو یہ چار حلفیہ شہادتیں قائم مقام چار گواہوں کے ہو جائیں گی۔ اس طرح شوہر خاندانی ذلت سے بچ جائے گا ورنہ شوہر کے لیے چار گواہوں کا میسر آنا بہت دشوار ہے اور اس کے بعد عورت کا لعان ہے کہ وہ بھی پانچ مرتبہ اسی طرح کہے۔ چنانچہ عورت سے حدِ زنا اور قید کو دُور کرنے والی چیز یہ ہے کہ وہ عورت اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ بے شک اس کا شوہر جھوٹوں میں سے ہے جو اس نے میری بابت کہا ہے

اور پانچویں مرتبہ یہ گواہی دے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر میرا خاوند سچوں میں سے ہو۔ مرد اور عورت کا اس طرح کہنا یہ ''لِعان'' ہے اور لِعان سے فراغت کے بعد میاں بیوی کے درمیان فرقت واقع ہو جاتی ہے اور وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی وہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ لِعان کے بعد مرد یا اس کو طلاق دے دے یا قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور اگر اس عورت سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ اس باپ کے نام سے نہ پکارا جائے۔

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا نہ ہوتا تو لعان کا حکم نازل نہ کرتا اور تم کو تہمت لگانے پر فوراً ہی سزا دے دیا کرتا مگر چونکہ اس کا تم پر بڑا فضل و کرم ہے اس لیے اس نے تمہاری پردہ پوشی کے لیے لِعان کا حکم نازل کر دیا اور مرد سے حد قذف کو اور عورت سے حد زنا کو ساقط کر دیا۔ یہ اس کی عنایت اور حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے شوہر کو چار گواہوں کی گواہی پیش کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ لِعان سے معاملہ ختم کر دیا اس لیے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں خود اس کی بے عزتی ہے اس لیے بغیر کسی قوی دلیل اور بغیر اپنے مشاہدہ کے کوئی سلیم الطبع اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔ اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا فراہم کرنا بہت دشوار ہے۔ شریعت نے طرفین کی رعایت کر کے لِعان کا حکم دیا۔

اختلاف روایات در شانِ نزول:

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ہلال بن امیہ صحابی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اتری اور بعض کہتے ہیں کہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں قصے صحیح روایتوں میں آئے ہیں اور ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ہیں' اس لیے دونوں قصوں کو آیت کا شانِ نزول کہنا درست ہے اور قرآنِ کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں کہ ایک ہی قسم کے کئی قصے گزرنے کے بعد وہ آیتیں نازل ہوئیں۔ لہٰذا ان چند قصوں کا مجموعہ آیت کا شانِ نزول ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان' تمہیں میں ایک جماعت ہیں تم اُن کو نہ سمجھو بُرا اپنے حق میں'

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَ

بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں۔ ہر آدمی کو ان میں سے پہنچتا ہے جتنا کمایا گناہ' اور

الَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑪ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ اُس کو بڑی مار ہے۔ کیوں نہ جب تم نے اس کو سُنا تھا'

ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ

خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں نے اور عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال۔ اور کہا ہوتا یہ صریح

مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا

طوفان ہے؟ کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد؟ پھر جب نہ لائے

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ

شاہد تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل

عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ

تم پر اور اُس کی مہر دنیا اور آخرت میں البتہ تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا

آفت بڑی۔ جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات۔ اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی ہے۔

وَ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ

اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا، کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لاویں یہ بات؟

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ

اللہ تو پاک ہے یہ بڑا بہتان ہے۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام

اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ ۚ وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَ اللّٰهُ

کبھی، اگر تم یقین رکھتے ہو۔ اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے۔ اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ

سب جانتا ہے حکمت والا۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں

اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۭ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ

میں اُن کو دُکھ کی مار ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ

نہیں جانتے۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہر اور یہ کہ اللہ

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ع ۲ / ۸

نرمی کرنے والا ہے مہربان (تو کیا کچھ ہوتا) اے ایمان والو! نہ چلو قدموں پر شیطان کے

وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ

اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ یہی بتاوے گا بے حیائی اور بری بات اور

لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ

کبھی نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر" نہ سنورتا تم میں ایک شخص کبھی۔

وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَ لَا يَاْتَلِ

اور لیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے اور اللہ سب سنتا ہے جانتا۔ اور قسم نہ کھاویں

اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ

بڑائی والے تم میں اور کشائش والے اس سے کہ دیویں ناتے والوں کو اور محتاجوں کو

وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ

اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں۔ اور چاہیے معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے

اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ

کہ اللہ تم کو معاف کرے؟ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔ جو لوگ عیب لگاتے ہیں

الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۠ وَ لَهُمْ

قید والی بے خبر ایمان والیوں کو اُن کو پھٹکار دنیا میں اور آخرت میں؛ اور ان کو

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ لا يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ

بڑی مار۔ جس دن بتاویں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور

أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ

پاؤں جو کچھ کرتے تھے۔ اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی

الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ

سزا جو چاہیے۔ اور جانیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا۔ گندیاں ہیں گندوں کے واسطے

وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ

اور گندے واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں واسطے ستھروں کے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے۔

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾ ع

وہ لوگ بے لگاؤ ہیں ان باتوں سے جو کہتے ہیں، ان کو بخشنا ہے اور روزی ہے عزت کی۔

بیان براءت ونزاہت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
از افک وتہمت ونصیحت مؤمنین وفضیحت منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ ... الی ... لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مطلق محصنات یعنی عام مسلمان اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا رتبہ بوجہ اُم المؤمنین ہونے کے اور بوجہ زوجہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے تمام محصنات مؤمنات سے بہت بلند اور برتر ہے۔ یہاں سے یعنی ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ﴾ سے لے کر اٹھارہ آیتوں تک یعنی ﴿أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جن میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اُم المؤمنین اور زوجہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانا کفر اور نفاق ہے۔ عام محصنات مؤمنات پر تہمت لگانے والا فاسق اور فاجر اور مردود الشہادۃ ہے مگر اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر تہمت لگانے والا کافر اور منافق ہے اور ان آیات کے خاتمہ پر حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ﴿أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ﴾ اس بارہ میں نص صریح ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی اس براءت اور نزاہت کی شہادت کے بعد بھی عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارہ میں بدگمانی کرے وہ بلاشبہ کافر ہے اور حق تعالیٰ کی اس شہادت کا منکر ہے۔ (دیکھو صاوی [1] حاشیہ جلالین ص ۱۲۹ ج ۳)

---

[1] قال الصاوی قولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ ... الخ﴾ شروع فی ذکر الآیات المتعلقة بالافک وھی ثمانیة عشر تنتھی بقولہ: =

اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت کے بارہ میں نازل ہوئیں جو منافقین نے آپ پر تہمت لگائی تھی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے خلاصہ اس کا یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۶ ھ میں غزوۂ بنی المصطلق سے واپس آ رہے تھے اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں اور ان کی سواری کا اُونٹ علیحدہ تھا اور اس پر ایک ہودج تھا۔ اسی ہودج میں اُم المؤمنین سوار کی جاتی تھیں اور اسی ہودج میں اتاری جاتی تھیں۔ واپسی میں ایک منزل پر نزول ہوا کوچ سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضاء حاجت کے لیے پڑاؤ سے باہر چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کے گلے میں جو منکوں کا ہار تھا ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوچ ہو گیا جو لوگ اُونٹ پر ہودج کسا کرتے تھے انہوں نے یہ خیال کر کے کہ اُم المؤمنین ہودج ہی میں ہیں۔ ہودج کو اُونٹ پر کس دیا چونکہ اس زمانہ میں عورتیں نہایت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، موٹی تازی نہیں ہوتی تھیں اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی کم تھی اس لیے ہودج کسنے والوں کو کچھ شبہ بھی نہ ہوا اور اُونٹ کو لے کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے جب لشکر روانہ ہو گیا تب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہار مل گیا اور آپ پڑاؤ پر آئیں۔ دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں۔ قافلہ کوچ کر چکا ہے آخر یہ سوچ کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب منزل پر پہنچ کر مجھے نہیں پائیں گے تو تلاس کے لیے یہیں کسی کو روانہ کریں گے یہ خیال کر کے وہیں بیٹھ گئیں۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ان پر نیند نے غلبہ کیا اور سو گئیں۔ لشکر کے پیچھے گری پڑی چیز کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے ایک شخص صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ رہا کرتا تھا وہ لشکر کے پیچھے آ رہا تھا۔ علی الصبح سویرے ہی سویرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منزل کے قریب آ پہنچا اور دُور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی شخص پڑا سوتا ہے جب قریب پہنچا تو اس نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ نزول حجاب سے پہلے انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا جب اس نے اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح دیکھا تو غایت تاسف سے ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھا اس پڑھنے کی آواز سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور فوراً چادر سے منہ ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اُونٹ لا کر ان کے قریب بٹھلا دیا اُم المؤمنین پردہ کے ساتھ اس اُونٹ پر سوار ہو گئیں اور وہ اُونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو کھینچتے ہوئے پاپیادہ آگے آگے چلے یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ اتنی سی بات پر منافقوں نے بہتان طرازی شروع کر دی اور اس معمولی سے واقعہ کا ایک افسانہ بنا دیا۔ جس کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ اس خبیث دشمن کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور طرح طرح سے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اصل فتنہ پرداز تو منافقین تھے، لیکن بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے، جیسے حضرت حسان اور مسطح اور حمنہ بنت جحش جو اُم المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں پہنچ کر بیمار ہو گئیں۔ جب ان کو اس کی خبر ہوئی تو زار و قطار روئیں اور ہچکیاں بندھ گئیں اور بیماری میں اور اضافہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے باپ کے گھر آ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں اور آنسو نہیں تھمتے تھے، اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں اور ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کو سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کر دیا ہے۔ بالآخر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

= ﴿ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴾ ومناسبة هٰذه الآيات لما قبلها ان الله تعالیٰ لما ذكر ما في الزنا من الشناعة والقبح وذكر ما يترتب على من رمى غيره به وذكر انه لا يليق بآحاد الامة فضلا عن زوجة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم ذكر ما يتعلق بذلك. انتهى كلامه

کا صدمہ حد سے گزر گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف:۱۸) کا کلمہ زبان پر جاری ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں یہ آیتیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ﴾ سے لے کر ﴿أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ تک نازل ہوئیں جن سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت پر قیامت تک کے لیے مہر لگ گئی اور کسی منافق کی مجال نہیں رہی کہ وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کوئی لفظ اپنی زبان سے نکال سکے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اس بہتان کو بنا کر لائے ہیں وہ تم ہی میں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے یعنی بظاہر وہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہے خیر سے نام اسلام کا لیتے ہیں خواہ وہ سچ ہو یا جھوٹ ہو۔ اصل سازش تو منافقوں کی ہے اور چند مسلمان نادانستہ طور پر ان کی اس عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے باقی ان چند کے سوا جمہور اہلِ اسلام اس سازش میں نہیں پھنسے۔ اصل فتنہ کا بانی مبانی تو عبداللہ بن سلول منافق تھا اور اس کے ساتھ منافقین کی جماعت تھی اس کے علاوہ چند مخلص مسلمان جیسے حسان اور مسطح اور حمنہ رضی اللہ عنہم۔ وہ صرف کسی غلط فہمی یا سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے جال میں پھنس گئے مؤمنین مخلصین میں سے صرف یہ تین تھے باقی منافقین تھے اور عام اہلِ اسلام اس خبر سے غایت درجہ رنجیدہ اور ملول تھے۔ اس لیے ان آیات میں ان کی تسلی فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ ظاہر میں اگرچہ برا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں برا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود براءت کا متولی اور کفیل بنا اور آسمان سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں اور اہل ایمان کی مدح میں اور منافقین کی فضیحت اور مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں جو قیامت تک اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور مسجدوں اور محرابوں میں زبانیں ان کی تلاوت کرتی رہیں گی یہ تو لسان صدق ہے۔ دُنیا اور آخرت میں جس سے تمہاری بزرگی اور عظمت شان سب پر ظاہر ہوگئی اور دشمنانِ اسلام ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو گئے سو یہ بہتان تمہارے حق میں برا نہیں ہوا بلکہ ان کے حق میں برا ہوا اور ان کی ایذاء اور بدزبانی پر صبر کا اجر اس کے علاوہ رہا۔ یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لیے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا۔ بالخصوص یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کو ہے جن پر صدمہ کا پہاڑ آ گرا۔ یہ آیتیں نازل کر کے ان کو تسلی بخشی اور دنیا کو متنبہ کر دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا اور خاص کر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کیا مرتبہ ہے۔

ان میں سے ہر شخص کے لیے اسی قدر سزا ہے جس قدر اس نے گناہ کمایا ہے۔ جس شخص نے جس قدر اس فتنہ میں حصہ لیا۔ بقدر حصہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ بعضے اس خبر کو سن کر ہنستے تھے اور بعض نے کچھ زبان سے بھی کہا تھا بعض خاموش رہے مگر بولنے والے کو منع نہ کیا۔ اس مختصر جملہ میں اس قسم کے تمام لوگوں پر عتاب ہے اور وہ شخص جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں ذلیل اور خوار ہوگا۔ اس آیت میں منافقین کے سرغنہ عبداللہ بن ابی کو تہدید فرمائی۔ اب آئندہ آیات میں ان مؤمنین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہو گئے تھے بعض اس خبر کو سن کر خاموش ہو گئے اور بعض نے اس خبر کو نقل کیا اگرچہ وہ اس خبر کو سچا نہیں سمجھتے تھے لیکن نقل کرنے سے ایک درجہ میں منافقین کے معاون بنے اس لیے آئندہ آیت میں اس قسم کے مسلمانوں کو نصیحت اور ملامت فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو ایمان والے مردوں نے جن میں حسان اور مسطح رضی اللہ عنہما بھی آ گئے اور ایمان والی عورتوں نے جن میں حمنہ رضی اللہ عنہا بھی آ گئیں اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا۔ اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا یہ تو کھلا جھوٹ ہے یعنی مسلمانوں کو چاہیے

تھا کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے اور اپنے جیسا ان کو سمجھتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت اور نزاہت اور ان کا اُم المؤمنین ہونا اور ان کا ذاتِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں ہونا اور صفوان رضی اللہ عنہ کا مرد صالح اور متقی ہونا اور عبداللہ بن ابی کا منافق ہونا اور دشمنِ رسول ہونا اور اس کا جھوٹا ہونا یہ سب باتیں تمہارے سامنے تھیں۔ پھر دشمنانِ رسول کی ایک جھوٹی افواہ پر تم نے کیسے کان لگایا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس بات کا ذکر آیا تو سنتے ہی کہہ دیا کہ سب جھوٹ ہے صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جاسکتا۔

غرضیکہ ان آیات میں قاذفین منافقین کے علاوہ ان مؤمنین اور مؤمنات پر ناصحانہ ملامت ہے جنہوں نے اس خبر کو سن کر خاموشی اختیار کی یا تردد میں رہے یا بطور تذکرہ اس خبر کو نقل کیا ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ سنتے ہی کہہ دیتے ﴿ هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴾ یہ صریح بہتان ہے۔

اہل افک اپنی اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے کیونکہ اثبات گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ پس جب یہ لوگ اس پر چار گواہ نہ لاسکے تو ایسے لوگ قانون شریعت کے موافق اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے جب یہ قاعدہ اور یہ قانون مقرر کردیا کہ ثبوتِ گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ دعوے میں ذاتی معائنہ کافی نہیں بلکہ ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے پس جو شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کرسکے تو قانون شریعت کے مطابق وہ شخص جھوٹا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو لیکن عدالتی ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے بغیر ثبوت کے ایسی سنگین بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ کے معنی فی علم اللہ کے نہیں بلکہ فی حکم اللہ اور فی قانون اللہ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دعوائے زنا میں چار گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ قانون خداوندی اور ضابطۂ شریعت کے اعتبار سے جھوٹا ہے گو واقعہ میں وہ سچا ہو اس لیے کہ بغیر ثبوت فراہم ہوئے اس کو اجازت نہ تھی کہ زبان سے ایسی بات نکالے اس لیے قانونِ شہادت اور ضابطۂ گواہی کے اعتبار سے اس کو کاذب کہنا جائز ہے اگرچہ وہ فی الواقع اور فی علم اللہ صادق ہے لیکن عدالت میں تو قانونِ شہادت کے اعتبار سے اس کے صدق اور کذب کو جانچا جائے گا جو شخص کسی پر زنا کا دعویٰ کرے اور چار عینی گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ ازروئے قانون جھوٹا ہے۔

اور اے مسلمانو! اگر دُنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چیز کے چرچے میں تم پڑے تھے تو اس میں تم کو بڑا بھاری عذاب پہنچتا۔ اللہ نے تم کو ایمان کی برکت سے توبہ کی توفیق دی اور تمہارا قصور معاف کیا اور عذاب سے بچالیا اور یہ عذاب عظیم تم کو اس وقت پہنچتا جبکہ تم اپنی زبانوں سے باہم اس بات کو نقل کرتے تھے اور مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جس کی تمہیں خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی اور معمولی بات سمجھتے ہو اور یہ خیال کرتے ہو کہ اس میں کچھ گناہ نہیں حالانکہ وہ اللہ کے یہاں بہت بڑی اور بھاری ہے خاص کر اُم المؤمنین کی شان میں ایسی صریح البطلان چیز کو زبان پر لانا جرم عظیم ہے اور چونکہ اس بات کا جرمِ عظیم ہونا بالکل واضح ہے تو تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہماری مجال نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان سے نکالیں۔ سبحان اللہ یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی فاجرہ ہو۔ کسی درجہ میں کافرہ تو نبی کی بیوی بن سکتی ہے مگر فاجرہ اور زانیہ عورت ہرگز ہرگز کسی نبی کی بیوی نہیں بن سکتی، حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیبیاں کافرہ تھیں مگر معاذ اللہ فاجرہ نہ تھیں۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ جو خبیث

کسی نبی کی زوجہ کو فاجرہ بتلاتا ہے وہ درپردہ نبی کو دیوث بتاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ تحریم کی اس آیت ﴿كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا﴾ (تحریم:۱۰) کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے ((مابغت امرأة نبی قط)) یعنی کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے پیغمبروں کے ناموس کی حفاظت کی ہے۔ شروع اسلام میں کافرہ اور مشرکہ سے نکاح کی اجازت رہی جو بعد میں منسوخ ہوگئی لیکن بدکار عورت سے کسی حال میں نکاح کی اجازت نہیں دی گئی الا یہ کہ وہ زنا سے توبہ کرے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ منافقین جو بک رہے ہیں وہ ایسا صریح اور واضح بہتان ہے کہ جس میں غور وفکر کی بھی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی بات نہ کرو اگر تم ایماندار ہو تو خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ اور اللہ تمہارے لیے احکام اور آداب کو بیان کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے، اس کو عائشہ صدیقہ اور صفوان رضی اللہ عنہما کا حال خوب معلوم ہے۔

اب آئندہ آیات میں مسلمانوں کی تادیب کے لیے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو اس قسم کے فواحش اور بے حیائیوں کی نشر واشاعت کو پسند کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لیے دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور ایسے فتنہ پردازوں کو اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس لیے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور کرم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑا نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔ تو فوراً تم پر عذاب نازل کرتا لیکن اس نے اپنے فضل اور محبت سے تم کو تنبیہ اور تادیب کر دی اور توبہ اور استغفار کا موقع دے دیا اور تمہاری توبہ قبول کی اور حد شرعی جاری کر کے تم کو پاک کر دیا اور جو زیادہ خبیث تھے، ان کو نہ توبہ کی توفیق دی اور نہ ان پر حد جاری کر کے ان کو پاک کیا بلکہ ان کو مہلت دی۔ اب آگے پھر تائبین کو نصیحت فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اور شیطان کے نشان قدم پر نہ چلو یعنی افک کے متعلق جو کچھ کہا سنا جا رہا ہے وہ سب شیطانی وسوسے ہیں ان کی پیروی نہ کرو اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو لامحالہ شیطان اس کو بے حیائی اور بری بات کا حکم دے گا جو اس کی تباہی اور بربادی کا سامان ہوگا۔

اور اے مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو وہ تم میں سے کبھی کسی کو اس جرم سے پاک نہ کرتا یعنی تم میں سے کسی کو توبہ کی توفیق نہ دیتا اور نہ اس کی توبہ قبول کرتا اور لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے تو توبہ قبول کر کے اس کو گناہ سے پاک کر دیتا ہے یہ وعدہ مؤمنین سے ہے جیسے حضرت حسان اور مسطح رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے اتباع سے نہیں۔ ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے اور اللہ تمہارے اقوال کا سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے۔ ان مؤمنین مخلصین میں مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے جو نادانی سے اس قصہ میں شریک ہو گئے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور نادار تھے، قصۂ افک سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو خرچ دیا کرتے تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسطح رضی اللہ عنہ کی طرف سے رنج ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ مسطح رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کروں گا تو آئندہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تنبیہ کے لیے نازل ہوئی کہ اہلِ فضل اور اہلِ کرم کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائیں عوام کے لیے ایسی قسم اگرچہ جائز ہو مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان فضل کے شایان نہیں۔ عجب نہیں کہ بمقتضائے بشریت غصہ میں آکر کسی صدقۂ نافلہ سے ہاتھ روک لینا کسی درجہ میں ﴿خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ کا اتباع ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شیطان کے قدموں کے اس معمولی گرد وغبار سے بھی محفوظ رہیں۔ اس لیے آئندہ آیت نازل فرمائی۔

اور جو لوگ تم میں سے صاحبانِ فضل اور مقدرت ہیں ان کو اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو

نہ دینے کی قسم نہ کھانی چاہیے یا بمقتضائے بشریت کسی ناراضگی کی بنا پر ان کی امداد اور اعانت میں کمی نہ کرنی چاہیے۔ یہ شان فضل و وسعت کے خلاف ہے اشارہ مسطح رضی اللہ عنہ کی طرف ہے کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار ہے ان کا خالہ زاد بھائی ہے اور مسکین ہے اور مہاجر ہے نادانی سے اس قصہ میں مبتلا ہو گیا اور اہلِ فضل و وسعت کو چاہیے کہ قصور معاف کریں اور درگزر کریں اور کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور معاف کرو۔ تخلق باخلاق الٰہیہ کا یہی مقتضا ہے کہ عفو اور مسامحت اختیار کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کردے اور مسطح رضی اللہ عنہ کا وظیفہ جاری کر دیا بلکہ پہلے سے دگنا کر دیا اور قسم کھائی کہ بخدا اب کبھی بند نہ کروں گا۔ اور اپنی گزشتہ قسم کا کفارہ ادا کیا۔

اب آئندہ آیات میں عام عنوان سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر لعنت اور عذاب آخرت کا ذکر کرتے ہیں جس سے اصل مقصود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے پر دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذابِ عظیم کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق جو لوگ ان پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو ایسی سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہیں کہ انہیں ایسی باتوں کی خبر بھی نہیں اور وہ ایمان والیاں ہیں تو ایسے لوگوں پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے جس دن ان کے برخلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی گواہی دیں گے ان اعمال پر جو وہ دُنیا میں کیا کرتے تھے یعنی قیامت کے دن ان کے مونہوں پر تو مہر لگا دی جائے گی مگر ان کی زبانیں خود بخود بولیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی بولیں گے اور ان کے اقوال اور اعمال کی شہادت دیں گے دُنیا میں انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے بولتا ہے اور زبان اس کے ارادہ کی ترجمان ہوتی ہے اور اس کے ارادہ کے تابع ہوتی ہے مگر قیامت کے دن زبان خود بخود بولے گی اور سچ سچ بولے گی اور زبان کا بولنا اس کے ارادہ کے تابع نہ ہوگا۔

نکتہ: "قاذِف" نے زبان سے تہمت لگائی تھی تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ ہوا جو نہ پیش کر سکا اس لیے آخرت میں اس کے بالمقابل پانچ چیزیں گواہی دیں گی۔ زبان کے مقابلہ میں تو زبان بولے گی اور سچ سچ کہہ دے گی اور چار گواہوں کے مقابلہ میں دو ہاتھ اور دو پیر اس کے جھوٹ کی گواہی دیں گے۔ اس طرح اس کے جھوٹ پر چار گواہ قائم کیے جائیں گے اور لعنت اور عذاب کی سزا اس کے لیے ثابت ہو جائے گی۔

اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری حق حق جزا دے گا۔ اور اس وقت جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے جو حق اور صدق کو ظاہر کرنے والا ہے جس میں ذرّہ برابر بھی غلطی کا امکان نہیں۔

اب ام المؤمنین کے طہارت و نزاہت کے بیان کو خبیثین کی مذمت اور طیبین کی تعریف پر ختم فرماتے ہیں جس کو بطور قاعدۂ کلیہ بیان کیا تاکہ اس کے عموم سے خاص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی پر استدلال کیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ گندی اور بدکار عورتیں، گندے اور بدکار ہی مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد، گندی عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ اور ستھری عورتیں پاکیزہ اور ستھرے مردوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ اور ستھرے مرد پاکیزہ اور ستھری عورتوں کے لائق ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت طیب اور طاہر ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم بھی غایت درجہ کی طیبہ اور طاہرہ ہیں اور منافقین جیسے خود خبیث ہیں ایسی ہی ان کی عورتیں بھی خبیث ہیں۔

ذرہ ذرہ کاندریں ارض وسما است — جنس خود را ہمچو کاہ و کہر باست
ناریاں مرناریاں را جاذب اند — نوریاں مرنوریاں را طالب اند
اہل باطل باطلاں رامی کشند — اہلِ حق از اہل حق ہم سر خوشند
طیبات آمد زبہر طیبین — للخبیثات الخبیثون است یقین

فائدہ: نوح اور لوط علیہما السلام کی بیبیاں کافرہ تو تھیں مگر زانیہ اور بدکارنہ تھیں۔ حدیث میں ہے مابغت امرأۃ نبی قط کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا ایسے پاکیزہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو یہ خبیثین ان کے بارہ میں کہہ رہے ہیں ان لوگوں کے لیے تو خدا کی طرف سے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ خبیثین کی بدزبانی سے ان کی عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

یہاں تک کلام الٰہی کی آیتیں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت کے بیان میں ختم ہوئیں اور عجیب شان سے ختم ہوئیں کہ اب اس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عند اللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روزِ روشن سے زیادہ واضح ہے۔ حق جل شانہٗ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بد باطن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے تو بالاتفاق علماء اُمّت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم صدیقہ علیہا السلام پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ (جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا حبیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبرّأۃ مِنَ السَّمَآءِ نے اس طرح بیان کیا۔

نکتہ: خاتمہ پر ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ﴾ بصیغۂ جمع ذکر فرمایا۔ سو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی شامل ہے۔ ﴿واللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا
اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی گھروں میں اپنی گھروں کے سوا جب تک نہ بول چال کرو
وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ
اور سلام دے لو اس گھر والوں پر۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، شاید تم یاد رکھو۔ پھر اگر
لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ
نہ پاؤ اس میں کوئی، تو اس میں نہ جاؤ، جب تک پروانگی نہ ہو تم کو اور اگر تم کو کہے
لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾
کہ پھر جاؤ، تو پھر جاؤ اسی میں خوب ستھرائی ہے تمہاری، اور اللہ جو کرتے ہو جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ

نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو

لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

تمہاری اور اللہ کو معلوم ہے جو کھولتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

حکم پنجم۔ استیذان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ . . . الٰى . . . وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں زنا اور زنا کی تہمت کے احکام بیان کیے۔ اب اس آیت میں کسی کے گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت فرماتے ہیں تا کہ زنا اور بدگمانی اور تہمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اے ایمان والو! اپنے خاص رہائشی مکان کے سوا دوسرے گھروں میں جس میں دوسرے لوگ بھی رہتے ہوں داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ ان سے اجازت طلب کرو اور اجازت لینے سے پہلے ان گھروں کے رہنے والوں پر سلام کرو یعنی داخل ہونے سے پہلے یہ کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ءَ اَدْخُلُ۔ سلام ہو تم پر۔ کیا میں آ سکتا ہوں۔ یہ اجازت لے کر اندر جانا یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ بغیر اجازت لیے اندر گھس جانا کسی طرح مناسب نہیں معلوم نہیں کہ آدمی اپنے گھر میں کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے' یہ بات تم کو اس لیے بتا دی گئی تا کہ تم نصیحت پکڑو اور اس ہدایت پر عمل کرو۔

پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ جو تم کو آنے کی اجازت دے خواہ اس میں کوئی نہ ہو یا کوئی ہو اور اجازت نہ دے تو ایسے گھروں میں مت داخل ہونا یہاں تک کہ تم کو صاحب خانہ کی طرف سے داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر اجازت لینے کے وقت تم سے یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ نہ وہاں ٹھہرو اور نہ دروازہ پر بیٹھو یہ بات یعنی واپس آنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے کسی کے انتظار میں اس کے دروازہ پر بیٹھ جانا یا دروازہ کے درازوں سے جھانکنا بہت بُرا ہے بلکہ اجازت لینے والے کو چاہیے کہ دروازہ کے سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ دائیں یا بائیں طرف کھڑا ہو۔ مبادا کہ اہلِ خانہ پر نظر پڑ جائے اور اجازت لینے کا حکم نظر اور بصر ہی کی حفاظت کے لیے ہے اور احادیث میں گھر میں جھانکنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو تمہارا ظاہر باطن اس سے مخفی نہیں جس نیت سے جو کام کرو گے اسی کے مناسب جزا ملے گی۔

یہاں تک ان بیوت (گھروں) کا حکم بیان کیا کہ جو مَسْكُوْنَہ ہوں۔ یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا ہو اور جو بیوت غیر مسکونہ ہوں یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا نہ ہو تو آئندہ آیت میں ایسے گھروں میں داخل ہونے کا حکم بیان کرتے ہیں' چنانچہ فرماتے ہیں: تمہارے لیے ایسے مکانات میں بغیر اجازت داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں جن میں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہاری کوئی ضرورت اور منفعت ہو یا ان میں تمہارا کوئی سامان رکھا ہوا ہو تو ایسے مکانات میں بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے جیسے سرائے یا خانقاہ یا مدرسہ یا مسجد اس قسم کے

مکانات میں جانے کے لیے خاص اجازت کی ضرورت نہیں جیسے لوگ مسافر خانے بنا دیتے ہیں اگر وہ خالی ہوں تو وہاں اترنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اِذن کی ضرورت وہاں ہے کہ جہاں کسی عورت پر نظر پڑ جانے کا اندیشہ ہو یا صاحب خانہ کی کسی راحت یا مصلحت میں خلل پڑنے کا خطرہ ہو اور جب یہ بات نہیں تو اذن کی ضرورت نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو کہ کسی کے مکان میں تمہارے داخل ہونے سے تمہاری کیا نیت ہے اور اگر تم اجازت بھی لے لو تو اس اجازت لینے میں تمہاری کیا نیت ہے۔ ان آیات میں معاشرت اور تمدن کے احکام کی تعمیل فرمائی۔ افسوس کہ مسلمان ان آیات اور احادیث پر نظر نہیں کرتے اور غیر قوموں نے تمہارے دین سے جو چند باتیں چرائی ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں۔

یک سبدنا نے ترا بر فرقِ سر تو ہمی جوئی لب نان در بدر

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر۔ اس میں

اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

خوب ستھرائی ہے ان کی۔ اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہیں۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ

نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنی ستر، اور نہ دکھاویں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪

اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے، اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر،

وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ

اور نہ کھولیں اپنا سنگار، مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے یا خاوند

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ

کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا خاوند کے بیٹے کے، یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے

اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ

یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال کے،

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ
یا کمیروں کے جو مرد کچھ غرض نہیں رکھتے۔ یا لڑکوں کے جنہوں نے نہیں
يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا
پہچانے عورت کے بھید۔ اور نہ دھمکاویں اپنے پاؤں سے کہ جانا پڑے جو
يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
چھپاتی ہیں اپنا سنگار، اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو!
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾
شاید تم بھلائی پاؤ۔

حکم ششم۔ متعلق بہ نظر و بصر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ... الٰی ... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾

ربط: یہ چھٹا حکم ہے جو مرد کا عورت کو دیکھنے سے اور عورت کا مرد کو دیکھنے سے متعلق ہے اور نگاہ کی حفاظت کا حکم عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کا بے مثال سامان ہے۔ گزشتہ آیات میں زنا کی سزا اور زنا کی تہمت لگانے کے احکام کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اسبابِ زنا کے احکام بیان کرتے ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی ممانعت کرتے ہیں کہ جو زنا کا سبب اور ذریعہ بنتی ہیں تاکہ ان پر عمل کرنے سے خود زنا سے محفوظ رہ سکے اور بندوں کے اتہام اور اشتباہ سے محفوظ رہ سکے مثلاً مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنا ایک عظیم فتنہ ہے کیونکہ کسی کا چہرہ دیکھنے سے اس کا حسن و جمال معلوم ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور نفس کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور پھر یہ کشش نفس کو کوشش پر آمادہ کرتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ع

برق نگاہ یار میرا کام کر گئی

اس لیے ان آیات میں اہلِ ایمان کو نظر اور بصر کے احکام اور آداب بتلاتے ہیں تاکہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں اور اس بارہ میں مردوں کے حکم کو مقدم کیا کہ وہ اصل طالب اور متقاضی ہیں اور عورتیں بوجہ حیاء کے ان سے کم ہیں (نیز) گزشتہ آیات میں کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ سو اس کی وجہ یہی تھی کہ کسی کے زنانہ اور گھرانہ پر تمہاری نظر نہ پڑے اور یہ ناگہانی نظر آئندہ چل کر کسی فتنہ کا سبب نہ بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے: ((انما جعل الاستیذان من اجل البصر)) یعنی کسی کے گھر میں کسی کی نگاہ داخل ہو گئی تو پھر اجازت ہی کی کیا ضرورت رہی۔

اس لیے آئندہ آیات میں مرد اور عورت کو علیحدہ علیحدہ نظر نیچی رکھنے کا صراحۃً حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ﷺ اہلِ ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ اپنے نورِ ایمان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ یعنی جن چیزوں کا دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ پس جن چیزوں کا مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے ان کو بالکل نہ دیکھیں اور جن چیزوں کا فی حد ذاتہٖ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں تو ان کو نظر شہوت سے نہ دیکھیں۔ ناجائز نظر دیباچۂ زنا ہے اور اگر اتفاق سے نظر پڑ جائے تو اس کو دوسری طرف پھیر لیں۔ غرضیکہ نظر اور بصر میں درجات ہیں، بعض صورتوں میں معاف ہے اور بعض صورتوں میں حرام ہے اس لیے ﴿مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ میں مِنْ تبعیضیہ انہی درجات اور مراتب کے فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بڑھایا گیا۔

اور اہلِ ایمان کو چاہیے کہ اپنی شرمگاہوں کی بھی حفاظت کریں یعنی اپنی شہوت کو ناجائز فعل میں استعمال نہ کریں اور اس میں زنا اور لواطت سب آ گئے یا یہ معنی ہیں کہ ہر وقت اپنی شرمگاہوں کو مستور رکھیں مطلب یہ ہے کہ حفاظت سَتر یعنی ان کا مستور رکھنا مراد ہے اور خلوت اور تنہائی میں بھی اپنی شرمگاہ کی طرف نظر رکھنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگرچہ تو تنہا ہو جب بھی اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھنا اللہ تعالیٰ زیادہ اَحَقّ ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

یہ یعنی آنکھ اور نگاہ کی اور شرمگاہ کی حفاظت ان کے حق میں بڑی ستھرائی ہے اور پاکیزہ ترین خصلت ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو زنا کی نجاست اور گندگی سے پاک رکھنے والی چیز ہے اور یہ پاکیزگی مؤمنین کو مشرکین سے اور مؤمنات کو کافرات سے ممتاز کرنے والی ہے۔

اور بے شک اللہ اس چیز سے باخبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری نگاہ کس طرف اور کس لیے اُٹھ رہی ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے زنا کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں شرمگاہ کے زنا کی ممانعت فرمائی اس لیے کہ نامحرم کی طرف نظر کرنا یہ زنا کا پیش خیمہ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ نامحرم کو دیکھنا یہ زنا کے قریب جانا ہے یہ آنکھ کا زنا ہے جو شرمگاہ کے زنا کا پیش خیمہ ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے۔ جدھر بھی نظر اٹھاؤ گے تمہاری نظر اس چیز پر بعد میں پڑے گی اور اللہ کی نظر تم پر پہلے پہنچ جائے گی لہٰذا تم کو ڈرتے اور بچتے رہنا چاہیے۔

اب آئندہ آیات میں عورتوں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کے حق میں اس کے علاوہ بعض دیگر احکام کا اضافہ ہے اور اسی طرح اے نبی! آپ ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ اگر بمقتضائے ایمان تم کو اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت درکار ہے تو فقط مردوں کے نیچی نگاہ کرنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ عورتوں کو بھی چاہیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور غیروں کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور جس چیز کی طرف نظر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اجنبی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا یہ شیطان کا زہریلا تیر ہے۔ شیطان کا مقولہ ہے کہ جو تیر میں عورت کے ذریعہ چلاتا ہوں وہ تیر کبھی خطا نہیں جاتا اور بزرگوں کا قول ہے کہ نگاہِ بد زنا کا ڈاکیہ ہے اور فسق و فجور کا قاصد ہے۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا تھا۔ ان آیات میں عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیتے ہیں کہ اے ایمان والی عورتو! تم کو چاہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو خواہ وہ مرد تم کو دیکھے یا نہ دیکھے جو مرد تمہارے سامنے ہے اگرچہ وہ نابینا ہے مگر تم تو نابینا نہیں جیسا کہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی میں اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا یہ

دونوں بیبیاں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر تھیں اتنے میں عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ (جو نابینا تھے) آ گئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دونوں پردہ میں ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں ہم کو دیکھ بھی نہیں سکتے، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو اور تم ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا سے بھی پردہ واجب ہے اگرچہ کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو، خاص کر جب کہ شوہر بھی گھر میں موجود ہو۔ غرضیکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو علیحدہ علیحدہ نیچی نگاہ رکھنے کا حکم دیا۔ تاکہ دونوں طرف سے فتنہ کی روک تھام ہو جائے اور ایمان والیوں کو چاہیے کہ اپنی شرمگاہوں کی پوری پوری حفاظت کریں کہ کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکے حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنی خلوت اور اپنی تنہائی میں بے ضرورت اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھیں۔ میاں بیوی کو اگرچہ باہم صحبت اور مباشرت کی اجازت ہے مگر بلا ضرورت ایک دوسرے کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنے کی اجازت نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے نگاہ کمزور ہوتی ہے، جیسا کہ یہ مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

غرضیکہ زنا سے حفاظت کی ایک تدبیر اور ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور دوسری تدبیر جس سے زنا سے محفوظ رہ سکیں یہ ہے کہ ایمان والی عورتیں اپنی آرائش اور زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر زیب و زینت کی وہ چیز جو عادتاً اور غالباً کھلی رہتی ہے یعنی جس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا عادتاً ممکن نہیں جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے بغیر منہ کھولے عورت گھر میں چل پھر نہیں سکتی اور بغیر ہاتھوں کے گھر کا کام کاج نہیں کر سکتی تو جس زینت کا چھپانا اور اس کو مستور رکھنا ممکن نہیں تو ایسی زینت کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور جب ابداء زینت یعنی اظہار زینت حرام ہوا تو اس کی نقیض اور ضد یعنی اخفاء زینت فرض اور واجب ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے اپنے گھر میں بھی اس کو مستور اور پوشیدہ رکھنا فرض اور لازم ہے مگر چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے یہ اعضاء ستر سے خارج ہیں اپنے گھر میں ان اعضاء کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ ضروریات زندگی ان اعضاء کے کھلے رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اگر مطلقاً ان اعضاء کے چھپانے کا بھی حکم دیا جاتا تو عورتوں کے لیے اپنے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آتی اس لیے شریعت نے ان اعضاء کو ستر سے خارج کر دیا۔ ان اعضاء کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر ہے جس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو اپنے چہرہ کے حسن و جمال کو نامحرم مردوں کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے اور نہ اجنبی مردوں کو اس کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کا نظارہ کیا کریں اور ان سے آنکھیں لڑایا کریں۔ شریعت کی طرف سے کسی عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت دینا اس کو مستلزم نہیں کہ مرد کو اس کی طرف دیکھنا بھی جائز ہو، شریعتِ مطہر اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ مرد اور عورت کو اس قسم کی بے حیائی کی اجازت دے اور مرد و عورت کو زنا کی دہلیز پر قدم رکھنے کی اجازت دے۔ حاشا وکلا عورت کے لیے اپنی زیبائش یعنی مواضع زینت کا اظہار سوائے محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں آ رہا ہے اور کسی کے سامنے ہرگز ہرگز جائز نہیں اور محارم کے سامنے آنے کی بھی یہی شرط ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور یہ سامنے آنا از راہِ شفقت قرابت ہو نہ کہ بطریق شہوت ہو۔ بطریقِ شہوت تو محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہے اور حرام ہے۔ غرضیکہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے یعنی فی حد ذاتہٖ عورت کو خواہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر ہو کس حصۂ بدن کا مستور رکھنا واجب ہے اور کس حصۂ بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے، اس جملہ میں اس سے بحث نہیں کہ کس سے اپنا چہرہ چھپائیں اور کس کے سامنے ظاہر کریں اس کی تفصیل آئندہ آیت میں آنے والی

ہے۔ غرضیکہ اس آیت میں فقط یہ بتلانا ہے کہ بدن کا کتنا حصہ فی ذاتہٖ اور فی نفسہٖ قابل ستر ہے اور کتنا حصہ قابلِ کشف واظہار ہے، اس آیت میں فقط عورتوں کا مسئلہ بیان کیا گیا۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ نامحرم مردوں کو عورتوں کے دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، کسی مسئلہ میں عورتوں کی کسی اجازت سے مردوں کی اجازت کا مسئلہ نکالنا حماقت ہے۔

باقی رہا مسئلہ حجاب (پردہ) یعنی عورت کو گھر میں رہنا کس درجہ لازم ہے اور کن حالات میں اس کو گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور اگر بضرورت نکلے تو کس حالت میں نکلے سو اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں آئے گی یعنی ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ کی تفسیر میں آئے گی۔ مرد کا ستر صرف ناف سے گھٹنوں تک ہے مرد کے لیے صرف اتنے حصہ بدن کو ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے اس کے علاوہ مرد کے لیے تمام بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے اور عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے۔ ہر وقت تمام بدن کا مستور رکھنا واجب ہے باقی یہ امر کہ عورت اپنا چہرہ کس مرد کے سامنے کھول سکتی ہے سو آئندہ آیت میں اس کی پوری تفصیل آ رہی ہے: ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ ... الآية﴾ یعنی عورتوں کے لیے شوہر اور باپ دادا اور پوتے اور بھانجے اور بھتیجے ان اشخاص مذکورہ کے علاوہ کسی کے سامنے اپنا منہ کھولنا جائز نہیں۔

تنبیہ: آیت میں دو حکم بیان کیے گئے ایک مرد کے لیے اور ایک عورت کے لیے۔ شریعت نے ضرورت کی بناء پر منہ کھولنے کی اجازت دی ہے اس اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کو بھی اس کے چہرہ کی طرف نظر کرنا جائز ہو۔ مرد کے لیے پردہ کا حکم نہیں مگر کسی عورت کو دیکھنے کی اور کسی گھر میں جھانکنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بیشمار آیات اور احادیث سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔ غرضیکہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں پس اگر کسی صورت میں عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔

زینت کے معنی:

زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ وہ خلقی اور قدرتی ہو۔ جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں یا مصنوعی اور اختیاری ہو جیسے پوشاک اور زیور یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں داخل ہیں جن کا اظہار سوائے محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں جن کا ذکر آئندہ آیت میں آنے والا ہے اور تیسری تدبیر جو زنا سے حفاظت کا ذریعہ ہے وہ یہ کہ ایمان والی عورتوں کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیں تاکہ ان کے سر اور گردنیں اور سینے چھپے رہیں اور سینہ اور پستان کا اُبھار کسی پر ظاہر نہ ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اس زمانہ کی عورتیں سینہ کھول کر اور گردن اور بالیوں کو ظاہر کر کے چلتی پھرتی تھیں اور سینہ کھولے ہوئے مردوں کے سامنے سے گزرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو سینہ اور گردن کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دے دیا۔

کما قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۵۹)

نکتہ: آیت میں بجائے لفظ اِلْقَاء کے لفظ ﴿ضَرَبَ﴾ استعمال کیا گیا اور ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ فرمایا گیا جس سے مقصود مبالغہ ہے کہ خوب اچھی طرح اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈال لیں اور ان کو خوب چپکا لیں کہ بدن اچھی طرح چھپ جائے کھلا نہ رہے۔

غرضیکہ اس آیت میں جو حکم تھا وہ صرف فی نفسہٖ عورت کے اعضاء اور مواضع زینت سے متعلق تھا کہ کن اعضاء کا عورت کے لیے اظہار اور کشف جائز ہے اور کتنے حصۂ بدن کا مستور رکھنا واجب ہے یہ مسئلہ ستر کا تھا جو عورت کی ذات سے متعلق تھا۔ اب آئندہ آیت میں دوسروں کے سامنے ان اعضاء اور مواضع زینت کے کھولنے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ کس کے سامنے زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اور کس سے پردہ کرنا لازم ہے عورت کو جن کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی وہ بارہ ہیں جن کی آیت میں تفصیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور چوتھی تدبیر جس سے زنا سے حفاظت ہو سکے یہ ہے کہ نہ ظاہر کریں ایمان والی عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو یعنی مواضع زینت کو یعنی اپنے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو کسی کے سامنے نہ کھولیں اور کسی کے سامنے ان اعضاء کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر ان بارہ اشخاص کے سامنے۔

① اپنے شوہروں کے سامنے کہ ان سے تو کسی چیز کا اخفاء واجب نہیں البتہ بلاضرورت شرمگاہ کی طرف نظر کرنا شوہر کے لیے بھی ممنوع ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اذا جامع احدکم زوجه او جاریته فلا ینظر الی فرجها فان ذٰلك یورث العمی. قال ابن الصلاح جید الاسناد کذا فی شرح الجامع الصغیر)).

"جب کوئی اپنی بیوی یا باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔ ابن صلاح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔"

② یا اپنے باپ دادوں کے سامنے ③ یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ شوہروں کے باپ بمنزلہ تمہارے باپ کے ہیں ④ یا اپنے بیٹوں کے سامنے ⑤ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیوی سے ہوں ⑥ یا اپنے بھائیوں کے سامنے ⑦ یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے ⑧ یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے، یہ سب بمنزلہ اولاد کے تمہارے ساتھ ہیں، ہر وقت ان کی آمد و رفت ہے اور ان کی طرف سے فتنہ کا اندیشہ نہیں، یہ سب محارم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محارم کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھ دی ہے کہ مرد اپنی ماں اور خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں بُرا خیال نہیں آتا۔ اور ان محارم کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں۔ مگر یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے اور انگریزی تعلیم نے اور انگریزی تمدن نے فطرت انسانی کو خراب کر دیا ہے۔ اس لیے اس زمانہ میں محارم کے بارہ میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ محارم کے سامنے آنا بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حدثنا علی ثنا عبداللہ حدثنی معاویة عن علی عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قوله تعالیٰ: ﴿لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ قال والزینة الظاهرة الوجه وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فهذا تظهر فی بیتها لمن دخل من النّاس علیها۔ (تفسیر ابن جریر ص ۸۳ ج ۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا فهذا تظهر فی بیتها لمن دخل من النّاس علیها کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے آنے اور گھر میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ابداء زینت سے اپنی گھر میں فی حد ذاتہٖ زینت کا ظاہر کرنا اور ان لوگوں کے سامنے آنا مراد ہے جن کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت ہے یعنی محارم۔ معاذ اللہ سڑکوں اور بازاروں میں زینت کا ظاہر کرنا مراد نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن مردوں کو اس کے گھر میں آنے کی شرعاً اجازت ہے، جیسے باپ اور بھائی۔ تو ان کے سامنے اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے اور

کھولنے میں مضائقہ نہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے عورت کو اپنی زینت کا کھولنا جائز نہیں۔ (تفسیر ابن جریر) ✽

⑨ یا اپنی خاص رشتہ دار یا خاص خدمت گزار عورتوں کے سامنے اگر اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھوں) کو کھلا رکھیں تو یہ بھی جائز ہے اور اپنی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو قریبی رشتہ دار ہوں یا ان کی خدمت گزار ہوں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہوں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں اور بہت سے سلف کے نزدیک اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں جو ان کی دینی بہنیں ہیں ان کے سامنے آنا جائز ہے۔ کیونکہ کافر عورتیں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں جیسا کہ حضرت عمر اور ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (در منثور)

کافرہ عورت مسلمان عورت کے حق میں بمنزلہ اجنبی مرد ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت کے نزدیک مسلمان عورت کو کافر عورت سے پردہ کرنا واجب ہے۔

⑩ یا ان کے سامنے آنا بھی جائز ہے جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی اپنی باندیاں یا اپنا غلام اگرچہ وہ نامحرم ہو اس کے سامنے آنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ غلام نیک چلن اور پاک دامن ہو ورنہ نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ میں لونڈی اور غلام دونوں داخل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ اور غلام مراد نہیں جیسا کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آیت النور تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اس آیت میں ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ سے صرف باندیاں مراد ہیں اور غلام مراد نہیں اور یہی قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور عطاء اور حسن اور ابن سیرین اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور یہی قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے خاص کر اس زمانہ میں۔

مسئلہ کسی بیگم صاحب کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جب کہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے اور ڈرائیور کو نیک سمجھنا حماقت ہے ایسے وقت میں تو نفس اور شیطان ولی کو بھی شیطان بنا دیتا ہے یا ان کے ساتھ رہنے والے مردوں کے سامنے آنا بھی جائز ہے جو تم سے وابستہ ہیں اور تمہارا کاروبار کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ مرد ایسے ہوں کہ عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یعنی ایسا آدمی ہو جسے عورت کی خواہش ہی نہ ہو مثلاً وہ نامرد ہو تو وہ خدمت کے لیے آسکتے ہیں یا وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور بھید سے واقف نہیں اور جانتے بھی نہیں کہ مباشرت کیا چیز ہے تو عورتوں کو ایسے بے خبر لڑکوں کے سامنے آجانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں جب سمجھنے لگیں گے اور ہوشیار ہو جائیں گے تو ان کو منع کر دیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ پہلی آیت ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ﴾ میں ستر اور کشف عورت کے مسئلہ کا بیان تھا کہ عورت کو فی حد ذاتہ کن مواضع زینت اور کن اعضاء کا کھلا رکھنا جائز ہے اور کن اعضاء کا چھپانا واجب ہے اور اس کے بعد والی آیت یعنی ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ... الخ﴾ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ عورت کو کس کے سامنے آنا جائز ہے۔ سو بتلا دیا کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا قطعاً حرام ہے اور حکم سابق سے جن صورتوں کو مستثنیٰ فرمایا وہ بارہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جن سے نکاح جائز ہے وہ سب اجنبی کے حکم میں ہیں۔ پھر یہ کہ شوہر کے سوا دیگر محارم کے سامنے آنے کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر فتنہ کا

✽ قال ابن جریر قولہ تعالیٰ: ﴿لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ یقول جل ذکرہ ولایظهرن للنّاس الذین لیسوا بمحارم زینتهن اھ

اندیشہ ہو تو پھر محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہوگا اور شوہر طلاق دینے کے بعد اجنبی مرد کے حکم میں ہو جاتا ہے شہوت کے ساتھ تو ماں بیٹی کی طرف بھی نظر کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لیے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر [1] ص ۲۸۲ ج ۳)

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زنا سے حفاظت کی چار تدبیریں بتلائیں۔ اب آگے پانچویں تدبیر بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایمان والی عورتوں کو چاہیے کہ پردہ کا اس درجہ اہتمام کریں کہ چلنے کی حالت میں اپنے پیر زمین پر زور سے نہ ماریں تاکہ ان کا پوشیدہ زیور لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زینت کی آواز زینت سے زیادہ محرک شہوت ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عورت جب راستہ چلتی اور اس کے پاؤں میں پازیب وغیرہ ہوتے تو اپنے پاؤں کو زمین پر مارتی تاکہ مرد اس کی آواز سن لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو ایسی حرکت کرنے سے منع کر دیا کہ جس سے ان کے زیوروں کی آواز مردوں تک پہنچے اور مرد اُن کی آواز سُن کر ان کی طرف راغب ہوں۔ گزشتہ آیت میں زینت کے اظہار کی ممانعت تھی۔ اب اس آیت میں زینت کی آواز کے اظہار کی ممانعت فرمائی کہ جس طرح زینت کا اظہار موجب فتنہ ہے اسی طرح زینت کی آواز کا اظہار بھی موجب فتنہ ہے اور ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔ لہٰذا عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۲) اس بارہ میں نص صریح ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنے اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نہ نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

فائدہ: پس جب عورت کے لیے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہوا تو عورت کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجۂ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔

اور اے ایمان والو! اگر تم سے ان احکام میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے توبہ کرو اور اُمید رکھو کہ تم کو فلاح اور کامیابی ہو جائے گی' کیونکہ غفلت اور معصیت کے بعد فلاح کا ذریعہ صرف توبہ اور استغفار ہے' حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے گنہگار کو توبہ کا حکم دیا تاکہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکے۔

---

[1] قال ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ (بعد ذکر هٰذه الآية) كل هٰؤلاء محارم للمرأة يجوز لها ان تظهر بزينتها ولكن من غير تبرج۔ اھ ص ۲۸۲ ج ۳۔

چو رسوا نہ کردی بچندیں خطا — دریں عالم پیش شاہ و گدا
درآں عالم ہم پیش ہر خاص و عام — بیامرز و رسوا مکن والسلام

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿تُوْبُوْا﴾ میں رسوم جاہلیت سے توبہ کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! ان کاموں سے بچو کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔

غرضیکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زنا سے بچنے کی پانچ تدبیروں کو بیان فرمادیا۔ باقی تدبیروں کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں آئے گا کہ عورت بلا ضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر ضرورت اور مجبوری کی بنا پر نکلے تو برقعہ اوڑھ کر اور سر اور سینہ چھپا کر نکلے۔

لطائف و معارف

① ان آیات میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدابیر ہیں جو عصمت و عفت کی حفاظت میں تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہیں اور تہذیب اور اخلاق اور تزکیۂ باطن کے بارہ میں بے مثال اور بے نظیر ہیں جن کی آنکھوں پر شہوت اور نفسانیت کا پردہ پڑا ہوا ہے ان کو ان احکام کا حسن و جمال نظر نہیں آتا۔

② دلدادگانِ مغربیّت اور اسیرانِ نفسانیت جو اس قانونِ عفت کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں وہ ﴿اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لیے شارع عام پر چہرہ کھول کر پھرنا اور گھومنا جائز ہے اس لیے کہ ﴿اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ ﴿مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد ہیں یہ سب مغالطہ اور دھوکہ ہے کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن میں یا حدیث میں اس طرح آیا ہے اس لیے ہم اس حکم شرعی پر عامل ہیں۔ اصل منشاء اس کا یورپ کی کورانہ تقلید اور مذہب سے آزادی ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ ہم نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتلا چکے ہیں کہ ﴿اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے صرف اتنا بتلانا ہے کہ عورتوں کو فی نفسہٖ اور فی ذاتہٖ چہرہ اور ہاتھوں کے کھولے رکھنے کی اجازت ہے کیونکہ بہت سی دینی اور دنیوی ضرورتیں ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اس لیے ان اعضاء کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور اس آیت میں دوسروں کے سامنے منہ اور ہاتھوں کے کھولنے کے جواز اور عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں۔ اس کا ذکر آنے والی آیت میں ہے کہ عورت کو اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے کی اجازت کن کن مردوں کے سامنے ہے اسی ﴿اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ کے متصل جو آیت آرہی ہے یعنی ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ... الخ﴾ اس میں حصر اور قصر کے ساتھ اس امر کی تصریح ہے کہ سوائے ان محارم کے کسی اور کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

پس اگر ان دلدادگانِ مغربیت کے خیال کے مطابق ﴿اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی۔

① تو آئندہ آیت میں ان محارم باپ اور بیٹا اور بھائی کے استثناء کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ جب عورت کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوگئی تو باپ اور بیٹا اور بھائی کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ ہوجائے گی۔

② اوراس سے پہلی آیت میں عورتوں کوغض بصر کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی جو خاص طور پر ان کو حکم دیا گیا:
﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾
③ نیز اگر عام طور پر عورتوں کو چہرہ کھول کر پھرنا جائز ہوتا تو پھر کسی کے زنانخانہ میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا فرض اور واجب نہ ہوتا جیسا کہ گزشتہ آیت ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا ﴾ یہ حکم صراحۃً گزر چکا ہے۔
④ نیز قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق یہ حکم آیا ہے ﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ﴾ (الاحزاب:۳۳)
یعنی اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کا اظہار نہ کرو۔ اگر عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو پھر اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔
⑤ نیز قرآن کریم میں ایک حکم آیا ہے۔
﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ ﴾ (الاحزاب:۵۳)
"اور جب تم عورتوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو اسی میں تمہارے دلوں کی خوب ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔"
معلوم ہوا کہ پردہ کے پیچھے سے مانگنا دونوں کے لیے طہارت قلب کا سبب ہے اور کھلے منہ سامنے آ کر مانگنا نجاست قلب کا سبب ہے۔
⑥ نیز اگر عورت کسی ضرورت کی بناء پر کسی غیر مرد سے پس پردہ کلام کرے تو اس کے لیے حکم یہ ہے:
﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲ ﴾ (الاحزاب:۳۲)
"ان سے نرم لہجہ میں بات نہ کرو مبادا جس کے دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا روگ اور بیماری ہے وہ تمہاری نرم بات سے تمہاری ذات ہی کے لالچ میں نہ پڑ جائے۔"
⑦ نیز اس سلسلۂ کلام میں ایک حکم یہ آیا ہے:
﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ ﴾
"اور عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت اپنے پاؤں زور سے زمین پر نہ ماریں جس سے لوگوں کو ان کے پوشیدہ زیور کی آواز معلوم ہو سکے۔ (اس لیے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا ہوتی ہے جو فتنہ کا سبب ہے)۔"
پس جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے تو خود عورت کی ذاتی آواز کس درجہ فتنہ ہوگی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عورت کا تو قرآن سننا بھی ناجائز اور حرام ہے اور تمام فقہاء اور ائمہ کا اجماع ہے کہ عورت کی اذان اور اقامت قطعاً ناجائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں مین آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگانِ مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بامِ عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح

ہی کی ضرورت نہ ہو۔

⑧ نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت آئی ہے۔

⑨ اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

⑩ اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنۂ شہوت ونفسانیت ہے جس کا شریعتِ مطہرہ سدباب کرنا چاہتی ہے اور یہ نفس کے بندے کھلے بندوں اس کے توڑنے کی فکر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو خصوصاً اور دُنیا کو عموماً محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ
اور بیاہ دو رانڈوں کو اپنے اندر اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں۔
اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾
اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ ان کو غنی کرے گا اپنے فضل سے اور اللہ سمائی والا ہے سب جانتا۔
وَ لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ
اور آپ کو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا بیاہ جب تک مقدور دے ان کو اللہ اپنے فضل سے۔

حکم ہفتم وحکم ہشتم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ... الى... حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ہر طرف سے نفسانی خواہشوں اور زنا کی روک تھام کا انتظام تھا۔ اب آئندہ آیات میں نکاح کا حکم دیتے ہیں جو عفت کا سامان ہے اور زنا سے بچنے کا عمدہ ذریعہ ہے' ان آیتوں میں ناکتخدا یعنی غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق دو حکم مذکور ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت ہو ان کا نکاح کر دیا جائے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ﴾

یہ سورت کا ساتواں حکم ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ صبر کریں اور ضبطِ نفس سے کام لیں' یعنی روزے رکھیں یہ روزہ ان کے لیے باعث حفاظت ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ اس عفت اور حفاظت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنائے ظاہری بھی عطا فرما دیں۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَ لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾

یہ اس سورت کا آٹھواں حکم ہے۔

حکم ہفتم۔ بابت نکاح مجرداں

اور جو تم میں سے مجرد اور غیر شادی شدہ ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور خواہ ابتداء سے مجرد ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے مجرد ہو گیا ہو تو تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی طرح تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہیں۔ ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تا کہ نکاح سے ان کو طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو جائے اور فقر اور تنگدستی سے نہ ڈرو۔ اگر وہ فقیر اور محتاج بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی اور تونگر بنا دے گا۔ اور اللہ بہت دینے والا اور سب کے حال کا جاننے والا ہے۔ اگر تم طہارت اور نزاہت کی نیت سے نکاح کرو گے تو اللہ تمہاری تنگ دستی کو فراخی سے بدل دے گا اور اللہ اس پر قادر ہے، جو شخص عفت اور پاکدامنی حاصل کرنے کی نیت سے اور بدکاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے گا اس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فراخی عطا فرمائے گا۔

حکم ہشتم۔ صبر وضبط نفس برائے حفاظتِ عفت

اور جو لوگ ایسے ہیں کہ جن کو اسبابِ نکاح میسر نہیں ان کو چاہیے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کریں اور حتی المقدور صبر اور ضبط نفس سے کام لیں اور انتظار کریں اور روزے رکھیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنا اور فراخی عطا کرے پھر نکاح کریں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ
اور جو لوگ چاہیں لکھا تمہارے ہاتھ کے مال میں، تو ان کو لکھا دو اگر
عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ
سمجھو ان میں کچھ نیکی۔ اور دو ان کو اللہ کے مال سے، جو تم کو دیا ہے۔

حکم نہم۔ مکاتبت واعانت مملوک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ... الٰی ... مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾

ربط: یہ نواں حکم ہے کہ جن غلاموں میں تم کسبِ معاش اور تجارت کی صلاحیت دیکھو تو ان کو مکاتب بنا دو اور ان کی مدد کرو۔ تا کہ آزاد ہو کر وہ اپنی حسبِ منشاء نکاح کر سکیں اور اپنا گھر آباد کر سکیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو تمہارے مملوک ہیں خواہ غلام ہوں یا باندیاں اگر وہ تم سے مکاتبت چاہیں یعنی مال دے کر تم سے اپنی آزادی کی تحریر لکھوانا چاہیں تو ان کو مکاتب بنا دو یعنی ان کو تحریر دے دو اگر کوئی لونڈی یا غلام اپنے مالک سے یہ کہے کہ میں تم کو محنت اور مزدوری کر کے اتنی قسطوں میں اتنا روپیہ ادا کر دوں گا تو تم مجھے ایک تحریر لکھ دو کہ

اتنا روپیہ لے کر تم مجھ کو آزاد کردو گے اور مالک ایسا لکھ دے تو اصطلاحِ شریعت میں اس کو ''مکاتبت'' کہتے ہیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آقاؤں کو حکم دیا کہ اگر تمہارے غلام ایسی درخواست کریں تو تم ان کو مکاتب بنادو۔ بشرطیکہ تم ان میں نیکی اور صلاحیت کو جانو کہ اس میں اتنی صلاحیت ہے کہ کما کر اتنا مال ادا کر سکے گا اور سچا اور امانت دار ہے' نیک چلن ہے' بدچلن نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے اور بعض کے نزدیک ایجابی ہے اور اگر تم ان کو نیک اطوار پاؤ اور ان میں نیکی کے آثار دیکھو تو تم ان کو اللہ کے مال سے بھی کچھ دے دو جو تم کو اللہ نے دے رکھا ہے تاکہ اس مال کی مدد سے وہ جلد آزاد ہو سکیں کیونکہ جب شروع ہی میں غلام کو کچھ مال مل جائے گا تو کمانا شروع کردے گا اور قسطوں کا ادا کرنا اس پر آسان ہو جائے گا۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا
اور نہ زور کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید رہنا کہ کمایا چاہو
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ
اسباب دنیا کی زندگانی کا۔ اور جو کوئی ان پر زور کرے تو اللہ ان کی بے بسی
اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾
پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دہم۔ ممانعت از اکراہ واجبار علی الزنا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ... الٰی... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾﴾

ربط: یہ دسواں حکم ہے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور کرتے اور ان پر ٹیکس لگاتے کہ ماہانہ اتنی رقم ہم کو دیا کرو تاکہ وہ باندیاں اس طرح سے ان کی آمدنی کا ذریعہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سختی سے منع فرمادیا' چنانچہ فرماتے ہیں اور اپنی باندیوں کو زنا اور بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ خاص کر جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔ بدکاری پر کسی کو مجبور کرنا تو ہر حال میں بُرا ہے اور خاص کر اس حال میں کہ جب وہ لونڈی پاکدامنی کی طلبگار ہو تو اور بھی برا ہے اور یہ امر نہایت ہی قبیح اور شرمناک ہے کہ تم اپنی باندیوں کو اس لیے بدکاری پر مجبور کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل کرسکو اور ان کی حرام کمائی سے کچھ روپیہ تم کو مل جائے' اس لالچ پر کسی کو زنا اور بدکاری پر مجبور کرنا بہت ہی شرمناک کام ہے اور جو شخص ان کو زناکاری پر مجبور کرے باوجودیکہ وہ اس سے بچنا چاہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ اس اکراہ اور اجبار کے بعد بخشنے والا اور مہربان ہے' مجبوری اور بے کسی کی حالت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کے واسطے اللہ سے مغفرت کی اُمید ہے۔

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ
اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی اور ایک دستور ان کا جو ہو چکے ہیں تم سے

۱۰ ع ۸
قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾ ع
آگے اور نصیحت ڈر والوں کو۔

خاتمہ احکام عشرۂ مذکورہ بر امتنان ہدایت ونصیحت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ... الی ... وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾ ع﴾

ربط: یہاں تک نفس کو رذائل اور خبائث سے پاک کرنے کے لیے دس احکام بیان فرمائے اب ان کے خاتمہ پر بندوں پر امتنان اور اظہار احسان فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہاری ہدایت اور نصیحت کے لیے یہ احکام نازل کیے تا کہ تم رذائل اور خبائث اور گندگیوں سے پاک ہو جاؤ اور تمہارے دل منور اور روشن ہو جائیں۔ اور تم عفیف اور پاکدامن بن جاؤ۔ اور ﴿وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ (مومنون:۵) میں وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور البتہ تحقیق ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے تمہاری طرف واضح اور روشن احکام نازل کیے جس سے تم پر حلال اور حرام اور خبیث اور طیب کا فرق واضح ہو جائے۔ اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی مثالیں اور حکایتیں بیان کیں کہ جن گزشتہ امتوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی اور بے حیائیوں کے مرتکب ہوئے ان کا حال اور مآل تمہارے سامنے بیان کیا تا کہ اس سے عبرت پکڑو اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت اتار دی تا کہ وہ اللہ کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھائیں اور خدا کے پرہیزگار بندے بن جائیں اور خبیثین کے طریقہ کو چھوڑ کر طیبین کا طریقہ اختیار کریں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین صفتیں بیان کیں۔

① ﴿اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ ② ﴿وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ③ ﴿وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ
اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ کہاوت اس کی روشنی کی، جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ
چراغ دھرا ایک شیشہ میں۔ شیشہ جیسے ایک تارا ہے جھمکتا، تیل جلتا ہے اس میں

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ
ایک درخت برکت سے، وہ زیتون ہے، نہ سورج نکلنے کی طرف نہ ڈوبنے کی طرف، لگتا ہے اس کا تیل کہ سلگ اٹھے

وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُورٌ عَلٰى نُورٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ۔ روشنی پر روشنی اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ فِىْ

اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو۔ اور اللہ سب چیز جانتا ہے۔ ان

بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا

گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا یاد کرتے ہیں اس کی

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ

وہاں صبح اور شام۔ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں نہ بیچنے میں

ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ

اللہ کی یاد سے۔ اور نماز کھڑی رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ ڈر رکھتے ہیں اس دن کا جس میں الٹے جاویں گے

فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ

دل اور آنکھیں۔ کہ بدلہ دے ان کو اللہ ان کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور

يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

بڑھتی دے ان کو اپنے فضل سے۔ اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار۔

آیت نُور در بارۂ تمثیل نُور ہدایت وظُلمت فسق وفجور وانوار قلوب اہل ہدایت وظُلمت قلوب اہلِ ضلالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ... الٰى ... مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾﴾

ربط: ابتداء سورت سے یہاں تک احکام ہدایت اور کلمات حکمت وموعظت کا ذکر ہوا اور گزشتہ آیات میں یہ فرمایا کہ ہم نے روشن آیتیں نازل کیں جس سے مقصود یہ تھا کہ لوگ گمراہی کی ظلمت سے نکل کر نورِ ہدایت میں آجائیں۔ اس لیے ان آیات میں اوّل نورِ ہدایت اور ظلمتِ ضلالت کی مثال بیان کرتے ہیں اور پھر اہلِ ہدایت اور اہلِ ضلالت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ

دلائل ایمان وہدایت نورِ مبین کی طرح روشن ہیں اور ادیانِ کفر انتہائی ظلمت اور تاریکی میں ہیں گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا ﴿وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ کہ ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آیات بینات کو نازل کیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کی آیتیں بلاشبہ انوار ہیں اور یہ قرآن اللہ کا نازل کردہ نور ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا﴾ (التغابن:۸) کَمَا قَالَ تَعَالیٰ: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝﴾ (النساء:۱۷۴)

اس لیے اب آئندہ آیات میں نورِ ہدایت کی مثال بیان کرتے ہیں۔ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا تمام کائنات کو جو نورِ وجود ملا ہے وہ سب اسی ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ کے نور کا ایک عکس اور پرتو ہے حق جل شانہٗ نورِ حق اور نورِ مطلق ہے۔ آسمان اور زمین کے تمام انوارِ حسیہ وعقلیہ پر قاہر اور غالب ہے آسمان وزمین کی حدود میں جو ظاہری اور باطنی اور حِسّی اور معنوی روشنی ہے وہ سب اسی نورِ برحق اور نورِ مطلق کا فیض اور عطیہ ہے آسمان اور زمین کے تمام انوار محدود اور متناہی ہیں اور حق جل شانہٗ نور الانوار ہے اور اس کا نور غیر محدود اور غیر متناہی ہے، خدا تعالیٰ کا نُور اصلی ہے اور مخلوقات کا نور عارضی ہے اور خدا کا عطیہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اگر وہ پیدا نہ کرتا تو دنیا کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی۔ اسی نے اپنی قدرت سے آسمان وزمین کو عدم کی ظلمت سے نکال کر وجود کا لباس پہنایا اور ان کو ظاہر اور آشکارا کیا۔

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بیخبر نور وجود سہ شہود از تو یافتم

آسمان اور زمین میں جس قدر بھی انوار اور سامانِ ظہور ہیں وہ سب اسی نور السمٰوٰت والارض کے پیدا کردہ ہیں۔

① مثلاً نورِ آفتاب وماہتاب اور نجوم وکواکب ان چیزوں کا نور اور ان کی روشنی عالمگیر ہے۔

② اور نورِ بصر یعنی چشم سر کا نور اور اس کی روشنی جس سے سامنے کی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

③ اور نورِ بصیرت یعنی چشم دل اور نورِ عقل جس کے ذریعہ حسی اور عقلی چیزوں کا ظہور ہوتا ہے یہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔

اور اللہ کا نور جو اس کی صفت ہے وہ قدیم اور ازلی ہے اور بے چون وچگون ہے وہاں کسی ﴿كَمْ﴾ اور کیف کا گزر نہیں اور ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ میں جو نور اللہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے وہ اللہ کی صفت ہے اور یہ انوارِ حسیہ اور انوارِ عقلیہ جن سے آسمان وزمین بھرے ہوئے ہیں وہ سب اس کے نورِ قدیم کا ایک ادنیٰ سا پرتو ہیں اس لیے نور کو آسمان اور زمین کی طرف مضاف کیا کہ یہ آسمان وزمین اسی کے جمال بے مثال کے ایک ادنیٰ پرتو سے روشن ہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ (الزمر:۶۹)

اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے جو آیات بینات نازل فرمائیں وہ سب انوارِ غیبیہ اور باطنیہ ہیں جن سے حق اور باطل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور معنوی طور پر آیات بینات کا نور۔ آفتاب اور ماہتاب کے نور سے کہیں زیادہ روشن ہے۔ جس طرح نورِ عقل۔ نورِ آفتاب سے بڑھ کر ہے، اسی طرح نورِ وحی، نورِ عقل سے بڑھ کر ہے۔ نورِ آفتاب سے صرف محسوسات کا ظہور ہوتا ہے اور نورِ عقل سے محسوسات اور معقولات کے ظاہر وباطن کا ظہور اور انکشاف ہوتا ہے اور نورِ وحی سے ان چیزوں کا ظہور ہوتا ہے کہ جو وراءِ عقل ہیں جہاں نورِ عقل کی رسائی نہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ جو شے بذاتِ خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والی ہو۔ پس نورِ اصل صفت حق جل شانہٗ کی ہے اور وہ بذاتہٖ ظاہر ہے اور اس کے سوا جو بھی ظاہر ہے وہ اسی کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہوا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی

ظاہری یا باطنی روشنی ہے وہ اسی ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے حسن و جمال کا اور اس کے فضل و کمال کا ایک پرتو ہے تمام ممکنات ظلمت کدۂ عدم میں پڑی ہوئی تھیں اور باہم کوئی امتیاز نہ تھا اس لیے کہ جب اندھیرا ہوتا ہے تو ساکن اور متحرک اور بلند اور پست میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا' کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون اُوپر ہے اور کون نیچے ہے' جب نور اور اجالا آتا ہے اور اندھیرا دُور ہوتا ہے تب حقیقتیں اور کیفیتیں کھلتی ہیں اور اچھے اور بُرے اور جوہر اور عرض میں تمیز ہوتی ہے اسی طرح سمجھو کہ عدم ظلمت اور تاریکی ہے اور نور وجود اور ظہور ہے اگر وہ ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ممکنات کو نور وجود اور نور ہستی عطا نہ کرتا تو تمام ممکنات عدم کی ظلمت اور تاریکی میں پڑی رہتیں۔ اور بلندی اور پستی کا کوئی امتیاز نہ ہوتا اور آنکھ اور عقل میں بھی روشنی نہ ہوتی تو ادراک کیسے ہوتا۔ ادراک بھی تو آخر ظلمت ہی میں ہوتا' پھر کہاں سے ہوتا جس طرح زمین اپنی ذات سے تاریک اور بے نور ہے' آفتاب کے عکس اور پرتو سے اس میں روشنی آئی اور زمین کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ اندھیری رات میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون زید ہے اور کون عمرو ہے' اسی طرح ممکنات کی ظلمتِ عدم کو سمجھو کہ وہ اپنی ذات سے اندھیرے میں ہیں جب نور السمٰوٰت والارض کی تجلی سے نور وجود کا کوئی پرتو ان پر پڑ جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ہستی کہ بذات خود ہویداست چو نور	ذرّات مکونات ازو یافت ظہور
ہر چیز کہ از فروغ او افتد دور	در ظلمت نیستی بماند مستور

آفتاب اور ماہتاب ظاہری نور ہیں جن سے دنیا کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بَصَرْ (چشم سر) بھی ایک ظاہری نور ہے جس سے رنگتوں کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور بصیرت (چشم دِل) ایک باطنی نور ہے جسے نورِ عقل بھی کہتے ہیں اس سے حقائق اشیاء کا ظہور ہوتا ہے آسمان آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی روشنی سے روشن ہے اور زمین انبیاء اور علماء اور اولیاء کے انوار علم اور انوار ذکر و تسبیح سے منور ہے۔ الغرض آسمان و زمین میں جس قدر انوار حسیہ اور انوار عقلیہ موجود ہیں وہ سب اسی ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کی مخلوق ہیں جس طرح نور اشیاء کے ظہور کا سبب ہے اسی طرح سمجھو کہ وہ ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمینوں کے ظہور کا سبب ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سارا کون و مکان اور یہ زمین و آسمان ظہور میں آیا۔

اور چونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی سب ہستیوں سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے اور سب ہستیوں کا ظہور اسی کی وجہ سے ہے' اسی وجہ سے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ یعنی آسمان اور زمین اور ان کی تمام چیزیں اسی کے ظاہر کرنے سے ظہور میں آئیں۔

ہمہ عالم بنور اوست پیدا	کجا او گردد از عالم ہویدا
زہے ناداں کہ او خورشید تاباں	بنور شمع جوید در بیاباں

پس جس طرح نُورُ اللہ کی صفت ہے اسی طرح ظہور بھی اللہ کی صفت ہے ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحدید: ۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہٗ نے اس جملہ میں یعنی ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں اوّل اپنے نور عام کا ذکر فرمایا جو اس کی صفت ذات ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے اب آئندہ آیت میں اپنے نور خاص کا یعنی نور ہدایت اور نور توفیق کا ذکر فرماتے ہیں جو اس کی صفت فعل ہے کیونکہ ہدایت دینا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے اور اس کا ایک فضل ہے اور بندہ کو جو نور ہدایت ملتا ہے وہ اس کے فعل کا مفعول بہ اور مخلوق اور مجعول ہے اور اس کے خوان فضل و کرم کا ایک لقمہ اور نوالہ ہے۔ جس کو مل گیا وہ جی اُٹھا پس آئندہ

آیات میں اس کے پیدا کردہ اور عطا فرمودہ نور ہدایت اور نور توفیق کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اللہ کے نور ہدایت کی مثال جو اس کی طرف سے مؤمن ❋ کے دل میں ڈالا گیا ہے اس کی عجب شان ہے۔ اور وہ شان ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہے تاکہ اس کی روشنی منتشر نہ ہو۔

اور وہ چراغ شیشہ کے ایک صاف وشفاف قندیل میں رکھا ہوا ہے جس سے اس کی روشنی دوبالا ہوجاتی ہے اور وہ شیشہ گویا کہ ایک روشن اور چمکدار ستارہ ہے اور وہ چراغ ایک مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جارہا ہے اور مبارک درخت زیتون کا ہے۔ جو نہ سمت مشرق میں ہے نہ سمت مغرب میں ہے۔ بلکہ ایک کھلے میدان میں ہے جس کو ہر طرف سے دھوپ پہنچ رہی ہے ایسے درخت کا روغن نہایت صاف وشفاف اور روشن ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ درخت کسی پہاڑ یا غار کی آڑ میں نہیں۔ اس میں اور آفتاب میں کوئی چیز حائل نہیں ایسے درخت کا تیل نہایت صاف اور چمکتا ہوا ہوتا ہے' آگے فرماتے ہیں کہ اس کا تیل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ قریب ہے کہ وہ تیل خود بخود جل اٹھے اور روشن ہوجائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگی ہو یعنی وہ تیل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ جلتا ہوا نظر آتا ہے اور جب اس کو آگ لگ گئی تو پھر وہ نورٌ علیٰ نود ہے یعنی نور پر نور ہے۔ ایک نور تیل کا اور ایک نور آگ کا جب دونوں جمع ہوجائیں تو نور پر نور اور روشنی پر روشنی ہے۔ آیت میں جو مثال ذکر کی گئی وہ نور ایمان اور نور ہدایت کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہے ایک نور تو ہے فطرت سلیمہ کا اور دوسرا نور وحی کا ہے اور مقصود یہ ہے کہ وہ نور بڑا ہی عظیم الشان ہے اور یہ مطلب نہیں کہ فقط دو ہی نور ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ❋ فرماتے ہیں: کہ اسی طرح مؤمن کا دل فطری طور پر ہدایت پر عمل کرنے لگتا ہے اور اپنی فطرت سلیمہ اور جبلّت صحیحہ سے راہ راست پر چلنے لگتا ہے قبل اس کے کہ اس کو ہدایت کا علم ہو پھر جب اس کو علم آجاتا ہے تو اس کی ہدایت میں اور زیادتی ہوجاتی ہے اور ایک ہدایت پر دوسری ہدایت ہوجاتی ہے۔

(دیکھو تفسیر ابن جریر ص۹۶ ج۱۸۔ سورۃ النور اور دیکھو تفسیر کبیر ❋ لِلعلامة الرّازی ص۳۲۱ ج۶)

یعنی اوّل تو مؤمن کا دل خود روشن تھا جب اوپر سے اس کو نور ہدایت آلگا تو نور علیٰ نور ہوگیا۔

یحییٰ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مؤمن قانت کا دل بتلانے سے پہلے ہی حق کو پہچان لیتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

پس مؤمن قانت کا جسم یا اس کا سینہ بمنزلہ طاق کے ہے اور مؤمن کا دل بمنزلہ صاف وشفاف شیشہ اور قندیل کے ہے جو شکوک وشبہات کے زنگ سے پاک وصاف ہے اور نور معرفت اور نور بصیرت اور نورِ ہدایت یا نورِ ایمان اور نور عرفان یا نورِ قرآن بمنزلہ مصباح

❋ جیسا کہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے: مثل نور من اٰمن به اور ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں پڑھا کرتے تھے: مثل نور من اٰمن باللہ۔

❋ عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنهما مثل نُورِهٖ كمشكوٰة قال مثل هداه فى قلوب المؤمنين كما يكاد الزيت الصّافى يضيئ قبل ان تمسه النّار فاذا مسته النّار ازداد ضوٴ على ضوٴ كذلك يكون قلب المومن يعمل بالهدى قبل ان ياتيه العلم فاذاجاءه العلم ازداد هدى على هدى ونورا على نورٍ اھ تفسير ابن جرير ص۹۶ ج۱۸۔

❋ قال يحيٰى بن سلام قلب المؤمن يعرف الحق قبل ان يبين له لموافقة له وهوالمراد من قوله عليه الصّلاة والسّلام اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله تفسير كبير ص۳۲۱ ج۶۔

(چراغ اور شمع) کے ہے جو مؤمن کے دل میں روشن ہے اور مؤمن قانت کی فطرت سلیمہ اور اس کی فطری صلاحیت اور حسنِ استعداد بمنزلہ تیل کے ہے جو بدءِ فطرت سے من جانب اللہ مؤمن کو عطا کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ اور یہی فطری سلامتی اور حسنِ استعداد اس کے چراغ معرفت کا مادہ ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے: ((کل مولود یولد علی الفطرۃ)) اور دوسری حدیث ہے: ((خلقت عبادی کلھم حنفاء)) اور شجرۂ مبارکہ سے شجرۂ صدق واخلاص مراد ہے کہ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ بلکہ حقیقت میں وہ جنت کا درخت ہے ایسا مؤمن مخلص جس کا قلب چراغ ہدایت و معرفت سے منور ہو تو ایسے مؤمن کا دل بوجہ نورانیت کے بسا اوقات اپنے وجدان اور نور معرفت سے حق تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کو اس حق کا علم نہ ہوا ہو وہ دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ یہ بات حق ہے اور یہ بات ناحق ہے اس قسم کے لوگ نور جبلی اور عنایت ازلی کے باعث بھلے اور برے میں تمیز کر کے محاسن اور فضائل کی طرف توجہ اور رغبت کرتے ہیں اور طبعی طور پر ذمائم اور قبائح سے نفرت کرتے ہیں، جیسا کہ بعض اوقات فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قلب نزول وحی سے پہلے ہی حق کی طرف پہنچ جاتا تھا اور اپنی رائے اور بصیرت سے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ لیتا تھا اور بعد میں اسی کی موافقت میں وحی کا نزول ہوتا تھا اور نزول وحی کے بعد ان کے نور معرفت اور نور بصیرت میں زیادتی ہو جاتی تھی اور اس نور باطنی کے ساتھ جب نور وحی بھی مل جاتا تو نورٌ علی نور ہو جاتا۔ ایک نور اندر کا اور ایک نور باہر کا۔

الغرض مؤمن قانت پہلے ہی اپنی فطرتِ سلیمہ اور خداداد قلب سلیم سے اجمالی طور پر حق پہچان لیتا ہے اور یکلخت اس کے دل میں ایسا جوش اٹھتا ہے کہ اس کام کے کرنے پر آمادہ بلکہ مجبور کر دیتا ہے، پھر جب حکم خداوندی کو سنتا ہے تو تفصیلی طور پر حق کو جان لیتا ہے اور اس کے ایقان اور اطمینان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب نور فطرت کے ساتھ نورِ شریعت بھی مل جاتا ہے تو نور علیٰ نور کا مصداق ہو جاتا ہے اور اسی باطنی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ شرح صدر سے تعبیر فرمایا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الزمر: ۲۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الانعام: ۱۲۵) ایسا شخص اگرچہ کسی کام کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو مگر طبعی طور پر اس کا دل حلال کے کھانے پر تیار ہو جاتا ہے اور حرام کے کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے اور ظاہری طور پر اس چیز کے حرام اور حلال ہونے کا اس کو بالکل علم نہیں ہوتا۔ یہ القاء غیبی ہوتا ہے اس قسم کے لوگوں کو اصطلاحِ شریعت میں محدث من اللہ اور مُلْهم من اللہ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ کو کوئی بات پیش آتی ہے اور اس بارہ میں ان کو حکم شرعی کا علم نہیں ہوتا مگر نور باطنی کی وجہ سے ان کو امر حق کے متعلق شرح صدر ہو جاتا ہے اور وہ پہلے ہی سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی فطرتِ سلیمہ میں قبول حق کی استعداد اس درجہ قوی تھی کہ قریب تھا کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھے۔ اب ذرا اس کو دیا سلائی دکھائی اور ذرا آگ لگائی تو فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ لہٰذا اس نورِ فطرت کے ساتھ اگر نورِ شریعت بھی لگ جائے تو یہ روشنی اس قدر تیز ہو جائے کہ نورٌ علیٰ نُور کا مصداق بن جائے اور حدیث میں آیا ہے: ((استفت قلبك وان افتاك المفتون)) یعنی جب تجھے کوئی بات پیش آئے تو اپنے دل سے فتویٰ لے لے اگرچہ مفتی فتویٰ دیا کریں سو یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کا قلب آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو اور نفسانی ظلمتوں اور کدورتوں سے پاک ہو۔ تو ایسوں کے لیے جائز ہے کہ اپنے قلبِ سلیم سے استفتاء کر لیا کریں، باقی جو چراغِ دل۔ مشرقی یا مغربی شہوانی درختوں کے کشید کردہ تیل سے جل رہا ہو۔ اس سے استفتاء جائز نہیں۔

غرضیکہ نورِ ہدایت جو مؤمن قانت کو عطا ہوتا ہے وہ اللہ کی خاص رحمت اور خاص عنایت ہے' اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے اس خاص نور کی راہ دکھاتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے یہ نور محض اس کا فضل اور احسان ہے جس کو چاہے اپنے فضل سے نواز دے اس نور کی ابتداء بھی اسی کی طرف سے ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اس نور کی انتہاء اور تکمیل بھی اسی کی مشیت پر ہے جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا: ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اس آیت میں نورِ ہدایت سے نور توفیق مراد ہے جو ان لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ جن پر اللہ کی خاص نظرِ عنایت ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ ان پر حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون اس نور کے لائق ہے اور کون نہیں۔ جو دینے والا ہے وہ جاننے والا بھی ہے' اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا ان کے وجود سے پہلے علم تام اور علم محیط تھا۔ اس آیت میں ہدایت عامہ کا بیان ہے جس میں تمام لوگ شریک ہیں جیسا کہ لفظ ﴿ لِلنَّاسِ ﴾ عموم پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ ضرب امثال پر جو ہدایت مرتب ہوتی ہے وہ ہدایت عامّہ ہے اور گزشتہ آیات یعنی ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ میں ہدایت خاصہ کا بیان تھا کیونکہ وہاں لفظ ﴿ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ موجود تھا جو خصوص پر دلالت کرتا ہے۔

بہرحال جمہور علماء کے نزدیک اس آیت میں نور مؤمن کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ اس کے آئینۂ دل میں ہدایت اور معرفت کا ایک چراغ روشن ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے نور کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ مشکوٰۃ سے حضور ﷺ کا سینہ مبارک مراد ہے اور زجاجہ سے آپ ﷺ کا قلب منور مراد ہے جو نورالٰہی سے روشن اور منور ہے جس کا اصل مادہ ملّتِ ابراہیمیہ حنیفیہ ہے اور شجرۂ مبارکہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں جو شجرۃ الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں۔ یہ تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۶۳ ج ۱۲)

اور پہلی تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تھی' اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اہلِ ہدایت کون لوگ ہیں اور وہ نورِ ہدایت یعنی کہ وہ روشنی کہاں ملتی ہے' سو بتلاتے ہیں کہ وہ روشنی مسجدوں اور خانقاہوں میں ملتی ہے۔ جہاں صبح وشام اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبح وشام اللہ کے ذکر میں اور اس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور ان رجالِ آخرت کی صحبت اور ہم نشینی میں ملتی ہے کہ جو بظاہر دنیوی تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور در پردہ اور بباطن آخرت کی تجارت میں غرق اور سرگرداں ہیں۔ یہ لوگ اہلِ ہدایت ہیں جن کے دل نورِ ہدایت سے منور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے کے لیے یہ مثال بیان کر دی۔ پس اگر تم نورِ ہدایت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ نور ایسے گھروں میں ملے گا جن کے ادب اور احترام اور بلند کرنے کا اور ان کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ ان گھروں میں اللہ کا نام لیا جائے اس میں تسبیح وتہلیل اور تلاوتِ قرآن اور دیگر اذکار سب داخل ہیں ان گھروں سے مسجدیں اور خانقاہیں مراد ہیں جن میں دن رات اللہ کا نام لیا جائے ہدایت کے چراغ تم کو مسجدوں میں ملیں گے، وہاں جاؤ۔

اور ان گھروں میں صبح وشام اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں ایسے مردانِ ہمت جن کی صفت یہ ہے کہ کوئی دُنیاوی تجارت اور کوئی خرید و فروخت ان کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی یعنی یہ لوگ اگرچہ بظاہر دنیوی تجارت میں مشغول ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ ایسے باہمت اور مردانِ شجاعت ہیں کہ اصل مقصود ان کا آخرت کی تجارت ہے دُنیا کی تجارت ان کو

آخرت سے غافل نہیں ہونے دیتی ان کا اصل مقصود دین ہے اور دُنیا اس کی تابع ہے اگر دنیا مقصود ہوتی تو اس طرح فرماتے: لایلھیھم ذکر اللہ عن التجارۃ یعنی اللہ کا ذکر ان کو تجارت سے غافل نہیں کرتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود دین ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کرنے والے کو مرد نہیں کہا بلکہ ایسے لوگوں کو مرد کہا کہ جو دنیا کی تجارت میں پڑ کر آخرت سے غافل نہ ہوں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو ایسا نہ ہو وہ مرد نہیں۔

از دروں شو آشناو وز بروں بیگانہ باش ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

اور ان رجال آخرت اور مردانِ ہمت کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ مردانِ ہمت اس دن سے ڈرتے ہیں کہ اس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی' اس دن حیران اور پریشان ہوں گے کہ دیکھیے آج کیا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود عبادت کے پھر خوف ہے۔ عُجب اور خود پسندی نہیں وہ اپنے اعمال کو ہیچ سمجھتے ہیں جیسا کہ یہی مضمون دوسری آیت میں ہے: ﴿قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ (مومنون:۶۰) غرضیکہ ان رجال آخرت پر آخرت کا خوف غالب ہے اس لیے یہ مردانِ خدا لہو ولعب میں نہیں پڑتے۔ بلکہ ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں تا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی دے' یعنی وعدہ کے علاوہ بلا استحقاق اپنے فضل سے زیادہ عطا فرمائے گا جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ ہو یا زیادتی فضل سے دیدار خداوندی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء اعمال کے علاوہ مزید اپنے دیدار پُر انوار سے مشرف فرمائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ﴾ اس آیت میں ''زیادت'' سے دیدار خداوندی مراد ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے' اس کے جود وکرم کی کوئی حد نہیں وہ مالک مطلق ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں جس کو جو چاہے اور جتنا چاہے دے وہ اس کا فضل ہے ذاتی استحقاق کسی کا نہیں۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین، دنیا کے منافی نہیں لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے آدمی دُنیا سے جاتا رہتا ہے۔ بالکل غلط ہے اللہ اور اس کے رسول نے تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دارومدار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ((کسب الحلال فریضۃ)) یعنی کسبِ حلال فرض ہے البتہ دُنیا کی محبت ممنوع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ((حب الدنیا رأس کل خطیئۃ)) دُنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے البتہ اس کے احکام بتلائے ہیں اور عقلاً یہ درست ہے دُنیا کی کون سی حکومت ہے جس میں تجارت اور زراعت وغیرہ کے متعلق احکام موجود نہ ہوں اور یہ احکام دُنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بڑھ کر آسان ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ علماء شریعت' کسب دُنیا سے منع کرتے ہیں بالکل غلط ہے' قرآن اور حدیث میں اور کتبِ فقہ میں ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے اور اس کے احکام بتلائے ہیں اور بے کاری کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ افلاس بعض دفعہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: ((کاد الفقر ان یکون کفرا)) قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچا دے۔

شریعت نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم دُنیا کو بالکل چھوڑ دو اور حقوق کو معطل کر کے بیٹھ رہو بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دُنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں قانونِ شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکلو۔ دُنیا کی وہ کون سی متمدن حکومت ہے کہ جہاں کے باشندے تجارت اور زراعت اور صنعت وحرفت میں قانونِ حکومت سے آزاد ہوں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ

اور جو لوگ منکر ہیں، ان کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اس کو

مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ

پانی، یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا، اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا۔

حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ

اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب۔ یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں

يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا

چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر، اس پر ایک لہر، اس کے اوپر ایک بدلی۔ اندھیرے ہیں ایک

فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ

پر ایک۔ جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو سوجھے۔ اور جس کو نہ دی

اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾ ع ۵ ۱۱

اللہ نے روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی۔

اعمالِ کفّار کی دو مثالیں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ ... الی ... فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے نورِ ہدایت کی مثال بیان فرمائی اور اس کو نورٌ علیٰ نور فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں کافروں کے مظالم اور تاریک اعمال کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں جو ظلمات پر ظلمات اور اندھیرے پر اندھیرا ہیں۔ کافر دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہیں کہ جو معاد کے قائل ہیں اور اپنے زعم کے مطابق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ اعمال ہمارے کام آئیں گے اور دوسری قسم کافروں کی وہ ہے کہ جو معاد اور جزا اور سزا کے منکر ہیں اور دنیاوی لذات وشہوات میں غرق ہیں ان آیات میں ان دو قسم کے کافروں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں منافقوں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر فرمائیں ایک ناری اور ایک آبی جیسا کہ سورۂ رعد میں بھی دو مثالیں ذکر فرمائیں ایک آبی اور ایک آتشی۔ اسی طرح یہاں بھی دو مثالیں ذکر فرماتے ہیں۔

مثال اوّل اور پہلی قسم کے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں ایک چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا آدمی اس کو دور سے پانی گمان کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پیاسا اسے پانی سمجھ کر وہاں پہنچتا ہے تو اپنے گمان اور تصور کی کوئی چیز نہیں پاتا اور بجائے پانی کے اپنے پاس اللہ کے قہر اور غضب کو پاتا ہے پھر اللہ اس کے حساب کو پورا کر دیتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اسے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی اسے کیا مشکل ہے۔ یہ مثال ان کافروں کے اعمال کی ہے جنہوں نے دُنیا میں کچھ صدقہ اور خیرات کیا اور کچھ نیک کام کیے اور ان کو ذریعۂ آخرت خیال کیا کہ ہم نے کچھ نیکی حاصل کی اور ہمیں اس کا ثواب ملے گا تو یہ کافر دُنیا میں اپنے اعمال کو پانی کی طرح سمجھتا رہا کہ وقت پر میرے کام آئیں گے حالانکہ وہ کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے حقیقت میں پانی نہ تھے بلکہ ظاہری طور پر صورۃً وہ پانی کے مشابہ تھے اور درحقیقت وہ سراب تھے چمکتے ہوئے ریت کے مشابہ تھے۔ جب تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا اور اس وقت تو حقیقت کھلی اور امید پر پانی پھر گیا اور بصد ہزار حسرت وغم پیاسا مر گیا۔ اس کو اُمید تھی کہ اللہ میرے ان اعمال سے راضی ہوگا' جب مر کر خدا کے پاس پہنچا تو بجائے آبِ حیات کے اسے آتش غضبِ الٰہی نظر آئی اور عمر بھر کی بداعمالیوں کا حساب کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہوا اور تباہ و برباد ہوا۔

دوسری مثال یا کافروں کے اعمال کی مثال مثل بڑے گہرے سمندر کی تاریکیوں کی طرح ہے جس پر موج سوار ہے اور موج کے اوپر ایک اور موج ہے اور پھر اس کے اُوپر ایک بادل کہ جو ستاروں کی روشنی کو بھی چھپائے ہوئے ہے یہ تاریکیاں ہیں ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہیں۔ اندھیری پر اندھیری ہے غرضیکہ غایت درجہ کی اندھیری ہے' جب وہ اپنے ہاتھ کو باہر نکال کر دیکھنا چاہتا ہے جو سب اعضاء میں اس کے قریب ہے اور قریب سے دکھائی دیتا ہے تو تاریکیوں کی شدت کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو بھی نہیں دیکھ سکتا پس جب وہ اپنے ہاتھ کو نہیں دیکھ سکتا جو آنکھ کے بالکل قریب ہے تو اور چیزوں کو بدرجہ اولیٰ نہیں دیکھ سکے گا۔ یہ دوسری تمثیل ان کافروں کے اعمال کی ہے جو دن رات نفسانی شہوتوں اور دنیاوی لذتوں میں غرق ہیں اور برے اعمال کی تاریکیوں اور اندھیروں میں چھپے ہوئے ہیں کہ ان سے نکلنا ممکن نہیں۔ کفر اور جہالت کے تاریک اور عمیق سمندر میں غرق ہیں جہاں روشنی کا کوئی نام ونشان نہیں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اعتقاد بھی تاریک اور قول بھی تاریک اور عمل بھی تاریک ان لوگوں کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی کہ سراب کو دیکھ کر نظر آتی ہے یہ لوگ تو ہر طرف سے ہی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں روشنی کا کہیں نام ونشان بھی نہیں۔ اور جسے اللہ روشنی نہ دے تو اس کے لیے کہیں روشنی نہیں۔ روشنی تو دین اسلام میں ہے کفر میں کہاں سے روشنی آئی۔ کافروں کی مثال کے اخیر میں یہ جملہ ایسا ہے جیسے مؤمنین کی مثال کے اخیر میں یہ ارشاد فرمایا تھا: ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یہاں اس کے مقابل یہ فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ مؤمن کی حالت تو روشن ہے اور نور پر نور ہے اور کافر کی حالت ظلمتیں یعنی اندھیریاں ہیں اور اندھیریوں پر اندھیریاں ہیں حاصل کلام یہ کہ کافروں کے اعمال اگرچہ بظاہر نیک ہوں تو مثل سراب کے ہیں اور اگر بد ہوں تو مثل ظلمات کے ہیں۔

لطائف الاشارات

جاننا چاہیے کہ ابتداء آیت میں نورِ ہدایت اور نورِ توفیق کا ذکر کیا۔ بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نورِ ہدایت اتباعِ شریعت اور التزام مساجد میں منحصر ہے اور ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ﴾ سے یہی مساجد مراد ہیں کہ جن کی تعظیم واجب ہے' بعد ازاں یہ بتلایا کہ نورِ ہدایت کے

لیے دوامِ ذکر اور دوامِ تسبیح اور رجال آخرت کی صحبت ضروری ہے ﴿یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ دوامِ ذکر اور دوام تسبیح کی طرف اشارہ ہے اور ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ ... الخ﴾ سے رجال آخرت کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹) بعد ازاں ﴿لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾ سے تاجران آخرت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ سے محبین اور مخلصین اور اولیاء عاشقین کی طرف اشارہ ہے۔

بعد ازاں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو نورِ ہدایت اور نورِ توفیق سے محروم رہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ ... الخ﴾ سے انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کو نورِ ہدایت میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

بعد ازاں کافروں کے اعمال کی دو مثالیں بیان کیں اس لیے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو بظاہر مستحسن اور پسندیدہ ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور خیرات اور عدل و انصاف اور ظلم اور ایذا رسانی سے پرہیز اس قسم کے اعمال بظاہر خیر اور حسن ہیں مگر ان کے قبول کے لیے ایمان شرط ہے اس لیے ایسے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی کہ دور سے تشنہ اور پیاسا اس سے اُمید وابستہ کرتا ہے اور جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ملتا۔

اور دوسری قسم اعمال کی وہ ہے کہ جو ظاہر میں بھی قبیح ہیں جیسے بت پرستی اور ظلم وغیرہ وغیرہ اس قسم کے اعمال کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے؟

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

ہر ایک نے جان رکھی اپنی طرح کی بندگی اور یاد اور اللہ کو معلوم ہے جو کرتے ہیں۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

اور اللہ کی حکومت ہے آسمان و زمین میں۔ اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے۔ تو نے نہ دیکھا کہ

اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى

اللہ ہانک لاتا ہے بادل پھر ان کو ملاتا ہے پھر ان کو رکھتا ہے تہ بہ تہ پھر تو دیکھے

الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا

مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں

مِنۡ بَرَدٍ فَیُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَصۡرِفُہٗ عَنۡ مَّنۡ یَّشَآءُ ؕ یَکَادُ

اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے۔ ابھی

سَنَا بَرۡقِہٖ یَذۡہَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۳﴾ یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ؕ اِنَّ

اس کی بجلی کی کوند لے جاوے آنکھیں۔ اللہ بدلتا ہے رات اور دن۔ بیشک

فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ

اس میں دھیان کی جگہ ہے آنکھ والوں کو۔ اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والا ایک

مَّآءٍ ۚ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی بَطۡنِہٖ ۚ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی

پانی سے۔ پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے

رِجۡلَیۡنِ ۚ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰۤی اَرۡبَعٍ ؕ یَخۡلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ

دو پاؤں پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر، بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰہُ

بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ ہم نے اتار دیں آیتیں، کھول بتانے والی اور اللہ

یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۶﴾

لاوے جس کو چاہے سیدھی راہ پر۔

ذِکرِ تسبیح کائنات عالم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ . . . الی . . . یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۶﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں رجال آخرت اور مردان ہمت کی تسبیح اور نماز کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں تمام مخلوقات کی تسبیح اور نماز اور نیاز کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، مگر یہ لوگ جہالت کے مظلم اور تاریک سمندر کی گہرائیوں میں غرق ہیں اور خدا کی تسبیح اور نماز و نیاز سے غافل ہیں۔ اور سراب کو آب سمجھے ہوئے ہیں۔

ربط دیگر کہ گزشتہ آیات میں قلوب مؤمنین کے انوار کا اور قلوب کفار کی ظلمات کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں دلائل توحید کو بیان کرتے ہیں جو اہلِ بصیرت کے لیے انوارِ ہدایت ہیں اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے دلائل بیان فرمائے جن سے خدا تک پہنچنے کا راستہ نظر آئے پس اے لوگو! اگر ظلمتوں اور اندھیریوں سے نکل کر نور میں داخل ہونا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے دلائل قدرت و عظمت میں غور کرو۔

قسم اوّل

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الى ... وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۴۲ ﴾

اے مخاطب کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سب پرندے درآنحالیکہ وہ ہوا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں۔ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی نماز کو اور تسبیح کو جان رکھا ہے جو اس کے لائق ہے خدا تعالیٰ نے جس کو جو طریقہ الہام کیا اسی کے موافق وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں' کوئی فعل اور کوئی ذرّہ اس پر پوشیدہ نہیں غرضیکہ تمام کائنات اپنے اپنے حال کے لائق اور موافق اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴) اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اس کے سوا اور کوئی ذرہ بھر چیز کا بھی مالک نہیں اور اللہ ہی کی طرف سب کا رجوع ہے' یعنی ایک دن سب کو فناء ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قسم دوم

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ... الى ... لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۴۴ ﴾

اے انسان کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو ہنکاتا ہے اور ابتداء میں اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ ان ٹکڑوں کو باہم ملا دیتا ہے یعنی ان کے متفرق ٹکڑوں کو جوڑ دیتا ہے پھر اس کو تہ بہ تہ گاڑھا بادل بنا دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس بادل کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور زمین پر گرتی ہے اور اس کو سیراب کرتی ہے۔ اور آسمان میں یا بادل میں جو اولے کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں اللہ تعالیٰ ان سے اولے برساتا ہے آسمان میں اولوں کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں یا بادلوں میں اولوں کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہیں جو پہاڑوں جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان سے یا ابر سے پانی یا اولے برساتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے وہ بارش یا اولا گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو اُچک لے جائے یعنی وہ بجلی اس قدر تیز ہے کہ قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے' اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے رات اور دن کو پھیرتا ہے اور بدلتا رہتا ہے' رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے' کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں بے شک ان باتوں میں اہلِ بصیرت کے لیے عبرت ہے' ان سب امور سے خدا تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت ظاہر ہوتی ہے۔

قسم سوم

اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا' ہر حیوان کا اصل مادہ اور جوہر پانی ہے سو ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں' جیسے آدمی اور بہت سے پرندے جبکہ ہوا میں نہ

ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ بہائم اور درندے اونٹ گائے بکری وغیرہ۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں کسی کے لیے پیٹ کو چلنے کا ذریعہ بنایا اور کسی کے لیے دو پیر اور کسی کے لیے چار بنائے تا کہ لوگ اللہ کی قدرت کے کرشموں کو دیکھیں اور سمجھیں اور ہم نے اپنی قدرت کے واضح دلائل بیان کر دیئے تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر راہِ حق پر آ جائیں اور لیکن ہدایت کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگاتا ہے' یہی مذہب ہے اہلِ سنت والجماعت کا کہ ہدایت اور توفیق سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آئے پھر پھرا جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ

اس پیچھے۔ اور وہ لوگ نہیں ماننے والے۔ اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں

رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ

قضیہ چکاوے تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑتے ہیں۔ اور اگر

لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ؕ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا

ان کو کچھ پہنچتا ہو تو چلے آویں اس کی طرف قبول کر کر۔ کیا ان کے دل میں روگ ہے یا دھوکے میں پڑے ہیں

اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ

یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور رسول اس کا؟ کوئی نہیں وہی لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ع اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ

بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات یہ تھی جب بلائیے ان کو اللہ اور

رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

رسول کی طرف' فیصلہ کرنے کو ان میں کہ کہیں ہم نے سنا اور مانا۔ اور وہ لوگ انہی کا

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ

بھلا ہے۔ اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے' اور ڈرتا ہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس سے'

فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر

اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ نکلیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ۔ حکم برداری چاہیے جو دستور ہے۔ البتہ اللہ کو

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

خبر ہے جو کرتے ہو۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ پھر اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ

تم منہ پھیروگے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا۔ اور اگر اس کا کہا مانو

تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

تو راہ پاؤ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر۔

ذکرِ مہتدین وغیر مہتدین یعنی مخلصین ومنافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا... الی... وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ راہ حق روشن اور واضح ہے مگر توفیق اور ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے کما قال: ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض کو ہدایت ہوگی اور بعض کو نہیں ہوگی اس لیے آئندہ آیت میں ہر دو فریق کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت کا ذکر کرتے ہیں مگر ان کے دل اطاعت اور یقین سے خالی ہیں' یہ گروہ منافقین کا ہے کہ باوجود واضح نشانیوں کے راہِ راست پر نہیں چلتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر دل سے راضی نہیں اور ان ہی کا ذکر پہلے کیا۔

اور بعض وہ ہیں کہ جو دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے وفادار اور اطاعت شعار ہیں یہ گروہ مخلصین کا ہے۔ ان کا ذکر بعد میں کیا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور یہ منافق لوگ زبان سے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس اقرار کے بعد ان میں کا ایک فریق اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور یہ لوگ دل سے مؤمن نہیں' یہ آیت بشر نامی منافق کے بارہ میں نازل ہوئی اس کا ایک یہودی کے ساتھ ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا یہودی نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے اور بشر نے کہا نہیں۔ ہم اپنا فیصلہ کعب بن

اشرف یہودی کے پاس لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے وقت میں ان کے دعوائے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: اور ان لوگوں کی سرتابی کا یہ حال ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ کا رسول ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک فریق منہ موڑنے والا ہو جاتا ہے یعنی جب ان کے ذمہ کسی کا حق نکلتا ہے تو رسول ﷺ کے فیصلہ سے منہ موڑتے ہیں اور اگر اتفاق سے حق ان کے لیے ہوا تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے آپ ؐ کی طرف چلے آتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ حق پر ہوگا اور ہم کو آپ ﷺ کے فیصلہ سے حق مل جائے گا۔ ایسے لوگ جو ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ ایمان اور اسلام نہیں بلکہ خود غرضی اور ہوا پرستی ہے۔

اب آگے ان کے اعراض اور روگردانی کے اسباب بطور تردید بیان کرتے ہیں جس سے مقصود ان کی توبیخ ہے۔ کیا ان کے دلوں میں کفر اور نفاق کی بیماری ہے یا حرص اور طمع اور مال کی محبت کی بیماری ہے اس وجہ سے آپ ﷺ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں یہ بیماری ان کے دلوں میں ایسی مستحکم ہو چکی ہے کہ اس کے زائل ہونے کی اُمید نہیں۔

یا دین اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اس لیے اسلامی عدالت میں مقدمہ لانے سے کتراتے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کے ساتھ بے انصافی کرے گا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تو اس سے منزہ اور مبرا ہیں بلکہ یہی لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حرص اور طمع اور خود غرضی میں مبتلا ہیں اس لیے رسول ﷺ کے پاس فیصلہ لانے سے گھبراتے ہیں کہ اس کی بارگاہ میں حرص اور طمع اور خود غرضی کا گزر نہیں۔

یہ تو منافقین کا حال تھا اب آگے مؤمنین مخلصین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال ذکر کرتے ہیں کہ ان کے دل اور زبان میں کوئی فرق نہیں۔ مؤمنوں کا قول تو بس یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی مقدمہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان کا قول یہی ہوتا ہے کہ ہم نے دل و جان سے آپ ﷺ کا ارشاد سنا اور بسر و چشم آپ ﷺ کی اطاعت منظور کی اِدھر سنا اور اُدھر فرمانبرداری کے لیے تیار۔ اس لیے کہ ان کو یقین ہے کہ رسول ﷺ کا قول حق اور صدق ہے سوائے سمع اور اطاعت کے کوئی گنجائش ہی نہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔ جنہوں نے اپنی ہوائے نفسانی کو نبی ﷺ کے حکم کے تابع کر دیا۔ اور ان کو دنیوی نفع و نقصان سے کوئی سروکار نہیں۔ اور ہمارے یہاں کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خوشی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلے اور اللہ کی ناراضی سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ یعنی کامرانی اور کامیابی کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔

(اوّل) **اطاعت**۔ یعنی احکام شریعت کی دل و جان سے بجا آوری۔

(دوم) **خشیت**۔ یعنی دل سے اللہ کی عظمت اور ہیبت۔

(سوم) **تقویٰ**۔ یعنی معصیت سے اجتناب۔

ایسے لوگ فائز المرام ہیں جن کے لیے ازل سے سعادت اور فلاح مقدر ہو چکی ہے۔ اب آئندہ آیت میں منافقین کی جھوٹی قسموں کا ذکر کرتے ہیں اور ان منافقین نے اپنی پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ تو ایسے فرمانبردار ہیں کہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتے کہ البتہ اگر آپ ان کو ان کے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں تو وہ بلا توقف اسی وقت اپنا مال و متاع چھوڑ کر گھروں سے نکل جائیں گے

منافقین اپنی وفاداری جتلانے کے لیے حضور پرنورؐ سے کہتے کہ اگر آپ ﷺ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر نکلنے کے لیے اور آپ ﷺ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہیں۔ ذرا حضور ﷺ کے اشارہ کی دیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبیؐ! آپ ﷺ ان منافقوں سے کہہ دیجیے بس تم قسمیں نہ کھاؤ۔ دستور کے مطابق فرمانبرداری تم سے مطلوب ہے۔ زبانی اطاعت سے کام نہیں چلتا۔ یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ (التوبہ:۹۶)... ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ (مجادلہ:۱۶) بے شک اللہ خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔ اسے تمہارے قول وقرار کی اور تمہاری قسموں کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ اے نبیؐ! آپ ﷺ ان منافقوں کو کہہ دیجیے کہ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ بلکہ صدق دل سے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو ظاہر و باطن کو یکساں کرو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ پس اگر تم اس بات سے روگردانی کرو تو رسول ﷺ کا ذمہ تو صرف اس قدر ہے جس قدر اس پر بوجھ رکھا گیا۔ یعنی تبلیغ احکام خداوندی۔ مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے ذمہ حکم کا پہنچانا ہے اور اس کی اطاعت اور تعمیل تمہارے ذمہ ہے۔ اس کے جواب دہ تم ہو۔ اور اگر بجائے روگردانی کے تم دل و جان سے بصد شوق و رغبت رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے تمہاری نافرمانی اور روگردانی سے ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اور رسول ﷺ کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے اور بس رسول تو اللہ کا حکم پہنچا کر سبکدوش ہو گئے۔ اب تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے انجام کو سوچ لو۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں نیک کام البتہ پیچھے حاکم کرے گا ان کو
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کو
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ
دین اُن کا، جو پسند کر دیا ان کو اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن۔
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کوئی۔ اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
بے حکم۔ اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم میں چلو رسول کے

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

شاید تم پر رحم ہو۔ نہ خیال کر کہ یہ جو منکر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٥٧﴾ ع

اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے اور بری جگہ ہے پھر جانے کی۔

بشارت حکومت ووعدۂ خلافت برائے اہلِ ایمان واطاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... اِلٰى ... وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٥٧﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اوّل منافقین کا حال بیان کیا جو دن رات مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے پھر اس کے بالمقابل مؤمنین مخلصین کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا اور عند اللہ ان کی کامیابی اور کامرانی اور فائز المرامی کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں اہلِ ایمان اور اہلِ طاعت کو دینی اور دنیوی نعمتوں اور کرامتوں اور سعادتوں کی بشارت دیتے ہیں تاکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی راہ میں اہلِ اسلام کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا ازالہ ہو جائے اور مؤمنین صالحین سے وعدہ فرماتے ہیں کہ تم کفار اور منافقین کی چیرہ دستی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہو تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسی دنیا میں ہم تم کو رسول ﷺ کی وفات کے بعد اپنے نبی کا جانشین بنائیں گے اور زمین کی حکومت تم کو عطا کریں گے اور دشمنانِ اسلام پر تم کو غلبہ دیں گے اور تم کو زمین کا مالک اور فرمانروا بنائیں گے جسے دیکھ کر یہ سازش کرنے والے دنگ اور حیران رہ جائیں گے' اللہ تم کو عزت دے گا اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل وخوار کرے گا اور دین اسلام جو خدا کے نزدیک پسندیدہ دین ہے جس کے مٹانے پر یہ کفار اور منافقین تلے ہوئے ہیں اس دین کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے جانشینوں کے ہاتھوں سے مضبوط اور مستحکم کرے گا اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء کو کفار اور منافقین کی سرکوبی پر مسلط اور مقرر کرے گا اور دین اسلام کے بارے میں کفار اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کو ختم کر دے گا۔

اور اس وقت اہلِ اسلام کو جو دشمنانِ اسلام سے خوف لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امن سے بدل دے گا حق جل شانہٗ کا یہ وعدہ ان مؤمنین صالحین سے تھا جو نزول آیت کے وقت حاضر اور موجود تھے جیسا کہ لفظ ﴿مِنْكُمْ﴾ بصیغۂ خطاب صراحۃً اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ سو وہ زمانہ ایسا خوف کا تھا کہ مسلمان دین کا کوئی کام کھلم کھلا نہیں کر سکتے تھے ہجرت کے بعد بھی ایک عرصہ تک کافروں کا خوف رہا۔ مہاجرین اور انصار دن رات کمر بستہ اور ہتھیار بند رہتے تھے نا معلوم کس وقت کوئی مدینہ پر چڑھ آئے۔ چنانچہ طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام عرب دشمن ہو گیا' مسلمان خوف کے مارے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے ایک مرتبہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کبھی ایسے دن بھی آئیں گے کہ ہم آرام سے رات کو سویا کریں گے اور سوائے خدا کے اور کسی کا خوف ہم کو نہ ہوگا۔ اس پر

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور بادشاہت اور نبی کی خلافت اور جانشینی کی بشارت دے کر ان کی تسکین فرمادی۔ اور بتلا دیا کہ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا تم کیوں گھبراتے ہو تمہیں سلطنت ملنے والی ہے اور اللہ تم کو زمین کا حکمران بنائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اللہ نے وعدہ دے دیا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ ان کو اس ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اپنی زمین میں ضرور خلیفہ یعنی بادشاہ بنائے گا جس طرح اس نے اگلے لوگوں کو اسی ایمان کی بدولت زمین میں خلیفہ اور بادشاہ بنایا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام کو ان کا خلیفہ اور جانشین بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ یعنی بادشاہ اور فرمانروا بنایا تھا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگوں کو سلطنت عظیمہ اور جاہ و جلال عطا کیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴾ (النساء: ۵۴) ایسے ہی اس امت کو ایسی عظیم سلطنت ملے گی جو قوت اور شوکت میں ضرب المثل ہوگی۔ لفظ مِنْكُمْ میں حرف مِنْ اگر بیانیہ ہو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمنین صالحین سے یعنی اے حاضرین تم سے اس لیے کہ اس وقت تم ہی مؤمنین صالحین کا مصداق ہو اور اگر مِنْ تبعیضیہ ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا۔ اے افرادِ عالم اور اے ابنائے آدم تم میں سے جو مؤمنین صالحین اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم دُنیا میں ان کو نعمتیں عطا فرمائیں گے اوّل استخلاف فی الارض یعنی زمین میں ان کو نبی کا جانشین اور بادشاہ بنائیں گے۔ اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بہ ضرور ان کے لیے مضبوط اور مستحکم کر دے گا ان کے دین کو جس کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے مراد پسندیدہ دین اسلام ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ ... الخ ﴾ اور مطلب یہ ہے کہ ان کو حکومت اور بادشاہت دینے سے مقصود یہ ہوگا کہ دینِ اسلام ایسا مضبوط اور مستحکم ہو جائے کہ دُنیا کی کوئی طاقت اس کو ہلا نہ سکے۔ اور بے خوف و خطر اس دین پر عمل کریں گے اور دینِ اسلام تمام دینوں پر قاہر اور غالب ہوگا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾ (الصف: ۹) اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بضرور بدل دے گا۔ ان کے خوف و ہراس کو امن و امان اور سکون اور اطمینان سے یعنی مسلمانوں کے دلوں سے کافروں کا خوف نکل جائے گا اور اہلِ اسلام کو امن و امان اور سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے گا یعنی پہلے مسلمانوں کو کافروں سے خوف اور اندیشہ رہا کرتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو امن دے گا۔ یہ اللہ کے تین وعدے ہیں جن کی بطور پیشین گوئی خبر دی گئی ہے۔ صبح کی سفیدی کی طرح یہ وعدے ظہور میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل بنے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادموں کے متعلق جس نعمت اور کرامت کی خبر دی تھی وہ ہُو بہو ظاہر ہوئی۔

اور یہ لوگ سلطنت اور بادشاہت مل جانے کے بعد محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین اور قائم مقام ہوں گے میری عبادت اور بندگی میں لگے رہیں گے اور میری عبادت میں ذرّہ برابر کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے نہ شرک جلی کریں گے اور نہ شرک خفی۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عبادت کا بازار خوب گرم ہوا اور کفر و شرک خوب ذلیل و خوار ہوا۔ اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور کفر و شرک بیخ و بن سے اکھڑ گیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت کہ جس سے دین بھی مضبوط اور مستحکم ہو جائے حق جل شانہٗ کی ایک نعمت کبریٰ ہے۔ لہٰذا جو شخص اس نعمت کے بعد ناشکری کرے تو ایسے لوگ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں کہ نعمت ملنے کے بعد طاعت سے باہر نکل گئے۔ اصلی فاسق ایسے ہی لوگ

ہوتے ہیں اور اس ناشکری کا آغاز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خارجیوں سے ہوا کہ ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خروج کیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت اور سلطنت کے ساتھ تمکین دین یعنی غلبۂ اسلام اور اہل اسلام کے لیے کامل امن وامان بھی جمع ہوئے تو وہ خلافت راشدہ ہے اور خلیفۂ راشد وہ فرمانروا ہے کہ جو مؤمن صالح اور خدا پرست ہو اور نظام مملکت قانون شریعت کے مطابق ہو۔

اور اے مسلمانو! جب تم نے ایمان اور عمل صالح کے ثمرات اور برکات کو سن لیا تو تم کو چاہیے کہ نماز کے پابند رہو اور زکوۃ دیا کرو اور ہر بات میں دل وجان سے رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر خاص الخاص رحم کیا جائے۔ یہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے وہ سب ایمان اور عمل صالح اور رسول کی اطاعت کا ثمرہ ہے اس سے غافل نہ ہونا۔ نبی کے بعد اس کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور اس کے سچے جانشینوں کی دل وجان س اطاعت کرو۔

(اے مخاطب) تو ان کافروں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ وہ کہیں زمین میں بھاگ کر ہم کو عاجز کرنے والے ہو جائیں گے یعنی یہ ممکن نہیں کہ یہ کافر ہمارے قہر سے بچ کر کہیں نکل سکیں گے۔ مقصود کافروں کو سنانا ہے کہ کفار یہ خیال نہ کریں کہ مسلمان بہت قلیل ہیں اور کمزور ہیں اور بے سروسامان ہیں، ان کو یہ قوت وشوکت کہاں میسر آ سکتی ہے کہ جو بڑی بڑی طاقتوں پر غالب آ جائیں اس لیے بتلا دیا کہ کفار اپنی قوت وشوکت کے گھمنڈ میں نہ رہیں، اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اور ہر لحظہ ان کے پکڑنے پر قادر ہے اس نے اپنی کسی حکمت سے کافروں کو مہلت دے رکھی ہے آخر انجام ان کا دنیا میں گرفتاری اور ذلت وخواری ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے اور دنیا کی یہ راحت اور عیش وعشرت جو ان کو اس وقت ملی ہوئی ہے وہ چند روز ہے اور آنی جانی ہے اس پر مغرور نہ ہوں دوزخ سے بچنے کی فکر کریں۔

یہ آیت عُرف میں آیتِ استخلاف کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ آیت میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے نازل فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا وعدہ فرمایا۔

اوّل استخلاف فی الارض، یعنی آسمانی بادشاہت اور نبوت کی خلافت عطا کریں گے یعنی وہ محض دنیاوی بادشاہت نہ ہوگی بلکہ نبوت کی خلافت اور نیابت ہوگی اور وہ سلطنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی خلافت وسلطنت کے ہمرنگ ہوگی۔

دوم تمکین دینِ متین، یعنی جو دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دین اسلام، وہ خلفاء کے ہاتھوں اس قدر مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا کہ دُنیا کی کوئی طاقت اس کی نشر واشاعت اور اس کی تبلیغ ودعوت اور اس کے احکام کے اجراء وتنفیذ میں مزاحم نہیں ہو سکے گی اور چار دانگ عالم میں دینِ اسلام کا ڈنکا بج جائے گا۔

سوم تبدیل خوف بامن، یعنی دشمنوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ اہلِ اسلام کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ رہے گا بلکہ اس کے برعکس روئے زمین کے کافر مسلمانوں کی قوت وشوکت سے لرزاں اور ترساں ہوں گے۔

یہ تین وعدے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان لوگوں سے فرمائے جو نزول آیت کے وقت زمین پر موجود تھے اور نزول آیت سے پہلے ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ تین وعدے فرمائے کہ ہم تم کو دُنیاوی زندگی میں یہ تین نعمتیں عطا کریں گے۔ سو الحمد للہ یہ وعدۂ الٰہی حرف بحرف پورا ہوا۔ صدق اللہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ اللہ تعالیٰ نے

جنگ احزاب کے بعد آنحضرت ﷺ کو دشمنوں پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرمایا اور آپ ﷺ کی وفات سے پہلے ہی مکہ مکرمہ اور خیبر اور بلاد یمن اور بحرین اور طائف وغیرہ وغیرہ سب فتح ہو گئے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اللہ کے یہ تینوں وعدے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورے ہوئے جن کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور کسی منکر کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔

پہلا وعدہ:

استخلاف فی الارض کا تھا یعنی زمین میں تم کو خلافت اور سلطنت عطا کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی بادشاہت عطا کی کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے ہاتھ آئیں اور اس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں۔ عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں دونوں زیروزبر ہو گئیں اور آپ ﷺ کے زمانہ میں بلادِ شام اور بلادِ عراق اور بلادِ مصر اور اکثر اقلیم فارس فتح ہو گئے اور دن بدن دائرہ فتوحات کا وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ دنیا میں جو سلطنت باقی رہ گئی وہ اس قابل نہ تھی کہ اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے اور اس کا نام اقتدارِ اعلیٰ ہے۔

دوسرا وعدہ:

تمکین دین متین کا تھا یعنی جو دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا وہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا سو اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر ہو گئے یعنی ہر جگہ اسلامی عدالتیں قائم ہو گئیں۔ غرضیکہ ان حضرات کے زمانہ میں دین اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جمے کہ ظاہر اسباب میں ان کا اکھاڑنا ناممکن ہو گیا۔ اور بظاہر کوئی قوت ایسی نہ رہی کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو سکے۔

تیسرا وعدہ:

اعطاء امن بعد الخوف تھا وہ بھی بحمدہٖ تعالیٰ پورا ہوا اور مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے دشمنوں سے نجات ملی اور امن و امان کی یہ کیفیت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں اور خاص کر صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں مسلمانوں کو کافروں کا کوئی خوف و خطر نہ تھا۔ معاملہ برعکس ہو گیا۔ بجائے مسلمانوں کے کافر خوفزدہ ہو گئے جس طرح مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گا۔ اسی طرح کافروں کا امن خوف سے بدل گیا۔ بحمد اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہ تینوں وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پورے ہوئے۔

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین تک کا تمام علاقہ تو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اسلام کے زیر نگیں آ چکا تھا اور اس دنیا میں سب سے بڑی سلطنتیں دو ہی تھیں۔ ایران میں مجوسیوں کی سلطنت تھی اور شام اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی اور دونوں سلطنتیں فوج اور خزانہ کے اعتبار سے بے مثل تھیں اور مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی تھوڑے تھے اور تنگدست بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد فتنہ ارتداد کھڑا ہو گیا۔ جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فتنہ ارتداد کا قلع قمع کیا۔ ایک سال میں جب اسلام کی بنیادیں استوار ہو گئیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا اور فوجیں روانہ کیں اور مصر و شام کے کچھ سرحدی علاقے فتح ہوئے اتنے میں پیغامِ خداوندی آ پہنچا اور دُنیا سے رخصت ہوئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد کام وہیں سے شروع کیا جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ چھوڑ گئے تھے اور

قیصر وکسریٰ کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں۔ چنانچہ ان کے زمانۂ خلافت میں سارا شام اور سارا مصر اور اکثر ملک فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے بہت کوشش کی مگر سوائے کسر شوکت واقبال کچھ نہ دیکھا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے مگر سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں پر تقسیم ہوئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود جانبِ مغرب میں اندلس اور قبرص اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچیں اور مشرق میں بلادِ چین تک تمام علاقہ فتح ہوگیا اور خراسان اور اہواز اور بلخ تک تمام علاقہ فتح ہوکر اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا اور مسلمانوں نے ترکوں سے سخت قتال کیا اور خاقانِ چین ذلیل وخوار ہوا اور اس نے خراج بھیجا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دورِ خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا نام ونشان بھی نہ رہا اور ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا۔ اور مدینہ کے بیت المال میں مشارق اور مغارب سے خراج آنے لگا اور اسلام مستحکم اور مضبوط ہوگیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کسی دشمن کا خوف وخطر نہ رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وعدۂ خداوندی کے مطابق اس قلیل عرصہ میں صدیوں کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا اور اسلام باوجود بے سروسامانی کے ان پر فتحیاب ہوا۔ اور دُنیا کی ان دو عظیم ترین سلطنتوں کی بے شمار فوجوں کے مقابلہ میں لشکرِ اسلام مظفر ومنصور ہوا اور اسلام کا کلمہ بلند ہوا اور مشارق ومغارب کا خراج مدینہ کے خزانہ میں آیا۔ ایسی فتح مبین اور ایسی تمکین دین نہ کبھی دیکھی گئی اور نہ کبھی سنی گئی۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد

الحمد للہ اس طرح اللہ کا وعدہ حرف بحرف پورا ہوا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد کچھ بادشاہانِ اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور آئندہ بھی اگر خدا نے چاہا تو آئیں گے اور روئے زمین کے آخری امام مہدی علیہ السلام ہوں گے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور ان کی خلافت اسی شان کی ہوگی۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی اور نسائی میں حضرت سفینہ [1] مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی اس کے بعد ملک عضوض ہوگا۔ معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حاضرین اور موجودین سے تھا' لہٰذا بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ اس وعدہ کے مصداق امام مہدی علیہ السلام ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے بالکل غلط ہے اس لیے کہ امام مہدی علیہ السلام اس وقت موجود نہ تھے۔ وعدہ تو حاضرین سے ہو اور مراد اس سے وہ شخص ہو کہ جو حاضرین موعودین کے گزر جانے کے صدہا قرن بعد پیدا ہو یہ سراسر مہمل اور غیر معقول ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک چاروں خلیفہ اس وعدۂ الٰہی کے مصداق ہیں' خوارج حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو اس سے خارج سمجھتے ہیں اور شیعہ خلفاء ثلاثہ کو خارج سمجھتے ہیں اور یہ دونوں قول باطل ہیں۔ حق یہ ہے کہ چاروں خلفاء کی خلافت' خلافتِ نبوت تھی اور بلاشبہ ان چاروں حضرات کی خلافت علیٰ منہاج النبوت تھی اور اسی خلافتِ حقہ وراشدہ کی مصداق تھی جس کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا جہاد وقتال تنزیل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول قرآن کے منکر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتال تاویل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو بظاہر نزول قرآن کو تو مانتے تھے مگر تاویلات فاسدہ کر کے اصل مقصد کو فنا کر دیتے تھے۔ خلیفۂ اوّل نے کفر اور ارتداد کے فتنہ کا مقابلہ کیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔ ۱۲

نہ ہوتے تو ہم کو باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے۔

فوائد ولطائف

① استخلاف کے معنی خلیفہ بنانے کے ہیں جس سے عرفِ عام میں بادشاہ بنانا مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ (ص:۲۶) اس آیت میں لفظ خلیفہ سے حضرت داوٗد علیہ السلام کا بادشاہ اور فرمانروا بنانا مراد ہے اور حدیث میں ہے: ((سیکون فی اخر الزمان خَلِیفَةٌ یحثوا المال حثیا الحدیث)) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کیا کہ آپ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو زمین کا بادشاہ بنائیں گے۔

② اور ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان میں کی ایک جماعت کو خلیفہ بنائے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ فلاں قوم حاکم یا تاجدار امالدار ہے حالانکہ خلیفہ اور حاکم اور مالدار ان میں سے معدودے چند ہی ہوتے ہیں نہ کہ سب مگر مجازاً سب کی طرف نسبت کی جاتی ہے کیونکہ حکومت اور دولت میں سب ہی شریک ہوتے ہیں اور جس قوم کی حکومت ہوتی ہے اس کا ہر فرد بادشاہ ہی کہلاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ (المائدہ:۲۰) اور وہ سلطنت تمام قوم کی سلطنت کہلاتی ہے۔

③ آیت میں استخلاف کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی ان کو خلیفہ بنانے والا ہوگا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ استخلاف بغیر اسباب ظاہری کے ظہور میں آئے گا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ مدبر حقیقی نے امت کے قلوب میں القاء کر دیا کہ وہ متفقہ طور پر ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنالیں۔

بظاہر یہ خلیفہ بنانا امت کا فعل تھا لیکن در پردہ دستِ قدرت کارفرما تھا اسی لیے یوں عظیم الشان کام بلا اسباب ظاہری کے سہولت سے انجام پا گیا۔ اس لیے آیت میں استخلاف کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا جیسا کہ آیت کریمہ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ (انفال:۱۷) میں اور آیت کریمہ ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ﴾ (انفال:۱۷) میں قتل اور رمی کو محض ظاہر کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب کیا۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی نفی فرمادی اور اپنی طرف نسبت کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ خلیفہ جو اس وعدہ کی بنا پر ظہور میں آئے گا۔ وہ در پردہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوگا۔ اور لوگوں پر دل و جان سے اس کی اطاعت اور تابعداری فرض ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان سے کوئی آواز آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ من جانب اللہ ایسے ایسے اسباب اور سامان فراہم ہوجائیں گے کہ ان حضرات کی خلافت منعقد ہوجائے گی اور انعقادِ خلافت کے من جانب اللہ ایسے اسباب فراہم ہوجائیں گے جن کو دیکھ کر دیکھنے والے سمجھ جائیں گے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں اجتماع ہوا تو کسی نے نہ آیت استخلاف کا ذکر کیا اور نہ کسی کے نام کا ذکر کیا بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوابق اسلامیہ کا ذکر کیا۔ اس وقت انعقاد خلافت اگرچہ اہل حل وعقد کے اتفاق سے ہوا۔ لیکن جب خلفاء کے ہاتھوں پر آیت استخلاف میں مذکورہ تین نعمتوں کا ظہور ہوا۔ تو سب کی آنکھیں کھل گئیں اور سب نے روزِ روشن کی طرح دیکھ لیا کہ اللہ نے جن تین نعمتوں کا ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ آج پورا ہوگیا اور سب پر یہ امر منکشف ہوا کہ یہ فعل کسی جماعت کا نہ تھا بلکہ وعدۂ خداوندی تھا جو پردۂ غیب سے اس طرح نمودار ہوا۔ اور جب خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں فتوحات عظیمہ اور غلبۂ اسلام کا ظہور ہوا جس کا اللہ نے آیت

استخلاف میں وعدہ فرمایا تھا تو لوگ سمجھ گئے کہ اس آیت سے یہی لوگ مراد ہیں، جب لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ تائید الٰہی اور نصرت غیبی اور حفاظت بیضۂ اسلام اور اظہارِ دین اور غلبۂ اسلام اور ذلت مخالفین و معاندین ان کے ہمراہ ہے تو سمجھ گئے کہ یہ سب منِ جانب اللہ ہے۔

④ لفظ ﴿ مِنۡکُمۡ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آنحضرت ﷺ سے نہ تھا بلکہ یہ وعدہ آپ کے متبعین حاضرین سے تھا۔ غائبین سے نہ تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پیشتر ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے افراد موجودۂ عالم۔ نزول آیت کے وقت تم میں سے جو لوگ روئے زمین پر موجود اور حاضر ہیں اور ہمارے رسول ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں اور عمل صالح کر چکے ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ان کو زمین پر حاکم اور بادشاہ بنائیں گے اور یہ امر سراسر خلافِ عقل ہے کہ جو حضرات وعدۂ الٰہی کے صراحۃً مخاطب ہوں وہ تو اس سے مراد نہ ہوں اور صیغۂ خطاب بول کر صرف غائبین مراد ہوں۔ لہٰذا فقط امام مہدی علیہ السلام کا روئے زمین پر تسلط اس وعدۂ الٰہی کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ امام مہدی علیہ السلام نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ چونکہ وعدۂ استخلاف مؤمنین صالحین سے ہے سو اس وعدہ کے اولین مصداق تو خلفاء اربعہ ہیں اور آخری زمانہ میں آخری مصداق امام مہدی علیہ السلام ہوں گے۔

نیز ﴿ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ ﴾ کا لام حالیت کو مؤکد کر کے استقبال کی نفی کرتا ہے اور کسی زبان کا یہ قاعدہ نہیں کہ صیغۂ حاضر بول کر حاضرین کا کوئی فرد مراد نہ ہو بلکہ صرف آئندہ کے غائبین مراد ہوں۔ وعدہ تو حاضرین سے اور مراد ہوں آئندہ زمانہ کے غائبین سو یہ دھوکہ اور فریب ہے جس سے اللہ کا کلام منزہ ہے۔

⑤ ﴿ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آپ ﷺ کے ان متبعین سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھے اور مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں گے۔ مرتدین اور منافقین سے یہ وعدہ نہیں تھا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعدۂ استخلاف کی علت ہی ایمان اور عمل صالح ہے اور اس وعدہ کا باعث اور موجب صرف ایمان اور عمل صالح ہے اس لیے کہ جب مشتق پر حکم لگایا جاتا ہے تو مبداء اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہٰذا جو اس صفت میں اوّل نمبر ہوگا اس کو یہ انعام (خلافت) اوّل دیا جائے گا اور تقسیم انعام کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جو اوّل نمبر ہوتا ہے اس کو انعام میں مقدم رکھا جاتا ہے اور چونکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اس صفت میں سب سے اوّل اور مقدم تھے اس لیے انعام خلافت میں بھی وہ مقدم ہوئے اور اس بات کا علم کہ ایمان اور عمل صالح میں سب سے اوّل اور مقدم کون ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جس کو ایمان اور عمل صالح میں اوّل سمجھا اس کو خلیفۂ اوّل بنایا اور جس کو دوم اور سوم اور چہارم سمجھا اس کو خلیفۂ دوم و سوم و چہارم بنایا۔

نیز اس قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعدۂ خلافت ایمان اور عمل صالح کی بنا پر ہے نہ کہ قرابت کی بناء پر ورنہ قرابت میں سب سے اوّل حضرت سیدہ ہیں اور پھر امام حسن اور پھر امام حسین اور پھر حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہم۔ پس اگر خلافت بر بنائے قرابت مانی جائے تو اس اعتبار سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ چہارم بنتے ہیں۔ اہلِ سنت نے کیا قصور کیا جو ان کو خلیفۂ چہارم بنانے سے مطعون کیا جا رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر خلیفۂ چہارم بھی بنے تو وہ مہاجرین اور انصار ہی کے بنانے سے بنے۔ شیعوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ بھی نہیں ملا اور اگر عباس رضی اللہ عنہ کی قرابت کا لحاظ کیا جائے کہ وہ حضور پُرنور ﷺ کے چچا تھے اور چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے تو اس اعتبار سے شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ چہارم نہ بن سکتے۔

⑥ اور لفظ ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف سے بادشاہت اور سلطنت ظاہری اور حسّی تسلّط مراد ہے کیونکہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن بدون حکومت کے ممکن نہیں۔

اور حضرات شیعہ جو اپنے ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ استخلاف سے استخلاف اور تمکین فی العلم مراد ہے۔ وہ سراسر کذب اور افتراء ہے کیونکہ آیت میں استخلاف مقید بقید ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ وارد ہوا ہے جو بغیر سلطنت اور ظاہری تسلّط کے حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر بخاطر شیعہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ استخلاف سے علمی اور دینی حکومت مراد ہے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اس میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ بقدر علم ہر شخص کو علمی حکومت اور علمی اقتدار حاصل ہے وہ اللہ کے عطا پر ہے۔ بندوں کو اس کا کوئی اختیار نہیں اس معنی پر شیعوں کا سارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

⑦ اور کلمہ ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلادِ شام کی فتح کا وعدہ فرمایا مگر اس وعدہ کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ باسعادت میں نہیں ہوا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا اور اسی شہر حضرت یوشع علیہ السلام کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور بنی اسرائیل کو امن اور اطمینان حاصل ہوا۔

اسی طرح حق جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بلاد شام اور بلاد عجم کا وعدہ کیا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ اور ان کی عہد خلافت میں مسلمانوں کو امن اور اطمینان نصیب ہوا۔ جس طرح یوشع علیہ السلام کی خلافت بلافصل تھی اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل تھی آیت میں استخلاف مراد ہے جو متصلاً اور متتابعًا ہو۔

⑧ آیت کریمہ ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سعی اور کوشش سے دین اسلام کو تمکین اور تقویت حاصل ہوگی اور تائید بھی ان کے شاملِ حال رہے گی اور ان کی سعی اور کوشش کے نتائج وہم و گمان سے بڑھ کر ظہور پذیر ہوں گے۔

⑨ اور کلمہ ﴿لَهُمْ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بأمن اصل میں انہی اشخاص کے لیے ہوگی جن کو اللہ اپنے نبی کا خلیفہ بنائے گا یہ نعمت عظمیٰ اولاً بالذات انہی حضرات کو عطا ہوگی اور دوسرے لوگوں کو یہ دولت ان کی بدولت اور ان کے طفیل سے ملے گی۔

⑩ اور کلمہ ﴿دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس دین کو اُس زمانہ میں تمکین اور قوت حاصل ہوگی وہی دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا کیونکہ اس دین کو تمکین اور قوت دینے والا خدا تعالیٰ ہوگا اور وہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا اور جس دین کو اس زمانہ میں ظہور اور رواج حاصل ہوگا وہی دین حق ہوگا اور جو دین پوشیدہ رہے گا وہ پسندیدۂ خداوندی نہ ہوگا۔

حضراتِ شیعہ کے نزدیک جو دین پسندیدہ تھا وہ ہمیشہ پوشیدہ رہا اور ائمۂ اہلِ بیت ہمیشہ تقیہ کرتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اپنے دین کے ظاہر کرنے پر قادر نہ ہوئے معلوم ہوا کہ جو دین پوشیدہ رہا وہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا اس لیے کہ اگر وہ دین پسندیدہ ہوتا تو حسب وعدہ خداوندی اس کو تمکین اور قوت حاصل ہوتی اور ظاہر و باہر ہوتا۔

نیز اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں جو فتویٰ شائع ہوا ہے وہ حجت شرعیہ ہے اس لیے کہ وہ دین مرتضیٰ کا مصداق ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں۔

نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لیے کہ بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام کو ماننا رعایا پر واجب ہے۔ کیونکہ جب شروع آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلا شبہ واجب ہے۔

⑪ اور کلمہ ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن کے کفیل اور ذمہ دار خود حق تعالیٰ ہیں اس لیے کہ ان افعال کی اسناد باری تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ بات خلافتِ راشدہ ہی میں ممکن ہے۔ خلافت جابرہ اور خلافت جائرہ میں ممکن نہیں اور یہ تمام باتیں خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علی وجہ الکمال والتمام حاصل ہوئیں جب کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں ختم ہوئیں تو دین اسلام کو تمکن اور استقرار حاصل ہوا۔ اور عرب اور عجم میں دین اسلام پھیل گیا اور بلادِ عرب وعجم ان کے زیر فرمان آئے اور اسلام کے قدم روئے زمین میں جم گئے اور مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا اور اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی نہایت مامون اور بے خوف وخطر تھے اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں کفر سے مقابلہ رہا۔ یہاں تک کہ کفر اتنا ذلیل وخوار ہوا کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں بدعت نے سر اٹھایا اور خارجیوں کا فتنہ ظاہر ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور بدعت کو خوب ذلیل اور رسوا فرمایا حتیٰ کہ اسی جہاد میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ اور شیعیت اور رافضیت کے فتنہ کا آغاز بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں ہوا مگر چونکہ یہ فتنہ خارجیوں کے فتنہ کی طرح ظہور پذیر نہ ہوا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھلم کھلا اس کے مقابلہ کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ یہ کافی سمجھا کہ برسرِ منبر اپنے خطبات میں شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل اور مناقب بیان فرمائیں اور لوگوں کو یہ خوب سمجھا دیں کہ امت میں شیخین رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں۔ سو الحمد للہ افضلیت شیخین کے مسئلہ کو بھی اس قدر واضح فرما گئے کہ حضرات شیعہ کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ غرضیکہ خارجیت اور شیعیت ان دونوں متقابل بدعتوں کا خاتمہ فرما گئے اور شریعت میں باب البغاۃ یعنی باغیوں کا باب تشنہ اور محتاج تھا۔ باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل نے اس باب کی تفصیل کر دی ہے۔

شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں قتال کفار کے مسائل کی توضیح اور تشریح ہوئی۔ جزیہ اور خراج کے مسائل معلوم ہوئے اور ختنین (یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے زمانہ میں قتال بُغاۃ کے مسائل کی تشریح اور تفصیل ہوئی اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نہ ہوتے تو ہم کو بُغاۃ یعنی باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل نے مسائل بغاۃ کے استخراج اور استنباط میں فقہاء کرام کی رہنمائی کی۔

القصہ نعمتِ خلافت بالاصالت چار یار کو ملی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک رہے اور حسب لیاقت اس سے بہرہ ور ہوئے۔

یہ ہے عقیدہ اہل سنت والجماعت کا۔ کہ خلفاء ثلاثہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ تھی اور ان کو تمکین دین حاصل تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو اختلاف تھا وہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے برادرانہ شکر رنجی تھی۔ کفر کے مقابلہ میں سب ایک تھے۔

اور حضراتِ شیعہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمکین دین حاصل نہ تھی اور نہ ان کو کفار کے شر سے امن حاصل تھا وہ ہمیشہ

دشمنوں سے ڈرتے اور لڑتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اور اپنے اصل مذہب کے اظہار پر کبھی قادر نہیں ہوئے اور اپنے دورِ خلافت میں متعہ کی حلت اور تراویح اور جمعہ کی اذانِ ثانی کی ممانعت کا فتویٰ نہ دے سکے اور جو احکامِ قرآنی متروک ہو چکے ان کو جاری نہ کر سکے اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو فدک نہ دلا سکے حتیٰ کہ اصل قرآن کو بھی ظاہر نہ کر سکے بلکہ جو قرآن شیخین رضی اللہ عنہم نے جمع کر دیا تھا۔ اس کی تلاوت کرتے رہے اور نمازوں میں بھی اسی کو پڑھتے رہے اور جو قوانین خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری ہو چکے تھے اسی کے پابند رہے۔ روایات شیعہ کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ تمکین دین حاصل تھی اور نہ امن حاصل تھا۔ اور جو خلافت ان کو ملی تھی وہ برائے نام تھی اور باقی ائمہ اثنا عشر کو تو سرے سے حکومت ہی نہیں ملی۔ اسی وجہ سے شیعوں کے شہید ثانی قاضی نور اللہ شوستری نے علامہ ابن روز بہائی کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اگر متعہ حلال تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محض اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں کیوں نہ اس کی حلت کا اعلان فرمایا۔ اس اعتراض کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں لکھتے ہیں:

والحاصل ان امر الخلافة ماوصل اليه الا بالاسم دون المعنى وكان عليه السّلام معارضا منازعا مُبغَضًا فى ايام ولايته وكيف يامن فى ولايته الخلاف على المتقدمين عليه وكل من بايعه وجمهورهم شيعة اعدائه ومن يرى انهم مضوا على اعدل الامور وافضلها وان غاية امر من بعدهم ان يتبع طرائقهم ويقتفى اثارهم.

”حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی۔ خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلاثہ نہایت عدل وانصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔“

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی تمکین دین حاصل تھی مگر شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی تمکین حاصل نہیں ہوئی کیونکہ دین شیعہ اس زمانہ میں بھی مخفی رہا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو تقیہ ہی کرنا پڑا۔ اور برسرِ منبر شیخین رضی اللہ عنہم کی تعریف کرنی پڑی اور علیٰ ہٰذا شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کفار کے شر سے بھی امن حاصل نہ ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کو تنگ کرتے رہے اور اکثر ملک ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

⑫ اس آیت میں آنے والے خلفاء کی مدح اور ثنا ہے کہ وہ روئے زمین کی بادشاہت اور سلطنت ملنے کے بعد عام بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ خدا کے عبادت گزار بندے ہوں گے اور وہ اس عبادت میں سرتا پا صدق اور اخلاص ہوں گے ﴿لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا﴾ یعنی ان کی عبادت میں ذرہ برابر شرک جلی اور شرک خفی کا شائبہ بھی نہ ہوگا وہ اللہ کے مخلِص اور مخلَص بندے ہوں گے ان کا ہر کام خالص اللہ کے لیے ہوگا دنیا کا اس میں کوئی شائبہ نہ ہوگا' اس مدحیہ جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نہ منافق تھے اور نہ وہ مرتد ہوئے۔ لہٰذا اب اس خبر کے بعد کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں رہی کہ یہ کہہ سکے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں منافق تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے انعامِ خلافت کا وعدہ انہیں لوگوں کے لیے کیا جا رہا ہے جن کا ایمان اور اخلاص بارگاہِ خداوندی میں

مسلّم ہے غرضیکہ اس جملہ نے یعنی جملہ ﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ ﴾ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارتداد کے احتمال کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے کیونکہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے آخری حال تک کی خبر دے دی ہے اور اللہ کا علم اور اس کی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔

⑬ ﴿ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ ﴾

اس آیت میں جو لفظ ﴿ كَفَرَ ﴾ واقع ہوا ہے بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس سے کفر حقیقی اور ارتداد کے معنی مراد ہیں کہ جو شخص اسلام کے اس عظیم الشان اور بے مثال غلبہ کو دیکھ کر بھی اسلام کی طرف راغب نہ ہوا اور کفر پر قائم رہے وہ اعلیٰ درجہ کا نافرمان اور بدکار ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کفر سے ناشکری کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان نعمتوں کے ملنے کے بعد بھی ان کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ اعلیٰ درجہ کا فاسق ہے اور بدکار ہے جمہور مفسرین نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور ﴿ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ کا مصداق اعداء خلفاء ہیں جنہوں نے اس نعمت کا کفران کیا۔

اور آیتِ استخلاف کے اخیر میں یہ لفظ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کی حقیت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت موعودہ حق تعالیٰ کی ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جس کا شکر واجب ہے اور جو شخص اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ فاسق و فاجر ہے سب سے پہلے اس نعمت کی ناشکری کرنے والے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اوّل کفرانِ نعمت کے مرتکب خوارج اور نواصب ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خروج کیا اور ان کے بعد یہ فرقۂ امامیہ ہے جو تین خلافتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں غرضیکہ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ یعنی اصل فاسق یہی خوارج اور روافض ہیں۔ اور قاتل خلیفۂ ثانی اور خلیفۂ ثالث اور قاتل حضرت امیر رضی اللہ عنہ ہیں جو اس نعمت کے کفران میں سب سے اوّل نمبر پر ہیں ان کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ اخیر آیت میں جن کو ''فاسقون'' کہا گیا ہے اس کے اصل مصداق خوارج اور روافض ہیں اس نعمت عظمیٰ کے کفران اور ناشکری اور ناقدری میں اصل فاسق یہی لوگ ہیں ان کے برابر اور کوئی فاسق نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

⑭ ﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ ﴾

شروع آیت میں ایمان اور عمل صالح کی بنا پر استخلاف کا وعدہ فرمایا۔ اب اخیر سورت میں پھر عبادت اور اعمال صالحہ اور اطاعت رسول کا حکم دیتے ہیں اور اس بات پر متنبہ کرتے ہیں کہ اگر دینی اور دنیوی رحمتیں اور برکتیں چاہتے ہو تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازم پکڑو۔

⑮ ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ ﴾

اس آیت میں منافقین کو تہدید ہے کہ تم ان باتوں کو جن کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ محال نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کے پکڑنے سے عاجز نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے متبعین کو روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ملے گی اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (آل عمران:۹)... ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ (ابراہیم:۴۷)... ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾ (ق:۲۹) اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ کے وعدہ کو کوئی شخص غصب کرے یا اس کی مخالفت کر سکے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الاعراف:۱۱۵)... ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ (یونس:۶۴)... ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ﴾ (یوسف:۲۱) اس لیے کہ وعدۂ خداوندی ایک امر تکوینی ہے جس کی مخالفت عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ البتہ امر تشریعی میں حکم خداوندی کی مخالفت کرنا ممکن ہے جیسے کسی کو حکم ہو کہ نماز پڑھو اور وہ نماز نہ پڑھے۔ ورنہ اگر وعدۂ خداوندی میں غصب ممکن ہو تو معاذ اللہ خدا کا مغلوب ہونا اور شخص غاصب کا غالب ہونا لازم آئے گا اور یہ قطعاً محال ہے۔

غرضیکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جو آنحضرت ﷺ کے متبعین سے وعدہ فرمایا تھا وہ حرف بحرف خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور اگر بالفرض والتقدیر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت۔ خلافتِ موعودہ فی القرآن کا مصداق نہ تھی تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا۔ اور نہ آئندہ اس کے ایفاء کا کوئی امکان ہے' اس لیے کہ یہ وعدہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھا اور وہ گزر گئے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں جو فتوحات بلادِ عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانۂ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علیٰ وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشیر کسی دین و ملّت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی۔ پس اگر ان بزرگانِ دین کی خلافت وعدۂ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے کہ پھر اور کس کی خلافت وعدۂ الٰہی کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہلِ اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوجِ کمال کو پہنچے۔ احکامِ شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سر بلند ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل و خوار ہوئے اور اہلِ اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آئے اور وعدۂ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سر بلند ہو اور دُنیا پر حکمراں ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔ اگر ان حضرات کی خلافت ''کاذبہ'' اور ''ظالمہ'' اور ''جابرہ'' اور ''غاصبہ'' ہوتی تو یہ دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل نہ ہوتی اور دل و جان سے لوگ ان پر متفق نہ ہوتے۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (القصص:۵۰) اور کسی کا یہ خیال کرنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شروع میں خلافت نہ ملنے کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ سے ناراض رہے۔ سو اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ان کے برخلاف ان کے ساتھ خلوص اور اتحاد اور ساری عمر پنج وقتہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا روایات متواترہ سے ثابت ہے اور اس سے زیادہ اتحاد اور ارتباط کی کیا دلیل ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہلِ سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں۔ پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہلِ سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے ہیں اہلِ سنت کا یقین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ شیر خدا تھے۔

بفرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو کافر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنانِ اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔

خاتمۂ کلام وفذلکۃ المرام

بحمدہٖ تعالیٰ آیت استخلاف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اب ہم شیعوں پر حجت پورا کرنے کے لیے جناب مستطاب مشکل کشائے دارین حضرت ابوالحسنین یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کلام معرفت التیام پر اس کو ختم کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ اس وعدۂ الٰہی کے سچے مصداق ہیں اور سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اب اس کلامِ صداقت نظام اور حقیقت التیام کو گوشِ دل سے سنیے۔

چنانچہ نہج البلاغت میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ فارس کی لڑائی میں جانے کے لیے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان ھذا الامر لم یکن نصرتہ ولاخذ لانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعزہ وایدہ حتی بلغ مابلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من اللہ تعالیٰ حیث قال وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الی اٰخر الاٰیۃ فاللہ منجز وعدہ وناصر جندہ ...الخ

(تحفہ ص ۲۷۱ باب ھفتم در امامت وازالۃ الخفاء ص ۴۰)

"بے شک اس دین کو فتح لشکر کی کثرت سے نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو شکست ہوئی بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا۔ جیسا کہ ظاہر اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسا کہ اس نے قرآن عزیز میں اہلِ ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ میں مذکور ہے۔ پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغت کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حضرات شیعہ کے اعتراضاتِ شنیعہ اور ان کے جوابات

حضرات شیعہ نے اس آیت میں انتہائی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی تاویل کر دی جائے کہ آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت نہ ہو۔

تاویل اوّل:

استخلاف سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی زمین میں رہنا۔ اصطلاحی معنی یعنی خلافت نبوت مراد نہیں۔

جواب زمین میں رہنے کا حق تو کافروں کو بھی ہے۔ وعدۂ استخلاف کے لیے مؤمنین صالحین کو کیوں مخصوص کیا اور وعدۂ استخلاف میں

ایمان اور عمل صالح کی قید کیوں لگائی گئی۔ دوم یہ کہ الفاظ قرآنی کو معانی شرعیہ سے ہٹا کر معانی لغویہ پر محمول کیا جائے تو تمام شریعت درہم برہم ہو جائے پھر جہاں کہیں قرآن میں لفظ ایمان کا آیا ہے اس کو تصدیق لغوی پر محمول کریں اور لفظ صلوٰۃ کو دعا پر اور لفظ حج کو قصد کے معنی پر محمول کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں جہاں کہیں لفظ خلافت اور لفظ امامت آیا ہے اس کو بھی معنی لغوی پر محمول کریں بلکہ معاذ اللہ اگر خوارج یہ کہیں کہ قرآن میں امام کا لفظ کافروں کے مقتداء اور پیشوا کے لیے آیا ہے ﴿فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ (التوبہ:۱۲)... ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ (القصص:۴۱)۔

تو حضرات شیعہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے اور حضرات شیعہ جو اس حدیث کے ساتھ تمسک کرتے ہیں یا علی انت خلیفتی اے علی رضی اللہ عنہ! میرے بعد تو خلیفہ ہے۔ اس حدیث میں بھی خلیفہ کو معنی لغوی پر محمول کیا جائے نیز اگر استخلاف کو معنی لغوی پر محمول کیا جائے تو آیت میں ایمان کی قید عبث ہوگی۔ کیونکہ کفار کو بھی زمین پر توطّن حاصل ہوتا ہے۔

تاویل دوم:

آیت میں وعدہ مؤمنین صالحین سے ہے اور خلفاء ثلاثہ کا مؤمن ہونا بھی تسلیم نہیں۔ صالح ہونا تو بعد کا درجہ ہے۔

جواب خلفاء ثلاثہ کا مؤمن کامل بلکہ اہل ایمان کا سرتاج ہونا ایسا قطعی اور بدیہی مسئلہ ہے جس میں کسی کلمہ گو کو بولنے کی گنجائش نہیں اس لیے کہ خلفاء کے اوصاف میں یہ فرمایا ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا﴾ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں خلفاء کے اوصاف کی خبر دی گئی ہے اور اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مخلصین ہوں گے ان کی عبادت اور اطاعت میں ذرہ برابر شرک کا شائبہ نہ ہوگا۔ اور جب خلفاء کا عباد مخلصین سے ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے کہ عباد مخلصین پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ اور ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾۔

پس حق تعالیٰ نے خلفاء کے اوصاف میں جملہ ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا﴾ اس لیے زیادہ فرمایا تاکہ کسی کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نفاق اور ارتداد کا احتمال بھی باقی نہ رہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے جب ان کے اخلاص کی شہادت دی اور ان کے جاری کردہ دین کو اپنا پسندیدہ قرار دے دیا تو اب نفاق اور ارتداد کے احتمال کی بیخ و بنیاد ہی اُکھڑ گئی کیونکہ اس جملہ میں حق تعالیٰ نے ان کے اخیر حال تک کی خبر دے دی جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔

تاویل سوم:

آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اور خلفاء ثلاثہ مہاجرین اور انصار کے مشورہ سے خلیفہ بنے ہیں خدا نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا۔

جواب اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا وہی مطلب ہے جو ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ اور ﴿اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ﴾ کا مطلب ہے چونکہ تمام اسباب و وسائل بھی خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اس لیے اسباب و ذرائع سے جو رزق ملتا ہے وہ خدا ہی کا دیا ہوا رزق سمجھا جاتا ہے البتہ جو نعمت بندہ کو ایسی حاصل ہو کہ جس میں اس کے کسب اور اختیار کو دخل ہو وہ ظاہراً بندہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور جس نعمت میں ظاہری اسباب کا بالکل دخل نہ ہو وہ نعمت حق تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ﴾ (الانفال:۱۷)

اسی طرح یہ استخلاف فی الارض بھی بطور خرقِ عادت تھا۔ حضرات خلفاء کو جس قسم کی حکومت اور بادشاہت عطا ہوئی وہ اسباب سے کہیں بالا اور برتر تھی۔ باوجود بے سروسامانی کے قیصر وکسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا یہ محض قدرتِ خداوندی کا کرشمہ تھا اس لیے ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ میں حق تعالیٰ نے استخلاف کو اپنی طرف منسوب فرمایا تا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس وعدہ کا ظہور بطور خرق عادت ہوگا۔ ظاہری اسباب اور سامان کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت اور حکومت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی جائے گی وہ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوگی۔ جیسا کہ لفظ ''عبادی'' اور ''بیت اللہ'' اور ﴿نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي﴾ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف اضافت کمال تشریف اور غایت رضا پر دلالت کرتی ہے۔

فائدہ جلیلہ : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف فی الارض سے اصل مقصود تمکین دین ہے۔ دین کے استحکام اور مضبوطی کے لیے حکومت اور سلطنت عطا کی گئی۔ اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس میں قانونِ شریعت کو برتری اور بالا دستی حاصل ہو۔

اعتراض : شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انتظام ملکی اور ملکی فتوحات خلافتِ حقہ کی دلیل نہیں بن سکتے۔

جواب اس آیت میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہوں گے اور بزورِ شمشیر وسلطنت دینِ متین کو مضبوط اور مستحکم کردیں گے۔ ہاں اگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ترقی اسلام نہ ہوئی ہوتی بلکہ مثلِ تیمور فقط ملک گیری ہوتی تب تو کچھ گنجائش تھی لیکن جب کہ عرب سے لے کر ایران تک انہیں کی بدولت غلبۂ اسلام جاری ہوا پھر تو ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (دیکھو اجوبہ اربعین ص ۱۵ ج ۲)

جب دنیوی شان وشوکت اور ظاہری غلبہ کے ساتھ دین اسلام بھی ادیان پر غالب اور سربلند ہو جائے اور کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہے تو ایسے فرمانرواؤں کی خلافت راشدہ اور خلافت حقہ ہونے میں کیا شائبہ ہو سکتا ہے۔

خلفاء راشدین کے دورِ خلافت میں جو بلاد اور اقالیم مفتوح ہوئے وہ اسلامی بلاد بن گئے اور اسلام کا رنگ ان پر غالب آ گیا اور شعائر اسلام کامل طور پر ظہور میں آئے اور اسلام اور علوم اسلامیہ تمام علوم پر غالب آ گئے ہر گلی اور کوچہ سے اور ہر در ودیوار سے اسلام کی آوازیں آنے لگیں۔ اسلام سربلندی میں آسمان کو پہنچا اور کفر ذلیل اور خوار اور سرنگوں ہوا۔ جو بلاد بعد میں فتح ہوئے اگرچہ وہ سلاطین اسلام کے ہاتھ سے فتح ہوئے مگر ان کے دورِ حکومت میں اسلام کو وہ عزت اور سربلندی نصیب نہیں ہوئی کہ جو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ حکومت میں ہوئی۔

نیز خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ حکومت میں حکومت وسلطنت کا تمام کارخانہ قانونِ شریعت کے مطابق چلا۔ جزیہ اور خراج تمام محصولات ملکی اور تقسیم غنائم اور جہادات اور ملکی فتوحات سب شریعت کے مطابق لیا گیا۔ ذرہ برابر کتاب وسنت سے عدول نہیں کیا گیا۔

نیز تمام روئے زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بادشاہتوں پر منقسم تھی۔ کسریٰ اور قیصر۔ روئے زمین میں سب سے بڑے فرمانروا بھی دو تھے اور باقی ملوک اور فرمانروا انہی دو میں سے کسی کے ماتحت اور اس کے باجگزار تھے' پس خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ان دو بادشاہوں کو شکست دے دینا درحقیقت تمام روئے زمین کی فتح کے مترادف اور ہم معنی تھا۔ پس کیا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا دس بارہ سال کی مدت میں باوجود بے سروسامانی کے آدھی آدھی دُنیا کی دو منظم طاقتوں کو جن کی مال ودولت اور قوت وشوکت میں روئے زمین پر کوئی

نظیر نہ تھی۔ بیک وقت ان کو شکست فاش دے دینا اور ان کے خزانوں اور مال و دولت اور جواہرات کو لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دینا اور مسجد کے پرانے بوریے پر بیٹھ کر فقراء مسلمین پر ان کو تقسیم کر دینا کیا یہ اس کی دلیل قطعی نہیں کہ تائید غیبی ان کے ساتھ ہے اور حق شانہٗ نے نبی اُمّی فداہُ نفسی واُمّی سے جو وعدے کیے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ (دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲)

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق گر بمیری تو نمیرد ایں سبق

چاکر انت شہر ہا گیرند و جاہ دین تو گیرد زماہی تا بماہ

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہلِ اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تھا خیبر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اور حجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے اور بصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہِ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت و اقبال کچھ نہ ملا اور قیصرِ روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف و خطر توحید حق پھیل گئی اور کفر و شرک اور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہو گیا اور بعض جگہ مقہور و مغلوب ہو گئی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اندلس اور قیروان اور بحرِ محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔

حاصل کلام یہ کہ حسب وعدۂ خداوندی اتنے قلیل عرصہ میں اتنی بڑی بڑی اور مضبوط اور پائیدار سلطنتیں جو صدہا سال سے دُنیا پر چھائی ہوئی تھیں اور فوج اور خزانوں کی جن کے پاس کمی نہ تھی وہ ان تین درویشوں اور مسجد نبوی کے اماموں (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کی بے سرو سامان فوجوں کے ہاتھ ختم ہوئیں۔ اور مسجد کے بوریے پر بیٹھ کر ان سلطنتوں کے خزانے فقیروں میں تقسیم کیے گئے اور ہر بستی اور ہر شہر میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور ملک سے بے حیائی اور بدکاری اور رقص و سرور اور شراب خوری کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح حق جل شانہٗ کا وعدہ پورا ہوا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کو ایسی آسمانی بادشاہت عطا ہوئی کہ جس سے دین و اسلام کو تمکین اور استحکام حاصل ہوا اور تائید آسمانی اور اقبال غیبی اور غلبۂ اسلام اور ذلت و رسوائی مخالفین و معاندین اسلام کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ اور علماء یہود و نصاریٰ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بلاشبہ یہ خلافت راشدہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنت کا نمونہ ہے اور ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ خلفاء راشدین کی خلافت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی خلافت کے مشابہ اور ہمرنگ ہو گی اور یہ سب منجانب اللہ تھا اور دائرۂ اسباب سے بالا اور برتر تھا۔

تتمہ : حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا۔ مگر کفر اور کافر کی یہ مجال نہ ہوئی کہ

اسلام کی طرف کوئی نظر بد سے دیکھ سکے۔ حضرت معاویہؓ کو اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف تھا مگر کفر اور کافر کے مقابلہ میں دونوں ایک تھے' دو بھائی اگرچہ باہم کچھ اختلاف رکھتے ہوں مگر دشمن کے مقابلہ میں دونوں ایک ہوتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ
اے ایمان والو! پروانگی مانگ کر آویں تم میں سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں اور جو
لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ
نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار۔ فجر کی نماز سے پہلے اور
حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۗ قف
جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے پیچھے
ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ
یہ تین وقت کھلنے کے ہیں تمہارے کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر ان کے پیچھے
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
پھراہی کرتے ہو ایک دوسرے پاس یوں کھولتا ہے۔ اللہ تمہارے آگے
الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٥٨ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ
باتیں' اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور جب پہنچیں لڑکے تم میں عقل کی حد کو
فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
تو ویسی پروانگی لیں جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے۔ یوں کھول سناتا ہے اللہ
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٥٩
تم کو اپنی باتیں' اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

حکم یازدھم۔ متعلق بہ استیذان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ... الٰی ... وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٥٩﴾

ربط: آغاز سورت میں عفت و عصمت و آداب معاشرت کے متعلق احکام کا ذکر تھا جن میں ایک حکم استیذان کا تھا کہ کسی گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اب پھر انہی احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان آیات میں غلاموں اور نابالغ بچوں کو اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم ہے اور شروع سورت میں جو اجازت لینے کے احکام مذکور تھے وہ اجنبیوں کے متعلق تھے کہ کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی، اب یہ آیتیں اسی گزشتہ حکم استیذان کا تتمہ اور تکملہ ہیں کہ جو لونڈی اور غلام اور نابالغ بچے گھر میں رہتے ہیں۔ تین وقتوں میں ان کو بھی تمہارے کمرہ میں اجازت لے کر آنا چاہیے۔ یہ اوقات خلوت و استراحت کے ہیں۔ بسا اوقات انسان سے سوتے وقت اس کا کپڑا اتر جاتا ہے اور ستر کھل جاتا ہے۔ لہٰذا ان تین اوقات میں غلاموں اور کنیزوں کو بھی بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا چاہیے۔ باقی اوقات میں ان کو اجازت کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! چاہیے کہ اجازت لے کر آیا کریں تم سے وہ کہ جن کے مالک ہیں تمہارے ہاتھ یعنی لونڈی اور غلام اور وہ لڑکے جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے وہ تین وقت میں تم سے آنے کی اجازت لیا کریں، یعنی تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں ایک تو نماز فجر سے پہلے اور دوسرے دوپہر کے وقت جب تم قیلولہ کے لیے اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد جب آدمی اپنی اہلیہ کے ساتھ تخلیہ میں ہو جاتا ہے۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے ہیں۔

اس لیے ان تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور بعد ان تین وقتوں کے بغیر اجازت لیے تمہارے پاس آنے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کیونکہ وہ تم پر گھومتے رہتے ہیں۔ یعنی بکثرت اور بار بار تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے پاس۔ اس لیے ہر دفعہ میں اجازت لینے میں دشواری ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا ہر حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور جب تم میں کے لڑکے حدِ بلوغ کو پہنچیں یعنی بالغ ہو جائیں یا قریب بلوغ ہو جائیں تو تمہارے پاس آنے کے لیے تم سے جملہ اوقات میں اجازت لیا کریں جیسا کہ اجازت مانگتے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لڑکا جب تک نابالغ ہے تو تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بغیر اجازت لیے اندر آسکتا ہے اور جب حدِ بلوغ کو پہنچ گیا تو پھر اس کا حکم انہی مردوں جیسا ہے جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور ان کا حکم پیشتر آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ میں گزر چکا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

*

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ

اور جو بیٹھ رہی ہیں تمہاری عورتیں، جن کو توقع نہیں بیاہ کی ان پر کوئی گناہ نہیں

اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ

کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار۔ اور اس سے بھی بچیں

خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑥⓪

تو بہتر ہے ان کو۔ اور اللہ سب سنتا ہے جانتا۔

حکم دوازدھم۔ متعلق بہ تستُّر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ... الی ... وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑥⓪﴾

ربط: شروع سورت میں عورتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ کما قال اللہ تعالیٰ : ﴿لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ اب ان آیات میں بوڑھی عورتوں کے متعلق حکم بیان کرتے ہیں کہ ان کے لیے اس درجہ تَستُّر ضروری نہیں جتنا کہ جوان عورتوں کے لیے تستر ضروری ہے۔ عورت کا جب زمانۂ شباب گزر گیا اور بڑھاپے کی اس منزل کو پہنچ گئی کہ نکاح کی اس کو حاجت نہ رہی تو ایسی حالت میں اگر وہ اپنے گھر میں تھوڑے کپڑوں میں بھی رہے تو درست ہے اور بہتر یہ ہے کہ پورا پردہ رکھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑی عمر والی عورتیں جن کو نکاح کی اُمید نہیں رہی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے گھر میں زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں۔ جیسے چادر اور برقع۔ بشرطیکہ وہ اس سے اپنی زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں یعنی چادر اور برقع کے اتار دینے سے مقصود غیر مردوں کو اپنے محاسن کا دکھلانا نہ ہو تو پھر زائد کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر وہ اس سے بھی بچیں یعنی اپنے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یعنی ان کے قول کو سنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نہیں اندھے پر کچھ تکلیف، اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

تکلیف، اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھالو اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھروں سے،

اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ

یا اپنی ماں کے گھروں سے، یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے، یا

بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اپنے چچا کے گھر سے، یا اپنی پھوپھی کے گھر سے، یا اپنے ماموں کے گھر سے، یا

خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

اپنی خالہ کے گھر سے، یا جس کی کنجیوں کے مالک ہوئے ہو یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں گناہ تم پر

اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ

کہ کھاؤ مل کر یا جدا

حکم سیزدھم۔ متعلق باہمی اکل وشرب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ ... الی ... تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کیے گئے وہ آدابِ معاشرت سے متعلق تھے اب آیات میں باہمی اکل وشرب کے آداب کو بیان کرتے ہیں جب حق جل شانہ، نے قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا۔ ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرہ:۱۸۸) آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ تو مسلمانوں نے احتیاط کی بنا پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گھروں کا کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا اور خیال کیا کہ بلا ضرورت کسی کے گھر کا کھانا حلال نہیں حتیٰ کہ اندھوں اور لنگڑوں اور بیماروں نے بھی اپنے اعزاء واقارب کے گھر جانے میں تنگی محسوس کی اور خیال کیا کہ شاید ہماری معذوری اور ہماری بیماری دوسروں کے لیے باعثِ گرانی ہو۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا نہ نابینا پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ مریض پر کچھ گناہ ہے اور نہ تم پر کچھ گناہ ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ۔ اس میں اہل وعیال اور آل اولاد کے گھر بھی آ گئے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ یعنی جن کے تم متولی ہو اور وہ مکان تمہارے زیر تصرف ہوں مثلاً کسی نے تم کو اپنے مکان کا وکیل اور متولی اور محافظ بنا دیا ہے اور بقدر ضرورت تم کو اس سے کھانے کی اجازت دی ہے یا اپنے سچے دوست [1] کے گھر سے جو تمہارا سچا دوست ہے جسے تمہارے کھانے سے خوشی ہوتی ہے اور تمہارا جانا اس پر شاق اور گراں نہ گزرتا ہو۔ تو ان لوگوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کھانا ناحق کھانا نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ میں ممانعت کی ہے۔ یہ آیتیں نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تمہیں اس بارے میں رخصت اور وسعت ہے تنگی کی ضرورت نہیں۔

نیز بعض معذور مثلاً نابینا اور لنگڑا تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گھبراتے تھے کہ شاید ہماری بعض حرکات اور اطوار سے لوگوں کو تکلیف پہنچے اور بعضوں کو واقعی ان کے ساتھ کھانے سے وحشت ہوتی تھی نیز بعض مؤمنین کو غایت اتقاء کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا

---

[1] یہ قید اس لیے لگائی کہ صدیق، صدق سے مشتق ہے جس کے معنی سچے دوست کے ہیں۔ سیاسی دوست کو لغت میں صدیق نہیں کہتے۔

کہ شاید ایسے معذوروں کے ساتھ کھانے میں ہم سے کوئی ظلم اور زیادتی نہ ہو جائے اس لیے کہ نابینا کو سب کھانے نظر نہیں آتے اور بیمار آدمی بہت آہستہ کھاتا ہے اس لیے ان لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں ان کی حق تلفی ہو جائے۔ اس بنا پر ان کے ساتھ کھانے میں احتیاط برتتے تھے اور بعض مرتبہ یہ صورت پیش آتی تھی کہ کوئی معذور اور بیمار کسی کے پاس ملنے گیا اور وہ شخص اس معذور کو اپنے باپ یا بھائی بہن یا پھوپھی یا خالہ کے گھر لے جاتا تو ان معذورین کو یہ خیال گزرتا کہ ہم آئے تو تھے اس کے پاس اور یہ ہم کو دوسروں کے گھر لے جا رہا ہے اور ساتھ جانے میں تامل کرتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے تمام خیالات کی اصلاح کر دی اور بتلا دیا کہ اللہ کی طرف سے وسعت ہے لہٰذا تم اپنے اوپر تنگی نہ کرو۔ تندرستوں کو مریضوں سے اور مریضوں کو تندرستوں سے پرہیز کرنے کی ضرورت نہیں اور خویش و اقارب کے یہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

نیز بعض انصار پر جود و کرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارا نہیں کرتے اور اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے اور مہمان کا انتظار کرتے ان کے بارہ میں آئندہ آیت اُتری۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ۔ اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

پھر جب جانے لگو کبھی گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ کے ہاں سے

مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۠ ۶۱ ع ۸/۱۴

برکت کی ستھری۔ یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں، شاید تم بوجھ رکھو۔

حکم چہاردھم۔ متعلق بہ سلام اہل خانہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ... الٰى ... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۶۱﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بتلا دیا کہ کن کن گھرانوں میں کھانے پینے کی اجازت ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے، یہ تمام تر آدابِ اَکل کا بیان تھا۔ اب کسی مکان میں داخل ہونے کا ادب سکھلاتے ہیں کہ جب اپنے اعزاء اور اقارب کے گھروں میں داخل ہوا کرو تو سلام کیا کرو جو ان کے لیے سلامتی کی دعا ہے۔ داخلہ کا آغاز دعاء خیر و سلامت سے موجب صد خیر و برکت ہے۔

اور اس طرح گھر میں داخل ہونا موجب خیر و برکت بھی ہے اور موجب مسرت بھی ہے کہ گھر والوں نے تمہاری زبان سے دُعاء خیر و سلامت سنی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنوں پر یعنی اپنے گھر والوں پر سلام کیا کرو۔ دُعا کے طور پر جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے بہت خیر و برکت والی اور پاکیزہ دعا جس سے سننے والے کا دل خوش ہو جائے، یعنی گھروں میں داخل

ہوتے وقت السلام علیکم کہنا یہ اللہ کی تعلیم کی ہوئی دُعا ہے جو نہایت عمدہ اور بابرکت ہے جس کو سنتے ہی دل خوش ہو جاتا ہے کہ یہ داخل ہونے والا میری خیر اور سلامتی چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کے حکموں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ نے تم کو گھر میں داخل ہونے اور کھانا کھانے کے آداب بتا دیئے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ

عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے پروانگی نہ لیں۔ جو لوگ

يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا

تجھ سے پروانگی لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو۔ پھر جب

اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ

پروانگی مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کو تو دے پروانگی جس کو ان میں تو چاہے

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ

اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے۔ اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔ مت ٹھہراؤ بلانا

الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ

رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک۔ اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو

يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ

تم میں جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر۔ سو ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا

أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ

کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دُکھ کی مار۔ سنتے ہو اللہ کا ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ

جو کچھ ہے آسمان و زمین میں۔ اس کو معلوم ہے جس حال پر تم ہو۔ اور جس دن پھیرے جاویں گے

اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ | ۱۵

اس کی طرف تو بتادے گا ان کو جو انہوں نے کیا۔ اور اللہ سب چیز جانتا ہے۔

حکم پانزدھم۔ متعلق بآداب مجلس نبوی ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ... الٰی ... وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں عام مجالس کے آداب کا اور عام استیذان کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی ﷺ کے آداب بیان کرتے ہیں کہ مجلس نبوی ﷺ سے جاتے وقت استیذان واجازت لینے کی ضرورت ہے اور آپ ﷺ کے بلانے کے وقت حاضری واجب ہے اور آپ ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت لیے اٹھ کر چلے جانا یا آپ ﷺ کے بلانے پر حاضر نہ ہونا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور آپ کا ادب اور احترام ایمان کا جز ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ جز ایں نیست کہ کامل ایمان دار تو وہی ہیں جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے یعنی جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً نماز جمعہ یا نماز عید یا جہاد یا غزوہ یا کوئی مشورہ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ ﷺ کی مجلس سے اُٹھ کر نہیں جاتے۔

صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپ ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آنکھ بچا کر بغیر اجازت لیے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلا دیا کہ اجازت لینا صدق اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپ ﷺ کی اجازت پر موقوف رکھا اور استاد اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔ بیشک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لیے آپ ﷺ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ جو بغیر آپ کی اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا نہیں کرتے پس جب یہ اہلِ ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لیے آپ ﷺ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں۔ اسے اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں آپ ﷺ کو اختیار ہے اور اجازت دینے کے بعد ان کے لیے دعا مغفرت کیجئے اس لیے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو لیکن آپ ﷺ کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ایہام ضرور ہے کہ انہوں نے آپ کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ پس اے نبی کریم! آپ ﷺ ان مخلصین کے حق میں دعاء مغفرت فرمائیے تاکہ آپ کی استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگذاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی تعظیم اور ادب کی تعلیم فرماتے ہیں تم رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم

میں سے بعض، بعض کو بلاتے ہیں۔ چاہے جواب دیا چاہے نہ دیا۔ رسول ﷺ کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے جب رسول ﷺ تم کو بلائیں تو سب کام چھوڑ دو اور لبیک کہہ کر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ تم رسول ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں بعض، بعض کو پکارتے ہو یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو اس طرح رسول ﷺ کو اس کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔ یعنی تعظیمی الفاظ سے آپ ﷺ کو خطاب کیا کرو۔ ہر حال میں رسول ﷺ کے ادب اور اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھو اور بلا اجازت آپ ﷺ کی مجلس سے ہرگز نہ اٹھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ ﷺ کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں۔ چھپے چھپے کسی کی آڑ میں ہو کر۔ منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ جب کسی جمعہ یا مجمع میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تو آپس میں بعض بعض کی آڑ میں ہو جاتے تا کہ جب موقع ملے تو چھپ کر نکل جائیں۔

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ جو پیغمبر کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ کہیں دُنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ پڑے یا آخرت میں ان کو دُکھ کی مار نہ پہنچے۔ یہ تردید بطور منع خلو ہے ورنہ جمع ہونا دونوں کا جائز ہے کہ دُنیا میں بھی مصیبت آئے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ان کو پہنچے جان لو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی سب کا مالک اس لیے کہ وہی سب کا خالق ہے خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن وہ ان کو ان کے برے بھلے اعمال سے آگاہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

آنکس کہ بیا فرید پیدا و نہاں
چوں نشناسد نہاں و پیدا بجہاں

الحمد للہ آج چہار شنبہ بوقت اذانِ عصر بتاریخ ۳۰ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ سورۂ نُور کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ باقی تفسیر کو بھی اس احقر کے ہاتھ سے مکمل فرما اور ہمارے قلوب نور ایمان اور نورِ ہدایت سے منور فرما اور ہماری قبروں کو منور فرما۔ آمین یا ربّ العالمین

واٰخر دعوٰنا اَنِ الْحَمْدُ للہ ربِّ العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمدٍ وّ علی الہٖ واصحابہٖ اجمعین و علینا معھم یا ارحم الرّاحمین○

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ الفرقان

ربط سورۃ: یہ سورت مکی ہے اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔ فرقان کے معنی دو چیزوں میں فرق کرنے کے ہیں۔ اس سورت کا نام فرقان اس لیے ہوا کہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہے کہ جس سے حق اور باطل کے آخری فیصلہ کا علم ہو جاتا ہے اور گزشتہ سورت کا نام سورۃ نور تھا اور نور سے دو چیزوں کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نیز گزشتہ سورت میں نور کا ذکر تھا ﴿مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ﴾ اور اس سورت میں ظل کا ذکر ہے۔ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ اور نور ظل سے مقدم ہے اس لیے اس سورت کو سورۂ نور سے مؤخر لایا گیا۔

نیز اس نام سے مشرکین کے اس شبہ کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً﴾ کہ یہ قرآن دفعتاً کیوں نازل نہیں کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا متفرقاً نازل کیا گیا۔ عنقریب آیت مذکورہ کی تفسیر میں جواب کی تفصیل آجائے گی۔

یہ سورت اگرچہ توحید اور رسالت اور قیامت کے مضامین پر مشتمل ہے لیکن زیادہ تر منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اوّل توحید کا مضمون ذکر کیا بعد ازاں منکرین رسالت کے ایک ایک اعتراض کو نقل فرماتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں اور جابجا عذابِ آخرت سے ڈراتے ہیں، اس لیے کہ موت اور قیامت کے تصور سے عقل ٹھکانے آجاتی ہے، دُور تک سلسلۂ کلام اس طرح چلا گیا کہ اوّل منکرین نبوت کے اعتراض کو نقل کیا اور پھر اس کا جواب دیا۔

منکرین نبوت کے اعتراضات کے جوابات کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے واقعات مختصر طور پر نقل کیے تاکہ منکرین نبوت ان سے عبرت پکڑیں کہ منکرین نبوت کا کیا انجام ہوا اور انکارِ نبوت سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں۔ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ سے چند دلائل توحید ذکر فرمائے تاکہ مشرکین شرک سے باز آجائیں، پھر اخیر میں اہل ایمان اور اہلِ طاعت کی صفات اور خصالِ خیر کا ذکر فرمایا تاکہ ان کو دیکھ کر اپنے برے اعمال سے تائب ہو جائیں اور اپنے اعمال اور خصال کا ان کے اعمال اور خصال سے موازنہ کریں تاکہ ہدایت اور ضلالت اور سعادت اور شقاوت کا فرق ان کی نظروں کے سامنے آجائے۔

آیاتھا ۷۷ (۲۵) سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ (۴۲) رکوعاتھا ۶

سورۂ فرقان مکی ہے اور اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ (۱)

بڑی برکت ہے اس کی، جس نے اتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ رہے جہان والوں کو ڈر۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ

وہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی

لَّهٗ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (۲)

اس کا ساجھی راج میں، اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ

اور لوگوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنتے ہیں

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا

اور نہیں مالک اپنے حق میں برے کے، اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ

حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (۳)

جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے۔

توحید ورسالت وقیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ ... الٰى ... وَّلَا نُشُوْرًا (۳)﴾

ربط: اس سورت کی ابتداء حق جل شانہ نے اپنی صفت برکت سے فرمائی اور برکت اس خیر وخوبی کو کہتے ہیں کہ جو قائم اور دائم ہو اور صفت برکت کی دلیل اور برہان میں فرقان یعنی قرآن کی تنزیل کو ذکر فرمایا۔ کیونکہ یہ قرآن حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے نازل

کیا گیا ہے۔ اور حق اور باطل میں تمیز اور فرق سے بڑھ کر کوئی برکت اور خیر کثیر نہیں اس لیے فرماتے ہیں بڑی ہی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے برگزیدہ بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فرقان کو نازل کیا یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا کلام نازل کیا جس سے بڑھ کر کوئی برکت والی چیز نہیں تا کہ نذیر ہو تمام جہانوں کے لیے یعنی تمام جن وانس کے لیے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہر زمانہ میں ہر قرن والوں کے لیے ان باتوں سے ڈرانے والا ہو جو اللہ کی ناراضی اور غصہ کا سبب ہیں۔

فائدہ: ''للعالمین'' کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن و انس سب کے نبی اور رسول ہیں یہ رتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مجھ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا گیا وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جیسا کہ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف: ۵۸) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھجا گیا ہوں۔ پس وہ ذات بابرکات جس نے مجھ کو تمام جہانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا وہ ذات ہے جس کی ایک صفت یہ ہے کہ اسی کے لیے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ ان کا خالق اور مالک ہے جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے اور دوسری صفت اس کی یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے کوئی اولاد اور فرزند نہیں بنایا کیونکہ فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اور اس کے برابر ہوتا ہے اور خدا مماثلت اور برابری سے پاک اور منزہ ہے خدا تو بے مثل اور بے چون و چگوں ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ اور تیسری صفت اس کی یہ ہے کہ بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور چوتھی صفت اس کی یہ ہے کہ وہ خالق الکل ہے اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اس کی قدرت غیر متناہی ہے کوئی ذرہ اس کی قدرت سے باہر نہیں ایسی ذات کا کون شریک اور سہیم ہو سکتا ہے۔ اس خالق الکل نے کائنات کی انواع واقسام کو پیدا کیا پھر اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔ اس سے وہ چیز نہ کم ہو اور نہ زیادہ۔ ہر چیز کی صورت اور صفت اور خاصیت الگ الگ بنائی اور ان نادانوں کو دیکھو کہ قادر مطلق اور عاجز مطلق میں فرق نہیں کرتے۔ اور ان مشرکوں نے خدا کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں کہ جو ایک چیز کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور حال یہ ہے کہ وہ خود ایک خاص مقدار اور اندازہ پر پیدا کیے گئے ہیں کہ ایک لحہ کے لیے اس اندازہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اور ہر مخلوق اپنی ہستی میں خالق کا محتاج ہے اور محتاجگی خدائی کے لائق نہیں۔ پس ان کے ہاتھ کے خود تراشدہ بت کہاں خدائی کے لائق ہو سکتے ہیں اور وہ خالق تو کیا ہوتے وہ تو مالکیت کی صفت سے بھی عاری اور خالی ہیں اور اس درجہ عاجز ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں۔ وہ اپنے سے ضرر کے رفع کرنے کی اور اپنے لیے نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ حالانکہ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نافع اور ضار ہو یعنی نفع اور ضرر کا مالک ہو اور نہ وہ موت اور زندگی کے مالک ہیں کہ کسی میں جان ڈال دیں یا اس کی جان نکال لیں۔ موت اور حیات تو بڑی چیز ہے۔ یہ تو اپنے خواب اور بیداری کے بھی مالک نہیں سونا اور جاگنا کسی کے اختیار میں نہیں اور نہ کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور معبود وہ ہے کہ جو جان نکالنے اور جان ڈالنے پر قادر ہو۔ بندہ اگرچہ کسی کے قتل پر قادر ہے مگر جان نکالنے پر قادر نہیں۔ قتل اور چیز ہے اور جان نکالنا اور چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معبود وہ ہونا چاہیے کہ جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو خالق الکل اور مالک الکل ہو اور نفع اور ضرر اور موت اور حیات کا مالک ہو یعنی کائنات کا وجود اور عدم اس کے اختیار میں ہو اور عاجز اور بے جان کو خدائی کا رتبہ دینا کمال حماقت ہے اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ احیاء موتی کا ذکر آیا ہے سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے بلکہ بحکم خداوندی پرندوں میں پھونک مارتے اور اللہ تعالیٰ

سے دعا کرتے تو وہ مردہ باذن اللہ یعنی بحکم خداوندی زندہ ہو جاتا۔ اہل اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مردوں کا زندہ ہونا یہ ان کا معجزہ تھا جو ان کی نبوت ورسالت کی دلیل تھا کہ یہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندہ ہیں کہ ان کی دعا سے خدا تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ نصاریٰ نے اس قسم کے معجزات کو ان کی الوہیت کی دلیل سمجھا اور غلط سمجھا بقول نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے تو جب یہود نے ان کو صلیب پر لٹکایا تو وہ اپنے سے موت کا پیالہ کیوں نہ ہٹا سکے اور موت کے پیالہ کا مسئلہ تو بعد کا ہے پہلے تو مسئلہ پکڑے جانے اور صلیب پر لٹکائے جانے کا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سے صلیب کے ضرر اور تکلیف کا پیالہ نہ ہٹا سکے اور نہ موت کا پیالہ ہٹا سکے اور صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتانی کہہ کر جان دے دی، پس اس عجز اور لاچارگی کے ساتھ کسی کو معبود بنانا کمال حماقت ہے۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور زندگی کے مالک نہ تھے۔ نصاریٰ کو شرمانا چاہیے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا جس کو اس کے بندے پکڑ کر پھانسی دے سکیں اور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اور باذن اللہ اور بحکم خداوندی ان کے ہاتھ سے ان کی دعا کے بعد مردے زندہ ہو جاتے بذات خود تو وہ اپنی موت اور حیات کے بھی مالک نہ تھے اور جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کو اسی جسم عنصری کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان کے دشمن دیکھتے ہی رہ گئے۔ قرآن نے اسی جسم عنصری کے رفع کی خبر دی ہے جس جسم عنصری کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اور روح کو پکڑنا اور اس کے قتل کا ارادہ کرنا یہ دیوانہ اور مجنون کی بڑ ہے جیسا کہ سورۂ نساء کے اخیر میں آیت ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جو اپنے لیے بھی نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو اور موت اور حیات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کو خدا کا شریک اور فرزند ٹھہرانا کمال ابلہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ

اور کہنے لگے جو منکر ہیں، اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴

اس میں اور لوگوں نے۔ سو آئے بے انصافی اور جھوٹ پر۔

منکرین نبوت کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

منکرین نبوت کا پہلا شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴﴾

ربط: گزشتہ آیات میں توحید و رسالت پر کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں منکرین نبوت کے شبہات کو نقل کر کے ان کے جواب دیتے

ہیں، منکرین نبوت کا پہلا شبہ یہ تھا کہ وہ قرآن کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا افتراء یعنی آپ کی تصنیف بتلاتے تھے کہ جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دوسروں کی امداد سے تیار کی ہے' ان نادانوں کو حجر اور شجر کے معبود بنانے میں تو کوئی شبہ پیش نہ آیا اور ایک بشر کے نبی اور رسول ہونے میں ان کو شبہات لاحق ہو گئے۔ شبہات کیا ہیں۔ نادانوں اور بیوقوفوں کی جہالتیں اور حماقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرقانِ مجید حق اور باطل میں فرق اور تمیز کے لیے اتارا مگر یہ نادان اندھے ہوئے اور بولے یہ کافر کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے یعنی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود بنالیا ہے اور اس کے بنانے میں دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے یعنی اہلِ کتاب سے مدد لے کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنالیا ہے اور منسوب کرتا ہے اس کو اللہ کی طرف۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں پس یہ بات کہہ کر یہ لوگ صریح بے انصافی اور کھلے جھوٹ پر آپہنچے ہیں کیا ایسا کلام جس کے معارضہ سے تمام جن اور انس عاجز ہوں اس کی نسبت یہ کہنا کہ چند یہودی غلاموں کی مدد سے بنالیا گیا ہے۔ صریح بے انصافی اور بہتان اور طوفان نہیں تو کیا ہے اور جس کے علوم اور معارف سے دُنیا دنگ اور حیران ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ یہ کسی کی مدد سے تیار کیا گیا ہے سراسر دروغ بے فروغ ہے آخر وہ اہل کتاب جن کی مدد سے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ کلام تیار کیا ہے تمہارے تو جانی دوست اور محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جانی دشمن ہیں۔ انہوں نے یہ کلام تیار کر کے حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دے دیا اور تم کو نہ دیا آخر اس کی کیا وجہ ہے تم بھی ان سے مدد لے کر ایسا کلام بنالاؤ۔ نیز وہ اہلِ کتاب جن کا تم نام لیتے ہو وہ تمہارے ہی تو غلام ہیں تم سے کیا انکار کر سکتے ہیں جس کو ذرّہ بھی عقل ہے وہ ایسے برملا جھوٹ سے بلاشبہ نفرت کرے گا اور دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ یعنی جس شخص کی طرف اس قرآن بنانے کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور اس قرآن کی زبان فصیح وبلیغ عربی ہے۔

وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ
اور کہنے لگے، یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لایا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح اور
اَصِیْلًا ⑤ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ
شام۔ تو کہہ اس کو اتارا ہے اس شخص نے جو جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں میں اور زمین میں۔
اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑥
مقرر وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

منکرین نبوت کا دوسرا شُبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا ... اِلٰی ... اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑥ ﴾

ربط: یہ منکرین نبوت کا دوسرا شبہ بلکہ دوسرا بہتان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ نہیں بلکہ اگلے لوگوں کے قصوں اور

کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ایک جھوٹ ان لوگوں نے یہ بولا کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں جن کو اس نبی نے اپنے لیے لکھوا لیا ہے کیونکہ وہ خود تو لکھ نہیں سکتے اس لیے دوسروں سے لکھوا لیے ہیں پس وہ نوشتے صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں تاکہ سُن سُن کر وہ ان کو یاد کرے، چنانچہ جب وہ آپ ﷺ کو یاد ہو جاتا ہے تو اس کو پڑھ کر ہمیں سنا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی وحی ہے۔ اے نبیؐ! آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ یہ قرآن کسی کا ساختہ اور نوشتہ نہیں بلکہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کے پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے یعنی یہ اس ذات کا اتارا ہوا کلام ہے جو عالم الغیب ہے اور یہ کلام عجیب و غریب نصیحتوں اور عبرتوں اور اخبارِ غیبیہ اور اسرارِ مکنونہ پر مشتمل ہے جہاں عقل اور فہم کی رسائی نہیں اور علم غیب اللہ کا خاصہ ہے بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کو غیب کی باتیں لکھ کر دے دے اور وہ نوشتہ اس کو یاد کرا دے اور ان کی اس گستاخانہ اور بے باکانہ بات کا تقاضا یہ تھا کہ اس قسم کی بیہودہ باتوں پر فوراً عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں لیکن ان پر عذاب نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس قرآن کا اخبارِ غیبیہ اور اسرارِ مکنونہ پر مشتمل ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام علام الغیوب کا نازل کردہ ہے نہ کہ کسی کا ساختہ اور نوشتہ ہے اس لیے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو ممکن نہیں۔ نیز یہ کہ قرآن تو فرقان ہے حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتا ہے اس میں تو کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ

کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو؟ یا اترتا اس کے پاس خزانہ،

اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ

یا ہو جاتا اس کو ایک باغ، کہ کھایا کرتا اس میں سے۔ اور کہنے لگے بے انصاف، تم ساتھ پکڑتے ہو

اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا

یہ ایک مرد جادو مارے کا۔ دیکھ! کیسی بٹھائیں تجھ پر کہاوتیں اور بہکے اب

ع ۱ / ۹ / ۱۶ يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ع تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ

پا نہیں سکتے راہ۔ بڑی برکت ہے اس کی جو اگر چاہے کر دے تجھ کو اس سے بہتر

ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ وَ یَجۡعَلۡ لَّكَ قُصُوۡرًا ⑩

باغ نیچے بہتی نہریں، اور کردے تجھ کو محل کوئی نہیں،

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ ۟ وَ اَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو، اور ہم نے تیار کی ہے جو کوئی جھٹلاوے قیامت کو اس کے

سَعِیۡرًا ۚ⑪ اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ

واسطے آگ۔ جب وہ دیکھے گی ان کو دور جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور

زَفِیۡرًا ⑫ وَ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ

چلانا۔ اور جب ڈالے جاویں گے اس میں ایک جگہ تنگ، ایک زنجیر میں کئی بندھے پکاریں گے اس جگہ

ثُبُوۡرًا ؕ⑬ لَا تَدۡعُوا الۡیَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّ ادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِیۡرًا ⑭

موت کو۔ مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو۔

قُلۡ اَذٰلِكَ خَیۡرٌ اَمۡ جَنَّةُ الۡخُلۡدِ الَّتِیۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ كَانَتۡ

تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ملا پرہیز گاروں کو۔ وہ ہوگا

لَهُمۡ جَزَآءً وَّ مَصِیۡرًا ⑮ لَهُمۡ فِیۡهَا مَا یَشَآءُوۡنَ خٰلِدِیۡنَ ؕ كَانَ

ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ۔ ان کو وہاں ہے جو چاہیں، رہا کریں ہمیشہ۔ ہو چکا

عَلٰی رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا ⑯ وَ یَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ

تیرے رب کے ذمے وعدہ مانگا پہنچتا۔ اور جس دن جمع کر بلاوے گا ان کو اور جن کو پوجتے ہیں

دُوۡنِ اللّٰهِ فَیَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ هٰۤؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ

اللہ کے سوا۔ پھر ان سے کہے گا، یہ تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو یا وہ آپ

ضَلُّوا السَّبِیۡلَ ؕ⑰ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ یَنۡۢبَغِیۡ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ

بہکے راہ سے؟ بولیں گے تو پاک ہے ہم کو نہ آتا تھا کہ پکڑیں

مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا

تیرے بغیر کوئی رفیق لیکن تونے ان کو برتنے دیا اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھول گئے

الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ⑱ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ

یاد۔ اور یہ تھے لوگ کھپنے والے۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں

فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ

اب تم نہ پھیر دے سکتے ہو نہ مدد کرسکتے ہو اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھاویں گے

عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲ وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ

بڑی مار۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب

لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ

کھاتے تھے کھانا، اور پھرتے تھے بازاروں میں۔ اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے

لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳ ع ۲ ۱۱ ۱۷

جانچنے کو۔ دیکھیں ثابت رہتے ہو اور تیرا رب سب دیکھتا ہے۔

منکرین نبوت کا تیسرا شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ ... الی ... وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩﴾

ربط: منکرین نبوت کا یہ تیسرا شبہ ہے۔ منکرین نبوت یہ کہتے ہیں کہ یہ مدعی نبوت پانچ صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہ پانچوں صفتیں نبوت کے منافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ شخص ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پھر اس کو کیا فضیلت اور برتری کہ یہ ہمارا نبی بنے۔ سوم یہ کہ آپ ﷺ کے ہمراہ خدا کا کوئی فرشتہ نہیں جو لوگوں کو آپ ﷺ کی مخالفت سے ڈرائے۔ چہارم یہ کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اترتا۔ جسے آپ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اور اپنے پیرووں کو بھوک اور فاقہ سے بچائیں۔ پنجم یہ کہ اگر آپ ﷺ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترتا تو کم از کم آپ کے پاس ایک باغ تو ہوتا جس سے آپ ﷺ بے فکری سے کھالیا کرتے، جب آپ ﷺ میں کوئی شان امتیازی نہیں تو ہم کیسے یقین کریں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات مہملہ کو نقل کر کے بتلا دیا کہ یہ سب نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں اور اس قسم

کے خیالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے' جزاء اور سزا کے قائل نہیں اس لیے احکام اور قوانین کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے۔ جب قیامت آئے گی تو پچھتائیں گے اور حسرتوں سے ہاتھ ملیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ پھر اخیر ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ میں ان کے تمام شبہات کا مختصر طور پر ایک الزامی جواب دیا کہ دیکھو کہ اگلے پیغمبر بھی کھاتے اور پیتے تھے اور بشری ضرورتوں کے لیے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور نہ کسی کے ساتھ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کسی کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترا تھا اور نہ کوئی باغ اور زمین و جائیداد کا مالک تھا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں اور نہ شان نبی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا سرداران قریش نے جیسے ابوجہل اور عتبہ اور امیہ وغیرہم نے کہ کیا حال ہے اس رسول کا کہ دعویٰ تو رسالت کا کرتا ہے اور لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہے اور طلبِ معاش کے لیے اوروں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو اس کو ہم پر کیسے فضیلت حاصل ہوگئی اور یہ نبی کیسے ہوگیا یہ شخص تو ہم جیسا آدمی ہے' چاہیے تو یہ تھا کہ فرشتہ ہوتا خیر اگر یہ خود فرشتہ نہیں تو اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ جس کو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے پس وہ اس کی نبوت کی گواہی دیتا اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کی مخالفت سے ڈرانے والا ہوتا یا یہی ہوتا کہ اس پر آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا تاکہ تحصیل معاش کے لیے بازاروں میں جانے سے مستغنی ہو جاتا اور لوگوں کو داد و دہش کرتا اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لوگ اس کو رسول مان لیتے یا ادنیٰ درجہ یہ ہوتا کہ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور کسب معاش کا محتاج نہ رہتا ان لوگوں نے نبوت و رسالت کو دُنیاوی ریاست پر قیاس کیا اور نبی اور رسول میں دنیاوی امیروں اور رئیسوں کی طرح دنیاوی سامان عیش و عشرت کے طلبگار اور جویا بنے اور ان ظالموں نے تو ظلم و ستم کی حد ہی کر دی کہ مسلمانوں سے یہ کہا کہ بس تم تو ایسے شخص کے پیرو بن گئے ہو کہ جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور وہ عجیب عجیب قسم کی باتوں سے تم کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ یہ کہتے کہ اس مدعی رسالت کو کوئی شان امتیازی حاصل نہیں' ہماری طرح یہ بھی کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور جب آپ ﷺ سے معجزات دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ شخص جادوگر ہے اور کبھی کہتے کہ یہ شاعر ہے اور کبھی کہتے کہ کاہن ہے اور کبھی کہتے کہ مجنون ہے۔ ان کا یہ اضطراب اس بات کی دلیل ہے کہ جو کہتے وہ آپ ﷺ پر منطبق نہیں ہوتا تھا کسی بات پر قرار نہیں تھا کبھی کچھ کہتے اور کبھی کچھ کہتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے نبی ﷺ! دیکھئے تو سہی کہ ان ظالموں نے کیسی کیسی مثالیں آپ کے لیے بنائی ہیں جو ان کے اضطراب اور سراسیمگی کی دلیل ہیں کسی بات پر ان کو قرار نہیں پس یہ لوگ حق سے بہک گئے پس اب راہ راست پر نہیں آسکتے بھٹکتے پھرتے ہیں اور پریشان باتیں بکتے ہیں کسی بات پر قائم نہیں ایسے کو راہ حق کہاں ملتی ہے۔

تفصیلی جواب

یہاں تک کافروں کے شبہ کا اجمالی جواب دیا' اب آئندہ آیات میں اس کا تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ بڑی ہی برکت والا ہے وہ خدا جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ ﷺ پر یہ مبارک کتاب نازل کی ہے وہ اگر چاہے تو دنیا میں آپ ﷺ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کرے۔ جن کی کفار آپ ﷺ سے فرمائش کرتے ہیں یعنی دنیا ہی میں آپ ﷺ کو ایسے باغات دے دے جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں اور دنیا ہی میں آپ کو ایسے عالی شان محل دے دے جو دنیا میں کسی فرمانروائے

دیکھے ہی نہ ہوں جن چیزوں کو کفار عجیب وغریب سمجھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے بہت حقیر ہیں۔ مال دارانِ قریش نے جب حضرت رسالت پناہ ﷺ کو فقر وفاقہ کی وجہ سے حقیر سمجھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے میرے پروردگار نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے مکہ کے پتھروں کو سونا بنادوں میں نے عرض کیا کہ پروردگار میں یہ نہیں چاہتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھروں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں اور گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیری تعریف کروں اور شکر کروں اور اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن میں آپ ﷺ نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی ان سب سے مقصود اُمت کی تعلیم وتفہیم تھی کہ دُنیاوی ثروت فتنہ ہے اس میں نہ پڑیں بلکہ آخرت کی فکر کریں۔

تنبیہ بر منشاء انکار رسالت وبیان بعض احوال واھوال روز قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ... الٰی ... وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴾

اب آئندہ آیات میں ان منکرین رسالت اور معترضین نبوت کے انکار کا منشاء بیان کرتے ہیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ان شبہات اور اعتراضات کا منشاء یہ نہیں کہ آپ ﷺ کی شان درویشی وفقیری ان کے ایمان اور ہدایت سے مانع بنی ہوئی ہے بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں جس سے آپ ﷺ ان کو ڈراتے ہیں پس انکار نبوت اور تکذیب رسالت کا اصل منشاء تکذیب قیامت ہے۔ ان کی نظر صرف اسی حطام دنیا پر مقصور ہے ان کا گمان یہ ہے کہ عزت وکرامت کا دارومدار اسی دنیا کی مال ودولت پر ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب اور عذاب کے قائل نہیں اور حالانکہ قیامت حق ہے اور جزاء وسزا حق ہے ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ''سعیر'' ہے اور اس دوزخ کی صفت یہ ہے کہ جب وہ ان منکرین قیامت کو دور سے دیکھے گی۔ یعنی سو برس کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھے گی تو ان کو دیکھتے ہی جوشِ غضب سے بھڑک اٹھے گی اور یہ منکرین قیامت اس جہنم کے جوشِ غضب کو اور اس کے چلانے کی آواز کو دور سے سنیں گے۔ جیسے غصہ والا چلاتا ہے اور شیر غراتا ہے' اسی طرح جہنم ان منکرین قیامت کو دیکھ کر جوش میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ وغضب سے بھڑک اٹھے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ... الآیۃ﴾ (الملک:۷)

اور یہ منکرینِ قیامت جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے جہنم کی کسی تنگ وتاریک جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں ہلاکت اور موت کو پکاریں گے کہ اے موت اور اے ہلاکت تو کہاں ہے یہ وقت نہایت مصیبت کا ہے تو آجا تاکہ یہ بلا ہم سے ٹلے اور اس مصیبت کا خاتمہ ہو۔ حاصل یہ کہ منکرین قیامت جب کسی تنگ جگہ میں ٹھونس دیئے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت اور حسرت کو آواز دیں گے' اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں انواع واقسامِ عذاب کی کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہوجائیں لہٰذا تم ہزاراں ہزار بار موت اور ہلاکت کو پکارتے رہو۔ کتنا ہی پکارو۔ تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اے نبی! آپ ﷺ ان منکرین قیامت کو یہ حال اور مآل سنا کر کہہ دیجیے کہ تم نے مکذبین کا انجام سن لیا اب تم فیصلہ کرلو کہ یہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار اور تکذیب کا نتیجہ ہے یا وہ جنت الخلد بہتر ہے جس کا اہل ایمان اور اہلِ تقویٰ سے وعدہ ہو چکا ہے یہ جنت الخلد ان کے اعمال کا صلہ ہے اور ان کا آخری ٹھکانہ ہے ان کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں کسی نعمت کو زوال نہ ہوگا۔ اے پیغمبر ﷺ! یہ تیرے پروردگار کا ایک وعدہ ہے جو اس کے ذمہ ہے جو وعدہ کے مطابق اس سے مانگا جائے گا۔ اہل ایمان اس سے درخواست کریں گے ﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ ﴾ (آل عمران: ۹۴) اور فرشتے بھی اہلِ ایمان کے لیے درخواست کریں گے ﴿ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ ﴾ (المومن: ۸)۔

اب آئندہ آیات میں قیامت کے دن مشرکوں کی ملامت اور ندامت کا بیان ہے اور اے نبیؐ! آپ ﷺ ان کافروں کے سامنے اس دن کا ذکر کیجیے کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں میدان حشر میں سب کو جمع کرے گا پھر ان معبودوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی راہِ حق سے گمراہ ہوئے تو وہ معبودین عرض کریں گے ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو شریک سے پاک اور منزہ ہے کوئی تیرا شریک نہیں ہوسکتا، ہم تیرے بندے ہیں تیری تقدیس اور تنزیہ سے خوب واقف ہیں۔ ہمارے لیے یہ لائق نہیں کہ ہم تیرے سوا کسی کو دوست بنائیں۔ چہ جائیکہ تیرے سوا کسی کو معبود ٹھہرائیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا یار و مددگار بناتے۔ یہ بات حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام اور فرشتے وغیرہ وغیرہ سب کہیں گے۔ مطلب جواب کا یہ ہے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا اور نہ ان کو گمراہی کی دعوت دی بلکہ یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔ حاصل یہ کہ خدا کی پیش فرمودہ دوشقوں میں سے جواب کے لیے ﴿ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴾ کی شق کو اختیار کیا یعنی اے پروردگار یہ لوگ خود ہی تیری راہ سے بہک گئے ہم ان کی گمراہی کا سبب نہیں بنے اور لیکن تو نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو دُنیا میں طول عمر اور صحت اور نعمت کے ساتھ نفع پہنچایا یہاں تک کہ یہ لوگ دنیوی نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر تیری یاد کو بھول گئے اور اس طرح یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہو گئے یعنی تیری نعمت اور احسان کا مقتضا یہ تھا یہ لوگ اپنے منعم حقیقی کو پہچانتے اور اس کا شکر اور اطاعت بجالاتے مگر وہ نفسانی شہوتوں اور لذتوں میں ایسے غرق ہوئے کہ اسبابِ شکر کو اسبابِ کفر بنا لیا اور اے پروردگار تیرے علم ازلی میں پہلے ہی سے یہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے چونکہ اس سوال و جواب سے مشرکین کی توبیخ اور ملامت مقصود ہوگی اس لیے اس جواب کے بعد مشرکین کو مخاطب بنا کر کہا جائے گا اے مشرکو! یہ تمہارے معبود ہیں تم نے ان کا جواب سن لیا۔ سو یہ معبود تم کو تمہارے قول میں جھٹلا چکے اور تمہارے منہ پر تم کو جھوٹا ٹھہرا دیا اور تمہاری حرکات سے اپنی بیزاری ظاہر کردی جس سے تمہارا جرم پوری طرح واضح ہوگیا۔ پس اب تم نہ از خود عذاب کو اپنے اوپر سے دفع کرسکتے ہو اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرسکتے ہو اب تو وقت سزا کا ہے جس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اور تم میں سے جو کافر ہے یعنی مشرک ہے ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے کوئی شخص اس عذاب کو ظالموں سے پھیر نہیں سکے گا۔ اب آئندہ آیات میں مشرکین کے پھر اس طعن کا جواب دیتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کی یہی شان اور صفت تھی کہ وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا پینا اور بازاروں میں ضرورت کے لیے جانا منصب نبوت کے منافی نہیں، پس مشرکین کا آپ پر یہ طعن کرنا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں جاتا ہے بالکل بے جا ہے اللہ کی سنّت تمام نبیوں میں یہی رہی۔

اور ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے کہ وہ ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے کہ وہ ان پر حسد نہ کریں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صورت بشریہ اور حوائج انسانیہ کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا کہ لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ ظاہری صورت کے اعتبار سے تو ایک نادان اور حکیم لقمان میں کوئی فرق نہیں۔

اے مسلمانو! کیا تم کافروں کی اس طعن و تشنیع پر صبر کرو گے۔ کافروں کی یہ طعن و تشنیع تمہارے لیے آزمائش ہے۔ دیکھیں کس حد تک صبر کرتے ہو اور تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے وہ کافروں کی ایذاء اور طعن و تشنیع کو بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے صبر و تحمل کو بھی دیکھ رہا ہے ہر ایک کو اس کے مطابق اجر دے گا۔

الحمد للہ اٹھارویں سپارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ

اور بولے جو لوگ امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے، کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا

نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ

ہم دیکھتے اپنے رب کو۔ بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں، اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں۔ جس دن

يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا

دیکھیں گے فرشتے ، کچھ خوشخبری نہیں اس دن، گناہ گاروں کو، اور کہیں گے، کہیں روکی جاوے

مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً

کوئی اوٹ۔ اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو کیے تھے پھر کر ڈالا اس کو خاک

مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

اڑتی۔ بہشت کے لوگ اس دن خوب رکھتے ہیں ٹھکانا اور خوب جگہ دوپہر کے آرام کی۔

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ

اور جس دن پھٹ جاوے آسمان بدلی سے اور اتارے فرشتے اتار لگا کر۔ راج

يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَ يَوْمَ

اس دن سچا ہے رحمٰن کا۔ اور ہے وہ دن منکروں پر مشکل۔ اور جس دن

يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ

کاٹ کاٹ کھاوے گا گنہگار اپنے ہاتھ کہے گا۔ کسی طرح میں نے پکڑی ہوتی رسول کے ساتھ

سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ

راہ۔ اے خرابی میری کہیں نہ پکڑی ہوتی میں نے فلانے کی دوستی۔ اس نے بہکا دیا مجھ کو

عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

نصیحت سے، مجھ تک پہنچے پیچھے۔ اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا۔

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۳۰

اور کہا رسول نے اے رب میرے میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ

اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن گناہ گاروں میں سے۔ اور بس ہے رب تیرا

هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا ۝۳۱

راہ دکھانے کو، اور مدد کرنے کو۔

منکرین نبوت کا چوتھا شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا . . . اِلٰی . . . هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا ۝۳۱﴾

ربط: منکرین نبوت کا چوتھا شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمارے سامنے آ کر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم بلاواسطہ اللہ کو دیکھتے اور بلاواسطہ خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جاہلانہ اور احمقانہ اور گستاخانہ اور مغرورانہ سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ہی سرکش اور متکبّر ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس مرتبہ کا سمجھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھیں اور خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت دریافت کرلیں یا کوئی فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر ان کے پاس آئے خوب سمجھ لیں کہ فرشتہ ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر نہیں آئے گا بلکہ عذابِ الٰہی لے کر آئے گا اس وقت غرور کا سارا نشہ کافور ہو جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو ہمارے سامنے پیش ہونے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی جو قیامت اور جزاء اور سزا کے قائل نہیں اور اسی وجہ سے وہ نبوت کے منکر ہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے جو ہم سے آ کر اللہ کا پیغام پہنچا دیتے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں یا ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے اور وہ خود ہم سے کہہ دیتا کہ یہ ہمارا رسول ہے۔ تحقیق ان لوگوں نے اپنے زعم میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا کہ اپنے آپ کو اس لائق خیال کیا کہ خدا تعالیٰ ان سے بالمشافہ کلام کرلے یا فرشتوں کو اپنا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجے اور سرکشی کی سخت سرکشی کرنا اپنے گندے اور خبیث نفسوں کے لیے ایسے بلند مقام کے طالب ہوئے جو خدا تعالیٰ کے خاص الخاص برگزیدہ بندوں کے لیے مخصوص ہے۔ خیر خدا تعالیٰ کے دیکھنے کے تو کیا لائق ہوتے البتہ یہ لوگ فرشتوں کے دیکھنے کے مشتاق ہیں سو اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی قیامت کے دن یا مرنے کے وقت تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی بشارت اور خوشی کا وقت نہ ہوگا بلکہ ذلت و خواری اور غضب الٰہی کے سنانے اور دکھلانے کا وقت ہوگا اور فرشتے اس وقت کافروں سے کہیں گے کہ آج تم پر فلاح اور خوبی حرام اور ممنوع قرار دی گئی۔ یعنی آج کے روز تم پر راحت و آرام سب حرام ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَ یَقُوْلُوْنَ﴾ کی ضمیر مجرمین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجرمین ملائکہ عذاب کو دیکھ کر کہیں گے پناہ پناہ ہے یعنی ہم کو پناہ دو اور چھوڑ دو لیکن ان کو پناہ کچھ

نہیں ملے گی۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ ان پر فرشتے اتریں اور وہ ظاہر طور پر ان کو دیکھیں۔ سو جان لینا چاہیے کہ فرشتے ان کو موت کے وقت نظر آئیں گے اور ان کے مونہوں پر اور ان کے سروں پر گرز ماریں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ﴾ (الانفال:۴۹)

اور علیٰ ہٰذا یہ مجرمین قیامت کے دن بھی فرشتوں کو دیکھیں گے مگر بشارت اور مسرت کا کوئی سامان نہ ہوگا بلکہ ذلت اور خواری کا سامان ہوگا۔ بخلاف اہل ایمان کے کہ موت کے وقت فرشتے ان پر نازل ہوں گے اور خیرات و مسرت کی ان کو خوشخبری سنائیں گے۔

كما قال الله تعالىٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۞ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْۤ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۞ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۞﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۳۰۔۳۲)

خلاصۂ کلام یہ کہ اب تو تم فرشتوں کے دیکھنے کی تمنا کر رہے ہو اور جب وہ فرشتے آئیں گے تو تم پناہ مانگو گے تم اس قابل نہیں کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر آئے بلکہ تم اس قابل ہو کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا قہر اور عذاب لے کر نازل ہو اور پھر اس روز ہم ان کے ان اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جن کو دُنیا میں انہوں نے نیک کام سمجھ کر کیا تھا جیسے صلہ رحمی اور مہمان داری اور مظلوموں کی دادرسی اور یتیموں کی خبر گیری۔ سو ہم ان کو ہوا میں بکھرا ہوا غبار کر دیں گے یعنی بکھرے ہوئے غبار کی طرح ان کو رائیگاں اور بیکار کر دیں گے مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کو حبط اور بے کار کر دیں گے اس لیے کہ وہ اعمال اگرچہ ظاہری صورت کے اعتبار سے اچھے اور خوشنما تھے مگر بے جان اور بے روح تھے اعمال کی روح ایمان اور اخلاص ہے لہٰذا جو عمل ایمان اور اخلاص سے خالی ہو وہ بے روح اور بے جان ہے اور شریعت میں قبول اعمال کے لیے ایمان اور اخلاص شرط ہے اور ایمان ان کو نصیب نہ تھا ایسے اعمال جو ایمان سے خالی ہوں وہ آخرت کے لائق نہیں آخرت میں ان کا کوئی وجود ہی نہ ہوگا اور کافروں کے ایسے اعمال کا عوض ان کو دنیا ہی میں دیا جاتا ہے۔ آخرت کا ثواب ان اعمال پر ملتا ہے جو ایمان پر مبنی ہوں اور کافروں کے اعمال ایمان نہ ہونے کی وجہ سے بے جان ہیں لہٰذا کفار آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے اور ان کے تمام اعمال نیست و نابود اور ملیامیٹ کر دیئے جائیں گے۔ برخلاف اہل ایمان کے کہ ان کا حال ان کے برعکس ہوگا ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملے گا اس روز اہل جنت قیامگاہ اور قرارگاہ کے اعتبار سے بہت اچھے اور بلحاظ خوابگاہ اور آرامگاہ کے بھی بہت عمدہ ہوں گے "مستقر" کے معنی قرارگاہ یعنی ٹھکانہ کے ہیں جہاں آدمی اکثر رہتا ہو اور مقیل کے معنی قیلولہ یعنی دوپہر کی استراحت اور آرام کی جگہ کے ہیں جہاں خاص اوقات میں اپنی ازواج کے ساتھ راحت حاصل کرتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو عیش و راحت کے تمام سامان حاصل ہوں گے حق جل شانہٗ کے اس قول ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ میں روز قیامت کی عظمت و ہیبت کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں پھر روزِ قیامت کے ہول و دہشت کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ امور عظیمہ کے جو قیامت کے دن پیش آئیں گے آسمان کا شق ہو جانا اور فرشتوں کا نازل ہونا ہے جس دن آسمان بدلی سے پھٹ جائے گا یعنی آسمان پھٹے گا اور اس سے ایک بادل نمودار ہوگا یہ حق جل شانہٗ کی ایک خاص تجلی ہوگی اس وقت اللہ جل شانہٗ ثقلین کے حساب و کتاب کے لیے تجلّی فرمائیں گے اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے اور ان کے ہاتھوں میں مخلوق کے نامہائے اعمال ہوں گے۔ نازل ہو کر سب مخلوق کو گھیر لیں گے۔

اس آیت کا مضمون تقریباً وہی ہے جو پارۂ دوم کے نصف کے قریب ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ

الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ (البقرہ: ۲۱۰)

غمام کے معنی سفید بادل کے ہیں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ❁ ہیں کہ آیت میں غمام سے نور عظیم کا سائبان مراد ہے جس سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں اور غالباً اسی نورانی بادل کو ابو رزین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عمآء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غیابۃ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں سدرۃ المنتہٰی سے ایک بادل میں اوپر تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو یعنی ﴿وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ کو پڑھا اور پھر فرمایا کہ جب قیامت کے دن تمام جن اور انس اور وحوش وطیور میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اول آسمان دنیا شق ہو گا اور اس سے فرشتے نازل ہوں گے پھر بقیہ ساتوں آسمان شق ہوں گے اور فرشتے نازل ہو کر تمام خلائق کا احاطہ کر لیں گے بعد ازاں ابر کے سائبانوں میں حق جل شانہٗ کا نزول اجلال ہو گا تا کہ بندوں کے اعمال کا حساب و کتاب کر دیا جائے اور ان کی جزاء و سزا کا فیصلہ سنا دیا جائے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

تنبیہ ❁ جاننا چاہیے کہ قرآن اور حدیث میں جو حق تعالیٰ کی نسبت آنا اور اترنا مذکور ہوا ہے سو اس سے حق جل شانہٗ کی تجلی اور اس کا ظہور مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے جس طرح حق تعالیٰ کی ذات بے چون و چگوں ہے اور جسمانی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اسی طرح اس کی صفات اور اس کے افعال مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں جیسے ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ میں حق کے آنے سے حق کا ظہور مراد ہے اور باطل کے جانے سے اس کا فناء و زوال مراد ہے جسم کی طرح آنا اور جانا مراد نہیں کہ جس طرح جسم کے آنے اور جانے سے انتقال مکانی مراد ہوتا ہے اس قسم کا انتقالِ مکانی مراد نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزول اجلال کو سمجھو۔

اس روز یعنی جس دن آسمان شق ہو گا ظاہراً و باطناً سلطنت رحمٰن ہی کی ہو گی۔ صرف اسی کا حکم چلے گا ظاہری اور مجازی بادشاہت بھی کسی کو حاصل نہ ہو گی۔ اس جگہ آیت میں لفظ رحمٰن کا ہے اور دوسری آیت میں لفظ قہار کا آیا ہے۔ کما قال: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المومن: ۱۷) شاید اس آیت میں رحمٰن کا لفظ اہل ایمان کی تسلی کے لئے لایا گیا ہو کہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اور یہ دن کافروں پر بہت ہی سخت ہو گا اور رہے مؤمن تو ان پر سخت نہ ہو گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ... الآیہ﴾ (الانبیاء: ۱۰۳) اور جس دن ظالم کو اپنی بدکاری یاد آوے گی اور حسرت و ندامت سے اپنے دونوں ہاتھوں پر دانت مارے گا کہ ان کو چبا جائے جیسے حسرت کرنے والا کیا کرتا ہے اس آیت میں ظالم سے عقبہ بن ابی معیط مراد ہے جو مسلمان ہو گیا تھا۔ یا مائل بہ اسلام ہو گیا تھا مگر ابی بن خلف کے کہنے سے اسلام سے برگشتہ ہو گیا اور بار بار کہے گا کہ کاش میں دنیا میں رسول کے ساتھ راہ بنا

❁ قال ابن کثیر یخبر تعالیٰ عن ہول یوم القیامۃ و مایکون فیہ من الامور العظیمۃ فمنہا انشقاق السماء و تفطرہا و انفراجہا بالغمام ہو ظُلَلُ النور العظیم الذی یبہر الابصار و نزول ملٰئکۃ السمٰوات یومئذ فیحیطون بالخلائق فی مقام المحشر ثم یجیئ الرب تبارک و تعالیٰ لفصل القضاء۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۵ ج ۳)

❁ قال الامام القرطبی و یاتی الرب جل و عز فی الثمانیۃ الذین یحملون العرش لفصل القضاء علی ما یجوز ان یحمل علیہ اتیانہ لا علی ما تحمل علیہ صفات المخلوقین من الحرکۃ والانتقال۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۴ ج ۱۳)

لیا۔ ہائے میری ہلاکت اور بربادی۔ کاش میں دنیا میں فلاں شخص کو یعنی ابی بن خلف کو اپنا دوست نہ بناتا بے شک اسی فلانے دوست نے مجھ کو نصیحت اور ہدایت سے بہکایا جب کہ وہ نصیحت اور ہدایت میرے پاس آ چکی تھی۔ اور شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن یہ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم قریش نے اس قرآن کو متروک یعنی چھوڑا ہوا بنا دیا کہ اس قرآن کی طرف توجہ نہ کی نہ خود سنا اور نہ دوسروں کو سننے دیا جب میں ان کے سامنے پڑھتا تھا تو شور و غل مچا دیتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۲۶)

اب آگے آپ کی تسلی فرماتے ہیں: اور اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس طرح ہم نے تیری قوم کے کافروں کو تیرا دشمن بنایا ہے اسی طرح ہم مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں اور وہ صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صبر کیجیے اور تیرا پروردگار کافی ہادی اور مددگار ہے تو تسلی رکھ تیرا پروردگار تجھ سے ہدایت جاری کریگا اور دشمنوں کے مقابلہ میں تیری نصرت اور یاوری کرے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ

اسی طرح اتارنا تھا تا ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔ اور نہیں لاتے تجھ پاس

بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ؕ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ

کوئی کہاوت کہ ہم نہیں پہنچاتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔ جو لوگ گھیرے آویں گے

عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع

اوندھے پڑے منہ پر، دوزخ کی طرف۔ انہی کا برا درجہ ہے۔ اور بہت بہکے ہیں راہ سے۔

ع ۳ ۱۴ ۱

منکرین نبوت کا پانچواں شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ ... الٰی ... وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

ربط: قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے متعلق کفار کا ایک شبہ یہ تھا کہ یہ توریت اور انجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس سے مقصود اپنے رسول کے قلب کی تقویت ہے اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں جو دوسری آیتوں میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کافروں نے کہا کہ اس شخص پر یہ قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کیا گیا۔ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام

ہوتا تو تدریجاً نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اس تدریج سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لیتے ہیں جیسا کہ مصنفین کا طریقہ ہے۔ آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو اسی طرح تھوڑا تھوڑا متفرق طور پر آیت آیت کر کے اس لیے اتارا تاکہ اس کے ذریعہ تیرے دل کو قوت دیں اور اس کو ثابت اور مضبوط کر دیں اس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام اور پیغام ہے اور تقویتِ قلب کا سامان ہے اور روح القدس کی بار بار آمد یہ بھی تائید اور تقویت کا سامان ہے اور یہ قرآن آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا تاکہ اس تدریجی نزول سے بتدریج قلب مبارک اس درجہ قوی اور مضبوط ہو جائے کہ جس کلامِ الٰہی کی تجلی کو پہاڑ برداشت نہ کر سکے اس کو آپ ﷺ کا قلب مبارک بسہولت برداشت کر سکے چنانچہ ① جب کبھی کوئی جدید وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کی بصیرت اور قوتِ قلب میں اور زیادتی ہو جاتی بارانِ رحمت کا آسمان سے تھوڑا تھوڑا نازل ہونا کھیتی کی درستگی اور پختگی کا سامان ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی جدید آیت نازل ہوتی تو صحابہ ﷺ کے ایمان میں اور زیادتی ہو جاتی۔ ② نیز وقتاً فوقتاً آیات کا حسب موقع اور حسب واقعہ اور حسب ضرورت نازل ہونا مزید بصیرت کا سبب ہے جس سے یقین اور معرفت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور مراد کے سمجھنے میں سہولت ہو جاتی ہے ③ نیز وقتاً فوقتاً جبریل امینؑ کا آنا فقط آپ کے قلب مبارک کی تسلی اور تسکین کا باعث نہ تھا بلکہ سب کے لیے موجب صد خیر و برکت تھا۔ ④ کفار دشمنی اور عداوت پر تلے ہوئے تھے جب کوئی نیا عناد دیکھتے تو آپ ﷺ پریشان ہو جاتے تو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے کوئی آیت نازل ہو جاتی جو آپ کی تقویت قلب کا باعث ہوتی۔ ⑤ علاوہ ازیں قرآن کریم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں ناسخ اور منسوخ بھی ہیں جن کا تعلق مختلف اوقات سے ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ و منسوخ دونوں کا بیک وقت نازل ہونا اور آنِ واحد میں دونوں کا جمع ہونا غیر معقول ہے۔ ⑥ نیز قرآن کریم کی بہت سی آیتیں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات میں نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جواب سوال اور اعتراض کے بعد ہوتا ہے اور اعتراض کے بعد شافی جواب کامل جاننا خاص بصیرت اور معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ نیز بہت سی آیتیں نئے واقعات کے فیصلہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ تو واقعہ کے وقوع کے بعد ہی ہوگا۔ ⑦ نیز قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور آپ ﷺ کفار سے یہ کہتے کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو ایک آیت اس کے مثل بنا لاؤ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو ہر بار قرآن کا اعجاز اور ان کا عجز ظاہر ہوتا تو ثابت ہو گیا کہ جب بلغاء عرب ایک آیت کے مثل لانے سے عاجز ہیں تو پورے قرآن کے مثل لانے سے بدرجہ اولیٰ عاجز ہیں۔ مختصر یہ کہ مشرکین کا یہ اعتراض محض بے حاصل ہے قرآن چاہے دفعۃً نازل ہو یا تھوڑا تھوڑا وہ ہر حال میں معجز ہے کسی طرح نازل ہو۔ اس کے اعجاز میں فرق نہیں آتا۔ قرآن کریم کا نزول ایک دفعہ ہو یا متفرق طور پر وہ بہر صورت معجز ہے، یہ تمام کلام امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تشریح ہے۔ حضرات اہل تفسیر کبیر ص ۲۷ ۳ ج ۶ کی مراجعت کریں اور اسی وجہ سے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر آپ کو یہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ تاکہ جب ہر بات کا جواب آپ کو وقت پر ملتا رہے تو آپ کا قلب ثابت رہے اور مسلمانوں کو بھی تسکین ہوتی رہے۔ اسی مصلحت کے لیے ہم نے اس قرآن کو تیئس سال کی مدت میں ٹھہر ٹھہر کر اتارا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ چند روز طبیب کے پاس رہ کر علاج کرایا جائے اور جیسے جیسے حالات بدلتے رہیں اس کے مطابق نسخہ میں تغیر اور تبدل ہوتا رہے ایک ہی مرتبہ نسخہ بتلا دینے میں مریض کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ تدریجی علاج میں ہے اور چونکہ شرائع سابقہ چند روزہ تھیں اور ایک خاص قوم اور جماعت کے لیے تھیں اس لیے ان میں ان مصالح کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اے نبی نہیں لائیں گے یہ کافر کوئی مثال جو تجھ پر ڈھالیں جس سے تجھ پر یا اس قرآن پر اعتراض کریں مگر ہم اس کے جواب میں تیرے پاس امر حق کو لائیں گے جس سے ان کی وہ مثال باطل ہو جائے گی اور حق ثابت ہو جائے گا اور اس کے مقابلہ میں نہایت صاف اور واضح بیان لے کر آئیں گے جس سے ان کا اعتراض اور شبہ ایسا دُور ہو جائے گا کہ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہے اِلا یہ کہ جس کی عقل ہی اندھی ہو گئی ہو۔ اب آئندہ آیت میں ایسوں کا انجام فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے دُنیا میں اندھی اور اوندھی چال چل رہے تھے اسی طرح وہ آخرت میں بجائے پیروں کے منہ کے بل چلائے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اس کو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں اندھے ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لیے ان کا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہوگا ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لیے ان کا حشر منہ کے بل ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۚ﴿۳۵﴾
اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور ٹھہرایا اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام بٹانے والا۔
فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ
پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ ان لوگوں پاس، جنہوں نے جھٹلائی ہماری باتیں۔ پھر دے مارا ہم نے ان
تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ ۭ
کو اکھاڑ کر۔

ذکر قصص انبیاء کرام علیہم السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ . . . الٰى . . . فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾﴾

یہاں تک منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات کا ذکر تھا۔ اب اس کے بعد مختصراً چند انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ کفار کو تنبیہ ہو جائے کہ منکرین نبوت کس ذلت و خواری کے ساتھ ہلاک ہوئے تاکہ اہل عرب ان سے عبرت پکڑیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے باز آجائیں اور یہ واقعات آنحضرت ﷺ کی تسلی اور تقویت قلب کا باعث بنیں جیسا کہ

﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ میں اس کا ذکر فرمایا تھا کہ مقصود تثبیت قلب نبوی ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے۔ آپ غمگین نہ ہوں اس میں اللہ کی حکمت بالغہ ہے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (ھود:۱۱۸)

قصۂ اوّل موسیٰ علیہ السلام با قومِ او

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد کتاب یعنی توراۃ عطاء کی جو بڑی جلیل القدر کتاب تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر یعنی ان کا معین اور مددگار بنادیا جو دعوت اور تبلیغ میں ان کی مدد کریں۔ پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے چنانچہ یہ دونوں گئے اور قوم فرعون کو جا کر دعوت دی مگر انہوں نے ان دونوں کو بھی جھٹلایا تو ہم نے ان کو بحر قلزم میں غرق کر کے ہلاک کر دیا پوری طرح ہلاک کرنا یعنی ان کو بالکل نیست اور نابود کر دیا اور ان کی املاک کا بنی اسرائیل کو وارث کر دیا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ

اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو، ہم نے ان کو ڈبادیا اور کیا ان کو لوگوں کے حق میں نشانی۔

وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚ ۳۷

اور رکھی ہے ہم نے گناہ گاروں کے واسطے دکھ کی مار۔

دوسرا قصۂ قوم نوح علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ... اِلٰى... عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

اور موسیٰ علیہ السلام سے پہلی ہم نے قوم نوح کو طوفان میں غرق کیا جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کے واقعہ کو لوگوں کے لیے نشانی بنادیا تاکہ اس سے عبرت پکڑیں اور آخرت میں ان ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے تھے جیسے حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام ان کی بھی تکذیب کی یا یہ معنی ہیں کہ ایک رسول کی تکذیب سارے رسولوں کی تکذیب کے مساوی ہے یا یہ معنی ہیں کہ مطلقاً بعثت رُسل کا انکار کیا۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾

اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو اور بہتی سنگتیں اس بیچ میں بہت۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے کہاوتیں اور سب کو کھو دیا ہم نے کھپا کر۔

قصہ سوم۔ مشتمل بر ذکر قصۂ قوم عاد و ثمود و اصحاب رس و دیگر اُمم

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ... الٰی... وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾﴾

اور اسی تکذیب کی وجہ سے ہم نے قوم عاد کو بادصرصر سے ہلاک کیا جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم ثمود کو صالح علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے صیحہ سے ہلاک کیا جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور کنوئیں والوں کو شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا اور رس ایک کنوئیں کا نام ہے یا کسی بستی کا نام ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کسی اور نبی کی قوم تھی جنہوں نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں بند کر دیا۔ ان پر اللہ کا عذاب آیا اور ہلاک ہوئے اور وہ رسول خلاص ہوا اور اسی تکذیب کی وجہ سے ان کے درمیان بہت سی اُمتوں کو ہلاک کیا جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور ہر ایک کی نصیحت اور ہدایت کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں تاکہ حق کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور کوئی شبہ نہ رہے مگر وہ لوگ پھر بھی حق کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جب تکذیب اور انکار پر تل گئے تو پھر ہم نے ہر ایک کو غارت کر دیا اچھی طرح غارت کرنا کہ قصہ ہی ختم کر دیا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا

اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اس بستی پاس جن پر برسا بُرا برساؤ۔ کیا دیکھتے

يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

نہ تھے اس کو؟ نہیں پر امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی۔

قصہ چہارم۔ قوم لوط علیہ السلام

اور البتہ تحقیق یہ اہلِ مکہ ملک شام کو آتے جاتے اس بستی پر گزرے ہیں جس پر پتھروں کی بُری بارش برسائی گئی، اس سے قومِ لوط کی بستی سدوم مراد ہے کیا گزرتے وقت ان بستیوں کو دیکھا نہیں کہ عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت پکڑتے سو عبرت پکڑنے کی یہ وجہ نہیں کہ ان بستیوں کو دیکھا نہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کو حشر و نشر کی کوئی اُمید نہیں اور نہ ان کو ڈر ہے یعنی یہ لوگ حشر و نشر کے قائل ہی نہیں جو

عذاب سے ڈریں۔

اس زمانہ کے بعض ملحد یہ کہتے ہیں کہ اسی قطعۂ زمین کے نیچے گندھک اور کوئلہ کی کان تھی، ان کے باہم ملنے سے آگ پیدا ہوئی اور زمین پھٹ کر پتھر برسنے لگے اور بستی تہ و بالا ہو گئی۔

یہ سب گپ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ فلاں وقت عذاب آئے گا۔ حسب خبر خداوندی لوط علیہ السلام مع مسلمانوں کے وہاں سے نکل گئے اور عذاب الٰہی سے بچ گئے اور باقی عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے حتیٰ کہ جو کوئی اس قوم کا فرد کہیں باہر تھا وہ بھی آسمانی پتھر سے ہلاک ہوا۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ
اور جہاں تجھ کو دیکھا کچھ کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے
رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ
پیغام دے کر؟ یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے کبھی ہم نہ ثابت رہتے ان پر۔
وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾
اور آگے جانیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کو کون بہت بچلا ہے راہ سے۔
اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ ۙ
بھلا دیکھ تو جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاؤ کا۔ کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ؟ یا
اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا
تو خیال رکھتا ہے کہ بہت ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں ؟ اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں
كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع
چوپایوں کے بلکہ وہ بہکے ہیں بہت راہ سے۔

ع ۴ / ۲

تشنیع کفار بر استہزاء سید الابرار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ ... الٰى ... بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾﴾

ربط: اُوپر سے سلسلۂ کلام کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا چلا آ رہا تھا جس سے مقصود کفار کی تشنیع اور ملامت تھی اب آئندہ آیات میں پھر کفار کے زمائم اور شنائع قولیہ اور فعلیہ کو بیان کرتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت آپ ﷺ کو غایت درجہ حقیر سمجھتے ہیں اور آپ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم نہ رہتے تو یہ شخص ہم کو کبھی کا گمراہ کر چکا ہوتا حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یعنی مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ تھا۔

اور یہ منکرین نبوت تکذیب اور انکار میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کو سوائے اس کے کچھ کام نہیں کہ تیر اٹھا کرتے ہیں اور تیری ہنسی اڑاتے ہیں حالانکہ آپ کی شان امانت اور صدق مقال اور حسن افعال اور مکارم اخلاق ان کو سب معلوم ہے اور بطور تمسخر اور مذاق یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے حالانکہ معجزات اور دلائل نبوت ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بے شک یہ شخص قریب تھا کہ اپنی دلفریب باتوں سے ہم کو ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیتا۔ اور ہم کو ان کی عبادت سے بچلا دیتا اگر ہم ان معبودوں کی عبادت پر مضبوطی کے ساتھ نہ جمے رہتے آپؐ دن رات ان کے سامنے دلائل توحید اور دلائل نبوت بیان کرتے اور یہ نادان توحید کو گمراہی اور شرک اور بت پرستی کو ہدایت سمجھتے اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب جان لیں گے یہ لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بڑا گمراہ ہے یعنی جب عذاب الٰہی کو دیکھیں گے یا جب مریں گے تب پتہ چلے گا کہ کون گمراہ تھا، اے نبی بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے دلیل اور حجت سے اسے کوئی بحث نہیں جدھر اس کو اس کے نفس کی خواہش لے جاتی ہے اسی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا پتھر اس سے زیادہ خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے سامنے سر جھکا دیا۔ پس کیا آپ ایسے ہوا پرست کے کفیل اور ذمہ دار ہو سکتے ہیں کہ اس کو راہِ راست پر لے آئیں یعنی جس شخص نے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہوا سے کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ اے نبیؐ! کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر لوگ آپ کی بات کو سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کتنے ہی دلائل توحید بیان کریں مگر اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔

نہیں ہیں یہ لوگ مگر جانوروں کی مانند نہ سنیں اور نہ سمجھیں مثل چوپایوں کے ہیں ان کے سامنے دلائل عقلیہ اور معجزات قاہرہ سب بے کار ہیں۔ بلکہ یہ لوگ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ جانور اپنے مالک کو پہچانتے ہیں مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اپنے نفع اور مضرت کی چیز کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ جانوروں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کون سا گھاس ہمارے لیے نفع بخش ہے اور کون سا مضر ہے جانور اپنے چراگاہ اور گھاٹ پر چلے بھی جاتے ہیں مگر یہ بدبخت اپنے مالک کے سامنے گردن جھکانے کے لیے تیار نہیں اور چشمۂ ہدایت سے ایک قطرۂ آب پینے پر آمادہ نہیں، ہزار دلائل قدرت اور ہزار براہین رسالت ان کے سامنے بیان کریں تو ان کا سننا بھی ان کو گوارا نہیں اس لیے آئندہ آیات میں ان چند دلائل قدرت اور آیات وحدانیت کو بیان کرتے ہیں جو ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ

تو نے نہ دیکھا اپنے رب کی طرف کیسی لمبی کی پرچھائیں؟ اور اگر چاہتا اس کو ٹھہرا رکھتا، پھر

جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

ہم نے ٹھہرایا سورج اس کا راہ بتانے والا۔ پھر کھینچ لیا اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ

اور وہی ہے جس نے بنا دی تم کو رات اوڑھنا اور نیند آرام، اور دن بنا دیا

نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ

اُٹھ نکلنا۔ اور وہی ہے جس نے چلائیں باویں خوشخبری لائیں اس کی مہر سے آگے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ستھرائی کرنے کا۔ کہ جلاویں اس سے مر گئے دیس کو۔ اور پلاویں اس کو

مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ

اپنے بنائے بہت چوپایوں اور آدمیوں کو۔ اور طرح طرح بانٹا اس کو ان کے بیچ میں

لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ

تا دھیان رکھیں۔ پھر نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کیے۔ اور اگر ہم چاہتے اٹھاتے

كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۖ ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا۔ سو تو کہا نہ مان منکروں کا، اور مقابلہ کر اُنکا اس سے بڑے زور سے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ

اور وہی ہے جس نے ملے چلائے دو دریا۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا اور یہ کھاری ہے کڑوا۔ اور

جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ

رکھا ان دونوں کے بیچ پردہ اور اوٹ روکی۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے

الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَ

پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کا جد اور سسرال۔ اور ہے تیرا رب سب کر سکتا۔ اور

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ

پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز کہ نہ بھلا کرے اُنکا نہ بُرا۔ اور ہے

الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾

منکر اپنے رب کی طرف سے پیٹھ دے رہا۔ اور تجھ کو ہم نے بھیجا، یہی خوشی اور ڈر سنانے کو۔

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ

تو کہہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ لے رکھے اپنے رب کی طرف

سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ

راہ۔ اور بھروسا کر اس جیتے پر جو نہیں مرتا اور یاد کر اس کی خوبیاں اور

كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ ۚۛ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ

وہ بس ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار جس نے بنائے آسمان اور زمین،

وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ

اور جو کچھ ان کے بیچ ہے۔ چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر۔ وہ بڑی مہر والا۔

فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا

سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو۔ اور جب کہیئے ان کو سجدہ کرو رحمٰن کو۔ کہیں، رحمٰن

الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ السجدة ع تَبٰرَكَ الَّذِيْ ع ۵ ۱۶

کیا ہے؟ کیا سجدہ کرنے لگیں گے ہم جس کو تو فرماوے گا اور بڑھتا رہے ان کا بدکنا۔ بڑی برکت ہے اس کی

جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَ

جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اس میں چراغ اور چاند اُجالا کرنے والا۔ اور

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ
وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلنے اس کے واسطے جو چاہے دھیان رکھنا یا
اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾
شکر کرنا۔

ذکر دلائل توحید وعجائب قدرت وصنعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ... الی ... لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالت بیان فرمادی اور ان کی گمراہی ظاہر کردی اب آئندہ آیات میں منکرین وحدانیت کی تشنیع کے لیے اپنی قدرت کے آثار اور توحید کے چند دلائل بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء متضادہ اور مختلفہ کے پیدا کرنے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے جو خدا تعالیٰ کے قادر مطلق اور واحد قہار ہونے کی دلیل ہے اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ کفار دن رات اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اگر ذرا غور کریں تو اللہ کی قدرت اور وحدانیت ان پر واضح ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حق جل شانہ نے پانچ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اوّل۔ استدلال بنظر در حالت سایہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ ... الی ... ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿٤٦﴾ ﴾

دلائل توحید کی پہلی قسم یہ ہے کہ سایہ کی حالت میں غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سایہ کو دراز کیا اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حال اور ایک انداز پر ٹھہرا دیتا پھر اس نے آفتاب کو سایہ کے پہچاننے کے لیے دلیل بنایا کہ آفتاب کی شعاعوں سے سایہ پہچانا گیا اور پھر اس سایہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچا۔ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک سایہ کا دراز ہونا اور پھر آفتاب کا طلوع ہونا اور زمین پر اس کی شعاعوں کا پڑنا اور پھر بتدریج سایہ کا سمٹنا یہ سب اس کی قدرت کے دلائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے دیکھنے والے کیا تو نے اپنے پروردگار کے اس کرشمۂ قدرت اور عجوبۂ صنعت کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے محض اپنی قدرت سے طلوع فجر یعنی صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کس طرح سایہ کو تان دیا اور لمبا اور دراز کر دیا اور زمین پر اس کو پھیلا دیا، یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے ذرا نظر اٹھا کر تو دیکھ صبح صادق سے اور خاص کر اسفار کے بعد سے سورج نکلنے تک سایہ ہی سایہ رہتا ہے نہ سورج کی شعاع ہوتی ہے اور نہ رات کی سی تاریکی ہوتی ہے دھوپ اور تاریکی کے درمیان ایک بین بین حالت ہوتی ہے اور یہی ظِل یعنی سایہ کی حقیقت ہے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ ظِل یعنی [1] سایہ حقیقت میں ایک ایسی ہی درمیانی چیز کا نام ہے جو خالص روشنی اور خالص تاریکی کے درمیان میں ہو

[1] ظِل کی حقیقت میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تشریح ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر ص ۷۷ ج ۶ دیکھیں۔

اور یہ درمیانی کیفیت اور متوسط حالت نہایت عمدہ وقت اور بہترین زمانہ ہے اس لیے کہ خالص تاریکی طبعاً مکروہ اور ناگوار ہے۔ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور آنکھ کی بینائی اس سے معطل ہو جاتی ہے کوئی چیز نظر نہیں آتی اور آفتاب کی شعاعوں سے نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور اس کی روشنی سے آنکھ پراگندہ ہو جاتی ہے اور ہوا گرم ہو جاتی ہے اور صبح صادق اور اسفار سے لے کر طلوع آفتاب تک جو وقت ہوتا ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں اسی وجہ سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ظِلِ ممدود بھی ہے۔ جنت میں ایسا ہی سایہ ہوگا۔ غرض یہ کہ سایہ بندوں کے لیے اللہ کی عجیب رحمت ہے اور اس کی قدرت کی عجیب وغریب صفت ہے نہ خالص تاریکی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو اور نہ تیز روشنی ہے جس سے نگاہ پراگندہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سایہ کو ٹھہرائے رکھتا کہ وہ سایہ ایک ہی حال پر اور ایک ہی انداز پر ٹھہرا رہتا یعنی یہی ظلی کیفیت دائم اور مستمر رہتی کہ آفتاب طلوع نہ ہوتا اگر طلوع بھی ہوتا تو خدا کی قدرت اور مشیت سے۔ آفتاب اس سایہ کو زائل نہ کر سکتا اور باوجود طلوع آفتاب کے یہ سایہ اپنے حال پر رہتا۔ سایہ ہو یا آفتاب ہو کسی کی بھی حرکت خود اس کے اختیار میں نہیں۔ اللہ جس کو چاہے متحرک کرے اور جس کو چاہے ساکن کرے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سایہ کو ساکن کر دیتا۔ آفتاب کا طلوع اور غروب خود اس کی اختیاری چیز نہیں کہ وہ جو حالت چاہے اپنے لیے اختیار کرے۔ جب چاہے چل پڑے اور جہاں چاہے ٹھہر جائے۔ آفتاب کی حرکت اور اس کا سکون خود اس کے اختیار میں نہیں کہ جو چاہے اپنے لیے اختیار کرے اسی طرح سایہ کا گھٹنا اور بڑھنا اور ٹھہرنا خود سایہ کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

یہ سایہ جو طلوع فجر سے لے کر سورج نکلنے تک رہتا ہے جنت کے سایہ کا ایک نمونہ ہے۔ جنت میں آفتاب کی دھوپ نہ ہوگی۔ یہی سایہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ سایہ اسی طرح ٹھہرا رہتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا جس طرح اللہ کی قدرت سے جنّت میں ہمیشہ سایہ ہوگا اور دھوپ نہ ہوگی اسی طرح اللہ کو قدرت ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دُنیا میں بھی اس سایہ کو قائم رکھتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا یا طلوع ہوتا تو تب بھی وہ اس سایہ کو قائم رکھتا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت دُنیا اور آخرت میں سب جگہ یکساں ہے۔ پھر ہم نے اپنی قدرت کا ایک اور کرشمہ دکھلایا کہ سورج کو پیدا کیا اور مشرق سے اس کو نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اس طرح ہم نے سورج کو اس سایہ کے پہچاننے کی ایک دلیل یعنی ایک علامت اور نشانی بنایا کہ سورج نکلنے سے سایہ پہچانا گیا۔ اس طرح آفتاب سایہ کے وجود کی دلیل بنا۔ اگر دھوپ نہ ہوتی تو کوئی شخص سایہ کو نہ پہچان سکتا کہ سایہ کیا چیز ہے جب آفتاب نکلا تب سایہ نظر آیا اور اس وقت سایہ کی شناخت ہوئی کہ سایہ ایسا ہوتا ہے اور دھوپ ایسی ہوتی ہے اس لیے کہ ایک ضد کی شناخت دوسری ضد سے ہوتی ہے وبضدھا تتبین الاشیاء۔ اچھے سے بُرے کی تمیز ہوتی ہے اور سفید سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور نور سے ظلمت کی شناخت ہوتی ہے اور جس چیز سے کسی چیز کی حقیقت واضح ہو وہی اس کی دلیل ہے۔

اس اعتبار سے آیت میں طلوع آفتاب کو وجود ظل کی دلیل [1] قرار دیا۔ طلوع آفتاب سے پہلے کسی جسم کا مثلاً انسان کا یا حیوان یا دیوار کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔ صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان جو ظلّی کیفیت ہوتی ہے اس حالت میں جسم کی صرف دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں ایک جسم کا وجود اور دوسرا اس کا رنگ۔ البتہ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نمودار ہو جاتی ہے تو اس وقت تین چیزیں نظر آتی

[1] طلوع آفتاب کو سایہ کے لیے جو دلیل فرمائی سو وہ دلیل اِنّی ہے دلیل لِمّی نہیں۔ طلوع آفتاب ظہور ظل اور اس کی معرفت کی دلیل ہے ظل کے نفس وجود کی دلیل نہیں۔ دیکھو حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۷ ج ۶۔

ہیں: ① ایک جسم کا وجود ② اور دوسرا جسم کا رنگ یہ دو چیزیں طلوع آفتاب سے پہلے بھی دکھائی دیتی تھیں۔ ③ اور تیسری چیز جو طلوع آفتاب کے بعد دکھائی دیتی ہے وہ اس جسم کا سایہ ہے جو پہلے نظر نہیں آتا تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد زمین پر جسم کا سایہ بھی نظر آتا ہے طلوع آفتاب سے پہلے سایہ کا وجود نہ تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نکلی تب اس تیسری چیز کے وجود کا علم ہوا اس لیے فرمایا کہ ہم نے طلوع آفتاب کو سایہ کے لیے دلیل بنایا جس کے ذریعہ سایہ پہچانا گیا۔ اگر آفتاب کی روشنی نہ ہوتی تو دیکھنے والے کو فقط دو چیزیں نظر آتیں۔ ایک جسم کا وجود اور دوسرا اس کی رنگت اور ہیئت مگر تیسری چیز یعنی جسم کا سایہ اس کو نظر نہ آتا۔ سایہ کا احساس اور اس کی شناخت آفتاب کی دھوپ کے ذریعہ ہوئی، اگر سورج نہ نکلتا اور دھوپ نہ ہوتی تو ہم سایہ کو سمجھ بھی نہ سکتے کہ سایہ کیا چیز ہے۔ ایک ضد کے آنے سے دوسری ضد سمجھ میں آئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ﴾ (القصص: ۷۱)۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۷۷ ج ۶ حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۴۵ ج ۳ و روح المعانی ص ۲۵ ج ۱۹)

قتادہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ آفتاب کی دلیل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اس سایہ کے پیچھے لگا آرہا ہے یہاں تک کہ پورے سایہ پر چھا جاتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دلیل کے معنی رہبر کے ہیں کہ آفتاب سایہ کا رہبر ہے اور سایہ آفتاب کا تابع ہے اس لیے کہ سایہ کی کمی اور بیشی اور اس کا پھیلنا اور سمٹنا آفتاب کی حرکت کے تابع ہے۔

پھر سورج نکلنے کے بعد ہم نے اس سایہ کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا اپنی طرف سمیٹا۔ اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے اصل ظِل کا ظہور ہوا تھا پھر اس کی قدرت اور مشیت سے اس ظِل کو آہستہ آہستہ قبض کر لیا گیا جس قدر سورج بلند ہوتا جاتا ہے سایہ رفتہ رفتہ گھٹتا جاتا ہے اس رفتہ رفتہ گھٹنے کو اپنی طرف قبض کرنے سے تعبیر کیا۔ طلوع صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک سایہ تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر جب سورج نکلتا ہے تو تھوڑا تھوڑا گھٹنا شروع ہوتا ہے جس قدر سورج اوپر چڑھتا جاتا ہے اسی قدر سایہ کم ہوتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ آفتاب کی روشنی اور اس کی شعاع سایہ کی جگہ قائم ہوتی جاتی ہے اور زمین چمک اٹھتی ہے۔ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک یہی حال رہتا ہے اور اس طرح بتدریج سایہ کے سمٹنے میں بڑی حکمتیں اور منفعتیں ہیں اوقات اور ساعات کی تعیین اسی طرح بتدریج سایہ کے گھٹنے اور بڑھنے سے ہوتی ہے جیسا کہ حق جل شانہ، کا ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ ... الآیۃ ﴾ (البقرہ: ۱۸۹)

صبح سے لے کر شام تک سایہ اور دھوپ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے اس تغیّر اور تبدل سے اور اس کی اور زیادتی سے دین اور دُنیا کے کاروبار کے لیے اوقات معیّن کیے جاتے ہیں اگر صبح سے لے کر شام تک ایک ہی حالت رہتی تو ساعات اور اوقات کی تعیین ناممکن تھی پانچ نمازوں کے اوقات کیسے متعین ہوتے اور بازاروں اور دفتروں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کیسے مقرر ہوتے۔

غرض یہ کہ سایوں کا اس طرح آہستہ آہستہ گھٹنا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا حق جل شانہ، کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور ہر تغیّر بندوں کے حق میں نعمت ہے۔ اگر سایہ ایک بار ہی لے لیا جاتا تو لوگوں کے جو کام سایہ سے متعلق ہیں وہ معطل ہو جاتے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا﴾۔ درمیان کلام میں جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ سایہ کا دراز ہونا اور اس کا سمٹنا محض اللہ کی قدرت اور اس کی مشیت سے ہے اسباب عادیہ اور امور مادیہ کو اس میں دخل نہیں آفتاب کا افق کے قریب ہونا اور پھر افق

شرقی سے اس کا طلوع ہونا اس میں کسی مادہ اور طبیعت کو اور کسی نیچر اور فطرت کو دخل نہیں آفتاب کی حرکت اور اس کا طلوع اور غروب سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول:

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ میں ظِل سے اجسام کثیفہ کا وہ سایہ مراد ہے جو طلوع آفتاب کے بعد شروع دن میں نمودار ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ ﴾ (النحل:۴۸) اور مطلب یہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب آفتاب اُفق سے طلوع کرتا ہے تو کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ لمبا اور دراز پڑتا ہے پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے تو اس کے مقابل مغرب کی جانب سے سایہ گھٹتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہر شئے کا سایہ اس کی جڑ میں لگ جاتا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے سایہ کو اپنی طرف کھینچ لیا پھر زوال کے بعد ایک طرف سے دھوپ سمٹنی شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے آخر جب آفتاب غروب ہوجاتا ہے تو دھوپ غائب ہوجاتی ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے اور سایہ فنا ہوجاتا ہے اور سایہ کے اس طرح تدریجاً فنا ہوجانے کو اپنے پاس آنے سے تعبیر کیا کہ وہ تمہاری نظروں سے فنا ہوکر ہمارے پاس پہنچ گیا۔ بہر حال سایہ ہو یا دھوپ ہو اسی کے حکم سے پردۂ عدم سے نکل کر وجود میں آیا تھا۔ اور اسی کے حکم سے عدم کے پردہ میں چلا گیا اگر اللہ چاہتا تو ہر چیز کے سایہ کو اسی کے ساتھ لازم اور قائم کردیتا اور ایک حالت پر اس کو ٹھہرا دیتا اور سایہ کے لمبے اور دراز ہونے سے مخلوق کو جو نفع پہنچ رہا ہے وہ نفع نہ پہنچتا۔

غرض یہ کہ سایہ اور دھوپ کا تغیر اور تبدل اور کمی اور زیادتی اور ان کا فنا اور زوال یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں حادث ہیں اور ان کے تغیّرات اور انقلابات کی باگ کسی علیم وقدیر کے ہاتھ میں ہے کہ جو ان تغیّرات سے اپنی قدرت کا تماشا دکھا رہا ہے۔ کہ دیکھ لو کہ وجود اور عدم کا تماشا اس طرح دکھلایا جاتا ہے اور دھوپ اور سایہ جو کارخانہ عالم کا تانا اور بانا اس کو قدرت اور مشیّت کی انگلیوں پر اس طرح نچایا جاتا ہے اور سایہ اور دھوپ کے ان تغیّرات میں اور ان کھیل اور تماشوں میں بندوں کے لیے نعمتوں اور راحتوں کے عجیب عجیب سامان ہیں جن کے شکر سے زبان قاصر ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۸۷ ۳ ج ۶ وحاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۵۵ ۴ ج ۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت ہذا کی تفسیر میں یہ دو قول مشہور ہیں جو ہم نے ذکر کیے۔

قول اوّل: جمہور علماء تفسیر کا قول یہ ہے کہ ﴿ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ میں، ظِل سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو صبح صادق سے یا وقت اسفار سے لے کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور ابو العالیہ اور ابو مالک اور مسروق اور مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم سے یہی مروی ہے کہ ظِل سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۰ ج ۳ اور ﴿ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے طلوع آفتاب کو اس سایہ کی دلیل بنایا اس لیے کہ طلوع آفتاب سے یہ معلوم ہوا کہ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک جو اُجالا تھا وہ آفتاب کا اثر تھا اور اس کی آمد آمد کا نشان تھا اگر خدا چاہتا تو سورج کو نہ نکالتا اور وہ سایہ اسی حال پر برقرار رہتا جس حال پر وہ طلوع آفتاب سے پہلے تھا لیکن اس نے اپنی قدرت سے سورج کو نکالا اور آہستہ آہستہ اس سایہ کو ختم کیا یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دوسرا قول: اور دوسرا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ ظِل سے کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ مراد ہے کہ جو طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک اور پھر زوال سے لے کر غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ (دیکھو صاوی حاشیہ جلالین ص ۱۶۰ جلد ۳)

کیونکہ عرف میں ظِل کا اطلاق اس سایہ پر آتا ہے کہ جو شروع دن میں ہوتا ہے فیئ کے اصل معنی رجوع کے ہیں کہ جب آفتاب مشرق سے مغرب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ابن السکیت کہتے ہیں کہ ظِل وہ سایہ ہے کہ جس کو آفتاب منسوخ کردے اور فیئ وہ سایہ جو آفتاب کو یعنی اس کی دھوپ کو منسوخ کردے بہر حال ظِل سے جو معنی بھی مراد لیے جائیں وہ کمال قدرت اور کمال صنعت کے بیان سے خالی نہیں جو اللہ جل شانہ، کی وحدانیت اور کمال صنعت کی دلیل ہے اور علاوہ ازیں غایت رحمت اور نہایت نعمت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ نے بندوں کی راحت کے لیے سایہ اور دھوپ کو پیدا کیا۔

① ظِل یعنی سایہ کو دراز کرنا ② طلوع آفتاب کو اس پر دلیل بنانا اور ③ قبض یسیر یعنی سایہ کو آہستہ آہستہ سمیٹنا یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ سایہ کا دراز ہونا اور اس کا سمٹنا یہ سایہ کا خود اختیاری فعل نہیں اور علی ہذا طلوع، یہ آفتاب کا فعل اختیاری نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت کے تابع ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں جن عجائب قدرت کا ذکر کیا ہے بلا شبہ وہ اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں تیسرا قول:

آیت ہذا کی تفسیر میں علماء کے کئی قول ہیں جو دو قول ان میں سے زیادہ مشہور تھے وہ ہدیۂ ناظرین کر دیے گئے۔ اب دل چاہتا ہے کہ آیت ہذا کی تفسیر میں ایک تیسرا قول اور بھی ہدیۂ ناظرین کر دیا جائے یہ تیسرا قول اگرچہ غیر مشہور ہے لیکن باعتبار معنی کے وہ بھی لطیف ہے وہ یہ ہے کہ ظِل سے رات کا اندھیرا مراد ہے اور قَبَضْنَا کی ضمیر دلیل کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے رات کے وقت زمین کا سایہ پھیلا دیا اور سارا عالم تاریک کر دیا مگر اس تاریکی کو ہمیشگی نہیں دی بلکہ آفتاب کے طلوع کو اس کی شناخت کی دلیل بنایا اس لیے کہ سب چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اچھے سے برے کی تمیز ہوتی ہے اور گورے سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور دن کو بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بنایا بلکہ غروب کر کے اس کی روشنی کو لے لیا۔ یہاں تک کہ پھر رات آ گئی اور یہ دونوں وقت مخلوق کی آسائش اور آرائش کے لیے معیّن فرمائے۔

قسم دوم۔ از دلائل توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا﴾

اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا اور نیند کو تمہارے لیے آرام بنایا چونکہ رات کی تاریکی لباس کی طرح ہر شئے کو چھپا لیتی ہے اس لیے رات کو لباس فرمایا اور نیند کو تمہاری راحت کا سامان بنایا جس سے بدن کا تعب اور مشقت سب ختم ہو جاتی ہے کیونکہ سبت کے معنی اصل میں قطع کرنے کے ہیں۔ سونے کی حالت میں چلنا پھرنا سب قطع ہو جاتا ہے اس لیے نیند کو سبات کہتے ہیں کہ اس سے جسم کی حرکت قطع ہو جاتی ہے۔

اور بنایا اس نے دن کو تمہارے منتشر ہونے کے لیے رات جب آتی ہے تو لوگ سو جاتے ہیں اور مردہ کی طرح بے حس وحرکت

ہو جاتے ہیں جب دن نکلتا ہے تو پھر زندہ ہو کر اٹھ جاتے ہیں اور اپنے کام کاج کے لیے اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں، یہ خدا کی قدرت بھی ہے اور اس کی نعمت بھی ہے۔ رات کی نیند بھی اللہ کی نعمت ہے اور صبح کی بیداری بھی اللہ کی نعمت ہے اور سونے کے بعد صبح کی بیداری حشر ونشر کا نمونہ ہے جس طرح انسان سو کر اٹھتا ہے اسی طرح مر کر پھر جیے گا اور منتشر ہوگا۔

قسم سوم۔ از دلائل توحید

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ... الی ... وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ۵۲﴾

اور وہ خدا وہ ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے بارش اللہ کی رحمت ہے اور اس سے پہلے ہواؤں کا چلنا یہ بشارت ہے کہ عنقریب بارش نازل ہونے والی ہے اور ہم نے اپنی رحمت سے آسمان سے ایسا پانی نازل کیا جو خود بھی پاک ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والا ہے تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کریں یعنی خشک زمین سے قسم قسم کی نباتات اُگاویں۔ اس طرح قیامت کے قریب ایک غیبی بارش نازل ہوگی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور تاکہ اس پانی سے اپنی مخلوقات میں سے چوپایوں کو اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔ گزشتہ آیت میں پانی سے زمین کی سیرابی کا ذکر تھا اور اس آیت میں پانی سے حیوان اور انسان کی سیرابی کا ذکر ہے۔ بہت سے آدمی تو آسمان کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور بہت سے آدمی زمین کے چشموں اور کنوؤں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے اس بارش کے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا کبھی کہیں برساتے ہیں اور کبھی کہیں۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ بارش کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے برساتا ہے ہر سال کی بارش کا پیمانہ اور وزن اسی کو معلوم ہے پس باوجود اس نعمت اور عبرت کے واضح ہونے کے بغیر ناشکری سے باز نہ رہے اور بجائے اس کے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کرتے کفرانِ نعمت میں جا پڑے۔ مینہ تو خدا تعالیٰ نے برسایا مگر یہ ناشکرا اس بارش کی ستاروں اور برجوں کی طرف نسبت کرتا ہے۔ یہ شخص خدا کا کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور ان کا شکر کرتا ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ﴾ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے نصیحت کی تاکہ وہ اس کو قبول کریں مگر اکثر لوگوں نے ان نصیحتوں کو قبول نہیں کیا۔

لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کے کفر و تکذیب سے ہمت نہ ہاریں اور تنِ تنہا برابر تبلیغ اور دعوت میں لگے رہیں اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیج دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ اے نبی ہم نے تمہاری شان اور مرتبہ بلند کرنے کے لیے قیامت تک کے لیے سارے جہان کا تم کو پیغمبر بنایا اور نبوت کو تم پر ختم کیا اور تمام عالم کے لیے آپ ﷺ کو بارانِ رحمت بنایا تاکہ قیامت تک آنے والے اہل ایمان اور اہل ہدایت کا اجر آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ ﷺ کی فضیلت ظاہر ہو۔ پس جب خدا نے آپکو یہ فضیلت اور یہ شان عطاء کی ہے تو آپ ان کافروں کی پروا نہ کیجیے اور نہ کسی بات میں ان کا کہنا مانیے جس سے یہ خوش ہوں اور دلائل قرآن کے ساتھ ان کا پورا پورا مقابلہ کیجیے، چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے اس آیت میں جہاد سے قرآن اور دلیل اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اس لیے کہ سیف وسناں سے جہاد کرنے کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔

قسم چہارم۔ از دلائل توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ﴾

اور وہ خدا وہ ہے جس نے اپنی قدرت بالغہ اور حکمت سابقہ سے دو دریاؤں کو ملا کر رواں کیا ان میں سے ایک تو یہ شیریں اور خوش ذائقہ اور تشنگی کو دفع کرنے والا اور پیاس بجھانے والا ہے اور ایک یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا ہے اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے ایک آڑ اور مضبوط روک رکھ دی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہ پاوے۔ مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں دریا اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں۔ جیسے دریائے دجلہ کا پانی نہایت شیریں ہے جب اس کا پانی سمندر میں گرتا ہے تو دور تک دونوں کی موجیں اور دھاریں الگ الگ نظر آتی ہیں۔ اِدھر کا پانی نہایت شیریں اور اُدھر کا پانی نہایت تلخ میلوں تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایک پانی دوسرے پانی سے ملنے نہیں پاتا اور اس قرب اور اتصال کی وجہ سے کسی پانی کے مزہ میں فرق نہیں آتا۔

قدرت نے دونوں کے درمیان ایک ایسی آڑ رکھدی ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور دریائے دجلہ اگرچہ عرف میں سمندر نہیں کہلاتا مگر جب وہ جا کر سمندر میں گرا تو وہ بھی سمندر ہو گیا۔ مقصود اس سے حق جل شانہ، کی کمال قدرت کو بیان کرنا ہے کہ دو مختلف قسم کے پانی ہیں اور دونوں ساتھ مل کر چل رہے ہیں اور بہہ رہے ہیں مگر ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے حالانکہ پانی بالطبع سیال اور بہنے والی چیز ہے اس کا طبعی اقتضاء اختلاط اور امتزاج ہے مگر خدا کی قدرت ہے کہ ایک پانی کو دوسرے پانی کے ساتھ ملنے سے روکے ہوئے ہے اور ہندوستان کے متعدد علاقوں میں ایسے کنوئیں موجود ہیں جن میں ایک طرف کا پانی میٹھا ہے اور دوسری طرف کا پانی کھارا ہے ایک طرف کے پانی سے چیز عمدہ پکتی ہے اور دوسری طرف کے پانی سے دال بھی نہیں گلتی۔

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مولانا محمد اسحٰق بردوانی رحمۃ اللہ علیہ بنگال کے دو معتبر عالموں مولانا عبد الغفور ارکانی اور مولانا روشن علی ارکانی کی شہادت سے نقل کیا ہے کہ ارکان اور چاٹگام کے درمیان جو دریا بہتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ اس کی ایک جانب کا پانی سفید ہے اور دوسری جانب کا پانی سیاہ ہے۔ سیاہ میں سمندر کی طرح تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے درمیان ایک دھاری سی چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی یعنی حد اتصال ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید کا پانی میٹھا ہے اور سیاہ کا پانی کڑوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت کو دیکھو کہ دو دریا ہیں ایک میٹھا اور ایک کھاری دونوں ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں مگر باہم ملنے نہیں پاتے۔

جدید اور قدیم فلاسفہ بتلائیں کہ یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے۔؟

آیت ہذا کی دوسری تفسیر:

اور بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دو قسم کے دریا جاری کیے بعض شیریں اور بعض تلخ اور زمین کو دونوں کے درمیان حائل کر دیا تا کہ دونوں آپس میں ملنے نہ پاویں اور برزخ اور حجر محجور سے بیابانوں کا پردہ مراد ہے کہ جو دو دریاؤں کے درمیان حائل ہے۔

بہر حال دو قسم کے دریاؤں کا پیدا کرنا یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے اور دو مختلف قسم کے پانیوں میں قدرتی طور پر ایک

محسوس حد فاصل بنا دینا یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

قسم پنجم۔ از دلائل توحید ، استدلال بہ خلقت انسانی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ۝۵۴﴾

اور وہ وہ ہے جس نے پانی سے یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو خاندان اور دامادی قرابت بنایا یعنی اللہ کی کتنی بڑی قدرت ہے کہ ایک ہی قسم کے نطفہ سے وہ کبھی تو مرد پیدا کرتا ہے اور کبھی عورت۔ نسب سے مراد مرد ہے کیونکہ نسب مردوں سے یعنی باپ دادا سے چلتا ہے اور صہر سے مراد عورت ہے کیونکہ نکاح کا تعلق عورت سے قائم ہوتا ہے غرض یہ کہ باہمی محبت و مروت کے دو طریقے پیدا کیے۔ ایک نسب اور دوسرا مصاہرت یعنی دامادی۔

اور تیرا پروردگار بڑی ہی قدرت والا ہے۔ ایک قطرۂ آب یعنی نطفہ سے مذکر اور مؤنث کا اور مختلف شکلوں اور مختلف عقلوں کا پیدا ہونا خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری — کہ کردست برآب صورت گری

مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ کافروں کی طعن و تشنیع کی پروانہ کریں اپنے پروردگار کی قدرت اور رحمت پر نظر رکھیں۔

بیان جہالتِ مشرکین و منکرین نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَا یَضُرُّهُمْ ؕ ... الی ... وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝۶۰﴾

ربط: گزشتہ آیات میں دلائل توحید وقدرت بیان کیے اب آئندہ آیات میں مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالتوں اور خصائلِ بد کو بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مادہ سے بشر کو پیدا کیا اور دو قسم کا بنایا۔ ایک مذکر اور دوم مؤنث۔ جن کے اعضاء اور طبائع اور شکل وصورت میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح اس نے مومن اور کافر کو پیدا کیا جن کی طبیعتوں میں بے انتہا فرق ہے۔

اور جس طرح خدا نے دو قسم کے دریا بنائے ایک شیریں اور دوم تلخ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو شیریں اور خوشگوار اخلاق پر پیدا کیا اور کسی کو تلخ اور بد مزاج بنایا یہ اس کی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ مشرکین اور منکرین نبوت کا ایک گروہ ہے کہ جو ربِ قدیر کے سامنے تو سر جھکانے کو تیار نہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں جو ان کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے اور یہ کافر اور منکر خدا کے مقابلہ اور مخالفت پر اور شیطان کی اطاعت پر تلا ہوا ہے اور خدا کے مقابلہ میں شیطان کا پشت و پناہ اور معین و مددگار بنا ہوا ہے اور نبی برحق جو توحید اور مکارم اخلاق کے داعی ہیں ان کا دشمن بنا ہوا ہے، حالانکہ آپ ﷺ سے عداوت کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ اے نبی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر نیکوں کو بشارت دینے والا اور بدوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا جس میں سراسر انہی گمراہوں کا فائدہ تھا اور ایسے شخص کی محبت اور اطاعت تو عقلاً فرض اور لازم ہے کہ جو اللہ

کے ثواب دائم کی بشارت سنائیے اور عقاب دائم سے ڈرائیے اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجیے کہ میں دنیا میں تمہارا مزاحم نہیں میں اس دعوت و نصیحت پر تم سے کوئی اُجرت اور مزدوری نہیں مانگتا یعنی میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنے اموال میں مجھے کچھ دے دو بلکہ خالص اللہ ہی کے لیے تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں لیکن تمہیں اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے فائدہ کے لیے کہہ رہا ہوں میں تم سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں چاہتا اور اگر باوجود اس بات کے پھر بھی آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی کریں تو آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ کیجیے کہ جسے کبھی موت نہیں وہ تیرے لیے کافی ہے اور جب تیرا مددگار حیٌّ لَّا یَمُوْتُ ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذوالجلال حی لایموت ہے آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کرسکے اور آپ ﷺ ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہیے۔ اور ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ یا سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمُ)) پڑھتے رہیے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ تبلیغ بھی کرتے رہیئے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجیے اس لیے کہ خدا اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے وہ ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیگا۔ مجرمین خواہ کتنے ہی بے شمار کیوں نہ ہوں مگر کوئی اس سے پوشیدہ نہیں اس لیے کہ وہ خداوند وہ ہے کہ جس نے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم اور اس کی خبر نہ ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق چیز وہ عرش مجید ہے جو تمام آسمانوں سے بلند اور برتر ہے اور تمام عالم کو محیط ہے عرش لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور اس جگہ عرش سے وہ جسم عظیم مراد ہے جو تمام عالم کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کا جلوہ گاہ ہے وہیں سے فرشتوں پر اللہ کے پیغام اور احکام نازل ہوتے ہیں اس کا بیان سورۂ اعراف کے رکوع ہفتم کے شروع میں اور سورۂ یونس کے شروع میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اور وہی خدا رحمٰن ہے جس کی رحمت تمام مخلوقات کو محیط ہے پس اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھ لو کہ خداوند مہربان کی کیا شان ہے یہ جاہل مشرک کیا جانیں اور ان کی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو جو بڑا رحم کرنے والا ہے اور اس کی رحمت تمام عالم کو محیط ہے تو یہ نادان یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے جس کے سامنے آپ ﷺ ہم کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ جاہل خدا کی ذات و صفات سے بالکل بے خبر ہیں۔ بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کے سجدہ کرنے کا تو ہم کو حکم دیتا ہے اور رحمٰن کا نام یا رحمٰن کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے یہ نام سُن کر ایمان سے اور راہِ حق سے اور بھاگنے لگتے ہیں۔ یہ مقام بالا جماع مقام سجدہ ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر یہ دسواں سجدہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر آٹھواں سجدہ ہے۔ فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ یہ سجدہ سجدۂ نفور وانکار ہے مؤمن جب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو سجدہ سے نفرت کرنے والوں اور بھاگنے والوں سے ممتاز اور جدا ہو جاتا ہے اس لیے اس سجدہ کو سجدۂ امتیاز بھی کہہ سکتے ہیں۔

تتمۂ دلائل توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا ... الی ... اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں دلائل قدرت کا بیان تھا۔ اب پھر بعض عجائب قدرت کو ذکر کرتے ہیں۔ بہت ہی بڑی برکت والی ہے وہ ذات پاک جس نے اپنی قدرت سے آسمان میں برج بنائے اور رکھا آسمان میں ایک چراغ یعنی آفتاب جو تمام دنیا کے لیے چراغ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو جہان میں اندھیرا ہو جاتا اور بنایا اس میں ایک چاند روشن یا روشن کرنے والا جو روشنی میں آفتاب سے کم ہے، دونوں کا یہ تفاوت بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ ایک کو زیادہ روشن بنایا اور ایک کو کم۔ ایک دن میں نکلتا ہے اور ایک رات میں۔

مجاہد اور سعید بن جبیر ابو صالح اور حسن بصری اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے کہ بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں۔ برج کے اصل معنی ظہور کے ہیں چونکہ بڑے بڑے ستارے ظاہر ہیں اس لیے ان کو برج فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمانی قلعے مراد ہیں جہاں فرشتے پہرہ دیتے ہیں جیسا کہ حضرت علی اور ابن عباس محمد بن کعب رضی اللہ عنہم اور ابراہیم نخعی اور سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۲ ج ۳)

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں: ① حمل ② ثور۔ ③ جوزاء ④ سرطان ⑤ اسد۔ جس کو لیث بھی کہتے ہیں ⑥ سنبلہ ⑦ میزان ⑧ عقرب ⑨ قوس ⑩ جدی ⑪ دلو ⑫ اور حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بیل کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے اس لیے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اس کو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے لے کر آسمان تک اپنی مخلوق کے لیے ایک عالیشان مکان بنایا جس کو آفتاب اور ماہتاب اور کواکب اور نجوم سے روشن اور مزین کیا اور سامانِ معیشت مہیا کیا یہ سب اسی رحمان کی رحمت کا کرشمہ اور جلوہ ہے جس کے لیے سجدہ کرنے سے یہ نفرت کرتے ہیں کیا اس کی قدرت نہیں کہ اس نے چاند اور سورج کو پیدا کیا اور ہر ایک کی نورانیت اور حرارت میں فرق رکھا اور اس اختلاف سے دُنیا کے فوائد کو مربوط کر دیا۔ اب اس کے بعد اپنی قدرت اور رحمت کا ایک اور کرشمہ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے دن اور رات بنائے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ وہی ہے جس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آرہی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کا قائم مقام ہو سکتا ہے کہ آدمی رات کا کام دِن میں اور دن کا کام رات میں کر سکتا ہے لہٰذا اگر کسی سے رات کا ورد فوت ہو گیا ہو تو دن میں اس کی تلافی کرے جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ بہر حال یہ پے در پے آمد و رفت اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا تذکرہ اور نصیحت ہے اس شخص کے لیے کہ جو نصیحت پکڑنا چاہے۔ اگر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ لیل و نہار کی یہ آمد محض اس کی قدرت کا کرشمہ ہے یا اس شخص کے لیے جو شکر گزاری کرنا چاہے۔ اگر ذرا غور کرے تو سمجھ لے کہ رات دن کا آگے پیچھے آنا رحمٰن کی نعمتوں میں سے ایک نعمت

ہے اوراس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔ ان آیات میں تو رحمٰن سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں رحمٰن کے مخلص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ
اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ
بے سمجھ لوگ کہیں صاحب سلامت۔ اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور
قِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ
کھڑے۔ اور وہ جو کہتے ہیں اے رب! ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب، بیشک
عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَ الَّذِيْنَ
اس کا عذاب بڑی چٹی ہے۔ وہ بری جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور بری جگہ رہنے کی۔ اور وہ کہ
اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾
جب خرچ کرنے لگیں نہ اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران۔
وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم کو، اور نہیں خون کرتے جان کا جو
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ لا
منع کی اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ بھڑے گناہ سے۔
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۖ ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ
دونا ہو اس کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر۔ مگر جس نے
تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ
توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ

حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۰ وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا

بھلائیاں۔ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک

فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱ وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا

سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ۔ اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب

مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝۷۲ وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ

ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل جاویں بزرگی رکھ کر۔ اور وہ کہ جب ان کو سمجھائیے اُن کے رب کی باتیں نہ ہو

يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۝۷۳ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا

پڑیں ان پر بہرے اندھے۔ اور وہ جو کہتے ہیں اے رب! دے ہم کو

مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝۷۴

ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک، اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ۙ ۝۷۵

ان کو بدلا ملے گا کوٹھوں کے جھروکے، اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لینے آویں گے اُن کو وہاں دعا اور سلام کہتے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝۷۶ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ

رہا کریں گے ان میں۔ خوب جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور خوب جگہ رہنے کی۔ تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری!

لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝۷۷ ع

اگر تم اس کو نہ پکارا کرو۔ سو تم جھٹلا چکے، اب آگے ہوتا ہے بھینٹا۔

مدح عبادِ رحمان و ذکر شمائل اہل ایمان و عرفان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ... الٰى ... فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝۷۷﴾

ربط : گزشتہ آیات میں رحمان سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا، اب آئندہ آیات میں عبادِ رحمٰن یعنی رحمان کے خاص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ رحمٰن کے بندے رحمٰن کی رحمتوں کا اور اس کی نعمتوں کا عملی طور پر کس طرح اور کس صورت

میں شکر کرتے ہیں لہٰذا جو شخص رحمٰن کے آثار رحمت و نعمت کے تشکر کا ارادہ کرے اور رحمٰن کے آثار قدرت و عجائب صنعت میں تفکر اور تدبّر کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ رحمٰن کے شکر گزار بندوں کے نقشِ قدم پر چلے اور اگر بر بنائے غفلت اس سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو توبہ کرے، رحمان اپنی رحمت سے اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا پھر اخیر میں عباد رحمٰن کے درجات رفیعہ اور منازل عالیہ کا ذکر کیا اور بتلا دیا کہ جو رحمٰن سے نفرت کرے تو خُدا کو اس کی کوئی پروا نہیں، وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے بارگاہِ رحمٰن میں تقرب اور خصوصیت کا دارو مدار محض عبدیت پر ہے۔

ربط دیگر: حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں تمام قرآن میں حق جل شانہٗ کی یہ سنّت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ جا بجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزان عدل پر رکھ کر تولتے ہیں۔ اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہیں ایک فریق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں اور ایک فریق کو نعمائے جنّت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف و مشہور ہوں پس اسی قاعدہ کے مطابق سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہات و اعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل و عادات کا ذکر کر کے ان کی پاداش کا ذکر کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقربین اور ان کی صفاتِ ثابتہ و مشہورہ کا بیان کیا اور وہ صفات یہ ہیں:

① حلم اور تواضع ② مداومت بر نماز تہجد ③ خوف از عذاب آخرت ④ اعتدال و اقتصاد ⑤ توحید اور اخلاص فی العبادت ⑥ ترک کشت و خون یعنی فتنہ و فساد سے دور رہنا۔ ⑦ اجتناب از زِنا ⑧ احتراز مجالسِ کذب و دروغ ⑨ تذکر بوقت استماع وعظ۔ ⑩ بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے رہنا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ مہاجرین اوّلین تھے۔ لہٰذا یہ آیت مہاجرین کی فضیلت کے لیے کافی ہے اور بس۔ (ازالۃ الخفاء)

چنانچہ فرماتے ہیں اور رحمٰن کے خاص الخاص بندے وہ ہیں جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔

① جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی بغیر تکبّر اور سرکشی کے چلتے ہیں۔ تواضع ان پر ایسی غالب ہے کہ ان کی چال سے تواضع اور عاجزی نظر آتی ہے زمین پر آہستہ قدم رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ سست رفتاری سے چلے بلکہ مطلب یہ ہے کہ متکبرانہ چال سے نہ چلے اگرچہ تیز رفتاری سے چلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ آہستہ چلتا ہے تو فرمایا کہ ارے تو کیا بیمار ہے اس نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین نہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر دُرّہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت سے چلے جیسا کہ آج کل عیش پرستوں کا طریقہ ہے کہ اظہار نزاکت کے لیے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

② اور دوسری صفت ان کی یہ ہے کہ بڑے سلیم الطبع اور حلیم الطبع ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب نادان لوگ ان سے کوئی جہالت اور نادانی کی بات کرتے ہیں جس میں جھگڑے اور فساد کا اندیشہ ہو تو یہ لوگ صاحب سلامت کر کے ان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی نادان ان کو ناشائستہ بات کہے تو اس کے جواب میں نرم اور ملائم بات کہہ کے الگ ہو جاتے ہیں۔ ان سے لڑتے نہیں اور ان سے منہ ہی نہیں لگتے تاکہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نادان ان سے الجھنا چاہے تو وہ پہلو بچا کر نکل جاتے ہیں۔

③ اور عباد رحمٰن کا دن تو اس طرح گزرا اور رات میں ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے لیے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ یعنی نماز میں کبھی کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی سربسجود ہیں۔

کما قال تعالیٰ: ﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴾ (الذاریات:۱۷)... ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ﴾ (سجدہ:۱۶)

④ اور ایک صفت ان کی یہ ہے کہ باوجود شب بیداری کے ان پر خوف خداوندی اس قدر غالب ہے کہ وہ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذابِ جہنم کو پھیر دیجیے۔ بے شک عذاب جہنم دائم اور لازم ہے اس سے خلاصی ممکن نہیں جس طرح قرض خواہ قرض دار کو چمٹ جاتا ہے اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا اس طرح دوزخ کا عذاب گناہ گاروں کو چمٹے گا گویا وہ اس کے مقروض ہیں۔ نیز وہ دوزخ بلاشبہ بری قرارگاہ اور بری قیامگاہ ہے جو ہر قسم کی مصیبت اور ہر قسم کی ذلت کا مخزن ہے اس سے برا ٹھکانا کوئی نہیں۔ دوزخ گنہگاروں کے لیے چند روزہ قرارگاہ ہے اور کافروں کے لیے دائمی قیام گاہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان عباد رحمٰن پر خدا کا خوف اس درجہ غالب ہے کہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں ان کو نہ اپنے پر وثوق ہے اور نہ ناز ہے ناز کی بجائے غلبہ نیاز کا ہے۔

⑤ اور نعمت مال کے استعمال میں عباد الرحمٰن کی صفت یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ بیجا خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ اسراف اور بخل کے بین بین ہے۔ اسراف کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں حدود شریعت سے تجاوز کرنے کے ہیں کہ جس جگہ شریعت نے خرچ کرنے کی ممانعت کی ہے۔ وہاں خرچ کرنا یہ اسراف ہے مثلاً گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا یا نام ونمود کے لیے خرچ کرنا یہ اسراف ہے اور تنگی اور کمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کے حقوق واجبہ نہ ادا کرے اور شریعت نے ان دونوں باتوں کو یعنی اسراف اور بخل کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ (بنی اسرائیل:۲۹) پسندیدہ امر اعتدال اور توسط ہے۔ مسند احمد میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

((من فقه الرجل قصدهٗ فی معیشة)). "اپنی معیشت میں توسط اور اعتدال کو ملحوظ رکھنا آدمی کی دانائی ہے۔"

اور مسند احمد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ما عال من اقتصد)). "محتاج نہیں ہوا وہ شخص جس نے خرچ میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا۔"

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے عباد رحمٰن کی پانچ صفتیں ذکر کیں اور یہ پانچوں صفتیں، طاعتیں تھیں جن کو وہ بجالاتے تھے اب آئندہ آیت میں معاصی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ شرک اور معصیت سے بچتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

⑥ اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے یعنی شرک نہیں کرتے صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور توحید اور اخلاص سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ غیر اللہ کو معبود ٹھہرانا قوت وہمیہ کا اثر ہے۔ اور قتلِ ناحق قوت غضبیہ کا اثر ہے اور زنا قوتِ شہویہ کا اثر ہے جیسا کہ آئندہ آیات میں ان دونوں کا ذکر آتا ہے۔

⑦ اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نہیں مار ڈالتے اس جان کو جس کے مارنے کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ جیسے مسلمان کی جان یا کافر ذمی کی جان مگر حق کے ساتھ۔ یعنی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے مگر حق کے مطابق قتل کرتے ہیں۔ حق کے مطابق قتل کرنے کا مطلب

یہ ہے کہ جس قتل کی شریعت نے اجازت دی ہو وہ قتل حق ہے، جیسے مرتد کا قتل کرنا اور بطور قصاص کسی کو قتل کرنا اور رہزنوں اور فتنہ پردازوں کو قتل کر دینا اور پھانسی دینا اور شادی شدہ زانی کا قتل کرنا اور جہاد میں کافروں کو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب قتل حق ہیں۔ بحق شرع ان کے قتل کرنے کا حکم ہے یہ قتل معصیت نہیں بلکہ عبادت ہے۔ بلا وجہ شرعی کسی کو مارنا یہ قتل ناحق ہے۔

کہ بے شرع آب خوردن خطا است   وگر خوں بفتویٰ بریزی رواست

⑧ اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے، کسی کی عورت سے زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا بدترین گناہ ہے۔

اب آئندہ آیت میں ان افعال قبیحہ کے مرتکب کو سزا کی وعید سناتے ہیں اور توبہ کرنے والوں سے معاف کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو شخص یہ کام کرے جنکا اوپر ذکر ہوا یعنی شرک کرے یا قتل ناحق کرے یا زنا کرے تو اپنے کیے ہوئے کے وبال کو پاوے گا اور اس کی سزا بھگتے گا۔ اور اپنے فعل کی سزا پاوے گا۔ قیامت کے دن اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔ قرآنِ کریم کی دوسری آیتوں میں آیا ہے کہ کفار کے حق میں عذاب دمبدم زیادہ ہوتا رہے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ﴾ (النحل:۸۸)

مگر جس نے کفر اور شرک اور معصیت سے توبہ کی یعنی اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لیے عہد کیا کہ اب آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور نیک کام کیے سب سے بڑا نیک کام یہ ہے کہ یہ عزم مصمم کرے کہ تاحیات شریعت پر عمل کروں گا۔ تو ایسے لوگوں کے لیے جہنم کا دائمی عذاب نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا جب اس نے اپنی برائیوں کو ندامت اور شرمساری سے بدلا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا اور ان کے عذاب کو ثواب سے بدل دیا۔ قیامت کے دن توبہ کرنے والے کو خدا کے فضل و رحمت سے ہر بدی کے بدلے نیکی ملے گی اور یہ مضمون متعدد احادیث سے ثابت ہے یا بدل دینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے بدلے نیکیوں کی توفیق عطاء کرے گا اور گزشتہ گناہوں کو معاف کر دے گا یا یہ معنی ہیں کہ سچی توبہ کی برکت سے خدا تعالیٰ اس کا مزاج ہی بدل دے گا کہ بجائے گناہوں کے نیکیوں کی طرف دوڑنے لگے گا۔ جو نافرمان غلام جرم کے بعد اپنے کیئے پر شرمسار ہو کر آقا کے قدموں پر جا گرے تو ساری ناراضی مبدل برضاء وخوشنودی ہو جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ توبہ حقیقی توبہ ہو۔ سیاسی توبہ نہ ہو کہ محض زبان سے یہ کہے کہ میں اپنے الفاظ کو واپس لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے جس درجہ کی توبہ اور ندامت ہوگی اسی درجہ کی مغفرت اور رحمت ہوگی۔

ان آیات میں کافر کے گناہوں کا ذکر تھا جو اس نے بحالت کفر کیے اور پھر ایمان لے آیا اب آئندہ حالتِ اسلام میں گناہوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو حالتِ اسلام میں گناہ کر بیٹھے تو جب بھی توبہ کرے گا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو بھی گناہوں سے توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ بیشک رجوع ہوتا ہے اللہ کی طرف اچھا رجوع ہونا اور ظاہر ہے جو نور السماوات والارض کی طرف رجوع کرے گا تو اس کی ظلمتیں مبدل بانوار ہو جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں کافر کی توبہ کا ذکر تھا اور اس آیت میں مؤمن کی توبہ کا ذکر فرمایا۔ جس سے توبہ کا مضمون مکمل ہو گیا اور عباد رحمٰن کے اوصاف کا تتمہ ہو گیا کہ یہ خدا کے خاص بندے اگرچہ طاعات کے بجالانے والے اور معصیت سے بچنے والے ہیں لیکن اگر بمقتضائے بشریت ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتے ہیں۔ اب

آگے پھر انہی عبادرحمٰن کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔

⑨ اور منجملہ ان کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ یا یہ معنی ہیں کہ وہ کسی بیہودہ اور باطل اور خلاف شرع کام کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے۔ جیسے یہود اور نصاریٰ اور کافروں کی عیدوں میں یا ان کے میلوں میں یا ناچ گانے کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور نہ کسی نوحہ اور ماتم کی مجلس کے قریب جاتے ہیں یعنی خود گناہ کرنا تو در کنار گناہ کی مجلس میں بھی شامل نہیں ہوتے۔ گناہ کو دیکھنا اور گناہگاروں کو دیکھنا یہ بھی گناہ ہے جس طرح خلافِ قانون کمیٹی میں شرکت ممنوع ہے اسی طرح خلافِ شریعت مجلس میں بھی شرکت اور حاضری ممنوع ہے اور اگر اتفاقاً بلا قصد کسی لغو اور بیہودہ چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو کریمانہ انداز سے گزر جاتے ہیں تا کہ اس لغو و باطل کا میل کچیل یا اس کا گرد و غبار ان کے لباسِ تقویٰ کو آلودہ نہ کر دے۔ ایسی جگہ ٹھہرتے بھی نہیں اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یعنی گناہ میں شامل نہیں ہوتے اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں۔ (موضح القرآن) کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ (القصص:۵۵)۔

⑩ اور وہ بندگان حق وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو ان کے پروردگار کے قرآن کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی غور و تدبر کے ساتھ ان کو سنتے ہیں اور ان کو سن کر روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اندھے اور بہروں کی طرح نہیں سنتے کہ نہ یاد رکھیں اور نہ سمجھیں۔ برخلاف کافروں کے کہ ان پر آیاتِ الٰہیہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے کفر اور طغیان اور سرکشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ کافر تو اندھے اور بہروں کی طرح کہ گویا کہ انہوں نے آیاتِ الٰہیہ کو نہ کچھ سنا اور نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سمجھا اور عبادرحمٰن کا حال یہ ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کو خوب غور اور تامل سے سنتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کافروں کی طرح اندھے اور بہرے نہیں بلکہ آیات الٰہیہ کو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم بصیرت سے ان کے جلوہ کو دیکھتے ہیں۔

اور بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ وہ آیتوں کو سن کر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی ان کا گرنا بے سمجھے بوجھے نہیں ہوتا بلکہ ان کا سمجھنا اور بوجھنا ان کے گرنے کا باعث ہوا۔ وعظ و نصیحت نے ان کے دل میں جو اثر کیا اس کا منشاء یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو خوب سمجھا مؤمن کو چاہیے کہ اپنے ہر کام میں بیداری اور بصیرت پر ہو۔

⑪ اور عبادرحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ جب خود ان کو کمال حاصل ہو گیا تو اپنے متعلقین کی تکمیل کی فکر میں پڑے کہ جو کمالات اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے وہ ان کی ذات تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ دوسروں تک بھی متعدی ہوں اس لیے وہ عبادرحمٰن یہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی ہم کو بیویاں اور اولاد نیک عطاء فرما جن کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، مؤمن کی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کی طاعت میں دیکھے اللہ کی طاعت سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں باقی دُنیا کی تمام نعمتیں اور مسرتیں سب اس کے بعد ہیں۔

اور یہ دعا کرتے ہیں: کہ اے اللہ! ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنادے یعنی ہم کو ایسا کامل متقی اور پرہیز گار بنادے کہ دوسرے لوگ نیکی اور تقویٰ میں ہماری پیروی کریں تا کہ ہمارا وجود دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنے تا کہ تیری بارگاہ میں ہمارے درجے اور بلند

ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہمارے خاندان کو خود بھی ہدایت ہو اور دوسروں کے لیے ہم کو ہادی بنا دے کہ مجھ کو اور میرے خاندان کو دیکھ کر لوگ تقویٰ اور طہارت میں پیروی کریں ہماری ہدایت ہماری ذات تک محدود نہ رہے بلکہ غیروں تک بھی پہنچے تا کہ تیری بارگاہ سے بیش از بیش اجر و انعام حاصل کر سکیں صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزوں سے۔

ایک فرزند صالح جو اس کے لیے دُعا کرے۔ دوسرے علم کہ جس سے اس کی موت کے بعد نفع اٹھایا جاوے (جیسے تصنیف و تالیف) اور تیسرے صدقہ جاریہ (جیسے وقف اور مسجد اور مدرسہ دینیہ اور کنواں اور مسافر خانہ اور قرآن شریف اور دینی کتابیں) ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

یہاں تک عباد رحمٰن کے اوصاف کو بیان کیا اب آگے ان کی حسنِ جزا اور درجات عالیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو آخرت میں ان کو عطاء ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو ارحم الراحمین کے فضل اور رحمت سے بہشت میں رہنے کے لیے بالا خانے عطاء کیے جائیں گے بوجہ اس کے کہ وہ اللہ کے دین اور اس کی طاعت پر ثابت قدم رہے اس صبر کے صلہ میں ان کو عالی شان محل اور بالا خانے ملیں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں بڑا صبر کیا۔ طاعات کی مشقتوں پر اور شہوات کے چھوڑنے پر صبر و تحمل سے کام لیا۔ اس صبر کے صلہ میں ان کو جزا ملے گی اور پائیں گے وہ بہشت میں دعاء زندگی اور سلامتی کو یعنی جنت میں بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ داخل ہوں گے فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو دُعا دیں گے اور سلام کریں گے۔ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (الرعد: ۲۴)۔ یعنی فرشتے ان کو مبارکباد دیں گے اور سلام کریں گے اور ان کو لے کر جنت میں پہنچا دیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ تحیہ تعظیم و دعا تو فرشتوں کی جانب سے ہوگا اور سلام حق تعالیٰ کی جانب سے ہوگا ہمیشہ اسی بہشت میں رہیں گے اور بلاشبہ نہایت عمدہ آرام گاہ اور قیام گاہ ہے اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکوں سے یہ کہہ دیجیے کہ عباد رحمٰن طاعت اور عبادات اور اعمالِ صالحہ کے سبب سے ان مراتب اور منازل تک پہنچے۔ میرا پروردگار تمہاری کیا پرواہ کرے گا اگر تم اس کی عبادت نہ کرو اور نہ اس سے دعا اور التجا کرو۔

پس جب تم کو خدا کی پرواہ نہیں تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے خدا سے لاپرواہی تکبر ہے جس پر سزا کا ملنا لازمی ہے۔

پس تم اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر چکے ہو پس عنقریب یہ تکذیب تم کو وبالِ جان بن کر چمٹے گی خواہ اس دنیا میں جیسا کہ بدر وغیرہ میں تم کو اس کی سزا ملے گی یا آخرت میں۔ اور وہ ظاہر ہے اور آخرت کی سزا سے تو کسی طرح چھٹکارا ہی نہ ہوگا ظاہر یہ ہے کہ ''لزام'' سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ لزام سے دنیوی عذاب مراد ہے جیسا کہ بدر کے دن ستر سردارانِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مارے گئے اور ذلت اور حقارت کے ساتھ بدر کے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔

الحمد للہ! آج بروز سہ شنبہ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ بوقت اذانِ ظہر سورۂ فرقان کی تفسیر سے فراغت پائی۔
اے اللہ! اپنی رحمت سے باقی تفسیر کے لکھنے کی بھی توفیق عطاء فرما۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ○ وعلینا معہم یا ارحم الراحمین ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ شعراء

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورت شعراء مکی ہے اس میں دوسو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں شعراء کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوئی۔ شعراء کا ذکر اس لیے کیا تاکہ شعراء اور انبیاء علیہم السلام میں فرق ظاہر ہو جائے کہ نبی منبع ہدایت ہوتا ہے اور شاعر مصدر غلوات ہوتا ہے۔ گزشتہ سورت کی طرح یہ سورت بھی مکی ہے۔ گزشتہ سورت میں مشرکین اور منکرین نبوت کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب دیئے مشرکین کے اعتراضات اگرچہ جاہلانہ اور معاندانہ تھے مگر آنحضرت ﷺ کو بمقتضائے شفقت ورأفت ان کے اس معاندانہ رویہ سے رنج اور صدمہ ہوتا آپ کی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں۔ اس لیے اس سورت کے شروع میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ﷺ اس غم اور صدمہ میں گھٹ کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ بعد ازاں آپ ﷺ کی تسلی کے لیے چند انبیاء اولوالعزم کا اور ان کی سرکش اُمتوں کا تذکرہ کیا اور بتلا دیا کہ ان سرکشوں کی اس قسم کی معاندانہ باتیں نئی باتیں نہیں۔ پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اس لیے اس سورت کے شروع میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کی اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی اور معاندین اور مستہزئین کی تہدید کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص اور مواعظ بلیغہ ذکر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لیے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لیے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے پھر اخیر سورت میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی پھر اس کی حقانیت پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس کتاب کا ذکر زُبراولین اور صحائف انبیاء سابقین علیہم السلام میں مذکور اور موجود ہے پھر قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی۔ پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی اور اس کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ اوّل یہ کہ ملاء اعلیٰ تک جو محل نفاذ احکام الٰہیہ ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ لہٰذا یہ قرآن نہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ایک روشن کتاب ہے جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوتا ہے اور ہدایت خلق اور اصلاح اخلاق واعمال کے لیے نازل ہوئی اور شعر کو اور سحر کو ہدایت اور اصلاح اخلاق واعمال سے کیا تعلق؟

آیاتُها ۲۲۷ (۲۶) سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ (۴۷) رُكُوعَاتُهَا ۱۱

سورۂ شعراء مکی ہے اور اس میں دوسو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا

یہ آیتیں ہیں کھول سنائی کتاب کی۔ شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس پر کہ

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

وہ یقین نہیں کرتے۔ اگر ہم چاہیں اتار دیں ان پر آسمان سے ایک نشانی، پھر رہ جاویں

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی۔ اور نہیں پہنچتی ان پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا

نئی، جس سے منہ نہیں موڑتے۔ سو یہ جھٹلا چکے، اب پہنچے گی ان پر حقیقت

مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھتے زمین کو کتنی اگائی ہم نے اس میں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ہر بھانت بھانت چیزیں خاصی؟ اس میں البتہ نشان ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں

مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ ع

مانے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

ذکرِ حقانیت کتابِ مبین وتہدید معاندین ومستہزئین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② ... الی ... وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨﴾

ربط: گزشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے ہوا اور اختتام مکذبین کی وعید پر ہوا۔ اسی طرح اس سورت کا آغاز حقانیت قرآن اور مکذبین کی وعید اور تہدید سے فرماتے ہیں: ﴿طٰسٓمّٓ﴾ واللہ اعلم بمرادہ۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی جس کا اعجاز اور سرچشمۂ ہدایت ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

اے نبی ﷺ! اگر یہ بدنصیب ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ ان کے غم میں کیوں گھٹے جاتے ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ ﷺ اپنی جان کو اس گھٹن میں ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والے کیوں نہیں بنتے جو شخص اپنے خویش واقارب کو آگ میں گرتا ہوا دیکھے تو لامحالہ اس کا دل بے چین ہو جائے گا۔ اسی طرح اللہ کا نبی جب یہ دیکھتا کہ یہ لوگ کفر کر کے جہنم میں گر رہے ہیں تو بے اختیار دل پر صدمہ ہوتا تو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت یہ نہیں کہ سب ایمان لے آئیں۔ ﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ (یونس:۹۹) لہٰذا آپ ﷺ اس حسرت میں اپنے آپ ﷺ کو ہلاک نہ کریں۔ ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ (فاطر:۸)... ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الکہف:۶) بیشک بمقتضائے شفقت ورحمت دل چاہتا ہے لیکن ایمان لانے پر مجبور کر دینا وہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں وہ ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے اپنے جلال اور قہر کی کوئی نشانی اتار دیں پھر ان گردن کشوں کی گردنیں اس نشانی کے سامنے جھکی ہی رہیں۔ یعنی ان کو مان لیں اور اس سے گردنیں نہ پھیر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی نشانی نازل کر دیں کہ اس کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں لیکن قضائے الٰہی جاری ہو چکی ہے کہ ایسی نشانی نازل نہیں کی جائے گی جو ایمان لانے پر مجبور کر دے' خلاصہ یہ کہ اللہ کی مشیت ان کے ایمان کے ساتھ متعلق نہیں ہوئی ہے لہٰذا آپ ﷺ کا ان کے ایمان کی حرص اور طمع میں پڑنا بے سود ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے عناد کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس خدائے رحمٰن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے تو یہ معاندین اس سے منہ پھیرنے والے ہو جاتے ہیں سو ان کا یہ اعراض اور یہ روگردانی شبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تحقیق یہ لوگ قرآن کو اور رسول کو جھٹلا چکے ہیں اور اس کو کھیل اور تمسخر بنا چکے ہیں اور اپنی تکذیب پر مُصِر ہیں پس عنقریب ان کے پاس اس چیز کی حقیقت ان کے سامنے آجائے گی۔ جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے یعنی ان کو اپنے استہزاء اور تمسخر کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور اگر ان لوگوں کو خدا کی وحدانیت اور کمال عظمت وقدرت میں کوئی تردد ہے تو کیا ان ہنسی اڑانے والوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے محض اپنی قدرت سے ہر قسم کے عمدہ اور قابلِ قدر گھاس اگائے ہیں۔ کسی مادہ یا ایتھر میں یہ قوت نہیں کہ وہ زمین سے مختلف قسم کے گھاس اُگا سکے یہ سب خداوند کریم کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ان انواع واقسام کو پیدا کیا۔ بیشک زمین سے اس طرح اگانے میں اللہ کے کمال قدرت وحکمت کی بڑی عظیم الشان نشانی ہے جو ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تمہاری زمین قلب میں جو استہزاء کا تخم موجود ہے' اللہ تعالیٰ اس خبیث تخم سے تمہارے لیے ذلت اور مصیبت کا کوئی درخت پیدا کر دے جیسے تخم کے مطابق زمین سے قسم قسم کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان کی

زمین قلب سے ان کے عقائد اور اعمال کے مناسب نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کی قدرت کی یہ نشانی نظروں سے مخفی نہیں اور لیکن ان معاندین میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں اللہ کے علم میں وہ قطعی کافر ٹھہر چکے ہیں اور بیشک تیرا پروردگار بڑا غالب اور قاہر ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ کافروں پر کوئی بلا نازل کرے اور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے کہ باوجود بے سروسامانی کے ان کو عزت اور غلبہ دے۔ لہٰذا جب حقیقت حال یہ ہے تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کافروں کے کفر کو اللہ کی حکمت اور اس کی مشیت کے حوالہ کریں اور ان پر کچھ غم اور حسرت نہ کریں۔

اس کے بعد آپ کی تسلی کے لیے سات پیغمبروں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ ان معاندین کا حال پہلی قوموں کے معاندین جیسا ہے ان کو کیسی ہی نشانیاں دکھلاؤ یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں لہٰذا آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔

① حضرت نوح عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نہایت درجہ کے صاحب صبر وتحمل تھے۔

② اور حضرت ابراہیم عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام صاحب جود وکرم تھے اور اللہ کے عشق اور محبت میں فنا تھے۔

③ اور حضرت داؤد عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام اصحاب شکر میں سے تھے کہ اللہ کی ظاہری اور باطنی اور دینی اور دُنیاوی نعمتیں ان پر مبذول ہوئیں مگر باوجود اس کے وہ شکرِ خداوندی میں غرق رہے اور منعم حقیقی سے غافل نہ ہوئے۔

اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ عَلَيْهِمُ السَّلَام اصحابِ زہد میں سے تھے اور نفس اور شہوت پر غالب اور قاہر تھے اور دنیائے حلال سے بھی کنارہ کش تھے اور حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَام شکر اور صبر دونوں کے جامع تھے۔ ضرّاء میں صبر کیا اور سرّاء میں شکر کیا اور حضرت یونس عَلَيْهِ السَّلَام صاحب تضرع وتخشع تھے۔ بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری اور توجہ اور مراقبہ اور ذکر وتسبیح ان کی خاص شان تھی۔

اور حضرت موسیٰ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام صاحبِ جاہ وجلال اور صاحب ہمت وشجاعت تھے بارگاہِ خداوندی میں ان کو خاص وجاہت اور قرب خاص اور اختصاص حاصل تھا۔ اور حضرت ہارون عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام فصاحت وبلاغت کے ساتھ صاحبِ رِفق ولین بھی تھے یعنی مزاج میں غایت درجہ نرمی تھی اور ہمارے نبی اکرم سرورِ عالم سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تمام فضائل وکمالات کے جامع تھے۔

فمبلغ العلم فيه انه بشر

و انه خير خلق الله كلهم

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزات عطا فرمائے جو ان کی نبوت کی دلیل بنے اور ان کی صداقت اور امانت کے شاہد اور گواہ بنے مگر انبیاء سابقین عَلَيْهِمُ السَّلَام کے معجزات ان کی نفس نبوت کے علاوہ تھے جو ان کی نبوت کی دلیل اور برہان تھے اور ہمارے نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے وہ بھی اکثر وپیشتر اسی قبیل سے تھے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے دعوائے نبوت کی دلیل اور برہان تھے مگر معجزۂ قرآن (جس کے ذکر سے اس سورت کا آغاز ہوا) جو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو عطاء ہوا وہ عین نبوت بھی تھا اور دلیل نبوت بھی تھا دیگر معجزات گزر گئے مگر معجزۂ قرآن اور علیٰ ہٰذا معجزۂ شریعت وہ تا ہنوز اسی طرح باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰؑ کو جا اس قوم گناہ گار پاس۔ قوم فرعون پاس۔

اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ؕ⑫ وَ يَضِيْقُ

کیا ان کو ڈر نہیں؟ بولاؑ اے رب! میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلاویں۔ اور رُک جاتا ہے

صَدْرِيْ وَ لَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬ وَ لَهُمْ عَلَيَّ

میرا جی اور نہیں چلتی میری زبانؒ سو پیغام دے ہارون کو۔ اور ان کو مجھ پر ہے

ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ⑭ ج قَالَ كَلَّا ج فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ

ایک گناہ کا دعویٰ۔ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں۔ فرمایا کوئی نہیں! تم دونوں جاؤ لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے

مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ⑯ اَنْ

سنتے ہیں۔ سو جاؤ فرعون پاس اور کہو ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا۔ کہ

اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ⑰ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا

چلاوے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ بولا ہم نے پالا نہیں تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا؟

وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۙ⑱ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ

اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس۔ اور کر گیا تو اپنا وہ کام جو

فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ⑲ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؕ⑳

کر گیا اور تو ہے ناشکر۔ کہا کیا تو ہے میں نے وہ اور میں تھا چوکنے والا۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ

پھر بھاگا میں تم سے۔ جب تمہارا ڈر دیکھا۔ پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو

الْمُرْسَلِيْنَ ㉑ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ㉒

پیغام پہنچانے والا۔ اور وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھے غلام کرؒ لیے تو نے بنی اسرائیل۔

قصۂ اوّل۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: ﴿وَ اِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴾ ۱۰ . . . الیٰ . . . ﴿اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ﴾ ۲۲

یہاں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصے ذکر کرتے ہیں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ جو مختلف مضامین پر مشتمل ہے مثلاً اثبات الوہیت و ربوبیت خداوندی اور اثبات نبوت و رسالت موسوی اور پھر اہلِ ایمان کی عجیب طریقے سے نجات اور کفار کی عبرتناک ہلاکت کے بیان پر مشتمل ہے۔

ذکر عطائے منصب نبوت و رسالت و حکمِ تبلیغ و دعوت

یہ قصہ اگرچہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بالتفصیل گزر چکا ہے لیکن یہاں پر ایک نئی شان سے اس قصہ کو ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان مستہزئین کی تہدید اور عبرت کے لیے اس وقت کا قصہ ذکر کیجیے جبکہ تیرے پروردگار نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور یہ حکم دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس جا۔ جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور خدا کے ماننے والوں یعنی بنی اسرائیل کو غلام بنایا جن کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ خدا کو کیوں مانتے ہیں اور پیغمبروں کے حکم پر کیوں چلتے ہیں کیا یہ ظالم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں۔ اس لیے اے موسیٰ علیہ السلام تم کو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے کہ تم جا کر ان کو حق کی دعوت دو اور اللہ کے عذاب سے ان کو ڈراؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: کہ اے میرے پروردگار! یہ ظالم تو کیا ڈرتے اے میرے رب تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں اور یہ کہیں کہ ہم تو رب العالمین ہی کے قائل نہیں اس کے لیے کسی رسول اور پیغمبر کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں اور طبعی طور پر میرا سینہ گھٹا جاتا ہے کہ ایسے سنگ دلوں کو اللہ کا پیغام کس طرح پہنچاؤں اور علاوہ ازیں میری زبان بھی اچھی طرح نہیں چلتی اس میں کچھ لکنت ہے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے پس آپ بذریعہ جبریل علیہ السلام نبوت و رسالت کا پیغام ہارون کے پاس بھیج دیجیے اور ان کو میرا وزیر بنا دیجیے۔ تاکہ وہ تبلیغ رسالت میں میری مدد کریں اور علاوہ ازیں میرے خوف کی ایک وجہ یہ بھی ہے ان کا مجھ پر ایک گناہ کا دعویٰ ہے میں نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے جس کا قصہ سورۂ قصص میں آئے گا سو اس لیے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تبلیغ رسالت سے پہلے ہی مجھ کو اس قبطی کے عوض میں قتل نہ کر ڈالیں ایسی حالت میں کس طرح تیرا پیغام پہنچاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی تم کو قتل کر ڈالے لہٰذا تم ہرگز نہ ڈرو۔ پس تم دونوں ہماری نشانیوں کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس جاؤ۔ نشانیوں سے وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے تھے جیسے عصا اور ید بیضاء کہ جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور صداقت کے نشان تھے پس ان نشانات کو لے کر بے خوف و خطر تم روانہ ہو جاؤ بے شک ہم اپنے لطف و عنایت و حمایت و حفاظت سے تمہارے ساتھ ہیں اور جو بات تمہارے اور فرعون کے درمیان میں ہوگی وہ ہم سے پوشیدہ نہ ہوگی ہم اس کے خوب سننے والے ہیں جو تم کہو گے وہ بھی سنیں گے اور جو وہ کہے گا وہ بھی سنیں گے۔ پس تم دونوں بے خوف و خطر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کے سوالات سے مت گھبراؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں اس کا پیغام لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے تو رب العالمین کی ربوبیت پر اور اس کے رسولوں کی رسالت پر ایمان لا اور بعد ازاں بنی اسرئیل کو کہ جو رب العالمین کی ربوبیت اور اس کے

رسولوں کی رسالت پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور محض اس ایمان کی وجہ سے تو نے ان کو اپنے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا ہوا ہے اس ظلم سے باز آجا اور ان سے دست بردار ہو جا اور ان کو ہمارے ساتھ بھیج دے تا کہ وہ اپنے آبائی اور جدی مقام یعنی سرزمین شام میں چلے جاویں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے تو ایک سال تک فرعون کے دربار میں ان کو رسائی نہ ہوئی آخر فرعون کے دربار میں ایک سال کے بعد آپ کو رسائی ہوئی۔ دربان نے فرعون سے جا کر کہا کہ یہاں ایک انسان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا کہ اچھا اس کو اندر آنے کی اجازت دے دو۔ کچھ ہنسی اور دل لگی کرنے لگے چنانچہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں اندر داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۹۴ ج ۱۳)

موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لیے دیکھ کر ان کو پہچان لیا اور بچشمِ حقارت ان کی طرف نظر کر کے بولا کیا ہم نے تجھ کو اپنے گھر میں نہیں پالا۔ درآنحالیکہ تو ایک نومولود بچہ تھا اور تو نے اپنی عمر کے سالہا سال ہم میں گزارے ہیں۔ اٹھارہ یا بیس سال۔ اور پھر تو نے وہ کردار کیا جو تو نے کیا یعنی جو تجھے معلوم ہے مطلب یہ تھا کہ تو نے ہمارے گھر میں پرورش پائی اور جوان ہوا اور پھر اس احسان کے بدلہ میں ہماری قوم کے ایک آدمی یعنی قبطی کو مار ڈالا اور احسان فراموشی کی اور تو ہماری نعمت کی ناشکری کرنے والوں میں سے ہے۔ اب تو ہمارے احسانات کو بھلا کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگا ہے اور چاہتا یہ ہے کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں اور تیرے تابع اور فرمانبردار بن جائیں۔ فرعون نے اوّل موسیٰ علیہ السلام کو اپنا احسان یاد دلایا تا کہ وہ شرمائیں اور بعد ازاں ان کا ایک جرم یعنی قبطی کو قتل کرنے کا واقعہ یاد دلایا تا کہ ڈریں اور گھبرائیں کہ میں فرعون کا مجرم بھی ہوں اور ممنون احسان بھی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دوسری بات کا پہلے جواب دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس ناسپاسی کے الزام میں کہا کہ بے شک میں نے وہ کام کیا اور میں اس وقت غلطی کرنے والوں میں سے تھا۔ یعنی میں نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا۔ تنبیہ اور تادیب کی غرض سے اس کے ایک مکا مارا تھا جس سے دفعتًہ وہ مر گیا مجھے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ وہ ہٹا کٹا ایک مکّا لگتے ہی مر جائے گا وہ کام مجھ سے نادانستہ ہو گیا جان بوجھ کر میں نے نہیں کیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکّا مارنے سے ایک دم اس کا دم نکل جائے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ﴾

پس جب میں تمہارے ظلم وستم سے ڈرا تو تم میں سے بھاگ نکلا اور مدین چلا گیا حالانکہ جو فعل مجھ سے نادانستہ طور پر ہو گیا تھا وہ اس درجہ کا نہ تھا کہ اس سے ڈر کر بھاگا جائے لیکن تمہارے ظلم وستم اور جوشِ عداوت اور بے عقلی نے مجھ کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تم ظالموں سے نجات دی۔ اللہ کا ایک انعام تو یہ ہوا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دوسرا انعام یہ فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو خاص علم وحکمت اور خاص فہم وفراست عطا کیا اور مجھ کو پیغمبروں میں سے بنایا کہ رب العالمین کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو علم وحکمت دے کر اور رسول بنا کر بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا اگر تو نے مانا تو سلامت رہے گا ورنہ ہلاک ہوگا۔

فرعون کے دوسرے الزام کا جواب

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا احسان جتلایا تھا ﴿ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا ﴾ اس کا جواب تو موسیٰ علیہ السلام نے وہ دیا کہ جو

گزر گیا اب اس کے دوسرے الزام کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور وہ تربیت اور پرورش جس کا تو ذکر کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ نعمت ہے اور نعمت کا احسان مجھ پر رکھتا ہے اس کو جتلا رہا ہے وہ درحقیقت نعمت اور احسان نہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور ان کی نرینہ اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس خوف سے میری ماں نے مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا جو اتفاق سے تجھ تک پہنچ گیا اور تو نے مجھ کو لے کر اور بیٹا بنا کر پال لیا اس طرح کئی سال میں تیری پرورش میں رہا۔ تو اس تربیت کی اصل علّت تیرا ظلم وستم اور شقاوت اور قساوت ہے اگر تو بنی اسرائیل کے بچوں کے ذبح کا حکم نہ دیتا تو میری ماں مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں نہ ڈالتی اور مجھے تیری پرورش کی ضرورت نہ ہوتی تمام بنی اسرائیل پر تیرا جبر وقہر اور تیرا یہ بے مثال ظلم وستم میرے حق میں تیرے اس احسان کا سبب بنا تو یہ کوئی احسان نہیں کہ جس کو تو جتلا رہا ہے۔ اس احسان کا سبب تیرا وہ بے مثال ظلم وستم ہے جو میری ولادت سے بھی مقدم ہے لہٰذا ایک فرد واحد کی تربیت پوری قوم کی عبدیت کے جواز کی کیسے دلیل بن سکتی ہے۔ تو نے مجھ کو اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ پرورش تو بعد میں کی اور میری قوم کو میری پیدائش سے پہلے ہی غلام بنا چکا تھا' جس رب العالمین نے مجھ کو تیرے زہرہ گداز مظالم سے بچا کر تیرے ہی گھر میں میری پرورش کرائی ہے اسی رب العالمین نے مجھ کو تیری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود

قصۂ فرعون زیں افسانہ بود

اور اسی رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان جتلا رہا ہے۔ ہیچ ہے تو مردہ ہے میں تیرے لیے ہدایت کا تریاق لے کر آیا ہوں ایک گھونٹ پی لے زندہ ہو جائے گا۔

تُو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تُو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنا لیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت ورسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تُو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے تو تُو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے رسول بھیجا ہے تو تُو اس کی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے آبِ حیات دے کر بھیجا ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی پینے کے لیے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ

بولا فرعون' کیا معنی جہان کا صاحب؟ کہا صاحب آسمان و زمین کا' اور

مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾

جو ان کے بیچ ہے۔ اگر تم یقین کرو۔ بولا اپنے گرد والوں سے تم نہیں سنتے ہو؟

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ

کہا صاحب تمہارا اور صاحب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔ بولا تمہارا پیغام والا جو

اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا

تمہاری طرف بھیجا ہے سو باؤلا ہے۔ کہا رب مشرق اور مغرب کا اور جو

بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ

ان کے بیچ ہے اگر تم بوجھ رکھتے ہو۔ بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوا

لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ج

تو مقرر کر ڈالوں گا تجھ کو قید میں۔ کہا اور جو لایا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی؟

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ

بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے۔ پھر ڈال دی اپنی لاٹھی تو اسی وقت وہ

ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ ۚۖ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۲ ۲۴ ۲

ناگ ہو گئی صریح۔ اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت چٹا ہے دیکھنے والوں کے سامنے۔

مکالمۂ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام با فرعون دربارۂ ربوبیت خداوندِ کون

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ ... الٰى ... فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾

فرعون اس گفتگو میں ذلیل وخوار ہوا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول ﴿اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی ہم دونوں اللہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں یعنی ان کے دعوائے نبوت پر اعتراض شروع کیا۔ اور اللہ رب العالمین کی ربوبیت میں جھگڑا لگانے لگا۔ چنانچہ فرعون بولا: اچھا بتاؤ کہ وہ رب العالمین جس کے رسول ہونے کا تو مدعی ہے وہ کیا چیز ہے وہ کون ہے اور کیا ہے تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم رب العالمین کے رسول مرسَل ہیں یعنی اس کے فرستادہ ہیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ اوّل اپنے مرسِل (بھیجنے والے پروردگار) کو بتلاؤ کہ وہ کون ہے اور کیا چیز ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب العالمین کی عبادت اور اطاعت کی طرف بلایا اس لیے اس لعین نے پہلے رب العالمین کے متعلق سوال شروع کیا کہ اوّل تو تم اس کی الوہیت اور ربوبیت کو ثابت کرو تمہاری نبوت اور رسالت کے بارہ میں تو بعد میں غور کیا جائے گا۔

فرعون دہری تھا سرے سے خدا کے وجود کا منکر تھا وہ یہ کہتا تھا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ﴾ میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانتا اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ تمام ملک کے باشندے میرے محتاج ہیں لہٰذا میں ہی تمہارا خدا ہوں۔ فرعون دہری (منکرِ خدا) تھا کسی خدا اور خالق کا قائل نہ تھا اس احمق نے خدا کے معنی یہ سمجھ رکھے تھے کہ لوگ جس کے محتاج ہوں وہی ان کا خدا ہے جاہلوں کو یہ باور کرایا کہ ملک کا جو بادشاہ اور فرمانروا ہے وہی رعایا کا ربِّ اعلیٰ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ﴾ فرعون دہری تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آسمان و زمین اور یہ تمام عالم قدیم ہے ازل سے ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلا آ رہا ہے اور ابدالآباد تک اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا اور عالم میں موت اور حیات اور تغیرات کا جو سلسلہ جاری ہے وہ کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے کسی قادر مختار کی قدرت اور ارادہ کو اس میں دخل نہیں زمانۂ حال کے جدید فلاسفہ بھی اسی کے قریب قریب یہ کہتے ہیں کہ تنوعات عالم مادۂ قدیمہ اور اس کی حرکت قدیمہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خیالِ خام کا رد فرمایا۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب:

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رب العالمین کیا چیز ہے اور وہ کون ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العالمین جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مربی اور مدبر ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقین کر لو کہ جو میں نے کہا ہے وہ بالکل حق ہے کہ جو ذات عالم علوی اور عالم سفلی اور ان کے درمیان کائنات کی خالق اور مربی اور مدبر اور متصرف ہے وہی ذات رب العالمین ہے تم کو یقین ہے کہ یہ تمام اشیاء تمہارے سامنے موجود ہیں اور نہایت بڑے بڑے اجسام ہیں اور کمیت اور کیفیت اور صفت اور حالت کے اعتبار سے غایت درجہ مختلف ہیں اور یہ تمام اجسام اس قدر عظیم اور جسیم ہیں کہ ان کے اجزاء کی شمار عقلاً محال معلوم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا بے شمار اجزاء خود بخود مل کر خود بخود آسمان و زمین اور انسان اور حیوان بن گئے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ہر مرکب شئے کے لیے کوئی (ترکیب دینے والا چاہیے) پس جس ذات نے ان بے شمار اجزاء کو ترکیب دے کر اس عالم علوی اور سفلی کو بنایا اور جو ان کا مدبر اور ان میں متصرف ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو تو ایک حقیر اور ذلیل ہستی ہے تیرا رب ہونا عقلاً محال ہے۔ فرعون نے خدا کی جنس اور ماہیت سے سوال کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کی صفات اور آثار قدرت سے جواب دیا اس لیے فرعون یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ فرعون چونکہ وجود صانع کا قائل نہ تھا اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔

فرعون کا جواب:

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر اپنے پاس والوں سے بطور تمسخر کہنے لگا کہ سنتے بھی ہو کہ کیسا جواب ہے اور یہ شخص کیا کہہ رہا ہے بڑی عجیب بات کہہ رہا ہے کیا میرے سوا بھی تمہارا کوئی رب ہے اس شخص کا زعم یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا بھی کوئی رب ہے حالانکہ آسمان اور زمین تو قدیم ہیں ہمیشہ سے اسی طرح چلے آئے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے اور حرکت کرتے رہیں گے اس کے لیے کسی رب اور صانع کی ضرورت نہیں اور عالم کے تغیرات اور انقلابات نجوم اور کواکب کی حرکات مختلفہ کے آثار ہیں اس لیے عالم کے لیے کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں جیسا کہ فرقۂ دہریہ کا مذہب ہے۔ فرقۂ دہریہ کا مذہب یہ ہے کہ آسمان اور زمین سب قدیم ہیں اسی طرح فرعون نے اپنے ارکان دولت سراپا جہالت سے کہا کہ کیا تم لوگ غور سے نہیں سنتے کہ یہ شخص آسمانوں اور زمین کا رب بتلاتا ہے حالانکہ

آسمان وزمین سب قدیم ہیں ان کا کوئی رب نہیں یا کم از کم اب تک ہمارے نزدیک آسمان وزمین کا کسی رب اور کسی مدبر اور مؤثر کی طرف محتاج ہونا ثابت نہیں ہوا۔ (دیکھو تفسیر مظہری ص ۶۰ ج ۷)

جدید فلاسفہ اور قدیم فلاسفہ دونوں گروہ عالم کے قدیم ماننے میں شریک اور متفق ہیں۔ فرعون نے اپنی قوم کو مغالطہ دینے کے لیے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دوسرا جواب دیا جس میں فرعون کا یہ مغالطہ نہ چل سکے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا جواب:

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کے جواب میں یہ کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے آسمان وزمین کے بارے میں تو فرعون کا مغالطہ کچھ چل گیا کہ آسمان وزمین قدیم ہیں ہمیشہ ایک حال پر چلے آرہے ہیں انہیں کسی رب اور کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں اس لیے کہ لوگوں کو زمین وآسمان کی پیدائش کا حال معلوم نہیں کہ کب پیدا ہوئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دوسری بار ایسی دلیل پیش کی کہ جس میں ارکان دولت کو اور کسی سننے والے کو شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اس لیے دوسری بار یہ فرمایا کہ رب العالمین وہ ذات ہے کہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے اس لیے کہ یہ امر مشاہدہ سے سب کو معلوم ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ نہ فرعون تھا اور نہ اس کی قوم کا وجود تھا اور نہ ان کے آباؤ اجداد کا وجود تھا یہ تمام آباؤ اجداد اوّل پیدا ہوئے اور پھر اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر گئے۔ آسمان وزمین کی طرح آباؤ اجداد کو تو قدیم نہیں کہا جا سکتا اور نہ کوئی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آسمان وزمین کی طرح آباؤ اجداد بھی قدیم ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے تھے اور چند روز اس دنیا میں رہے اور اپنے وجود کی مدت پوری کر کے پھر پردۂ عدم میں جا چھپے اور زمین میں دفن ہو گئے۔

لہٰذا آباءِ اوّلین کا قدیم اور واجب الوجود ہونا تو عقلاً بھی محال ہے اور مشاہدہ کے بھی خلاف ہے ان سب کا عدم کے بعد وجود میں آنا اور پھر چند روزہ وجود کے بعد عدم میں چلے جانا سب کی نظروں کے سامنے ہے جس کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا۔ اور عدم سے وجود میں آنا بھی حقیقت حدوث کی ہے اور وجود کے بعد عدم میں چلا جانا بھی حقیقت فناء اور زوال کی ہے پس جس چیز کا حدوث اور فناء وزوال نظروں کے سامنے ہو اس کو قدیم اور واجب الوجود کہنا کھلی ہوئی حماقت ہے' آسمان وزمین کا حدوث اور ان کا فناء وزوال عام نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے آسمان وزمین کو تو ظاہر میں قدیم کہنے کی گنجائش ہے بھی' لیکن آباؤ اجداد کا حدوث اور فناء وزوال تو سب کی نظروں کے سامنے ہے کوئی نادان سے نادان بھی آباؤ اجداد کو قدیم اور واجب الوجود کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اے فرعون اسی طرح تو بھی پہلے زمانہ میں معدوم تھا بعد میں پیدا ہوا اب چند روز بعد آباؤ اولین کی طرح تجھے بھی موت آنے والی ہے۔ لہٰذا تو بھی حادث ہے اور فانی ہے کس برتے پر تو الوہیت اور ربوبیت کا دعوے دار بنا ہوا ہے خوب سمجھ لے کہ رب العالمین تو وہ ہے کہ جو دائم اور قدیم اور حیی لا یموت ہے جس کی بارگاہ میں عدم اور فناء کا کہیں گزر نہیں اے فرعون تجھے معلوم ہے کہ تو ایک طویل اور غیر محدود عدم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ نو مہینے تو نے مادرِ شکم میں گزارے ہیں اور چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے آباؤ اجداد کی طرح مر کر زمین میں دفن ہونے والا ہے تو پھر تو رب کیسے ہو سکتا ہے۔ تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دائرۂ سلطنت مصر سے باہر نہ تھا۔ اور میں جس رب کی عبادت کی طرف تم کو بلا رہا ہوں اس کی حکومت وسلطنت کا دائرہ مشرق ومغرب کو محیط ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا حادث ہونا یعنی عدم سے وجود میں آنا ایسا واضح اور روشن ہے کہ

جس کا تو انکار نہیں کر سکتا تو عقلاً ضروری ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہیے کہ جو اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے کیونکہ یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہ حادث چیزیں یعنی تو اور تیرے آباؤ اجداد خود بخود تو عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آ گئے پس اے فرعون جو ذات تجھ کو اور تیرے آباء اوّلین کو عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو اور تیرے آباؤ اجداد اجسام مرکبہ ہیں جو مختلف اجزاء سے مل کر بنے ہیں اور ذی حیات ہیں اور صاحب عقل ہیں اور پیدائش کے وقت سے لے کر مرنے تک عجیب وغریب تغیرات ان کو لاحق ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ تمام خود بخود بلا کسی مرکب (ترکیب دہندہ) کے خود بخود مرکب ہو گئے اور خود بخود ان میں حیات اور عقل آ گئی اور خود بخود جوان ہو گئے اور خود بخود بوڑھے ہو گئے اور خود بخود بیمار اور تندرست ہو گئے اور خود بخود مر گئے اور خود بخود جا کر قبروں میں لیٹ گئے۔ لامحالہ اس ہیئت ترکیبیہ کے لیے کوئی مرکب چاہیے اور ان تغیرات کے لیے کوئی مغیر چاہیے اور ان تاثرات کے لیے کوئی مؤثر چاہیے پس جس ذات بابرکات کے ہاتھ میں تیرے اور تیرے آباؤ اجداد کے تغیرات اور تنوعات اور ان کے وجود اور عدم کی باگ ہے اور تیری اور تیرے آباؤ اجداد کی موت وحیات جس کے اختیار میں ہے وہی ذات رب العالمین ہے اور اسی رب العالمین نے مجھ کو رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے اور جس طرح تیرے آباؤ اجداد کے اجسام حادث اور فانی ہیں اور اپنے حدوث اور وجود میں صانع کے محتاج ہیں اسی طرح آسمان وزمین بھی اجسام حادثہ اور فانیہ ہیں اپنے حدوث میں پروردگار کے محتاج ہیں اور فلسفۂ جدیدہ یہ کہتا ہے کہ زمانے کے تنوعات اور تغیرات مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ جدید فلسفہ کی تحقیق اور فرعون کے قول میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کا جواب:

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب حکمت مآب سن کر گھبرا اٹھا اور اس کو ڈر ہوا کہ اس دلیل کو سن کر میری قوم شک میں نہ پڑ جائے تو اپنے حاشیہ نشینوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنا رعب جمانے کے لیے جھلا کر یہ بولا کہ اے لوگو بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یعنی جو اپنے آپ کو رب العالمین کا رسول بتلاتا ہے یہ یقین جانو کہ وہ بلاشبہ دیوانہ اور باؤلا ہے اس کی بات پر کان نہ دھرنا۔ حالانکہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعقل الناس ہو اور یہ شخص تو بالکل مجنون اور بے عقل ہے کہ موت اور حیات کو اور حوادث زمانہ کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثیہ: ۲۴)

یعنی موت اور حیات کا سلسلہ قدیم سے اسی طرح چلا آ رہا ہے اور یہ سب زمانہ کے تنوعات اور تغیرات اور انقلابات ہیں جو کواکب اور نجوم کی تاثیر سے اور بقول جدید فلاسفہ مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں اور یہ دیوانہ ان تمام تغیرات اور تنوعات کو خدا کی طرف نسبت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تیسرا جواب:

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ شخص تو کواکب اور نجوم کی تاثیر پر شیدا اور فریفتہ ہے اور کواکب اور نجوم کی حرکات کو تغیرات عالم کی علت سمجھتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں اب تیسری حجت پیش کی کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو رب ہے مشرق کا اور مغرب کا اور ان کے تمام درمیانی چیزوں کا یعنی رب العالمین وہ ہے کہ جو مشرق اور مغرب کا مالک ہے اور طلوع اور غروب کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب سب اس قادر حکیم کی تقدیر محکم سے ہے جس سے عالم کا نظام قائم ہے۔ نادان سے نادان بھی ان

حوادث یومیہ کو قدیم بالعرض اور قدیم بالزمان کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اگر تمہیں کچھ عقل ہے تو سمجھ لو کہ یہ فرعون جو مدعی ربوبیت بنا ہوا ہے ایک محدود خطۂ زمین کا فرمانروا ہے جس کا حکم مدین میں بھی نہ چلتا ہو یہ کیسے رب ہو سکتا ہے۔ رب العالمین تو وہ ہے کہ جس کے حکم سے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے اگر یہ فرعون اپنے دعوائے ربوبیت میں سچا ہے تو اس کا عکس کر کے دکھلا دے یا کم از کم طلوع اور غروب کے موجودہ نظام میں کچھ تغیر وتبدل ہی کر کے دکھلا دے عقل کی بات تو یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور تم ایسے بے عقل اور جاہل ہو کہ بتلانے اور سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے مقابلہ میں یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں یہ فرمایا تھا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ (البقرہ:۲۵۸) جدید فلسفہ یہ کہتا ہے کہ عالم کے انقلاب اور تغیرات مادہ کے ذرات بسیطہ کی دائمی حرکت اور باہمی امتزاج کے سبب سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ قول بھی فرعون کے قول سے ملتا جلتا ہے دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور مغرورانہ اور ظالمانہ تہدید

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر حیران اور دنگ رہ گیا اور گھبرا اٹھا اور دیکھا کہ میں اس حجت اور برہان کے جواب سے بالکل عاجز ہوں تو اپنی سلطنت کے زعم میں موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا شروع کیا اور یہ گمان نہ کیا کہ اس مغرورانہ تہدید سے معجزات قاہرات کے ظہور کا دروازہ کھلے گا اس لیے فرعون جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حجت قاہرہ کے جواب سے نا اُمید ہوا تو بولا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اگر تُو نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے بنا دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو خدائی جیل خانہ (جہنم) سے ڈراتے تھے اس لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قید خانہ سے ڈرایا۔ فرعون کا جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون نے ایک تنگ وتاریک جیل خانہ بنایا تھا کہ جو اس میں ڈالا جاتا تھا وہ وہیں مر جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال کر اُوپر سے منہ بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ اس میں مر جاتے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا فرعون کا یہ جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کے جواب سے عاجز ہوا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔

چو حجت نماند جفا جوئے را — بہ پرخاش برہم کشد روئے را

جیل خانہ کی دھمکی سے فرعون کا مقصود اپنی ربوبیت کی دلیل بیان کرنا ہے کہ چونکہ میں جیل خانہ میں ڈالنے پر قادر ہوں اس لیے میں تمہارا خدا اور ربِّ اعلیٰ ہوں۔ سبحان اللہ! کیا دلیل ہے جیل خانہ سے الوہیت اور ربوبیت تو ثابت نہیں ہو سکتی البتہ جہالت اور حماقت خوب ثابت ہو جاتی ہے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح دھمکایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نرمی سے فرمایا کہ دلائل ربوبیت تو آپ نے سن لیے۔ اب دلائل رسالت سنیے اور اپنے اس فیصلہ میں ذرا جلدی نہ کیجیے کیا آپ مجھے جیل خانہ میں ڈال دیں گے اگرچہ میں تیرے پاس ایسی واضح اور روشن چیز لے کر آیا ہوں جس سے صاف طور پر میری صداقت ظاہر ہو جائے اور رب العالمین کی ربوبیت اور الوہیت ظاہر ہو جائے تو کیا پھر بھی تیرا یہی فیصلہ رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں نرمی برتی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی تا کہ الوہیت اور ربوبیت کے مسئلہ کے بعد نبوت ورسالت کے مسئلہ میں مکالمہ اور مناظرہ کا دروازہ کھلے اور پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی وہ حجت اور برہان سے مغلوب اور مقہور ہو جائے اور کم از کم دل سے ماننے پر تو مجبور ہو جائے اس لیے فرمایا ﴿اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ﴾ اس جواب کے

بعد یعنی کیا اگر میں اپنی رسالت کی کوئی روشن دلیل تیرے سامنے پیش کروں تو کیا تو میری رسالت کو قبول کرے گا۔ فرعون شرما کر بولا کہ اچھا وہ روشن دلیل لا اگر تو سچوں میں سے ہے اگر روشن دلیل سے تیری صداقت ظاہر ہو جائے تو ہم تجھے قید نہیں کریں گے پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت اور صداقت ثابت کرنے کے لیے دو معجزے دکھلائے ایک معجزۂ عصا اور دوسرا کرشمۂ ید بیضاء چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ پس وہ ڈالتے ہی صاف اور صریح اژدہا تھا۔ یعنی حقیقتاً اور بلاشبہ اژدہا بن گیا جب وہ عصا سانپ بن کر لہرانے لگا فرعون اور تمام درباری حواس باختہ ہو کر بھاگ اٹھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پیشاب پاخانہ بھی خطا ہو گیا۔ دعوائے خدائی کی ساری قلعی کھل گئی موسیٰ علیہ السلام نے از راہِ تلطف اپنے عصا کو زمین سے اٹھالیا تو وہ پہلے کی طرح پھر عصا ہو گیا۔ اس کے بعد جب ہوش و حواس کچھ واپس آئے تو بولا کیا اس کے سوا اور بھی کوئی معجزہ ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھلایا جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک دوسرا معجزہ دکھلایا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے نکالا تو ناگاہ وہ سپید اور روشن تھا دیکھنے والوں کے لیے جس کو سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے۔ فرعون اور اس کے درباری یہ دونوں معجزے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

معجزۂ عصا اہلِ کفر اور اہلِ معصیت کی تنبیہ کے لیے تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں کافروں کو اژدہا ڈسے گا اور معجزۂ ید بیضاء سینۂ موسوی کی نورانیت کا نمونہ اور کرشمہ دکھلانے کے لیے تھا مگر مشکل یہ ہے کہ جس کے دل کی آنکھ اندھی ہو اس کو آفتاب کی روشنی کس طرح دکھائی دے۔ معجزۂ عصا' معجزۂ قہر تھا اور معجزۂ ید بیضاء معجزۂ نور اور معجزۂ مہر تھا ﴿لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (النور: ۴۰)۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

بولا اپنے گرد کے سرداروں سے یہ کوئی جادوگر ہے پڑھا۔ چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو

مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ

تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے۔ سو اب کیا حکم دیتے ہو؟ بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج

فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ

شہروں میں نقیب۔ لے آویں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا۔ پھر اکٹھے کیے جادوگر

لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾

وعدہ پر ایک مقرر دن کے۔ اور کہہ دیا لوگوں کو تم بھی اکٹھے ہوتے ہو۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

شاید ہم راہ پکڑیں جادوگروں کی اگر ہو جاویں وہی زبر۔ پھر جب آئے جادوگر

قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴١﴾ قَالَ نَعَمْ

کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا نیگ بھی ہے؟ اگر ہو جاویں ہم زبر۔ بولا البتہ!

وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ

اور تم اس وقت نزدیک والوں میں ہوگے۔ کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم

مُّلْقُوْنَ ﴿۴٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا

ڈالتے ہو۔ پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں۔ اور بولے فرعون کے اقبال سے

لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

ہم ہی زبر رہے۔ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا، پھر تبھی وہ نگلنے لگا جو

يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴٦﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴٧﴾

سانگ انہوں نے بنایا تھا۔ پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں۔ بولے ہم نے مانا جہان کے رب کو۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ

جو رب موسیٰ و ہارون کا۔ بولا تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو۔ مقرر وہ

لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ

تمہارا بڑا ہے، جس نے تم کو سکھایا جادو۔ سو اب معلوم کرو گے۔ البتہ کاٹوں گا

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴٩﴾ قَالُوْا

تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں۔ اور سولی چڑھاؤں تم سب کو۔ بولے

لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

کچھ ڈر نہیں، ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخشے ہم کو رب ہمارا

خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵١﴾

تقصیریں ہماری، اس واسطے کہ ہم ہوئے قبول کرنے والے۔

ساحرانِ فرعون کا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ... الٰى... اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے جب یہ دو معجزے (معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضاء) دیکھے تو اس کو ڈر ہوا کہ اہلِ دربار شبہ میں نہ پڑ جائیں اس لیے فرعون نے لوگوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ کوئی خاص قسم کا سحر ہے اس لیے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے اس کا مقابلہ کرایا جائے اس کا خیال یہ تھا کہ ایک جادوگر ملک کے تمام جادوگروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے فرعون نے اپنی اندرونی حیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں سے جو اس کے اردگرد بیٹھتے تھے یہ کہا کہ بیشک یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ علم سحر میں بڑی مہارت رکھتا ہے جو ایسے کرشمے دکھلا رہا ہے اور درباریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر سے تم پر غالب آ جائے اور تمہارا بادشاہ بن جائے بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ معجزات ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہل دربار سے جو ارد گرد بیٹھے تھے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص کوئی بڑا ہی دانا جادوگر ہے۔ معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضاء کے دیکھنے سے فرعون کو ڈر رہا کہ اہل دربار ان معجزاتِ قاہرہ کو دیکھ کر کہیں موسیٰ علیہ السلام کو صادق اور راست باز سمجھ کر اس پر ایمان نہ لے آویں اور اگر ایمان بھی نہ لائیں تو مبادا اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں جس سے میرے دعوائے ربوبیت میں زوال نہ آ جائے اس لیے اہلِ دربار کو نرم کرنے کے لیے اوّل تو یہ کہا کہ یہ شخص خواہ کتنے ہی کرشمے ظاہر کر دے لیکن ایک دانا جادوگر سے بڑھ کر نہیں اور یہ کرشمہ جو اس نے دکھلایا ہے وہ ایک خاص قسم کا جادو ہے یعنی معجزہ نہیں جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری بات فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے اور ان سے ڈرانے کے لیے یہ کہی کہ اس جادوگر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دے اور اس کا مالک اور قابض اور رئیس بن جائے اور اپنی قوم کو لے کر بلا مزاحمت تم پر حکومت کرے۔ سو اس بارہ میں تم کیا حکم دیتے ہو یا کیا مشورہ دیتے ہو۔ اب فرعون اپنی شان تکبر و تحیر سے اتر کر لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے اور تمہارا کیا مشورہ ہے کہ اس شخص کو فوری سزا دی جائے یا ڈھیل دی جائے۔ اصل بات یہ تھی کہ فرعون معجزۂ موسوی دیکھ کر گھبرا گیا اور دعوائے ربوبیت کی بلندی سے اتر کر اپنے آپ کو مشاورت کی پستی میں ڈالا زبان سے تو دعوائے ربوبیت ہے اور دل میں خوف ہے اخراج کا۔ یعنی اس بات کا کہ یہ جادوگر مجھ کو ملکِ مصر سے نکال باہر نہ کرے اس لیے "خدا صاحب" اپنے بندوں سے یا اپنے نوکروں اور چاکروں سے مشورہ پوچھ رہے ہیں۔ سرداروں نے مشورہ دیا کہ معاملہ میں تاخیر بہتر ہے اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب نے متفقہ طور پر یہی کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو چندے مہلت دے دو اور اپنے ملک کے سب شہروں میں نقیب بھیج دو کہ وہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر لا موجود کریں۔ ہماری رائے میں یہ تدبیر بہتر ہے۔ کیونکہ اگر بغیر مقابلہ اور بغیر ہرائے اور عاجز کیے اس کو قتل کرا دیا تو لوگوں کو اس کے بارہ میں شبہ ہو جائے گا۔ مناسب ہے کہ جادوگروں سے مقابلہ کرایا جائے یہ شخص تو ایک ساحر ہے ملک کے تمام ساحروں کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلہ کی صورت کو منظور کیا تا کہ کھلم کھلا اللہ کی حجت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الانبیاء:۱۸)

پس وہ جادوگر ایک مقررہ دن پر جوان کی عید کا دن تھا جمع کر دیئے گئے اور لوگوں کے لیے اعلان کرا دیا گیا کہ کیا تم اس موقع پر جمع ہو جاؤ گے۔ مقصود یہ تھا کہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کا مغلوب ہونا دیکھ لیں۔ تا کہ اگر جادوگر غالب آ جائیں جیسا کہ غالب توقع ہے تو حسب سابق ہم انہی کی پیروی کرتے رہیں گے یعنی انہی کے دین پر رہیں گے اتنا بھی ظاہری طور پر کہا ورنہ فی الحقیقت قوم فرعون کو اس بات کا یقین تھا کہ غلبہ ساحروں کا ہوگا۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو فرعون کی عجز اور حماقت کی دلیل ہے۔ پھر جب سب جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ بھلا ہم کو کچھ صلہ یعنی انعام بھی ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے فرعون نے کہا ہاں صلہ اور انعام بھی ملے گا اور صلہ کے علاوہ تم میرے مقربوں میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے' یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ دُنیا کی زبان پر سب سے پہلے حرف طمع آتا ہے بعد ازاں ساحروں نے صف بندی کی اور مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ علیہ السلام اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ہی ڈالو جو کچھ بھی تم ڈالنے والے ہو۔ اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور بولے قسم ہے فرعون کی عزت اور اقبال کی بلاشبہ ہم ہی غالب رہیں گے' پس جب وہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا۔ ڈالتے ہی وہ اژدہا بن گیا اور اسی دم بنے بنائے ہوئے دھندے کو ہڑپ کرنے لگا اور جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا اور ڈکار بھی نہ لیا سو یہ منظر دیکھ کر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سب کے سب سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ توفیق ایزدی اور رحمتِ خداوندی نے جبراً وقہراً ان کو سجدہ میں ڈال دیا۔ معجزہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ کرشمۂ قدرت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سحر سے سحر کا مقابلہ ہو سکتا ہے مگر کرشمۂ قدرت یعنی معجزہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اور سمجھ گئے کہ یہ دونوں ہماری طرح جادوگر نہیں بلکہ حقیقتاً رب العالمین کے رسول ہیں اس لیے بولے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔ یہ لفظ انہوں نے اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب اعلیٰ اور جہان کا پروردگار کہلاتا تھا۔ ساحروں نے جب یہ حال دیکھا تو جان لیا کہ یہ رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ بشر کی کوئی صنعت نہیں اور نہ ساحروں کی تمویہ اور تخیّل ہے اس لیے سب اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے۔ فرعون یہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ اگر سب لوگ مسلمان ہو گئے تو میری ربوبیت تو سب ختم ہو جائے گی اس لیے تہدید آمیز لہجہ میں جادوگروں سے یہ کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دوں میری اجازت کے بغیر تم نے اس کی کیسے تصدیق کی بیشک یہ تمہارا بڑا گرو ہے جو تم پر غالب آ گیا جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے۔ پس تم عنقریب جان لو گے کہ اس نافرمانی کی کیا سزا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا استاد ہے اور تم اس کے شاگرد ہو یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا﴾ (الاعراف: ۱۲۳) اور وہ سزا یہ ہے کہ البتہ تحقیق میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف اور مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ تو دوسری طرف کا پاؤں اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا تا کہ دیکھنے والوں کو اس سے عبرت ہو مگر جادوگروں پر اس تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا اور بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں یعنی ہم کو تیری اس دھمکی کی کچھ پرواہ نہیں بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہمیں تیرے قتل کی پرواہ نہیں شہید ہو کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ایمان لاتے ہی رب العالمین پر ایسا یقین آیا کہ دار فانی ان کی نگاہ میں ہیچ ہو گیا اور لقائے خداوندی کے مشتاق ہو گئے اور بولے کہ بے شک ہم اس بات کی طمع اور آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں بخش دے اس وجہ

سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں یعنی ہم اپنی قوم قبط میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں سبقت فی الایمان کی وجہ سے ہم کو خدا سے امید ہے کہ وہ ہمارے تمام گناہ معاف کر دے ہمارا مقصود آخرت اور رضائے خداوندی ہے اس لیے ہم نے فرعون کے انعام واکرام پر لات ماری اور رب العالمین کے سامنے جھک گئے۔

نکتہ: اسی سبقت فی الایمان کی وجہ سے مہاجرین اوّلین کو دیگر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ... الآیۃ﴾ (التوبہ:۱۰۰)

قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد فرعون نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تفسیر [1] ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ فرعون نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ واللہ اعلم

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جادوگروں کی تعداد علی اختلاف الاقوال بارہ ہزار یا پندرہ یا بیس ہزار تھی اور بعض کہتے ہیں کہ اسی ہزار تھی۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۴ ج ۳)

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارے پیچھے لگیں گے۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ ج اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب۔ یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہیں

قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ لا وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ لا وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ ط

تھوڑی سی۔ اور وہ مقرر ہم سے جی جلے ہیں۔ اور ہم سارے خطرہ رکھتے ہیں۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ لا وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ لا

پھر نکالا ہم نے ان کو باغ چھوڑ کر اور چشمے۔ اور خزانے اور گھر خاصے۔

كَذٰلِكَ ط وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ ط فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

اسی طرح! اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کو۔ پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلتے۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ ج قَالَ

پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے۔ کہا

[1] فقتلهم كلهم۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۵ ج ۳۔

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ

کوئی نہیں! میرے ساتھ ہے میرا رب مجھ کو راہ بتاوے گا۔ پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار

بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ ۚ وَ

اپنے عصا سے دریا کو۔ پھر پھٹ گیا تو ہوگئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔ اور

اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ ۚ وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ

پاس پہنچایا ہم نے اس جگہ دوسروں کو۔ اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اس کے ساتھ سارے۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پھر ڈبا دیا ان دوسروں کو۔ اس چیز میں ایک نشانی ہے۔ اور نہیں وہ بہت لوگ

ع ۸/۱۷ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ ع

ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

ذکر کرشمۂ قدرت خداوند جلیل در نجات بنی اسرائیل وغرقابی فرعون در دریائے نیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ . . . اِلٰی . . . وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ ع﴾

ربط: مقابلہ میں جب موسیٰ علیہ السلام غالب آ گئے اور اللہ کی حجت اور برہان سب پر قائم ہوگئی۔ مگر باوجود اس کے فرعون اور اس کی قوم عناد پر قائم رہی اور ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو اب اتمام حجت کے بعد سوائے وبال ونکال اور عذاب و عقاب کے کچھ باقی نہ رہا تو مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اس ظالم سے انتقام لیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال لے جائیں اور بتلا دیا کہ تمہارے خروج کے بعد فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اہل ایمان خاص عزت وکرامت کے ساتھ نکل جائیں اور ان کے بعد جب فرعون کا لشکر دریا میں داخل ہو تو اس کو غرق کر دیا جائے۔ اس طرح اسے اس کو ملک سے نکال باہر کیا جائے اس لیے ان آیات میں بنی اسرائیل کی عجیب طرح نجات کی کیفیت اور عجیب طرح سے فرعون کی ہلاکت کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کامیابی اور اس طرح کی غرقابی کرشمۂ قدرت تھا جو رب العالمین کی ربوبیت کی دلیل تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو ان کی صداقت اور رسالت کی دلیل تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ تھا۔ اس کے بعد فرعون

اور اس کی قوم پر طوفان اور خون وغیرہ کی بلائیں مسلط کی گئیں جن کا سورۂ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابتداء میں قوم پر یہ بلائیں اور آفتیں مسلط کی گئیں تا کہ ہوش میں آ جائیں۔ لیکن کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور نہ دیگر مصائب سے عبرت ہوئی نہ بنی اسرائیل کے ظلم وستم سے وہ دست کش ہوا بلکہ جو ساحر ایمان لے آئے تھے ان کو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا کہ تم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے جاؤ اور یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی جب فرعون کو تمہارے نکل جانے کی خبر ہوگی تو وہ تمہارا تعاقب کرے گا۔ چنانچہ حسب الحکم موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے جب صبح ہوئی تو یہ خبر مشہور ہوئی اور فرعون کو اس کا علم ہوا تو فرعون نے ان کے تعاقب کا ارادہ کیا۔ جس کی تدبیر یہ کی کہ ملک کے مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لیے آدمی بھیج دیئے جب جمع ہو گئے تو یہ منادی کرائی کہ تحقیق یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ شمار کے اعتبار سے بھی قلیل ہے اور ساز وسامان کے لحاظ سے بے سروسامان ہے جن کو ہماری فوج سے کوئی نسبت نہیں اور انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بے شک ہم سب بڑے سلاح پوش اور ہتھیار بند لوگ ہیں یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ غرضیکہ دو تین روز میں سامان کر کے ان کے تعاقب میں نکلے اور یہ خبر نہ تھی کہ اب اس کو مصر لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ پس ہم نے ان بدکاروں کو ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے دل میں نکلنے کا داعیہ پیدا کر دیا کہ خود بخود اپنے باغوں اور محلوں سے نکل کھڑے ہوئے اور بعد چندے ہم نے ان محلوں اور باغوں کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ ان تمام اموال اور املاک پر قابض ہو گئے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب آگے باقی قصہ کا بیان ہے پس فرعون کے لشکر نے سورج نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور پیچھے سے ان کو جا پکڑا یعنی ان کے قریب پہنچ گئے اور یہ وقت اشراق کا تھا۔ پس جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ لوگ تو ہمارے سر پر پہنچ گئے اب تو ہم پکڑ لیے گئے۔ یعنی اب فرعون ہمیں پکڑ لے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں یعنی وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ اس لیے کہ تحقیق میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا جیسا کہ ہجرت کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ: ۴۰) وہ عنقریب مجھے اس مخمصہ سے خلاصی کی راہ بتائے گا تم گھبراؤ نہیں چونکہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ آگے دریا تھا اور پیچھے دشمن تھا اس لیے اصحاب موسیٰ علیہ السلام مضطرب تھے۔

آخر اب جانا کہاں ہے؟ پس اس اضطراب اور پریشانی کے وقت میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا اس دریا پر مارو۔ چنانچہ انہوں نے بحکم خداوندی اپنا عصا اس پر مارا۔ پس فوراً وہ دریا پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی کئی جگہ سے اِدھر اُدھر ہو گیا جس سے بارہ سڑکیں پیدا ہو گئیں۔ سو پانی کا ہر ایک ٹکڑا مثل ایک بڑے پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لیے بارہ راستے ہو گئے جو بحکم خداوندی سب خشک تھے کیچڑ نہ رہا اور اطمینان کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر دریا سے پار ہو گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾ (طٰہٰ: ۷۷) اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ دو ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ (الدخان: ۲۴) جو خدا خشکی میں راستے بنا سکتا ہے وہ تری میں بھی بنا سکتا ہے اس کی قدرت کے اعتبار سے بر اور بحر سب برابر ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تو ان دریائی راستوں کو خشک چھوڑ کر پار ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی فرعونیوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا۔ چنانچہ

فرعونیوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لیے خشک راستے کھلے ہوئے ہیں تو شاداں وفرحاں ان میں گھس پڑے۔ پانی بحکم خداوندی رواں ہوگیا اور سارا لشکر اندر غرق ہوگیا اور یہ تمام رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا اور صحیح سالم ان کو دریا سے پار کردیا۔ پھر ان کے پار ہوجانے کے بعد دوسروں کو دریا میں غرق کردیا کہ جب فرعون اپنی قوم سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے تمام ٹکڑے آپس میں مل گئے اور سب غرق ہوگئے جو لوگ کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے غرق میں سب شریک ہوئے۔ حالانکہ ان کے طالع مختلف تھے۔ فرعون کو دریائے نیل اور مصر کی نہروں پر فخر تھا اور بطور فخر یہ کہا کرتا تھا ﴿ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ﴾ (الزخرف:۵۱) اس لیے من جانب اللہ اس کے قابل فخر دریا اور نہر میں اس کو غرق کیا گیا کہ دیکھ لے کہ وہ قابل فخر نہر یہ ہے اور بیشک اس واقعہ میں اللہ رب العالمین کی قدرت کی اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت کی اور اہل ایمان کی نصرت و حفاظت کی اور متکبرین اور کافروں کی ہلاکت کی بہت بڑی نشانی ہے اور باوجود ان روشن نشانیوں کے قوم فرعون میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے بیشک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے اسی انفلاق بحر کے واقعہ سے اس کی شان عزت وغلبہ اور شانِ رحمت ظاہر ہوگئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر وتکبر کو غرق کیا۔

لطائف ومعارف

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر فرمایا۔ معجزۂ عصا ' اور معجزۂ ید بیضاء اور معجزۂ انفلاق بحر۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور ان کو محال بتلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کے نئے چہرے یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں قانون فطرت کے خلاف ہیں۔

جواب سو جاننا چاہیے کہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کے معجزات کا وقوع عقلاً محال ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے آج تک کوئی دلیل ان کے محال ہونے پر قائم نہ ہوسکی۔

جمادات اور نباتات کے اندر حیوانات کا پیدا ہوجانا اور زمین میں حشرات الارض کا پیدا ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ پس اگر ایک نباتاتی چیز (یعنی عصا) بحکم خداوندی حیوان بن جائے تو عقلاً ممکن ہے بسا اوقات لکڑی کے اندر کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور کسی جسم کا روشن ہوجانا عقلاً محال نہیں۔ آفتاب اور ماہتاب خدا کے پیدا کردہ جسم ہیں ان میں جو روشنی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہے آفتاب اور ماہتاب خود بخود اپنی طبیعت اور اپنے ارادہ اور مشیت سے روشن نہیں ہوگئے۔ پس جس خدا نے آفتاب اور ماہتاب کو روشنی بخشی وہی خدا اپنے کلیمؑ کے ہاتھ کو بھی روشنی بخش سکتا ہے نفس جسمیت کے لحاظ سے آفتاب اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برابر ہیں اور قدرت خداوندی کے اعتبار سے بھی سب یکساں ہیں اور علیٰ ہذا انفلاق بحر بھی عقلاً محال نہیں کیونکہ پانی بھی عام اجسام کی طرح بہت سے اجزاء سے مرکب ہے اور قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال اور انفلاق کی پوری صلاحیت اور استعداد موجود ہے جیسے موسم سرما میں بڑے بڑے دریا منجمد ہوجاتے ہیں اور حیوانات ان پر سے گزرتے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ پانی کا اتصال اور اس کا انفلاق اور انفصال پانی کی نفس ماہیت کا ذاتی اور طبعی اقتضاء نہیں کہ جونا قابل تغیر وتبدل ہو سب قدرت خداوندی سے ہے پس اگر قدرت خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پانی تھوڑی دیر کے لیے پھٹ جائے اور تھم جائے اور پھر ان کے گزر جانے کے بعد فوراً بہنے لگے تو یہ بات عقلاً محال نہیں

البتہ خارقِ عادت ہونے کی وجہ سے عجیب وغریب ضرور ہے اگر یہ کوئی امر عجیب نہ ہوتا تو پھر معجزہ ہی کیوں کہلاتا۔ پس جو کرشمۂ قدرت خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ اس نبی کا معجزہ کہلاتا ہے جو اس نبی کی صداقت اور حقانیت کی دلیل اور روشن علامت ہوتا ہے۔ پس یہ واقعہ چند حیثیت سے معجزہ ہو گیا۔ ① محض عصا کے مارنے سے دریا کا پھٹ جانا ② اور پھر اس میں بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے مطابق بارہ سڑکیں پیدا ہو جانا ③ پھر بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا رواں ہو جانا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۞ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞

اور سنا ان کو خبر ابراہیم کی۔ جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو، تم کیا پوجتے ہو؟

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۞ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ

وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن اس پاس لگے بیٹھے رہیں۔ کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا؟

اِذْ تَدْعُوْنَ ۞ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۞ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ

جب پکارتے ہو۔ یا بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا۔ بولے نہیں! پر ہم نے پائے

اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۞ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۞

اپنے باپ دادے یہی کرتے۔ کہا بھلا دیکھتے ہو؟ جن کو پوجتے رہے ہو۔

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۞ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

تم اور تمہارے باپ دادے اگلے۔ سو وہ میرے غنیم ہیں مگر جہان کا صاحب۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۞ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۞

جس نے مجھ کو بنایا، سو وہی مجھ کو سوجھ دیتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۞ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۞ وَالَّذِيْٓ

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی چنگا کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلاوے گا۔ اور وہ

اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۞ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا

جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر دن انصاف کے۔ اے رب! دے مجھ کو حکم

وَ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۸۴﴾

اور ملا مجھ کو نیکوں میں۔ اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں۔

وَ اجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ

اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے۔ اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا

الضَّآلِّیۡنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۸۷﴾ یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ

راہ بھولوں میں۔ اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی کر اٹھیں۔ جس دن نہ کام آوے کوئی مال اور

لَا بَنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ

نہ بیٹے۔ مگر جو کوئی آیا اللہ پاس لے کر دل چنگا۔ اور پاس لائے بہشت

لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ ﴿۹۱﴾ وَ قِیۡلَ لَہُمۡ اَیۡنَمَا

واسطے ڈر والوں کے۔ اور نکالی دوزخ سامنے بے راہوں کے۔ اور کہیے ان کو کہاں ہیں؟

کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۹۲﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ ہَلۡ یَنۡصُرُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾

جن کو پوجتے تھے۔ اللہ کے سوا۔ کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے؟

فَکُبۡکِبُوۡا فِیۡہَا ہُمۡ وَ الۡغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوۡا

پھر اوندھے ڈالے اس میں وہ اور وہ سب بے راہ۔ اور لشکر ابلیس کے سارے۔ کہیں گے

وَ ہُمۡ فِیۡہَا یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۹۷﴾ اِذۡ

جب وہ وہاں جھگڑنے لگیں۔ قسم اللہ کی! ہم تھے صریح غلطی میں۔ جب

نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۸﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا

تم کو برابر کرتے تھے جہان کے صاحب کے۔ اور ہم کو راہ سے بھلایا سو ان گنہگاروں نے۔ پھر کوئی

لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَکُوۡنَ

نہیں ہماری سفارش کرنے والا۔ اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا۔ سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ہو تو۔ ہم ہوں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ایمان والوں میں۔ اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

ع ۵ / ۳۶ / ۹

قصۂ دوم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ ... الى ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع﴾

ربط: گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کا ذکر تھا۔ اب اس کے بعد آپ علیہ السلام کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کو اپنی قوم کے مقابلہ میں کیا ابتلاء پیش آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے باپ کی گمراہی کا شدید رنج تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی۔ مذہباً صابی یعنی ستارہ پرست تھے اور بت پرست بھی تھے کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے حق واضح کر دیا اور اپنے لیے خدا تعالیٰ سے قسم قسم کی دعائیں مانگیں۔ لہٰذا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی وہی طریقہ اختیار کیجیے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجیے۔ تاکہ یہ لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ اخلاص اور توحید اور توکل میں ان کا اقتداء کریں اور شرک سے بیزار ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سن کر ان پر حجت لازم ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے اوّل ابطال شرک کے لیے بتوں کا عاجز ہونا بیان کیا۔ بعد ازاں اثبات توحید کے لیے رب العالمین کی صفات کمال کو بیان کیا کہ رب العالمین وہ ہے کہ بندوں کا پیدا کرنا اور ان کو ہدایت دینا اور ان کو رزق دینا اور مارنا اور جلانا سب اس کے اختیار میں ہے جو ذات ان صفات کے ساتھ موصوف ہو وہ مستحق عبادت ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر فرض اور لازم ہے۔

از دست و زبان کہ بر آید کز عہدہ شکرش بدر آید

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے یہ سوال کیا کہ تم کس بے حقیقت چیز کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ہم ان کی عبادت پر جمے ہوئے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا یہ بت تمہاری بات کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو اور ان سے دعا مانگتے ہو یا تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا اگر تم ان کو پوجنا چھوڑ دو تو وہ تم کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس جو چیز تمہاری پکار بھی نہ سنتی ہو اور نہ کسی نفع اور ضرر پر قادر ہو وہ کیسے قابل عبادت ہو سکتی ہے۔ بولے کہ یہ باتیں جو تم نے کہی ہیں وہ تو ہم نے ان میں نہیں پائیں پر ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے پایا۔ ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بھلا تم نے جانا بھی ہے کہ جن چیزوں کو تم پوجتے رہتے ہو اور تمہارے بڑے بھی پوجتے چلے آئے۔ یہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے کہ اس کی عبادت تو حق ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت باعث مضرت

ہے بلکہ باعث ہلاکت ہے اور دشمن کا کام نقصان پہنچانا ہے۔ اس لیے انہیں دشمن فرمایا۔ کیونکہ کسی دشمن سے اتنا ضرر نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ بتوں کی عبادت سے پہنچتا ہے اور وہ رب العالمین جس کی عبادت کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں اس کی شان یہ ہے کہ اس نے مجھ کو پیدا کیا پس وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے اور سیدھے راستے پر لے جا رہا ہے پہلے جملہ میں اللہ کی وحدانیت کو بیان کیا کہ وہی میرا خالق ہے اور دوسرے جملہ میں مقام نبوت کو بیان کیا کہ جدھر خدا مجھے لے جا رہا ہے میں اُدھر جا رہا ہوں۔

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے یعنی جس ذات نے پیدا کرنے کے بعد میرے لیے سامان زندگی بھی پیدا کیا۔ میرا وجود اور میری بقاء سب اس کے اختیار میں ہے اور زندگی میں جو تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ بھی سب اس کے ہاتھ میں ہیں اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے اور وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھ کو اپنے وقت پر موت دے گا۔ پھر قیامت کے دن مجھ کو زندہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ میں بھی حادث اور میری بیماری بھی حادث اور میری صحت بھی حادث اور میری موت بھی حادث اور میری حیات بھی حادث اور وہ ذات ہے کہ جس سے میں طمع لگائے ہوئے ہوں کہ روز جزاء میں میری خطا معاف کرے۔ یعنی میری خطا پر مواخذہ نہ کرے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور معصوم بندے تھے۔ مگر سہو و نسیان سے کوئی بشر خالی نہیں اس لیے بطور تواضع و ادب اور لوگوں کی تعلیم کے لیے یہ فرمایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر نظر رکھیں اور بتلایا ہے کہ لوگ جان لیں کہ خطاؤں کو معاف کرنے والا صرف وہی رب العالمین ہے ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۱۳۵) سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

یہاں تک ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے معبود برحق کی صفات بیان کیں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہو۔ تمہارے تراشیدہ بت قابل عبادت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے انواع و اقسام کے الطاف کا اعتراف کیا اب اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے منہ موڑ کر رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں اے میرے پروردگار مجھ کو علم اور حکمت عطا فرما اور مجھ کو اپنے خاص الخاص نیک بختوں میں شامل کر دے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا ہونا کسی سے ممکن نہیں اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ لرزاں اور ترساں رہتے ہیں۔ فقہ اکبر میں امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت جو اس عبادت کا حق ہے ادا نہیں کر سکتی۔ لیکن بندہ اس کے حکم کی فرمانبرداری اور بجا آوری کرتا ہے "حکم" سے علم اور حکمت اور نبوت اور قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور صلاح سے قوت عملیہ کا کمال مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں دعائیں قبول کیں۔ ان کو علم و حکمت اور رسالت اور خلت سے سرفراز فرمایا اور صالحین میں سے بنایا۔ كما قال الله تعالىٰ: ﴿وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (البقرہ: ۱۳۰) اور اے میرے پروردگار! میرا ذکر خیر سچائی کے ساتھ پچھلے لوگوں میں جاری رکھ کر پچھلے لوگ میرے طریقے پر چلیں اور ان کی نیکیوں سے مجھ کو بھی حصہ ملے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ كما قال الله تعالىٰ: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (الصافات: ۱۰۸۔۱۱۰) جس قدر ادیان سماویہ ہیں سب میں ان کا ذکر خیر ہوتا ہے اور اُمت محمدیہ کو یہ حکم ہوا کہ التحیات میں جب درود پڑھا کریں تو اس کے ساتھ کما صلیت و بارکت علی ابراھیم وعلی اٰلِ ابراھیم پڑھا کریں اور اے الٰہی مجھ کو جنت

النعیم کے وارثوں میں سے کر دے جو تیری نعمت اور کرامت کا باغ ہے یعنی بغیر تعب اور مشقت کے مجھ کو جنت عطا فرما۔ جیسے میراث بدون تعب اور مشقت کے ملتی ہے اور اے اللہ میرے باپ کی مغفرت فرما دے وہ گمراہوں میں سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور باپ کو چھوڑ کر چلے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ! اس کو ایمان اور ہدایت کی توفیق نصیب فرما تا کہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ ان کو یہ امید تھی کہ شاید وہ زندگی میں اسلام لے آئے لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے ایمان نہیں لائے گا یا یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو اس سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورۂ توبہ میں گزر چکا ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ﴾ (التوبہ: ۱۱۴) ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر تھا کہ جو مقام رجاء و طمع سے متعلق ہیں اب آئندہ آیت میں اس دعا کا ذکر کرتے ہیں جو مقام عظمت و ہیبت اور مقام خوف وخشیت سے متعلق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے پروردگار مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جس دن مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے لفظ ﴿اِخْزَاءٌ﴾ خِزْیٌ سے مشتق ہے خِزْیٌ کے معنی ذلت اور خواری کے ہیں اور خَزَایت کے معنی ندامت اور شرمساری کے ہیں آیت میں دونوں معنی درست ہیں۔ سبحان اللہ جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ حال ہے کہ وہ روز حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہیں تو کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بے فکر ہو جائے اور وہ دن بڑا ہولناک ہو گا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے لیکن اس دن کی پریشانی اور رسوائی سے وہ شخص بچ سکے گا جو اللہ کے پاس کفر اور شرک اور شکوک و شبہات سے دل سلامت لے کر حاضر ہو گا۔ جو شخص ایسا ہو گا تو لامحالہ اس نے اپنا مال خدا کی راہ میں لگایا ہو گا اور اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دی ہو گی۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن مال اور اولاد سے نفع پہنچے گا۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "سلیم" کے معنی لغت میں مارگزیدہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ خوف خداوندی کی وجہ سے جس دل کی یہ کیفیت ہو کہ وہ مارگزیدہ کی طرح تلملاتا رہے تو وہ قیامت کے دن کامیاب ہو گا اور وہ دن نہایت ہولناک اور ہیبت ناک ہو گا اس دن جنت میدان حشر میں متقیوں کے قریب کر دی جائے گی جو خزانہ ہے منافع اور فوائد کا تا کہ اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے ہی جنت کو دیکھ کر خوش ہو جائیں کہ ہمیں اس مقام پر جانا ہے اور جہنم گمراہوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی جو مخزن ہے تمام مصیبتوں اور ذلتوں اور آفتوں کا تا کہ اس کو دیکھ کر غمزدہ ہوں کہ اب ہمیں یہاں جانا ہے اور یہ ہمارا دائمی ٹھکانہ ہے یہ دیکھ کر ان کے خوف اور نا امیدی اور پریشانی میں اور زیادتی ہو گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (الملک: ۲۷) اس طرح سے جنت کو قریب کرنا مسلمانوں کے سرور کا باعث ہو گا اور دوزخ کا قریب کرنا کافروں کے رنج و غم کا باعث ہو گا۔ (تفسیر کبیر ص ۴۱۸ ج ۶)

اور ذلت و مصیبت کا مخزن دکھلانے کے بعد گمراہوں کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کیا وہ اس وقت تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا اپنا ہی کچھ بچاؤ کر سکتے ہیں کیا اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکتے ہیں پھر اس کہنے کے بعد وہ معبود یعنی بت وغیرہ اور بت پرست اور گمراہ اور ابلیس کا سب لشکر دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے سب کے سب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور غوطے دیئے جائیں گے اور بت اور شیاطین اور گمراہوں کے سردار جنہوں نے ان کو گمراہی پر آمادہ کیا تھا وہ اپنے پیروی کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اور نہ خود اپنی کو عذاب سے بچا سکیں گے نہ ناصر ہوں گے اور نہ منتصر اور یہ عابد و معبود وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ عابدین اپنے معبودین سے کہیں گے۔ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی اور صریح غلطی میں تھے کہ ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اور تم کو جہانوں کے پروردگار کے برابر ٹھہراتے تھے۔ اور خدا کی طرح بے چون

و چرا تمہارے حکم کو مانتے تھے اور نہیں گمراہی میں ڈالا ہم کو مگر ان بڑے مجرموں نے جو اس گمراہی کے بانی تھے ان مجرموں نے جو باتیں ہم کو سکھائیں وہ ہم نے مانی جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ (الاحزاب:۶۷) بالآخر اس طرح سے وہ اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے۔ پس اس وقت حسرت سے یہ کہیں گے کہ افسوس ہمارا کوئی سفارشی نہیں جیسے مومنوں کے سفارشی فرشتے اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور نہ کوئی شفیق اور مہرباں دوست ہے کہ دلسوزی و اظہار ہمدردی ہی کرے۔

سو کاش ہم کو پھر ایک مرتبہ دنیا میں لوٹنا نصیب ہو جائے تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں اور پکے ایماندار بن کر واپس آئیں ان کی یہ بات بھی جھوٹ ہے ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (الانعام:۲۸) یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی تقریر ختم ہوئی۔ اب آگے حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ بیشک ابراہیم علیہ السلام کے اس تمام قصہ میں اہل عقل کے لیے بڑی نشانی ہے اور عبرت اور نصیحت ہے اور حجت اور بصیرت ہے جو اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے کیونکہ یہ قصہ ابطال شرک اور دلائل توحید اور گمراہوں کے عبرتناک انجام کے بیان پر مشتمل ہے کہ کفر اور شرک کا انجام دائمی عذاب ہے اور ایمان دائمی نجات کا سبب ہے اور باوجود اس کے قوم ابراہیم علیہ السلام میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ اے نبیؐ! بیشک تیرا پروردگار ہی غالب ہے اور مہربان ہے یعنی وہ قادر ہے کہ اپنے دشمنوں سے فوری انتقام لے لے۔ لیکن وہ رحیم اور حلیم ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۰۵ؕۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا

جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو

تَتَّقُوْنَ ۝۱۰۶ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۰۸ۚ

ڈر نہیں؟ میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۹ۚ

اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ نیگ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۱۰ؕ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝۱۱۱ؕ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ بولے کیا ہم تجھ کو مانیں؟ اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۲ۚ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ

کہا مجھ کو کیا جاننا ہے جو کام وہ کر رہے ہیں۔ ان کا حساب پوچھنا میرے رب ہی کا کام ہے

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ

اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو۔ میں تو یہی ڈر سنا دینے والا ہوں

مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

کھول کر۔ بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح! تو سنگسار ہو گا۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ

کہا اے رب! میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا۔ سو فیصلہ کر میرے ان کے بیچ، کسی طرح کا فیصلہ اور بچالے مجھ کو

وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ

اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی کشتی

الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا

میں۔ پھر ڈبا دیا پیچھے ان رہے ہوؤں کو۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ

ع ۱۸/۶/۱۰ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصۂ سوم۔ حضرت نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ... الٰی ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ ﴾

یہ تیسرا قصہ نوح علیہ السلام کا ہے اس سے مقصود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ نوح علیہ السلام نے ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کیا۔ نوح علیہ السلام نے اوّل اپنی قوم کو خدا سے ڈرایا۔ ﴿ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ بعد ازاں اپنی رسالت اور امانت کو بتلایا۔ ﴿ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴾ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم میں امانت وصداقت کے ساتھ مشہور ومعروف تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم نوح علیہ السلام نے سارے رسولوں کو جھٹلایا۔ کیونکہ سب رسولوں کا دین ایک ہے اور ایک کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے جبکہ اس قوم کے نسبی بھائی نوح علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت ان سے کہا کیا تم لوگ خدا سے ڈرتے نہیں کہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو یہاں نسب کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد ہے قوم اور وطن کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد نہیں تحقیق میں تمہاری طرف خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں اور امانت دار ہوں جیسا کہ تمہیں میری امانت وصداقت خوب معلوم ہے پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دو اور

ایمان لاؤ۔ اور اس نصیحت میں میری کوئی غرض نہیں میں اس دعوت و نصیحت پر اور تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم سے کسی قسم کے نفع کا طلبگار نہیں میرا مقصود تو صرف تمہاری نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ پس تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرو اور بے چون و چرا میری اطاعت کرو تاکہ عذاب جہنم سے بچ سکو اور ثواب جنت حاصل کر سکو۔ مگر بڑے سنگدل تھے کہ اس مشفقانہ اور ہمدردانہ نصیحت پر کان نہ دھرا اور بولے کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ کمینوں اور رذیلوں نے تیرا اتباع کیا ہے۔ چند غریبوں اور چند پیشہ وروں نے تیری پیروی کی ہے جن کو دنیا کی کوئی عزت اور وجاہت حاصل نہیں یہ نا قدرے اور بے حیثیت لوگ ہیں ظاہر میں تیرے تابع ہیں اور باطن میں تیرے مخالف ہیں ایسے غریبوں اور ناداروں کے ساتھ بیٹھنے میں ہم جیسوں کو عار آتی ہے۔ نوح علیہ السلام نے کہا مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں اخلاص کی راہ سے کرتے ہیں یا نفاق کی راہ سے میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں مجھے ان کے باطن کی تحقیق کی ضرورت نہیں جو ظاہر میں ایمان لے آئے وہ میرے نزدیک مقبول ہے باقی ان کے باطن کا حساب سو وہ صرف میرے پروردگار کا کام ہے جو ان کے باطن پر مطلع ہے کاش تم یہ بات سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کے اعمال و افعال سے بحث نہیں اور نہ مجھے ان کے باطنی اخلاص اور نفاق کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ میرا حکم ظاہر پر چلتا ہے میرا کام تو حق کی دعوت دینا ہے جو ایمان لائے اور میری اطاعت کرے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں خواہ وہ شریف ہو یا کمینہ امیر ہو یا فقیر آخرت کا معاملہ ایمان اور اطاعت پر ہے وہاں کسی پیشہ کے فرق کو دیکھ کر معاملہ نہ ہوگا۔ آخرت کی عزت و ذلت ایمان اور کفر سے وابستہ ہے صنعت و حرفت اور مال و دولت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اب رہی یہ بات کہ یہ لوگ اخلاص سے ایمان لائے یا کسی دنیاوی منفعت کے لیے سو یہ کام میرے متعلق نہیں دل کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور وہی حساب لینے والا ہے کفار کے اس کلام سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اگر آپؑ ان رذیلوں اور کمینوں کو اپنے پاس سے نکال دیں یا ہٹا دیں تو ہم آپ علیہ السلام کی طرف توجہ کر سکتے ہیں اس لیے نوح علیہ السلام نے فرمایا اور میں ایمان لانے والوں کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میں تو صرف ڈرانے والا اور حق کو واضح کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حق کی دعوت کے لیے بھیجا ہے مجھے امیر اور فقیر سے کوئی بحث نہیں تو وہ کافر بولے کہ اے نوح علیہ السلام اگر تو اپنی دعوت اور تبلیغ سے باز نہ آیا تو ضرور سنگسار شدہ لوگوں میں سے ہو جائے گا یعنی تجھ کو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا نوح علیہ السلام یہ بات سن کر ان کے ایمان سے نا امید ہو گئے تو یہ دعا مانگی اے میرے پروردگار میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا اور اس درجہ تکذیب پر تل گئی ہے کہ اب اس کے بعد تصدیق اور ایمان کا کوئی امکان نظر نہیں آتا پس میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجیے یعنی ان سے میرا انتقام لے لیجیے جیسا کہ دوسری جگہ ہے ﴿ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (القمر: ۱۰) اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کو اپنے قہر اور عذاب سے نجات دے تب ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے ان کو نجات دی پھر ان کے نجات دینے کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا بے شک اس واقعہ میں خدا کی قدرت کی ایک زبردست نشانی ہے اور قوم نوح علیہ السلام میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک تیرا پروردگار وہی ہے زبردست مہربان کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور تمام کافر قہر الٰہی کے طوفان اور سیلاب میں بہا کر ہلاک کر دیئے گئے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۣ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۲۳ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۲۴ۚ

جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں؟

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۲۵ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۲۶ۚ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲۷ؕ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ

اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔ کیا بناتے ہو ہر

رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝۱۲۸ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝۱۲۹ۚ

ٹیلے پر ایک نشان کھیلنے کو؟ اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ رہوگے۔

وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝۱۳۰ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۳۱ۚ

اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

وَ اتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۲ۚ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ۝۱۳۳ۚۙ

اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچایا ہے جو کچھ جانتے ہو۔ پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے۔

وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝۱۳۴ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۳۵ؕ

اور باغ اور چشمے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَوَ عَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝۱۳۶ۙ اِنْ

بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے نصیحت کرنے والا۔ اور

هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳۷ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝۱۳۸ۚ فَكَذَّبُوْهُ

کچھ نہیں یہ عادت ہے اگلے لوگوں کی۔ اور ہم کو آفت نہیں آنے والی۔ پھر اس کو جھٹلانے لگے

فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹

تو ہم نے ان کو کھپا دیا۔ اس بات میں البتہ نشان ہے۔ اور وہ لوگ بہت نہیں ماننے والے۔

ع ۱۸/۱۱

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصۂ چہارم۔ حضرت ہود علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ ... الی ... وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾ ﴾

یہ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے یہ قوم بڑی مالدار اور صاحب سلطنت تھی۔ محض اپنی بڑائی اور نام آوری کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بناتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے ان کو دُنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر آگاہ کیا مگر وہ لوگ مال و دولت کے نشہ میں مست تھے کب سننے والے تھے بالآخر عذاب الٰہی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم عاد نے ایک ہود علیہ السلام کو کیا جھٹلا دیا۔ سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں تم کو بھی میری امانت اور صداقت معلوم ہے۔ پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور جس بات کی طرف تم کو بلاتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اور میں تم کو خالص اللہ کے لیے نصیحت کرتا ہوں اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کا نشان بناتے ہو تا کہ خوب بلندی سے نظر آئے محض عبث اور بے کار کام کرتے ہو۔ جس کی ضرورت نہیں محض نام و نمود کے لیے بناتے ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہاں بیٹھ کر تم کھیل اور تماشہ کرتے ہو اور سرِ راہ چلنے والوں پر ہنستے اور بڑے بڑے عالی شان محل یا مضبوط قلعے یا بڑی بڑی حوضیں یا زیر زمین پانی کی نہریں بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور ان مکانات میں ہمیشہ رہو گے اور تم کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایسے محکم اور مضبوط مکانات بنانا طولِ امل اور غفلت پر دلالت کرتا ہے تم کو موت کی اور مابعد موت کی کوئی فکر نہیں اور تمہارے تکبر اور تجبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو اور اس کو پکڑتے ہو تو ظالم اور سرکش ہو کر اس کو پکڑتے ہو جس میں رحم و کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور سرکشی کو چھوڑو اور میرا کہا مانو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو یعنی جس خدا نے تمہارے مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی یعنی جس خدا نے تم کو یہ نعمتیں دیں اس سے ڈرو کہ کہیں وہ اپنی نعمتیں تم سے چھین نہ لے مجھے تمہاری بداعمالیوں کی وجہ ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے کہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں میں سے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اور ان کی ڈالی ہوئی عادت ہے اور ہم کو کوئی عذاب نہیں آئے گا غرضیکہ ان لوگوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا۔ پس ہم نے ان کو آندھی سے ہلاک کر دیا کہ ان کا اور ان کے محلوں اور قلعوں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اور اس ماجرے میں اللہ کی بڑی نشانی ہے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے اور قوم عاد میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بیشک تیرا رب وہی بڑا زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

*

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾

کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

وَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ

کیا چھوڑ دیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں نڈر؟ باغوں میں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں میں اور

نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم۔ اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف سے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں کا۔ جو

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

بگاڑ کرتے ہیں ملک میں اور سنوار نہیں کرتے۔ بولے تجھ پر کسی نے

الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ

جادو کیا ہے۔ تو یہی ایک آدمی ہے جیسے ہم۔ سو لے آ کچھ نشانی، اگر تو

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ

سچا ہے۔ کہا یہ اونٹنی ہے! اس کو پانی پینے کی ایک باری، اور تم کو باری ایک دن

مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

کی مقرر۔ اور نہ چھیڑیو اس کو بری طرح پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝۱۵۷ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

پھر کاٹ ڈالی وہ اونٹنی پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے۔ پھر پکڑا ان کو عذاب نے البتہ اس بات میں

لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۸ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ۝۱۵۹ ع

رحم کرنے والا۔

ع ۸ / ۱۹ / ۱۲

قصۂ پنجم۔ صالح علیہ السلام باقوم ثمود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۴۱ ... الٰی ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۵۹ ﴾

یہ پانچواں قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا ہے۔ یہ قوم عرب کے شمال کنارہ پر آباد تھی۔ اور یہ خطہ نہایت سرسبز وشاداب تھا چشموں اور باغوں سے معمور تھا مگر یہ بد بخت قوم بت پرست تھی اور رہزنی اور دیگر فواحش میں مبتلا تھی۔ قیامت اور روز جزاء کی منکر تھی۔ قوم ہود پر تو تکبر اور تجبر اور تعلّی اور تفاخر کا غلبہ تھا کہ بڑی بلند عمارتیں بناتے تھے اور قوم صالح پر لذات حسیہ اور شہوات طبعیہ کا غلبہ تھا کھانے پینے کی طرف زیادہ راغب تھے۔ یہ لوگ بڑے آسودہ حال تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اللہ کی اطاعت کا حکم دیا اور دنیاوی عیش وعشرت کی ناپائیداری بیان کی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا ان کی طلب کے مطابق ایک اونٹنی پتھر سے نمودار ہوئی انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور مورد غضب الٰہی ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں قوم ثمود نے ایک صالح علیہ السلام کو کیا جھٹلایا سارے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے نسبی بھائی صالح علیہ السلام نے کہا کیا تم اللہ کی نافرمانی سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بن کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس تبلیغ ودعوت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم ان نعمتوں میں جو یہاں (دنیا میں) تم کو حاصل ہیں اسی حالت میں بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تم پر نہ کوئی آفت آئے گی اور نہ تم کو بیماری اور موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا مقتضا یہ ہے کہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اس منعم حقیقی نے تم کو باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم اور نازک اور پاکیزہ ہیں۔ رکھا ہے ان عظیم نعمتوں کا شکر تم پر واجب ہے اور کیا تم اس لیے بے فکر ہو کر پہاڑوں میں سے تراش کر مکانات بناتے ہو۔ درآنحالیکہ تم اتراتے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارے امن وامان کو خاک میں ملا دے اور میری اطاعت کرو تا کہ اللہ کے عذاب سے مامون ہو جاؤ اور ان لوگوں کی بات نہ مانو کہ جو نخوت کی وجہ سے دائرۂ عبودیت سے باہر نکلنے والے ہیں جو لوگ زمین میں فساد کرتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے فساد سے اللہ کی نافرمانی اور اصلاح سے اللہ کی فرمانبرداری مراد ہے وہ لوگ بولے کہ تجھ پر تو بس کسی

نے جادو کر دیا ہے اسی لیے تو بہکی بہکی خارج از عقل باتیں کر رہا ہے تو تو کچھ بھی نہیں ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تو اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتا تو فرشتہ ہوتا ہم جیسا ہو کر رسول ہونے کا دعویٰ بے عقلی ہے اور بے دلیل ہے پس اگر تو سچوں میں ہے تو اپنے دعوائے نبوت پر کوئی دلیل لا۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ اچھا کیا نشانی مانگتے ہو انہوں نے فرمائش کی کہ خاص اس پتھر میں سے ایک اونٹنی نکال حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر دُعا مانگی اسی وقت پہاڑ میں ایک پتھر مثل حاملہ عورت کے تھرایا اور شق ہو کر اس میں سے ایک اونٹنی برآمد ہوئی صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ ہے اونٹنی جو تم نے مانگی تھی اور اس اونٹنی کے کچھ حقوق ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ پانی پینے کے لیے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن تمہارے مویشی کے پانی پینے کی باری ہے اس کی باری کے دن تم اپنے جانوروں کو نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ پانی نہیں پیئے گی اور ایک حق اس کا یہ ہے کہ اس کو برائی اور تکلیف دہی کی نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا مبادا تم کو کسی بڑے بھاری دن کا عذاب آ پکڑے سو انہوں نے باوجود معجزہ کے نہ تو صالح علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کا حق ادا کیا بلکہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔ پھر جب آثارِ عذاب نمودار ہوئے تو اپنے کیے پر نادم ہوئے پھر پکڑ لیا ان کو عذاب نے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا زمین کو سخت زلزلہ آیا کہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے اور جبرئیل امین علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے ان کے جگر پھٹ گئے اور سب مر گئے۔ تحقیق ان قوم ثمود کی سرگزشت میں بڑی عبرت ہے اور ان میں کے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور بے شک تیرا رب عزیز اور رحیم ہے یعنی وہ غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور مہربان ہے جب تک جرم کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا
جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کے بھائی لوط نے کیا
تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾
تم کو ڈر نہیں؟ میں تم کو پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔
وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٦٤﴾
اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔
اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٦٥﴾ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ
کیا دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر۔ اور چھوڑتے ہو جو تم کو بنا دیں تمہارے رب نے
مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ
تمہاری جوروئیں؟ بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے۔ بولے۔ اگر نہ چھوڑے گا

يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

تو اے لوط تو تو نکالا جاوے گا۔ کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اے رب! خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سارے۔

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا

مگر ایک بڑھیا رہی رہنے والوں میں۔ پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان دوسروں کو۔ اور برسایا

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ

ان پر ایک برساؤ سو کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور

مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع ۹ ۱۶ ۱۳

وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصۂ ششم۔ حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ ... الى ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾﴾

یہ چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سدوم کی طرف بھیجے گئے سدوم۔ شام کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ شہوت پرستی میں غرق تھے اور خاص طور پر لواطت میں مبتلا تھے لوط علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی مگر ان بدبختوں نے ایک نہ سنی بالآخر سب ہلاک کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لوط کی قوم نے بھی سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بنا کر بھیجا گیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہارا خیر خواہ اور بے غرض ناصح ہوں میں تم سے اس دعوت اور نصیحت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میری اجرت اور میرا اجر تو اللہ رب العالمین پر ہے کیا سارے جہان میں تم ہی ایسے ہو کہ مردوں اور لڑکوں سے قصد شہوت کرتے ہو اور چھوڑتے ہو تم اپنی بیبیوں کو جن کو تمہارے لیے تمہارے رب نے پیدا کیا ہے اور اس فعل شنیع کے ارتکاب سے تم فقط گناہ گار نہیں بلکہ حدود انسانیت سے تجاوز کرنے والے ہو بیبیوں کو چھوڑ کر مردوں سے مباشرت کرنا قضاء شہوت نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی خباثت ہے اور سراسر شیطانیت ہے وہ لوگ جواب میں بولے اے لوط اگر تو ہمیں منع کرنے اور برا کہنے سے باز نہ آیا تو البتہ ہو جائے گا تو نکالے ہوئے لوگوں میں سے یعنی تجھ کو بستی سے نکال دیا جائے گا۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہاری اس دھمکی سے نہیں ڈرتا تحقیق میں تمہارے اس

عمل بد سے بغض اور نفرت رکھنے والوں میں سے ہوں اور تمہارے کام سے بالکل بیزار ہوں اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے خاص متعلقین کو اس بُرے کام کے وبال اور عذاب سے بچا جو ان پر آنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی پس نجات دی ہم نے اس کو اور اس کے سب متعلقین کو سوائے ایک بڑھیا کے جو حضرت لوط علیہ السلام کی بدقسمت بی بی تھی کہ جو پیچھے رہنے والوں میں رہی پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک اور تباہ کر دیا اور ان پر ایک خاص قسم کا برساؤ کیا یعنی پتھروں کا پس کیا ہی برا برساؤ تھا ان لوگوں کا جن کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ یعنی ان کی بستیاں زمین سے اوپر لے جا کر الٹ دی گئیں اور آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ بیشک اس قصہ میں نشانی اور عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور تیرا پروردگار زبردست ہے اور رحم والا ہے کہ دشمنوں کو ہلاک کیا اور لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا

جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم کو

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾

ڈر نہیں۔ میں تم کو پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

وَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

پورا بھردو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے۔ اور تولو سیدھی

الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي

ترازو۔ اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت دوڑو

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾

ملک میں خرابی ڈالتے۔ اور ڈرو اس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

بولے تجھ کو تو کسی نے جادو کیا ہے۔ اور تو یہی ایک آدمی ہے جیسے ہم

وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ

اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے۔ سو دے مار ہم پر کوئی پڑا آسمان کا

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

اگر تو سچا ہے۔ کہا میرا رب خوب جانتا جو تم کرتے ہو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ

پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑا ان کو آفت نے سائبان والے دن کی۔ بیشک وہ تھا عذاب

عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

بڑے دن کا۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔

۱۰ ع ۱۶ ۱۴ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾ ع

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصہ ہفتم۔ اصحاب الایکہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ ... الی ... وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾﴾

یہ ساتواں قصہ اصحاب ایکہ کا ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ علاوہ شرک کے ناپ تول میں بہت کمی کرتے حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگرانہوں نے نہ مانا بالآخر ہلاک ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ایکہ کے لوگوں نے شعیب علیہ السلام کونہیں بلکہ سارے رسولوں کو جھٹلایا ایکہ کے معنی بن کے ہیں۔ ایکہ ایک جنگل تھا جو مدین کے قریب تھا اس جنگل میں درخت اور پھل بہت تھے۔ ایکہ مدین کے متصل ایک مقام کا نام ہے حضرت شعیب علیہ السلام من جانب اللہ دوقوموں کی طرف مبعوث ہوئے ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک مدین کی طرف یہ لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ بدکار اور اوباش تھے کیل اور وزن میں کمی کرتے تھے جس پر بقاء باہمی کا دارومدار ہے جبکہ شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس وعظ اور تبلیغ پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا حق ربوبیت ادا کرو اور بندوں کی حق تلفی نہ کرو۔ پیمانہ پورا بھر کر دیا کرو اور نقصان پہنچانے والوں اور حق کم کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ ماپ تول میں کمی کرنا یہ بھی ایک قسم کا فساد ہے بلکہ چوری اور رہزنی کا ایک نمونہ ہے اور اس خدائے برتر سے ڈرو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تم کو

اور تم سے پہلی امتوں کو پیدا کیا اور تم کو عدم سے وجود میں لایا اور وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا تم پر اس کی فرمانبرداری لازم ہے۔ اہل ایکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اس نصیحت کے جواب میں بولے اور بطور حقارت ان سے یہ کہا کہ جزایں نیست کہ تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جن پر جادو کردیا گیا اس لیے تو بہکی ہوئی باتیں کررہا ہے۔ تو رسول الٰہی کیسے ہوسکتا ہے اور نہیں ہے تو مگر ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تجھے ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے ان نادانوں نے ظاہری صورت وشکل کی مماثلت سے یہ سمجھا کہ ہم اور وہ برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ صورت اور شکل کے اعتبار سے تو عاقل اور غافل اور عالم اور جاہل میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا اور بولے کہ ہم تو بلاشبہ تجھ کو جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں پس اگر تو دعوائے نبوت میں سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرادے تاکہ معلوم ہوجائے کہ تو سچا نبی ہے اور تیری تکذیب کی وجہ سے ہم پر یہ بلا نازل ہوئی۔ شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کررہے ہو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا دے گا مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ تم کو کیا سزا دے گا بالآخر ان کو یہی سزا ملی گئی جو انہوں نے مانگی تھی۔ پس اس قوم نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا۔ پس پکڑ لیا ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے سیاہ ابر سائبان کی شکل میں نمودار ہوا جس میں سے آگ برسی اور سب جل گئے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف بھیجا ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک اہل مدین کی طرف۔ اصحاب ایکہ کو اللہ تعالیٰ نے عذاب ظلہ سے ہلاک کیا اور اہل مدین پر جبرئیل علیہ السلام امین نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے کلیجے پھٹ گئے جیسا کہ سورۂ ہود میں اہل مدین کے عذاب کے بارے میں ہے ﴿وَ اَخَذَتِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَۃُ﴾ (ہود:۹) کہ اہل مدین کو ایک چیخ اور چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا اس قوم پر سات دن تک سخت گرمی پڑتی رہی کسی چیز سے ان کو تسلی نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا اس کو غنیمت سمجھ کر اس کے سائے میں آئے اور سب اس کے نیچے جمع ہوگئے۔ بادل میں سے آگ برسنی شروع ہوئی۔ سب جل کر مر گئے۔ اصحاب مدین قوم ثمود کی طرح صیحہ سے ہلاک ہوگئے اور اصحاب ایکہ عذاب یوم ظلہ سے ہلاک ہوئے۔ بیشک قوم ایکہ کی اس سرگزشت میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے اور باوجود اس کے ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بے شک تیرا پروردگار وہی غالب اور مہربان ہے کہ اہل ایمان کا کافروں سے اس طرح انتقام لیتا ہے۔

وَ اِنَّہٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۹۲﴾ؕ نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ۙ عَلٰی

اور یہ قرآن ہے اتارا جہان کے صاحب کا۔ لے اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر۔ تیرے

قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۹۵﴾ؕ وَ اِنَّہٗ

دل پر کہ تو ہو ڈر سنانے والا۔ کھلی عربی زبان سے۔ اور یہ لکھا ہے

لَفِیۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ اٰیَۃً اَنۡ یَّعۡلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا

پہلوں کی کتابوں میں۔ کیا ان کو نشانی نہیں ہوچکی؟ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۹۷﴾ؕ وَ لَوۡ نَزَّلۡنٰہُ عَلٰی بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِیۡنَ ﴿۱۹۸﴾ۙ فَقَرَاَہٗ

بنی اسرائیل کے۔ اور اگر اتارتے ہم یہ کسی اوپری زبان والے پر۔ اور وہ

عَلَیۡہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾ؕ کَذٰلِکَ سَلَکۡنٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِ

اس کو پڑھتا، تو بھی اس کو یقین نہ لاتے۔ اسی طرح پیٹھایا ہم نے اس کو گناہ گاروں کے دل

الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۲۰۰﴾ؕ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۲۰۱﴾ۙ

میں وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک نہ دیکھیں گے دکھ کی مار۔

فَیَاۡتِیَہُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ۙ فَیَقُوۡلُوۡا ہَلۡ نَحۡنُ

پھر آوے ان پر اچانک، اور ان کو خبر نہ ہو۔ پھر کہنے لگیں کہ ابھی ہم کو

مُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ؕ اَفَبِعَذَابِنَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰہُمۡ

فرصت ملے۔ کیا ہماری مار جلد مانگتے ہیں۔ بھلا دیکھ تو! اگر برتنے دیا ہم نے ان کو

سِنِیۡنَ ﴿۲۰۵﴾ۙ ثُمَّ جَآءَہُمۡ مَّا کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۰۶﴾ۙ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا

کئی برس۔ پھر پہنچا ان پر جس کا ان سے وعدہ تھا۔ کیا کام آوے گا ان کے

کَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ ﴿۲۰۷﴾ؕ وَ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا لَہَا مُنۡذِرُوۡنَ ﴿۲۰۸﴾ۖۛ ذِکۡرٰی ۛ قف

جتنا برتتے رہے۔ اور کوئی بستی نہیں کھپائی ہم نے جس کو نہ تھے ڈر سنانے والے۔ یاد دلانے کو

وَ مَا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۲۰۹﴾ وَ مَا تَنَزَّلَتۡ بِہِ الشَّیٰطِیۡنُ ﴿۲۱۰﴾ وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ

اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا۔ اور اس کو نہیں لے اترے شیطان۔ اور ان سے بن نہ آوے

لَہُمۡ وَ مَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾ؕ اِنَّہُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾ؕ فَلَا تَدۡعُ

اور وہ کر نہ سکیں۔ ان کو تو سننے کی جگہ سے کنارے کردیا ہے۔ سو تو مت پکار

مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۲۱۳﴾ۚ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ

اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم، پھر تو تم پڑے عذاب میں۔ اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک

الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

ناتے والوں کو۔ اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے۔

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ

پھر اگر تیری بے حکمی کریں تو کہہ دے میں الگ ہوں تمہارے کام سے۔ اور بھروسا کر اس زبردست

الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾

رحم والے پر۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے۔ اور تیرا پھرنا نمازیوں میں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾

وہ جو ہے وہی ہے سنتا جانتا۔ میں بتاؤں تم کو؟ کس پر اترتے ہیں شیطان۔

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

اترتے ہیں ہر جھوٹے گناہ گار پر۔ لا ڈالتے ہیں سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾

اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں۔ تو نہیں دیکھتا؟ کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر جو یقین لائے اور کیں

الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَ

نیکیاں اور یاد کی اللہ کی بہت اور بدلہ لیا پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱ / ۱۶ / ۱۵

اب معلوم کریں گے ظلم کرنے والے کس کروٹ الٹتے ہیں۔

خاتمۂ سورت = مضمون حقانیت قرآن
برائے اثبات رسالت نبی آخر الزمان ﷺ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؁۱۹۲ ... الی ... وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ؁۲۲۷﴾

ربط : ابتداء سورت میں حقانیت قرآن کا مضمون تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ثابت کرنا مقصود تھا۔ اس وجہ سے منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کے واقعات ذکر کیے۔ اب اخیر میں پھر اسی مضمون سابق کی طرف عود کرآتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اس کی تبلیغ اور دعوت میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور ان مشرکین کی پرواہ نہ کیجیے عنقریب ان ظالموں کو اپنے ظلم و ستم کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے جس سے مقصود بندوں کی تربیت ہے روح الامین یعنی جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر اس کو آپ ﷺ کے قلب پر اترے ہیں جو بندوں کے لیے روحِ ہدایت اور سامان حیات ہے جبرئیل علیہ السلام اللہ کے امانت دار فرشتہ ہیں جس طرح انہوں نے کلام اور پیغام کو سنا بلاکم وکاست اسی طرح آپ ﷺ کے قلب پر اتارا۔ روح الامین نے اللہ کی یہ امانت آپ ﷺ کے قلب مبارک پر لا کر اتاری تاکہ کلام خداوندی کے انوار و برکات آپ ﷺ کے قلب میں راسخ اور مرتکز ہو جائیں اور قلب مبارک اس قرآن کو اچھی طرح سمجھ لے اور خوب محفوظ کر لے کہ جس میں سہو اور نسیان اور بھول چوک کا امکان باقی نہ رہے۔ قرآن کریم کا نزول اوّل قلب مبارک پر ہوا اور پھر قلب سے حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ اور باقی اعضاء اور جوارح تک پہنچا۔ عقل اور ادراک کا منبع اور سرچشمہ دل ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ : ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ (قٓ:۳۷)

اس لیے اللہ کا کلام آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا اور یہ آنحضرت ﷺ کی خاص فضیلت [1] ہے کہ قرآن پاک آپ ﷺ کے قلب پر نازل ہوا بخلاف دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کے ان کی کتابیں بشکل الواح وصحف نازل ہوئیں پس ان کا نزول حضرات انبیاء علیہم السلام کی ظاہری صورتوں پر ہوا نہ کہ ان کے قلوب پر۔ اور جبریل امین علیہ السلام یہ قرآن صاف اور واضح عربی زبان لے کر آپ ﷺ کے قلب پر نازل [2] ہوئے تاکہ آپ ﷺ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں جس طرح انبیاء سابقین علیہم السلام نے منکرین اور مکذبین کو خدا کے قہر سے ڈرایا۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی نہ ماننے والوں کو ڈرائیں۔

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بے چون و چگون ہے۔ بندوں کی ہدایت کے لیے اس کو حروف عربیہ کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبریل امین علیہ السلام نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو سنا اسی

---

[1] قال ابن الشیخ فهو علیه افضل الصلاة والسّلام مختص بهذه الرتبة العلیة والکرامة السنیة من سائر الانبیاء فان کتبهم انزلت علیهم بالالواح والصحائف جملة واحدة فهی منزلة علی صورهم وظاهرهم علی قلوبهم حاشیۂ شیخزاده علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۶ ج ۳ وکذا فی روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶

[2] اشارہ اس طرف ہے کہ بلسان عربی تنزیل کے متعلق اور بعض علماء نے اس کو من المنذرین کے متعلق کہا ہے والاول هو الاظهر۔

طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ (دیکھو [1] حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں یہ قرآن آپ ﷺ کے قلب پر نازل کیا ہے اور اس قرآن کے الفاظ اور معانی سب القاء ربانی ہیں۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ فصحاء عرب نظم قرآنی کے اعجاز کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے کسی بشر کا کلام نہیں اور اگر باوجود اس واضح اعجاز کے کوئی کور باطن قرآن کی حقانیت اور کلام خداوندی ہونے کا انکار کرے تو آپ ﷺ یہ کہہ دیجیے کہ بلاشبہ اس قرآن کی اور اس کے لانے والے کی خبر پہلے لوگوں کی آسمانی کتابوں میں موجود ہے کہ یہ قرآن اخیر زمانہ میں پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر نازل ہوگا۔ نزولِ قرآن سے قرنہا قرن پہلے انبیاء سابقین علیہم السلام کی کتابوں میں اس خبر کا مذکور ہونا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ اور منزل من اللہ ہے کسی سے پڑھ کر یا کسی سے سمجھ کر آپ ﷺ یہ آیتیں تلاوت نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ اس قرآن کی حقانیت اور صداقت کا انکار کرتے ہیں کیا ان کے پاس اس کی صداقت اور حقانیت کی یہ نشانی موجود نہیں کہ علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ بہت سے یہود اور نصاریٰ اسی بنا پر مسلمان ہوئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر توریت اور انجیل اور زبور اور دیگر آسمانی کتابوں میں دی گئی جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اور بہت سے علماء یہود اور نصاریٰ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر اپنی خصوصی مجلسوں میں اس کا اقرار کرتے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں اور یہ وہی کتاب ہے کہ جس کے ظہور اور نزول کی خبر آسمانی صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ جن یہود اور نصاریٰ میں ذرا بھی انصاف تھا۔ وہ اقرار کرتے تھے کہ قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے اور زمانۂ نزول میں کسی یہودی اور نصرانی عالم کی یہ جرأت نہیں کہ وہ قرآن کی ان آیات کی تکذیب اور انکار کر سکے۔ توریت اور انجیل میں اگرچہ بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے لیکن اب بھی ان میں قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی بشارتیں موجود ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ ہم نے سیرۃ المصطفیٰ کے حصۂ چہارم میں ذکر کر دیا ہے اور "بشائر النبیین بظہور خاتم الانبیاء والمرسلین" کے نام سے علیحدہ بھی طبع ہو چکی ہے۔ چنانچہ توریت سفر استثناء کے اٹھارویں باب درس ۱۸ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ:

"میں ان کے لیے (یعنی بنی اسرائیل) کے لیے ان کے بھائیوں میں سے (یعنی بنی اسمٰعیل میں سے) اے موسیٰ (علیہ السلام) تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" انتہیٰ

اس بشارت میں موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کے برپا کرنے سے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی طرف اشارہ ہے اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالنے سے نزول قرآن کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] قال ابن الشیخ فالقرآن کلام اللہ وصفۃ القائمۃ بہ کساہ کسوۃ الالفاظ المرکبۃ من الحروف العربیۃ ونزلہ الی جبریل وجعلہ امینا لئلا یتصرف فی حقائقہ ثم نزل بہ کما ھو علی قلب رسول اللہ ﷺ لیتعرفہ ویتخلق بخلقہ ویتنور بانوارہ ویتحلی بحقائقہ ففھم وتمکن من تفھیمہ یفسرہ ۱.ھ حاشیۂ شیخزادہ ص ۴۷۹ ج ۳۔

خلاصۂ کلام یہ کہ علماء بنی اسرائیل اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس قرآن کی خبر اگلی کتابوں میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی مذہب کا عالم کسی بات کی گواہی دیتا ہے تو اس چیز کا یقین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اہل مکہ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور ان کو چاہیے کہ اس پر ایمان لے آویں۔ اور لیکن یہ لوگ حد درجہ کے معاند ہیں۔ بالفرض اگر ہم اس عربی کتاب کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی بولنے پر قادر نہ ہوتا۔ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا جس سے اس کا اعجاز اور ظاہر ہو جاتا تو یہ عنادی لوگ تب بھی اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس نبی کی زبان بھی عربی ہے ممکن ہے کہ اس شخص نے خود اس قرآن کو بنا لیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ لوگ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اگر ہم اس قرآن عربی کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی کا ایک حرف بولنے پر بھی قادر نہ ہوتا اور وہ اس قرآن کو ان پر نہایت صحیح طریقہ سے پڑھتا تو تب بھی عناد کی وجہ سے ایمان نہ لاتے حالانکہ اس وقت اس میں دو اعجاز جمع ہو جاتے۔ ایک اعجاز تو خود قرآن کا اور ایک اعجاز اس عجمی کی قراءت کا۔ کیونکہ عجمی شخص پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس عجمی نے خود اس نظم عربی کو بنا لیا ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو لغت عجم میں کسی عجمی پر اتارتے اور پھر وہ ان کو اپنی زبان میں پڑھ کر سناتا تو تب بھی ایمان نہ لاتے اور یہ کہتے کہ ہم اس زبان کو نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۴۴)

غرضیکہ نہ ماننے کے سو بہانے۔ لہٰذا اے نبی! آپ ﷺ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھیے دیکھ لیجیے کہ ہم مجرموں کے دلوں میں اس طرح انکار اور تکذیب کو اتار دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ پچھلی اُمتوں کی طرح دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پھر وہ عذاب دُنیا ہی میں ان پر اچانک آ جائے اور ان کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہو۔ پھر کہنے لگیں کہ کیا کچھ ہم مہلت دیئے جائیں گے کہ ایمان لا سکیں لیکن یہ وقت مہلت کا نہیں۔ مہلت کا وقت تو گزر چکا اب تو سر پر مصیبت آ پہنچی یہ مجرمین پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بطور تہدید اور استہزاء ان کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب میں جلدی مچاتے ہیں اور ہمارے نبی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ بتلایئے کہ ہم پر کب عذاب آئے گا اور کہتے ہیں کہ ﴿وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ (ص: ۱۶) اور ﴿فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (الانفال: ۳۲) اور ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ﴾ (الاعراف: ۷۰) اور حال یہ ہے کہ عذاب کو دیکھ کر مہلت مانگ رہے ہیں۔ عذاب کی تعجیل تو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی بات کو غلط سمجھتے ہیں اور مہلت مانگنا اس کی دلیل ہے کہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہے ہیں اے نبی ﷺ! دیکھیے تو سہی اگر ہم ان کو عمر دراز دے کر سالہا سال بہرہ مند کر دیں پھر مدت دراز کے بعد ان پر وہ عذاب آ جائے جس کا ان سے وعدہ تھا تو وہ سالہا سال کی بہرہ مندی ان کو کچھ کام نہ آئے گی۔ اور عذاب کو ان سے دفع نہ کر سکے گی۔ اور ایک لمحہ کا عذابِ لاحق سالہا سال کے عیش و عشرت اور سابق تمتع کو یکلخت ختم کر دے گا۔

اور ہم نے کسی بستی کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا مگر وہاں لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے موجود تھے۔ بطور نصیحت ان کو حق کی طرف بلاتے تھے جب حجت پوری ہو گئی تب عذاب آیا اور ہم ظالم نہیں کہ ڈرانے سے پہلے یکایک عذاب نازل کر دیں۔

ابطال کہانت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَ مَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾﴾

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے جس کو جبریل امین علیہ السلام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اُترے ہیں۔ اب آگے ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن جن اور شیاطین کا القاء ہے۔ جیسے شیاطین کاہنوں پر القاء کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کا کلام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں بلکہ اس قرآن کو تو جبریل امین علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اور نہ شیاطین کے لیے یہ سزاوار ہے کہ وہ ایسی کتاب ہدایت کو لے کر آئیں یہ کتاب تو سرچشمۂ ہدایت ہے اور شیاطین سرچشمۂ ضلالت وشقاوت ہیں وہ اس کو کس طرح اتار سکتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ تحقیق وہ فرشتوں کے کلام سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔ ملأ اعلیٰ اور خطیرۃ القدس تک ان کی رسائی نہیں تو پھر وہ قرآن کو کس طرح سن سکتے ہیں۔ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ پہلے جنات آسمان پر جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن کر آتے تھے تو ساحروں اور کاہنوں پر اترتے اور ان کو القاء کرتے وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن شروع ہوا تو آسمانوں پر پہرے لگا دیئے گئے کہ شیاطین وہاں جا کر کوئی حرف نہ سن سکیں اگر وہاں جاتے ہیں تو ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ﴿۸﴾ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾﴾ (الجن: ۸، ۹)

وَ قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾﴾ (الجن: ۲۷)

ان غیبی پہروں کے ہوتے ہوئے شیاطین کا وہاں گزر نہیں تو پھر وہ کیسے کوئی حرف اچک سکتے ہیں۔ یہ قرآن القاء رحمانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ اس لیے کہ جس بارگاہ سے یہ قرآن نازل ہو رہا ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ دوم یہ کہ القاء شیطانی نفوسِ خبیثہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوسِ قدسیہ پر۔

غرضیکہ قرآن کریم نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے شیاطین کے القاء سے بالکلیہ محفوظ ہے۔ سوائے نبیؐ! حسبِ ہدایتِ قرآن تم توحید کی دعوت میں لگے رہو اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو مبادا کہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے آیت میں خطاب اگرچہ نبی کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بفرضِ محال اگر نبی بھی شرک کرنے لگے تو اس پر بھی عذاب آئے تو دوسروں کی کیا حقیقت ہے اور اے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمارے عذاب سے ڈرایئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خویش و اقارب کو جمع کر کے عذاب الٰہی سے ڈرایا اور پوری طرح حکم خداوندی کی تعمیل کی اس آیت میں کفار اور مشرکین کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا۔ اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کی مدارات اور ان کے ساتھ تواضع کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اے نبیؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بازو کو ان مسلمانوں کے لیے پست کر دیجیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بن چکے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں پس اگر آپ کی قوم والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں تو آپ

ﷺ کہہ دیجیے کہ میں بری اور بیزار ہوں اس کام سے جو تم کر رہے ہو اور ان کی طرف سے ایذاء اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لائیے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھیے جو غالب اور مہربان ہے اور آپ ﷺ کا نگہبان ہے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور نیز دیکھتا ہے وہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست کو سجدہ کرنے والوں میں یعنی جب آپ ﷺ جماعت میں رکوع و سجود کرتے ہیں اللہ اس سے بھی واقف ہے اس سے جماعت کی فضیلت نکلتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارکانِ نماز میں سجدہ ایک خاص شان رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خاص طور پر دیکھتا ہے جب آپ ﷺ تنہا نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ ﷺ جماعت میں ہوتے ہیں تب بھی آپ کو دیکھتا ہے اور نماز کے علاوہ اور حالات میں بھی آپ کو دیکھتا ہے غرضیکہ ہر حال میں آپ ﷺ پر اس کی نظر عنایت ہے۔ بیشک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے کوئی حالت اس کے علم محیط سے خارج نہیں۔

اور بعض سلف یہ کہتے ہیں کہ ساجدین سے حضور پُرنور ﷺ کے آباؤ اجداد مراد ہیں اور یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام سے لے کر حضور ﷺ کے والدین تک آپ ﷺ کی روح پاک کو ایک ساجد اور موحد سے دوسری ساجد اور موحد کی طرف منتقل فرمایا اور آپ ﷺ کے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک نہ تھا اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر تو بنصِ قرآنی مشرک تھے بعض نے اس کا یہ جواب دیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے بلکہ چچا تھے اور مجازاً چچا پر بھی باپ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور بعض نے یہ کہا کہ آزر کے شرک کرنے سے پہلے نور نبوت منتقل ہو چکا تھا۔

تتمۂ ابطال کہانت

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن کہانت نہیں اور آنحضرت ﷺ کاہن نہیں اب آئندہ آیت میں اسی کا تتمہ ہے کہ یہ قرآن وحی الٰہی ہے اس میں شیاطین کا کوئی دخل نہیں۔ اے نبیؐ! آپؐ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ کیا میں تم کو خبر دوں کہ کس قسم کے شخص پر شیاطین نازل ہوتے ہیں تاکہ تم پر وحی ربانی اور وحی شیطانی کا فرق واضح ہو جائے۔ سو سن لو شیاطین ہر جھوٹے فریبی بدکار پر اترتے ہیں جیسے مسیلمۂ کذاب اور دیگر کاہن اس قسم کے جھوٹے اور مکار لوگوں پر شیاطین اترتے ہیں اور یہ شیاطین فرشتوں سے کوئی سنی ہوئی بات ان کاہنوں پر لا کر القاء کرتے ہیں اور ان کاہنوں میں کے اکثر لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ پر شیطان آتا ہے اور وہی ان کو یہ قرآن تعلیم کر جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ شیاطین تو جھوٹے بدکاروں پر آتے ہیں اور چوری چھپے جو کوئی ایک آدھی بات فرشتوں سے سن بھاگتے ہیں وہ ان کاہنوں پر القاء کر دیتے ہیں پھر وہ بدکار کاہن اس میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ راست بازوں اور حق پرستوں کے پاس شیاطین کا کیا کام۔ ان کے تو سایہ سے بھی وہ بھاگتے ہیں اور ہمارے نبی ﷺ تو صدقِ مجسم ہیں ان کی زبان سے تو کوئی جھوٹ حرف نکل ہی نہیں سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ قرآن شیاطین کا کلام نہیں۔ خدا کا کلام ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں یلقون کی ضمیر افاکین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جھوٹے اور بدکار لوگ ہمہ تن شیاطین کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں جو کچھ ان سے مل جاتا ہے اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے چلتا کرتے ہیں اور برخلاف حضور پُرنور ﷺ کے کہ آپ ﷺ نے جو پیش گوئیاں کی ہیں اور آئندہ کی خبریں دی ہیں وہ حرف بحرف صحیح نکلیں ان میں ذرّہ برابر جھوٹ کی ملاوٹ نہیں۔

ابطال شاعریت

کفار آنحضرت ﷺ کو کبھی کاہن بتاتے اور کبھی شاعر بتاتے۔ گزشتہ آیات میں آپ ﷺ کے کاہن ہونے کی تردید کی اب آئندہ آیت میں آپ ﷺ کے شاعر ہونے کی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ قرآن کو شعر کہنا اور حضور پرنور ﷺ کو شاعر کہنا مشرکین کی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور شاعروں کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ جو خیالی اور نفسانی چیزوں کے دلدادہ ہوتے ہیں برخلاف محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروی کرنے والوں کے' کہ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار ہیں اور آخرت کے طلبگار اور دُنیا سے بیزار ہیں۔

پس اگر محمد ﷺ شاعر ہوتے اور شاعروں کی طرح نفسانی اور خیالی باتیں کیا کرتے تو آپ ﷺ کے پیروی کرنے والے فسق وفجور سے بیزار نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ شاعر نہیں اس لیے کہ آپ کا کلام ہادیانہ اور ناصحانہ ہے اور آپ ﷺ کے پیرو آخرت کے طلبگار ہیں اور فسق وفجور سے نفور اور بیزار ہیں۔ اے دیکھنے والے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ شاعر لوگ خیالی مضمون کے ہر جنگل میں حیران وسرگرداں ٹکریں مارتے پھرتے رہتے ہیں۔ کبھی مدح اور کبھی قدح اور کبھی ہجو اور کبھی خوشامد اور کبھی عشق بازی اور ہر ایک میں جھوٹ اور مبالغہ کسی کی تعریف پر آئے تو اسے آسمان پر چڑھا دیا اور جس کی بُرائی پر آئے اس میں دُنیا بھر کے عیب ثابت کردیئے۔ ہر وقت بیابان خیال میں گھومتے اور جھومتے رہتے ہیں۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ محفل گرم ہوجائے اور تھوڑی دیر کے لیے لوگوں کی زبان پر واہ واہ آجائے۔ غرضیکہ انواع کِذب ودروغ میں کوئی نوع ایسے نہیں چھوڑتے جس میں نہ گھستے ہوں۔ جھوٹ کی گھاٹیوں میں سے ہر گھاٹی میں داخل ہوتے ہیں ﴿فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ فحش اور بےحیائی اور باطل اور بیہودگی کی ہر وادی میں حیران اور سرگرداں پھرتے ہیں اور اسی لیے شاعر لوگ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی اکثر اقوال میں جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات شعراء اپنے اشعار میں تعلّی کے طور پر ایسی باتیں کہتے ہیں جو واقع میں اس سے صادر نہیں ہوتیں چنانچہ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر کر خراب ہوجانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرا جائے۔

مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے اور جس پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ کا رسول ہے نہ کاہن ہے اور نہ شاعر ہے کیونکہ آپ کا حال کاہنوں اور شاعروں کے بالکل خلاف ہے۔ کاہن تو مکار اور بدکار ہوتے ہیں جن پر شیاطین اترتے ہیں اور دروغ گو اور بدکار ہوتے ہیں جن کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر وادیٔ خیال میں حیران اور سرگرداں ہوتے ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن از قبیل شعر واشعار نہیں کیونکہ شعراء کا کام مبالغہ اور افراط وتفریط ہے جس کو اصلاحِ اخلاق و اعمال سے مناسبت نہیں اور اس وحی الٰہی میں ہدایت اور اصلاح اخلاق واعمال بروجہ اتم واکمل مرکوز ہے۔

حکایت:

محمد بن اسحاق اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الطبقات میں ذکر کیا ہے کہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ کو صوبہ بصرہ کے ضلع میسان کا عامل مقرر کرکے بھیجا اتفاق سے نعمان رضی اللہ عنہ شاعر تھے شعر کہا کرتے تھے انہوں نے یہ شعر کہے۔

الا هل اَتَى الحسناء ان خليلها بميسان يسقى فى زجاجٍ وَحَنْتم

کیا اس حسینہ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس کا دوست مقام میسان میں رہتا ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ اس کو شیشہ میں اور سبز کوزے میں شراب پلائی جاتی ہے۔

اذاشئت غنّتنى دهاقين قريةٍ ورقاصة تحثو على كل مَبْسم

جب میں چاہتا ہوں تو بستی کی عورتیں مجھے گانا سناتی ہیں اور ایک رقاصہ رقص کرتی ہے اور اس رقاصہ کے ناچنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر ایک منہ پر خاک ڈالتی ہے۔

فان كنت ندمانى فبالاكبر اسقنى ولاتسقنى بالاصغر المتثلِم

پس اگر تو میرا ندیم اور شراب میں ہم نشین بنتا ہے تو مجھ کو بڑے پیالہ سے شراب پلا اور چھوٹے پیالہ سے جس میں کوئی رخنہ پڑا ہوا ہو شراب نہ پلا۔

لعل امير المؤمنين يَسُوئُه تَنَادُمنَا بِالْجَوْسَقِ الْمُتَهدم

مجھے ڈر ہے کہ شاید امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو گری پڑی جھونپڑی میں ہماری یہ ہم نشینی ناگوار گزرے۔

اتفاق سے یہ شعر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچ گئے سنتے ہی فرمایا: اى والله انه لتسؤنى ومن لقيه فليخبره انى قد عزلته. ہاں خدا کی قسم یہ بات مجھے بُری معلوم ہوئی اور جو شخص اس سے ملے تو اسے خبر کردے کہ میں نے اس کو معزول کردیا اور ایک فرمان اس کے نام جاری کیا وہ یہ تھا۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③﴾ اما بعد فقد بلغنى قولك۔

لعل امير المؤمنين يسوئه تناد منا بالجوسق المتهدم

وايم اللّٰه انه يسؤنى وقد غرلتك۔ انتهى

ان آیات کے لکھنے کے بعد لکھا کہ مجھے تیرا یہ قول پہنچا لعل امیر المؤمنین یسوءہ خدا کی قسم مجھے تیرا یہ قول ناگوار گزرا اور میں نے تجھے معزول کیا۔

بعد ازاں نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس شعر پر سخت ملامت کی۔ نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ نے عذر کیا اور عرض کیا کہ قسم ہے خدا کی۔ میں نے کوئی قطرہ شراب کا نہیں پیا اور یہ شعر بطور لغو میری زبان سے نکل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا گمان بھی یہی ہے ولیکن واللہ اس کے بعد میرا عامل اور حاکم نہیں بن سکتا جبکہ تو کہہ چکا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۴ ج ۳)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے بیباکانہ شعر کی وجہ سے اس کو عہدہ سے معزول تو کردیا۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان پر حد شراب جاری کی یا نہیں حالانکہ اشعار میں شراب خوری کا اقرار موجود ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اسی آیت میں شعراء کے متعلق یہ آیا

ہے ﴿وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ کہ شعراء اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں کہ جو کرتے نہیں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد نہیں لگائی فقط ملامت کی اور ان کو معزول کر دیا۔

شانِ نزول:

جب یہ آیت ﴿وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ نازل ہوئی تو حسان بن ثابت اور عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے تو کیا ہم بھی اس عموم میں داخل ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت یعنی ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ گزشتہ آیت کے عموم سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو حالت بیان کی گئی وہ حالت شعراء کفار بدکردار کی ہے اور اس سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے وہ ہر وادیٔ خیال میں نہیں گھومتے اور نہ ان کا قول ان کے فعل کے خلاف ہوتا ہے اور انہوں نے اللہ کو کثرت سے یاد کیا یعنی اپنے اشعار میں اللہ کی عظمت اور جلال کو ذکر کیا اور آخرت کو یاد کیا اور اگر اپنے اشعار میں کسی کی ہجو کی تو ذاتی عداوت کی بناء پر نہیں کی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دشمنانِ اسلام سے بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا یعنی کفار نے جو اسلام اور مسلمانوں اور اللہ اور اس کے رسول کی ہجو کی تھی اس کا جواب دیا اور ظالم سے بدلہ لینا عقلاً و شرعاً جائز ہے اس لیے اس قسم کے شعراء اسلام حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شعراء اسلام پر اس کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ تم ہو یعنی اس آیت میں جن مؤمنین صالحین اور ذاکرین اور منتصرین کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا اس کے مصداق تم ہو۔ نہ تم گمراہ ہو اور نہ گمراہوں کے پیرو ہو بلکہ مظلوم ہو تم نے ظالموں سے اپنا انتقام لیا ہے اور عنقریب یہ ظالم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شعر اور کہانت کی نسبت کرتے ہیں۔ جان لیں گے کہ کس کروٹ پلٹتے ہیں اور ان کا کیا ٹھکانہ ہے یعنی عنقریب ان کو اپنے ظلم و ستم کا انجام معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اللہ کے رسول اور اس کے ماننے والوں پر کیا ظلم کیا ان ظالموں کا ٹھکانہ آتشِ دوزخ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لطائف و معارف

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپ کی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لیے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے۔ اب خاتمۂ سورت پر اسی سابق مضمون کی طرف عود فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبریل امین علیہ السلام آپ کے قلب مبارک پر نازل کی گئی پھر اس کی حقانیت پر یہ دلیل بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیت کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں ان کو خوب معلوم ہے کہ اس کتاب کے نزول کا ذکر زُبرِ اوّلین یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کے صحیفوں میں موجود ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی اور ایسی کتاب نازل ہوگی جیسا کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ﴾ (الاعراف: ۱۵۷) اسی طرح توریت اور انجیل میں نزول قرآن کا بھی ذکر ہے پھر قرآن کے عربی میں نازل ہونے کی وجہ بیان

فرمائی پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ اور اس کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

اوّل یہ کہ ملأ اعلیٰ تک جو احکام الٰہیہ کے نزول اور نفاذ کا محل ہے وہاں تک شیاطین پہنچنے سے محروم ہیں۔

دوم یہ کہ سنت اللہ جاری ہے کہ القاء شیطانی نفوس خبیثہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوس قدسیہ پر کیونکہ مفید اور مستفید کے درمیان وجہ مناسبت ضروری ہے ورنہ افادہ واستفادہ محقق نہیں ہوسکتا اور آنحضرت ﷺ کا نفس عالی نفوس قدسیہ میں سے تھا جو غایت درجہ اخلاقی اور اعمالی طہارت کے ساتھ موصوف تھا۔

نیز یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید از قبیلِ اشعار نہیں کیونکہ شعراء کا کام افراط وتفریط ہے اس لیے وہ اصلاحِ اخلاق واعمال اور ہدایت خلق اللہ سے فی الجملہ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور وحی الٰہی میں ہدایت اور اصلاحِ اعمال و اخلاق بروجہ اتم مرکوز کی گئی ہے کما لا یخفی بعد ازاں یہ حکم دیا کہ بالخصوص اپنے خویش واقارب کو اور قریبی قبائل کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور جو لوگ آپ کے متبع اور پیرو ہیں ان کے ساتھ تلطف اور مدارات کا معاملہ فرمائیں اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں اور چونکہ سورۂ شعراء مکیہ ہے۔ لہٰذا اس آیت میں مؤمنین سے بلحاظ نزول آیت وحی مہاجرین اوّلین مراد ہیں۔ وھو المقصود۔ (ماخوذ از ازالۃ الخفاء)

تمام اُمت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ما بین دفتی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں دو دفتوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ نہ مانے وہ کافر ہے لیکن وہ اسی مصحف کے نقوشِ کتابیہ اور حروف مطبوعہ کو قدیم نہ مانے تو اس انکار سے وہ کافر نہ ہوگا۔ جن الفاظ قرآن کو اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآنیہ کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ وہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن ہمارے لیے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الٰہی جو ذاتِ باری کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفت ہے کہ وہ بلاشبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قراءت اور سماعت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اس کو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تا کہ خدا کی صفت میں اور بندہ کی صفت میں فرق ہو جائے مطلقاً کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

الحمد للہ! تفسیر سورۂ شعراء بتاریخ ۹ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۱ھ تمام ہوئی۔ وللہ الحمد والمنۃ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور تفسیر کے اتمام واکمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ النمل

سُوۡرَۃُ النَّمۡلِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ وَّتِسۡعُوۡنَ اٰیَۃً وَّسَبۡعُ رُکُوۡعَاتٍ

یہ سورت مکی ہے اس سورت میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔ "نمل" عربی زبان میں چیونٹی کو کہتے ہیں چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا قصہ مذکور ہے اس لیے یہ سورت "سورۃ النمل" کے نام سے موسوم ہوئی اور چیونٹی کا یہ قصہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے جیسے بوقت ہجرت غارِ ثور میں مکڑی کا جالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل تھی۔ ہُد ہُد کے خط لیجانے کا واقعہ اور بلقیس کے تخت حاضر کرنے کا واقعہ وغیرہ وغیرہ یہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور براہین تھے اور اس سورت میں سلیمان علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا طریقہ بھی ذکر کیا اور چیونٹی کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی اس بات کا علم ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب کرام اس سے منزہ ہیں کہ جان بوجھ کر کسی کو تکلیف پہنچائیں جیسا کہ نمل کے قصہ میں یہ آیت آنے والی ہے۔

﴿قَالَتۡ نَمۡلَۃٌ یّٰۤاَیُّہَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰکِنَکُمۡ ۚ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ ۙ وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن و اثباتِ وحی رسالت سے ہوا اور اسی مناسبت سے بعض انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصے مذکور ہوئے۔ اثبات رسالت کے بعد توحید اور دلائل توحید کا مضمون بیان ہوا۔ جو ﴿قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ﴾ سے شروع ہوا اثبات رسالت اور اثبات توحید کے بعد جو تیسرا مضمون بیان فرمایا وہ اثبات معاد اور اشراط ساعت یعنی علامات قیامت اور جزا و سزائے آخرت کے متعلق بیان فرمایا جو ﴿قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ سے شروع ہو کر ختم سورت تک چلا گیا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قصے ذکر کیے اوّل قصہ موسیٰ علیہ السلام دوم قصہ سلیمان علیہ السلام، سوم قصہ ملکہ سباء چہارم قصہ صالح علیہ السلام پنجم قصہ لوط علیہ السلام۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

آیاتُہا ۹۳	(۲۷) سُوۡرَۃُ النَّمۡلِ مَکِّیَّۃٌ (۴۸)	رُکُوۡعَاتُہَا ۷

یہ سورت مکی ہے اس کی ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

طٰسٓ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی

طٰسٓ ○ یہ آیتیں قرآن اور کھلی کتاب کی۔ سوجھ اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ
ایمان والوں کو۔ جو کھڑی رکھتے ہیں نمازاور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا
پچھلا گھر یقین جانتے ہیں۔ جولوگ نہیں مانتے آخرت کو ان کو بھلے دکھائے
لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ
ہیں ہم نے ان کے کام سو وہ بہکے۔ وہی ہیں جن کو بری طرح کی مار ہے
وَ هُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ
اور آخرت میں وہی ہیں خراب۔ اور تجھ کو تو قرآن ملتا ہے
لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶
ایک حکمت والے خبردار سے۔

حقانیت قرآن واثبات رسالت وترغیب براعمال آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ... الیٰ... وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶﴾

طٰسٓ ۝ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ یہ سورت آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی یعنی ایسی کتاب کہ جوحق اور باطل کوواضح کرنے والی ہے اور یہ آیتیں ہدایت اور بشارت ہیں ایمان والوں کے لیے حق کا راستہ بتلاتی ہیں اور جنت کی خوشخبری سناتی ہیں اوران مؤمنین کی صفات یہ ہیں کہ وہ نماز ٹھیک ٹھک ادا کرتے ہیں جوعبادات بدنیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے ہیں جو عبادات مالیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اوران کی حالت یہ ہے کہ وہ آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں آخرت ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اور خوف عاقبت ان کو دامن گیر رہتا ہے اور آخرت کا یقین اوراس کی فکر یہی تمام عقائد اور اعمال صالحہ کی روح رواں ہے البتہ جولوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کا حال یہ ہے کہ ہم نے ان کی نظر میں ان کے اعمال قبیحہ کو مزین اور خوبصورت کردیا ہے کہ وہ اپنے قبیح افعال کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی بُرے اعمال کو ان کے لیے بالطبع مرغوب اور محبوب بنا دیا کہ وہ بُرے کام ان کو اچھے نظر آتے ہیں۔ پس یہ لوگ نفسانیت اور شہوانیت میں سرگرداں ہیں۔ نفسانیت اور شہوانیت نے ان کو اندھا بنا دیا ہے ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ دُنیا کی محبت خود ایک مستقل عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں تو بالکل ہی خسارہ میں ہوں گے جس کے بعد کسی کامیابی کی امید نہیں اور تحقیق آپ پر یہ قرآن القاء کیا جاتا ہے ایسی ذات والا صفات کی طرف سے جو بڑا دانا اور حکمت والا ہے جس کا ہر حرف عین علم

اور عین حکمت ہے جو شہوت پرستوں اور نفس پرستوں پر ناگوار ہے ہر نفس فرعون کا نمونہ ہے تکبر اور غرور کے نشہ میں چور ہے حق کو سننا نہیں چاہتا اور قرآن کریم کا اسرار علم و حکمت پر مشتمل ہونا بھی اسی حقانیت کی دلیل ہے اب اس کے بعد پانچ قصے ذکر فرماتے ہیں جو سب کے سب علم و حکمت پر مشتمل ہیں اور آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہیں۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ
جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو، میں نے دیکھی ہے آگ اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر، یا لاتا ہوں
بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ
انگارا سلگا کر، شاید تم تاپو۔ پھر جب پہنچا اس پاس آواز ہوئی کہ برکت رکھتا ہے
مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۸ یٰمُوْسٰۤی
جو کوئی آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے ذات اللہ کی جو صاحب سارے جہان کا! اے موسیٰ!
اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۹ لا وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ
وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا۔ اور ڈال دے لاٹھی اپنی۔ پھر جب دیکھا اس کو پھن پھناتے
كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۫ قف اِنِّیْ
جیسی سانپ کی سٹک، پھرا پیٹھ دے کر اور پیچھے نہ دیکھا اے موسیٰ! ڈر نہ کھا۔ میں جو ہوں
لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ صلے اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا
میرے پاس نہیں ڈرتے رسول۔ مگر جس نے زیادتی کی پھر بدل کر نیکی کی
بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ
برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور ڈال ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے
بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ قف فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ
چٹا، نہ کچھ برائی سے یہ مل کر نو نشانیاں فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔ بیشک وہ

كَانُوا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا

تھے لوگ بے حکم۔ پھر جب پہنچیں ان پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو، بولے یہ

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑬ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا

جادو ہے صریح۔ اور ان سے منکر ہوگئے اور ان کو یقین جان چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی

وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ⑭ ع

اور غرور سے۔ سو دیکھ کیسا ہوا آخر بگاڑنے والوں کا۔

ع ۱ ۱۴ ۱۶

قصۂ اوّل۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ ... الی... عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾

ربط: اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو بیان فرمایا پھر اس کی تائید کے لیے پانچ قصے بیان فرمائے۔ ① قصۂ موسیٰ علیہ السلام بافرعون۔ ② قصۂ داؤد علیہ السلام مشتمل بر قصۂ نمل (چیونٹی) جس کو باوجود ایک حقیر جانور ہونے کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معرفت حاصل تھی اور خدا کے رسول ﷺ کی عصمت اور نزاہت کا یقین کامل تھا کہ وہ دیدہ ودانستہ کسی کے لیے باعث ایذاء نہیں بن سکتے۔ ③ قصۂ بلقیس بزبان ہُد ہُد جو سلیمان علیہ السلام کے متعدد معجزات پر مشتمل ہے۔ ④ قصۂ صالح علیہ السلام۔ ⑤ قصۂ لوط علیہ السلام بعدہٗ چند حکمت اور موعظت کی باتیں بیان فرمائیں۔ اوّل موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو رسالت کا منصب عطا فرمایا اور کیسے معجزات قاہرہ ان کو عطا کیے تاکہ ان کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین عام لوگوں کے سامنے آجائیں تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین اور منکرین کا کیا انجام ہوتا ہے اس عبرتناک قصہ کو سن کر اہل ایمان کو تسلی ہوگی اور منکرین اور مکذبین کو عبرت ہوگی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی ﷺ! اس وقت کا قصہ ذکر کیجیے کہ جب موسیٰ بن عمران علیہ السلام مدین سے واپس ہوئے اور مصر کی طرف متوجہ ہوئے اور رات کا وقت تھا اور سردی تھی اور بیوی صفوراء بنت شعیب علیہ السلام ہمراہ تھیں۔ اور راستہ بھول گئے تھے اس وقت اپنی اہلیہ سے اور ساتھ والوں سے کہا کہ میں نے کوہ طور کی طرف ایک آگ دیکھی ہے ابھی جا کر میں وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر اور پتہ لے کر آؤں گا اگر کوئی اس آگ کے قریب ہوا تو اس سے راستہ کی خبر پوچھ لوں گا یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لے کر آؤں گا تاکہ تم اس سے تاپو اور گرمی حاصل کرو۔ پس موسیٰ علیہ السلام جب اس آگ کے پاس پہنچے تو من جانب اللہ ان کو ندا کی گئی یعنی آواز دی گئی کہ برکت دیا گیا وہ شخص کہ جو آگ کے مقام پر ہے یا آگ کی تلاش اور طلب میں ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور برکت دیا گیا جو اس آگ کے آس پاس ہے یعنی جو فرشتے اس وقت وہاں آگ کے گرداگرد موجود اور حاضر تھے وہ بھی مبارک ہیں۔

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ﴿مَنْ فِى النَّارِ﴾ سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو اس وقت آگ میں جلوہ افروز تھے۔ اور ﴿مَنْ

﴿حَوْلَهَا﴾ سے وہ اشخاص مراد ہیں جو آگ کے اردگرد تھے جن میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل تھے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے وہ نورانی فرشتے مراد ہیں جو آگ کے اندر جلوہ افروز تھے اور ﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو آگ کے قریب تھے اور آگ کے اردگرد تھے اور یہ فرشتے ان فرشتوں سے کم درجہ والے تھے جو خاص اس آگ کے اندر تھے بہر حال جو بھی معنی ہوں موسیٰ علیہ السلام کو یہ ندا بطور سلام اور تحیۂ اکرام تھی جس سے ان کا اعزاز اور اکرام اور ان کی تسلی مقصود تھی کہ اے موسیٰ گھبراؤ نہیں مبارک ہو تم کو اور ملائکہ حاضرین کو۔ جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو من جانب اللہ یہ کہا ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ یہ فرشتوں کی طرف سے سلام اور تحیۂ اکرام تھا اور ابن عباس اور سعید بن جبیر اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے اللہ پاک مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ درحقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آ جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔ غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ((حجابہ النار))۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان اور کسی چیز میں سمایا ہوا ہے تو آئندہ آیت ﴿وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں اس کی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے۔ اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ کوئی اس آگ کو اللہ کا مکان نہ سمجھے بلکہ اس کی تجلی کا ایک آئینہ سمجھے جس میں اس کا نور ظاہر ہو رہا ہے اور محل اور مظہر میں اہل عقل کے نزدیک فرق ظاہر ہے۔ محل کے معنی مکان کے ہیں جس کے اندر متمکن موجود ہوتا ہے۔ مظہر کے معنی جائے ظہور کے ہیں جیسے آئینہ اور ظاہر ہونے والی چیز مظہر (آئینہ) کے اندر موجود نہیں ہوتی بلکہ اس سے باہر ہوتی ہے الحاصل یہ تجلی تھی۔ حلول اور نزول نہ تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ندا سنی تو کہا کہ یہ ندا کرنے والا کون ہے تو پھر یہ ندا آئی کہ اے موسیٰ! تحقیق یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے خطاب اور کلام کرنے والا میں ہی ہوں اللہ جو تیرا پروردگار ہوں زبردست حکمتوں والا جس نے یہ ندا کر کے تجھ کو اپنی تکلیم سے عزت بخشی اور تجھ کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھ کو کچھ معجزات بھی عطا کروں جو تمہاری نبوت اور رسالت کی دلیل و برہان بنیں۔ پس اے موسیٰ علیہ السلام! تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ حسب الحکم جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دیا تو وہ سانپ ہو گیا۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو سانپ کی طرح ہلتے اور چلتے دیکھا تو ڈر کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور

پیچھے مڑ کر نہ دیکھا یہ خوف طبعی اور بشری تھا اس قسم کا خوف نبوت کے منافی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ کچھ خوف نہ کرو ہم نے تم کو پیغمبری دی ہے اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے ہم نے یہ معجزہ تم کو فرعون کے لیے دیا ہے۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے خوف سے میرے رسول بالکل مامون ہیں مگر وہ شخص کہ جس نے اپنی جان پر کسی قسم کا ظلم یا زیادتی کی ہو اور اللہ کی نافرمانی کی ہو وہ اگر ڈرے تو اس کا ڈرنا ٹھیک ہے پھر اگر اسی شخص نے برائی اور ظلم اور زیادتی کے بعد اپنی برائی کو نیکی سے بدل لیا ہو یعنی توبہ کر لی ہو تو اس پر بھی کوئی خوف وخطر نہیں۔ بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں توبہ سے اس کا گناہ معاف کر دیتا ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا کے حضور میں اندیشہ صرف اس شخص کو ہے کہ جس نے کسی ظلم وستم یعنی کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے لیے بھی قاعدہ یہ ہے کہ اگر توبہ کر لے تو پھر اس کو خوف اور اندیشہ نہیں رہتا۔ لہٰذا تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر تم سے کوئی خطا بھی ہوئی ہے جس کی بنا پر تم ڈر رہے ہو تو ہم معاف کر دیں گے۔ جاننا چاہیے کہ اس آیت یعنی ﴿لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ (النمل:۱۰) میں خوف مؤاخذہ کی نفی مراد ہے۔ اللہ کی عظمت وجلال کے خوف کی نفی مراد نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ﴾ (الفاطر:۲۸)

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے ڈالنے کا حکم اس لیے دیا کہ جب اس کرشمۂ قدرت اور خارق عادت کو دیکھیں تو پہچان لیں کہ یہ کلام کرنے والا اور ندا دینے والا رب العالمین ہے۔ ان آیات میں معجزۂ عصا کا ذکر فرمایا اب اس کے بعد دوسرے معجزہ کے اظہار کا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ علیہ السلام اس معجزۂ عصا کے سوا ایک اور بھی معجزہ ہے جو ہم تجھ کو عطا کرتے ہیں وہ یہ کہ تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال اور پھر اس کو نکال تو وہ بلا کسی عیب اور بلا کسی مرض کے یعنی بلا برص وغیرہ کے نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے لے جا کر نکالا تو نہایت دلکش نور کے ساتھ ظاہر ہوا کہ آنکھوں کو اپنی طرف جذب کرتا تھا اور خوب لہلہاتا تھا آفتاب کی روشنی اگرچہ بہت تیز ہے مگر گرم ہے آنکھوں کو چندھیانے والی ہے کچھ دلچسپ نہیں اور ماہتاب کی روشنی اگرچہ ناگوار نہیں مگر اس میں ملاحت اور دلکشی نہیں۔

اے موسیٰ علیہ السلام ان دونوں نشانیوں کو من جملہ نو نشانیوں کے جو ہم نے تجھ کو عطا کی ہیں ان کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف لے جا یہ نشانات دے کر تجھ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑے ہی بدکار لوگ تھے اور حد سے نکل گئے تھے۔

نو نشانیوں کا بیان سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۱) کے تحت گزر چکا ہے اور ان کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے دو نشانیاں تو یہ ہوئیں۔ عصا اور ید بیضاء۔ تیسری انفلاق بحر۔ دریا کا پھٹ جانا۔ چوتھی طوفان۔ پانچویں جراد یعنی ٹڈی۔ چھٹی قمل یعنی چچڑیاں۔ ساتویں ضفادع یعنی مینڈک۔ آٹھویں دم یعنی خون۔ نویں طمس اموال۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾ (یونس:۸۸)۔ دسویں جدب یعنی خشک سالی۔ گیارھویں نقصان اثمار و مزارع جن کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

پس جب اس قوم کے پاس ہماری نشانیاں پہنچیں جس سے آنکھیں کھل جائیں تو بولے یہ تو کھلا جادو ہے اللہ تعالیٰ نے ابتداء

دعوت میں موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے عطا فرمائے پھر وقتاً فوقتاً اور معجزات دیئے مگر ان معاندین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور ان لوگوں نے ازراہِ ظلم و تکبر زبان سے ان معجزات کا انکار کیا ولیکن ان کے دلوں نے اس بات کا یقین کر لیا کہ یہ نشانیاں اللہ کی طرف سے ہیں جادو نہیں یعنی فرعون کو اور اس کی قوم کو دل سے یقین کامل ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور جادوگر نہیں مگر محض عناد اور سرکشی کی بناء پر انکار کرتے تھے۔ پس دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیا برا ہوا کہ سب بحرِ قلزم میں غرق ہوئے اور ساری سرکشی خاک میں مل گئی اور دُنیا کا جاہ و جلال اور مال و منال سب ختم ہوا۔ متکبرین کو چاہیے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم۔ اور بولے شکر اللہ کا جس نے

فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑮ وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ

ہم کو بڑھایا اپنے بہت بندوں ایمان والوں پر۔ اور وارث ہوا سلیمان

دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ

داؤد کا اور بولا لوگو! ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا ہم کو

كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ⑯ وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ

ہر چیز میں سے۔ بیشک یہی ہے بڑائی صریح۔ اور جمع کیے سلیمان کے پاس

جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ⑰ حَتّٰۤی اِذَاۤ

اس کے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور، پھر ان کی مثلیں بنتیں۔ یہاں تک کہ جب

اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ

پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر۔ کہا ایک چیونٹی نے، اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں۔

لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑱ فَتَبَسَّمَ

نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اس کے لشکر، اور ان کو خبر نہ ہو۔ پھر مسکرا کر

ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ

ہنس پڑا اس کی بات سے اور بولا اے رب! میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو

أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي
تونے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر، اور یہ کہ کروں کام نیک، جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو

بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿١٩﴾
اپنی مہر سے اپنے نیک بندوں میں۔

قصۂ دوم داوٗد علیہ السلام اجمالاً وسلیمان علیہ السلام تفصیلاً

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا... الیٰ... وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿١٩﴾﴾

ان آیات میں حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ان دینی اور دنیوی احسانات اور انعامات کا ذکر کرتے ہیں جو منجانب اللہ ان دونوں پیغمبروں پر مبذول ہوئے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کو نبوت اور علم شریعت کے علاوہ سلطنت عطا کی اور خارقِ عادت طریقہ پر زرہ سازی کی صنعت بتلائی تاکہ کافروں سے جہاد میں مدد ملے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر اور تسخیر جن اور تسخیر ہوا کا معجزہ عطا فرمایا جن اور انس کو ان کا تابع فرمان بنایا اور چرند اور پرند کی زبان کا علم ان کو عطا فرمایا اور علاوہ ازیں یہ قصہ عجیب وغریب خوارق پر مشتمل ہے جو سب کے سب سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور دلائلِ نبوت تھے منطق الطیر اور تسخیر ریاح اور تسخیر جنات اور واقعۂ عرشِ بلقیس سلیمان علیہ السلام کے معجزات تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پیغمبروں کو نبوت کے ساتھ بے مثال سلطنت سے نوازا اور جس قسم کی سلطنت ان دونوں پیغمبروں کو عطا کی وہ درحقیقت ان دونوں کا معجزہ تھی۔ اور ان کی نبوت کی دلیل اور برہان تھی کہ لوگ اس بے مثال سلطنت کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ سلطنت اس قسم کی نہیں کہ جو دُنیا کے بادشاہوں کو حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ من جانب اللہ ہے کہ جس میں دنیا اور آخرت اور نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کردی گئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داوٗد اور سلیمان کو ایک خاص علم عطا کیا جو قانونِ شریعت اور قانونِ حکومت دونوں کا جامع تھا۔ اور دین وحکمت اور قضاء وسیاست دونوں پر مشتمل تھا۔ اصلی علم شریعت اور نبوت کا تھا اور حکومت اور سلطنت اس کی خادم تھی اور داوٗد اور سلیمان علیہما السلام نے اس نعمت عظمیٰ کے شکر میں یہ کہا۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی کہ نبوت ورسالت کے ساتھ سلطنت بھی عطا کی اور جنات اور شیاطین کو ہمارا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور ہوا کو اور پرندوں کو ہمارے لیے مسخر کردیا اور مزید برآں ہم کو ان نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائی جو خود ایک مستقل نعمت ہے اور داوٗد علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام ان کے وارث ہوئے۔ داوٗد علیہ السلام کے تمام بیٹوں میں سے صرف سلیمان علیہ السلام نے نبوت اور سلطنت کی وراثت پائی۔ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی ملی جو کمالات باپ کو عطا ہوئے تھے وہی اس فرزند رشیدی یعنی سلیمان علیہ السلام کو بھی ملے اس آیت میں وراثت سے علم وحکمت اور کمالاتِ نبوت کی وراثت مراد ہے مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ باجماع اہلِ تاریخ داوٗد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے تو پھر سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت۔ مال ودولت کی وارث تو ساری ہی اولاد ہوتی ہے اس خبر دینے کی ضرورت ہی کیا

تھی۔ معلوم ہوا کہ وراثت سے علم وحکمت اور نبوت کی وراثت مراد ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے نیز بیٹا تو باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے اس میں کوئی خاص فضیلت نہیں اور یہ جملہ یعنی ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ ... الخ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدح اور تعریف کے لیے لایا گیا ہے۔ پس اگر اس آیت میں مال و دولت کی وراثت مراد لی جائے تو پھر اس جملہ کا مقام مدح اور تعریف میں ذکر کرنا فضول ہے۔ ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے۔ اس میں کمال ہی کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت میں مال کی وراثت ہرگز ہرگز مراد نہیں جیسا کہ شیعوں کا گمان ہے بلکہ علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ بیٹا باپ کے علم وحکمت کا بھی وارث بنے۔ شیعہ لوگ لفظ وراثت کو مال کی وراثت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں سو یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (القصص:۵۸) ہم ان کے وارث ہوئے تو کیا شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ بھی کسی کے مال و دولت کے وارث بنتے ہیں۔

غرضیکہ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا باپ کے علم وحکمت کا وارث بنے اس لیے اس آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل:۱۶) میں یہ بتلایا کہ سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کے بعد ان کے علم وحکمت اور نبوت کے وارث ہوئے اور باپ کی طرح بیٹے کو بھی من جانب اللہ معجزات اور کرامات عطا ہوئے اس لیے سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی نعمتوں کا شکر کیا اور اس کی حمد وثناء کی اور بطور تحدیث نعمت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے کہ پرندے جو آپس میں بولتے ہیں ہم ان کی بولی کو سمجھتے ہیں جو ہمارے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں اور علاوہ ازیں ہم کو ہر قسم کی نعمت سے ایک خاص حصہ دیا گیا ہے۔ یعنی مجھ کو اور میرے والد داؤد علیہ السلام کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں سے ہر قسم کی چیز دی گئی جس کی ہم کو ضرورت تھی یعنی نبوت اور علم وحکمت کے ساتھ سلطنت اور مال و دولت اور تسخیر جن وانس اور تسخیر طیر و ہوا بھی مجھ کو عطا ہوئی کہ سب میرے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور عجیب عجیب صنعتوں کے لیے جنات کو میرے لیے مسخر کیا بے شک یہ کھلا ہوا فضلِ الٰہی ہے جس شخص کو ذرا بھی عقل ہے جب وہ ان چیزوں پر نظر کرے تو اس پر ظاہر ہو جائے کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس میں بندہ کے کسی کسب اور اختیار کو ذرہ برابر دخل نہیں مقصود یہ تھا کہ یہ جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے وہ سب فضلِ الٰہی ہے اور اکرام خداوندی ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ ان غیبی کرامتوں کو دیکھ کر مجھ پر ایمان لاؤ اور سلیمان علیہ السلام نے یہ کلمہ بطور تشکر کہا نہ کہ بطور فخر۔

پرندوں کی بولی سمجھ لینا عقلاً کوئی محال امر نہیں۔ قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح وتحمید کو نہیں سمجھتے ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل:۴۴) اور ہر چرند و پرند اپنی تسبیح سے واقف ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ (النور:۴۱) پس اگر خداوند قدیر اس علم میں کا کوئی حصہ اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو عطا فرما دے تو کوئی محال نہیں۔ حیوانات کا تکلم اور جمادات کی تسبیح اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو شجر و حجر کا سلام کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور سلیمان علیہ السلام کے پرندوں کی بولی سمجھنے کے واقعات کتبِ تفاسیر میں مذکور ہیں۔

غرضیکہ نبوت اور سلطنت دونوں چیزوں کا ملنا بلاشبہ فضلِ الٰہی ہے اور بڑی فضیلت اور بزرگی ہے۔

ذکر قصۂ شکر و دیگر

اب آئندہ آیات میں سلیمان علیہ السلام کی دوسری نعمت پر شکر گزاری کا قصہ بیان فرماتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام کے لیے مختلف قسم

کے لشکر جمع کیے گئے از قسم جن اور از قسم انسان اور از قسم پرند اور پھر روانگی سے قبل وہ ٹھہرائے جاتے تھے تا کہ پیچھے آنے والے بھی شامل ہو جائیں۔ کوئی رہ نہ جائے۔ اور سب با قاعدہ جمع ہو کر روانہ ہوں۔ دنیا میں اس قسم کی سلطنت نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی چنانچہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام اس شان سے اپنے لشکریوں کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے یہ کہا اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور اس کا لشکر تم کو کچل دے اور ان کو خبر بھی نہ ہو اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اس کے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کر سکتے یہ چیونٹی رافضیوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدگمان ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کی آل و اولاد پر جان کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اس کا علم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب سے دیدہ و دانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے اس کی آواز کو سن لیا اور سمجھ گئے۔ پس سلیمان علیہ السلام اس کی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے نیز جانوروں کی بولی سمجھ لینا حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آ گئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے اور شکر اور مناجات میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر برابر ان کا شکر کرتا رہوں۔ آپ نے اپنی رحمت سے مجھ کو منطق الطیر کے علم جیسی نعمت عطا کی۔ اب درخواست یہ ہے کہ ان نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق بھی عطا فرما اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے آپ راضی ہوں۔ بغیر آپ کی رضا کے سب ہیچ ہے اور مجھ کو اپنی رحمت اور عنایت سے اپنے خاص نیک بندوں کے زمرہ میں داخل فرما یعنی تیری بارگاہ سے جو الطاف و عنایات عباد صالحین پر مبذول ہوئے ہیں مجھ کو بھی ان میں شریک فرما۔ نیک بندوں سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں جیسے حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام۔

نکتہ: گزشتہ آیات میں ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي﴾ آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ کما فی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتک عندی واکفہ وارتبطہ لاینفلت عنی حتی لا انفک شاکرا لك انتہٰی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ
اور خبر لی اڑتے جانوروں کی، تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہُدہُد کو؟ یا ہو رہا ہے
الْغَآئِبِينَ ⑳ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي
وہ غائب اس کو مار دوں گا زور کی۔ یا ذبح کر ڈالوں گا یا لاوے میرے پاس

بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ

کوئی سند صریح۔ پھر بہت دیر نہ کی کہ آکر کہا، میں لے آیا خبر ایک چیز کی،

بِهٖ وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّىۡ وَجَدْتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ

کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس، سبا سے ایک خبر لے کر۔ تحقیق میں نے پائی ایک عورت ان کے راج پر

وَاُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوۡمَهَا

اور اس کو ہر چیز ملی ہے اور اس کا ایک تخت ہے بڑا۔ میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم

يَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ

سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا۔ اور بھلے دکھائے ہیں ان کو شیطان نے ان کے کام

فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ فَهُمۡ لَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ

پھر روکا ہے ان کو راہ سے، سو وہ راہ نہیں پاتے۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو

الَّذِىۡ يُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَ

جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور

مَا تُعۡلِنُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ۩ ﴿۲۶﴾ السجدة قَالَ

جو کھولتے ہو۔ اللہ ہے! کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا صاحب تخت بڑے کا۔ کہا

سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾ اِذۡهَبْ بِّكِتٰبِىۡ هٰذَا

ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔ لے جا میرا یہ خط

فَاَلۡقِهۡ اِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ مَاذَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتۡ

اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کہنے لگی،

يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ اُلۡقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَ

اے دربار والو! میرے پاس ڈال دیا ہے۔ ایک خط عزت کا۔ وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے اور

إِنَّهُۥ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي

وہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ

مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ

حکم بردار ہو کر۔ کہنے لگی اے دربار والو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام کا۔ میں مقرر نہیں

قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾ قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ

کرتی کوئی کام جب تک تم حاضر نہ ہو۔ وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور

شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ

سخت لڑائی والے۔ اور کام تیرے اختیار ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے۔ کہنے لگی بادشاہ

إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَ

جب پیٹھیں کسی بستی میں اس کو خراب کریں اور کر ڈالیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور

كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ

یہی کچھ کریں گے۔ اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ، پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر

يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ

پھرتے ہیں بھیجے ہوئے پھر جب پہنچا سلیمان پاس، بولا کیا تم میری رفاقت کرتے ہو مال سے

فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾

سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا۔ نہیں تم اپنے تحفہ سے خوش رہو۔

ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم

پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا سامنا نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے

مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي

ان کو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے۔ بولا اے دربار والو! تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس

بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ

اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آویں میرے پاس حکم بردار ہوکر۔ بولا ایک راکس جنوں میں سے۔

اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ‌ ۚ وَاِنِّىۡ عَلَيۡهِ لَقَوِىٌّ

میں لا دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے۔ اور میں اس کے زور کا ہوں

اَمِيۡنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ

معتبر۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا۔ میں لا دیتا ہوں تجھ کو وہ پہلے اس سے

اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ‌ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ

کہ پھر آوے تیری طرف تیری آنکھ۔ پھر جب دیکھا وہ دھرا اپنے پاس۔ کہا یہ میرے رب کے

فَضۡلِ رَبِّىۡ ۖ لِيَبۡلُوَنِىۡٓ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ‌ ؕ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ

فضل سے۔ میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے

لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوۡا لَهَا عَرۡشَهَا

اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پروا ہے نیک ذات۔ کہا روپ بدل دکھاؤ اس عورت کو اس کے تخت کا

نَنۡظُرۡ اَتَهۡتَدِىۡۤ اَمۡ تَكُوۡنُ مِنَ الَّذِيۡنَ لَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتۡ

ہم دیکھیں سوجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سوجھ نہیں۔ پھر جب آ پہنچی

قِيۡلَ اَهٰكَذَا عَرۡشُكِ‌ ؕ قَالَتۡ كَاَنَّهٗ هُوَ‌ ۚ وَاُوۡتِيۡنَا الۡعِلۡمَ مِنۡ

کسی نے کہا، کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت؟ بولی، گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہو چکا

قَبۡلِهَا وَكُنَّا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتۡ تَّعۡبُدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ

آگے سے، اور ہم ہوچکے حکم بردار۔ اور بند کیا اس کو ان چیزوں سے، جو پوجتی تھی اللہ کے سوا

اِنَّهَا كَانَتۡ مِنۡ قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ﴿۴۳﴾ قِيۡلَ لَهَا ادۡخُلِى الصَّرۡحَ‌ ۚ فَلَمَّا رَاَتۡهُ

البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں۔ کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو

حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ

خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا۔ اور کھولیں اپنی پنڈلیاں۔ کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے اس میں

قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ

شیشے۔ بولی اے رب! میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور حکمبردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے

ع ۳ ۱۸ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

جو رب سارے جہان کا۔

قصہ سوم۔ ملکۂ سبا بروایت ھُدھُد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ... الی ... وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾

ربط: اب ان آیات میں ملکۂ سبا کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو بظاہر اس سورت کا تیسرا قصہ ہے مگر درحقیقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا قصہ ہے سلیمان علیہ السلام کے پاس تین قسم کے لشکر تھے ایک آدمیوں کا اور ایک جنوں کا اور ایک پرندوں کا۔ جو روانگی کے وقت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر سایہ کرتے تھے۔ ایک دن سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کے ایک لشکر کی جانچ پڑتال کی تو اس میں ہُدہُد کو نہ پایا جو ہُدہُدوں کا سردار تھا۔ فرمایا جب وہ آئے گا تو اس سے پوچھوں گا کہ کیوں غیر حاضر تھا اگر اس نے کوئی معقول وجہ بیان کی تو خیر ورنہ اس کو ذبح کر ڈالوں گا۔ ہُدہُد سلیمان علیہ السلام کا مہندس (انجینئر) تھا۔ سلیمان علیہ السلام جب بیابان میں ہوتے تو اس کو طلب فرماتے۔ ہُدہُد زمین پر چونچ رکھ کر بتلا دیتا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے تو زمین کھود کر پانی نکال لیا جاتا۔ جنوں کو حکم دیتے وہ کھود کر پانی نکال لیتے۔ سلیمان علیہ السلام ایک بیابان میں تھے کہ ہُدہُد کو نہ دیکھا تو دریافت فرمایا۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے دریافت کیا اس نے بتایا کہ ملک سبا میں ایک ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے میں نے اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو سورج کا سجدہ کرتے دیکھا ہے اس خطہ کے لوگ مذہبًا مجوسی تھے۔ شرک اور کواکب پرستی میں مبتلا تھے۔ سلیمان علیہ السلام کو اس خطہ کا حال معلوم نہ تھا۔ ہُدہُد سے سن کر یہ حال معلوم ہوا۔ تو ملکہ سبا کے نام دعوت اسلام کا ایک خط لکھا کہ تو غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دے اور مسلمان ہو کر میرے حضور میں حاضر ہو جا اور یہ خط دے کر ہُدہُد کو روانہ کیا کہ یہ خط لے جا کر ملکہ سبا کو پہنچا دے گویا کہ بارگاہ نبوت سے ایک جانور کو سفارت کے فرائض کی انجام دہی کے لیے مقرر کیا جا رہا ہے یہ بارگاہِ نبوت ہے۔ بادشاہت جس کی خادم اور غلام ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہُدہُد سلیمان علیہ السلام کا مہندس یعنی انجینئر تھا۔ زمین پر چونچ مار کر بتلا دیتا تھا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے اس کے بتلانے پر سلیمان علیہ السلام زمین کھدوا کر حسب ضرورت پانی نکلوا لیتے تھے۔ سبحان اللہ ایک پرند ہے جو بارگاہِ نبوت کا مہندس یعنی انجینئر ہے اب اسی پرند کو سفیر بنا کر دوسرے ملک میں بھیجا جا رہا ہے۔ اب ان آیات میں تفصیل کے ساتھ اسی قصہ کو بیان کرتے ہیں جو ایک اعتبار سے کرشمۂ قدرت ہے اور ایک اعتبار سے کرشمۂ نبوت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی مقام پر سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا یعنی اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا تو ہُد ہُد کو نہ پایا تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں ہُد ہُد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا میری نظر خطا کر رہی ہے یا وہ غائبین میں سے ہے یعنی وہ غیر حاضر ہے اس لیے دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ میں اس کو سخت سزا دوں گا جس سے دوسرے پرندوں کو عبرت ہو یعنی اس کے بال و پر کاٹ دوں گا یا اس کو قفس میں بند کر دوں گا یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل اور معقول عذر لے کر آئے تو پھر میں اس کو چھوڑ دوں گا۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہُد ہُد حاضر ہو گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تجھے کہاں دیر ہوئی تو اس نے عرض کیا کہ میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں یعنی میری یہ غیر حاضری کسی غفلت کی بنا پر نہیں بلکہ آپ علیہ السلام ہی کی خدمت اور مصلحت کے لیے تھی اور میں اس وقت آپ کے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں جس کا انتظام مقاصد نبوت سے اور لوازمِ سلطنت سے ہے وہ خبر یہ ہے کہ تحقیق میں نے ملک سبا میں ایک عورت کو لوگوں پر سلطنت کرتے پایا کہ وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس ملکہ کو سلطنت کے متعلق ہر چیز دی گئی ہے اور اس ملکہ کا تخت بڑا عظیم الشان ہے جو سونے کا ہے اور جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہوا ہے یہ تو اس کی دنیاوی شان و شوکت کا حال ہے اور اس کے دین کا حال یہ ہے کہ میں نے اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو اس حال میں پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ بلقیس اور اس کی قوم مجوسی تھی جو سورج کو پوجتی تھی اور شیطان نے ان کے اعمال بد کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھلایا ہے پس اس طرح شیطان نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے پس وہ لوگ راہ یاب ہوتے نظر نہیں آتے۔ شیطان نے ان کے اعمالِ بد کو مزین کر دیا ہے کہ سارا عالم آفتاب سے روشن اور منور ہے لہٰذا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے۔ آفتاب کے سجدہ کو ان کی نظروں میں خوب کر کے دکھایا ہے اور اس بات کو خوب کر کے دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں جو معبود حقیقی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے یعنی آفتاب کی چمک اور دمک پر تو نظر گئی مگر اس پر نظر نہ کی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے نباتات اگاتا ہے یہ تو اس کی قدرت کا حال ہے اور اس کے علم کا حال یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے کہ جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو ظاہر کرتے ہو پس ایسی چیز کو پوجنا چاہیے جس کی قدرت اور اس کا علم کامل اور محیط ہو اور سورج کو پوجنا بیکار ہے جسے نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی لائق الوہیت اور مستحق عبادت نہیں وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ بلقیس کے تخت کو اس کے عرش عظیم سے کیا نسبت۔ ہُد ہُد کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ اور توحید سے منحرف ہے ایسی قوم سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ حیوانات کو اور چرند اور پرند کو اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ توحید اور شرک کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہُد ہُد نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کیے جن سے اللہ کے کمال قدرت اور کمال علم کو ثابت کیا۔

فائدہ ①: ہُد ہُد کے قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا علم محیط نہیں۔ اس جزئی واقعہ کی اطلاع ہُد ہُد نے دی جس کا پہلے سے سلیمان علیہ السلام کو علم نہ تھا۔

فائدہ ②: یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

جب ہُد ہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے حال کی خبر دے دی تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات سن کر یہ فرمایا کہ اچھا ہم دیکھیں گے اور اس بات کی تحقیق کریں گے کہ تو اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے اور فرمایا کہ فی الحال تو میرا یہ خط لے کر جا اور لے جا کر ان کے سامنے ڈال دے پھر ان کے سامنے خط ڈال کر ذرا ان سے علیحدہ ہو جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں

چنانچہ ہُدہُد سلیمان علیہ السلام کا سربمہر خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا اور دریچہ سے اس کے کمرہ میں داخل ہوا تو اس کو سوتے ہوئے دیکھا۔ ہُدہُد نے اس خط کو اس کے سینہ پر رکھ دیا اور حسب ہدایت ﴿ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ ادب اور احترام کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ ملکہ بیدار ہو گئی دیکھا کہ ایک سربمہر خط اس کے سینہ پر رکھا ہوا ہے اور ایک پرند ادب واحترام کے ساتھ قریب میں کھڑا ہوا ہے۔ یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور ڈر گئی دل میں ہول اور خوف سما گیا۔ خط کو اٹھایا اور اس کی مہر کھول کر اس کو پڑھا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۱ ج ۳) اور ارکان دولت کو جمع کیا اور بولی اے اشرافِ قوم اور اے ارکانِ دولت میری طرف ایک بزرگ خط یعنی گرامی نامہ ڈالا گیا ہے جس کا حال عجیب ہے کہ اس کو ایک پرندے لے کر آیا ہے اور وہ پرند نہایت مہذب اور مؤدب ہے کہ خط کو میرے سینہ پر رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اس خط کا مضمون بھی عجیب ہے تحقیق وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے جس کے شروع میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ہے اور اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ میرے مقابلہ میں تکبر اور سرکشی نہ کرو اور خدا کا فرمانبردار ہو کر گردن جھکائے ہوئے میرے سامنے حاضر ہو جاؤ یہ خط کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ غایت درجہ مختصر تھا اور باوجود کمال اختصار کے تمام مقاصد کو شامل تھا۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ میں ذاتِ الٰہی اور اس کی صفات کاملہ کو بیان کیا بعد ازاں تکبر اور سرکشی کی ممانعت فرمائی جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور پھر اسلام کا حکم دیا جو تمام فضائل اور شمائل اور خیرات و برکات کو جامع ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس کتاب کو کتابِ کریم اس لیے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لیے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔

نظم

اے نام تو بہترین سر آغاز — بے نام تو نامہ کے کنم آغاز

آرائش نامہا است نامت — آسائش سینہاست کلامت

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہانِ عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لیے اس نے ارکانِ دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اٹھے۔ ملکۂ بلقیس نے کہا اے سردارانِ قوم اور اشرافِ ملک اس معاملہ میں مجھ کو فتویٰ دو۔ یعنی مشورہ دو۔ ملاء کے معنی اشراف قوم کے ہیں ملؤٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بھر دینے کے ہیں چونکہ یہ لوگ اپنی عزت و ثروت کی وجہ سے اپنی قوم کی آنکھوں میں بھرے ہوئے اور سمائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے اشراف قوم کے لیے لفظ ملاء استعمال ہوتا ہے اور فتویٰ کے معنی حکم قوی کے ہیں کہ جو کسی مشکل کے حل اور سلجھانے کے لیے دیا جائے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ملکۂ بلقیس نے اہلِ دربار سے یہ کہا کہ اے اشرافِ قوم مجھے اس مشکل میں ایسی محکم رائے دو جس سے یہ مشکل حل ہو جائے اور یہ عقدہ کھل جائے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ گزشتہ زمانہ سے لے کر اب تک ہمیشہ میری یہ شان اور عادت رہی ہے کہ میں کسی معمولی بات کا بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم لوگ حاضر نہ ہو جاؤ یعنی میں نے تو کسی معمولی اور حقیر کام میں بھی بغیر تمہارے مشورہ کے قطعی فیصلہ نہیں کیا اور یہ معاملہ تو بہت اہم ہے ارکان سلطنت ملکہ کے جواب میں بولے کہ ہم بڑی قوت والے ہیں اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں یعنی ہم کو قوت اور طاقت بھی حاصل ہے اور ہمت و شجاعت اور لشکری کثرت بھی حاصل ہے جنگ اور سامان جنگ کا ہمیں کوئی

خطرہ نہیں ہم مقابلہ کے لیے ہر طرح حاضر اور مستعد ہیں اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم ان سے لڑنے کے لیے تیار ہیں اور حکم اور اختیار سب آپ کے حوالہ ہے۔ پس آپ جو حکم دینا چاہیں اس کو سوچ لیں ہم حضور کے تابع فرمان ہیں ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے خواہ صلح کیجیے یا جنگ کیجیے۔

نظم

اگر جنگ خواہی نبرد آوریم — دل دشمناں را بدرد آوریم
وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم — بتسلیم حکمت سرافگندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لیے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے ارکانِ دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا۔ مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کی۔ بہرحال بلقیس نے ارکانِ دولت کے جواب سے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جنگ پر آمادہ ہیں تو یہ رائے اس کو پسند نہ آئی اور بولی کہ فی الحال لڑنا مصلحت نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ تحقیق بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی شہر میں بارادۂ جنگ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو خراب اور برباد کر ڈالتے ہیں اور معززین کو ذلیل کرتے ہیں۔ بستی کو لوٹتے ہیں اور رعایا کو قید کرتے ہیں تاکہ ان کی حکومت قائم ہو اور اگر تم نے سلیمان علیہ السلام سے جنگ کی تو ممکن ہے کہ یہ بھی ایسا کریں اس لیے بے ضرورت لڑائی میں پڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور سرِ دست مناسب یہ ہے کہ میں ان کی طرف ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں قاصدوں کی واپسی کے بعد دوبارہ غور کر لیا جائے گا میرے پاس ان سے زیادہ مال و دولت ہے مجھے اسکی حاجت نہیں کہ فوراً ان کی اطاعت قبول کر لوں۔ ہدیہ بھیج کر سلیمان علیہ السلام کو آزماتی ہوں کہ وہ نبی ہے یا بادشاہ ہے اگر وہ بادشاہ ہے تو میرا ہدیہ قبول کر لے گا۔ اور جنگ کا ارادہ ملتوی کر دے گا اور اگر نبی ہے تو میرا ہدیہ قبول نہیں کرے گا اور جب تک ہم اس کا دین قبول نہ کر لیں وہ کبھی ہم سے راضی نہیں ہوگا۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے بڑے بیش قیمت ہدیے اور تحفے بھیجے جن کی تفصیل کتب تفاسیر میں مذکور ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے سب کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ ملکہ بلقیس نے قسم قسم کے جواہرات اور موتی اور سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں جنہیں دیکھ کر آدمی حیران رہ جائے مگر سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ہدیہ اور تحفہ کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ وہ اللہ کے نبی تھے ان کی نظر میں تمام دُنیا کا سونا اور چاندی اور جواہرات سب ہیچ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں پھر جب وہ ایلچی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور ملکہ کی طرف سے تحفے اور ہدیے پیش کیے تو آپ علیہ السلام نے اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ اس حرکت پر ناخوشی اور ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کیا تم لوگ مجھے اس دنیائے فانی کے مال سے مدد دینا چاہتے ہو سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا کیا ہے کہ جن وانس اور چرند اور پرند کو میرے لیے مسخر کیا ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے جو تم کو دیا ہے تمہارے پاس صرف تھوڑی سی دُنیا ہے اور بحمد اللہ میرے پاس دین اور دنیا سب کچھ ہے بلکہ تم ہی اپنے اس ہدیہ پر خوش رہو۔ یہ ہدیہ تمہاری خوشی کے لائق ہے میری خوشی تو اس میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ اور خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ بعد ازاں قاصدوں کے سردار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تو مع ان تحفوں اور ہدیوں کے اپنی ملکہ اور ارکان دولت کی طرف واپس لوٹ جا ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں اور صاف فرما دیا کہ اب اگر وہ ایمان لے آویں تو فبہا ورنہ ہم ان پر ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ان کو ملک سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور حکومت و سلطنت سے دستبردار ہونے کے بعد ذلیل و خوار ہوں گے مسلمانوں کی رعیت بن کر رہنا ہوگا۔ جب قاصد واپس ہوئے اور سبا پہنچ کر ملکہ کو بتلایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام ہدیے اور تحفے واپس کر دیئے ہیں اور ان کا پیغام پہنچایا

کہ یا تو اسلام لے آؤ ورنہ فوج کشی کے لیے تیار ہو جاؤ تو ملکہ اور تمام ارکان دولت کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے خدا کی طاقت اور قوت سے بول رہا ہے اس کے مقابلہ میں کسی قوت اور طاقت کا زور نہیں چل سکتا سلامتی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے۔ چنانچہ ملکہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں اطاعت کے ارادہ سے حاضری کے لیے روانہ ہو گئی۔ سلیمان علیہ السلام کو بذریعہ وحی کے یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ ملکۂ بلقیس ملک سبا سے اسلام میں داخل ہونے کے ارادہ سے روانہ ہو گئی تو یہ چاہا کہ بلقیس کا تخت جس کو وہ سات قفلوں میں مقفل کر کے آ رہی ہے اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے میرے سامنے حاضر کر دیا جائے تاکہ ملکہ یہاں آ کر اپنے تخت کو دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ شخص دُنیاوی بادشاہوں کی طرح محض بادشاہ نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی اس کی پشت پناہ ہے اور یہ شخص خداوند قدیر کا برگزیدہ اور فرستادہ ہے جس کے ہاتھ پر ایسے عجائبِ قدرت کا ظہور ہو رہا ہے۔
چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا اے اہل دربار کون شخص تم میں سے ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت میرے سامنے لا کر حاضر کر دے قبل اس کے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر میرے پاس آویں وہ عرش یمن میں تھا اور سلیمان علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں تھے۔ مقصود یہ تھا کہ بلقیس پر حق تعالیٰ کی کمال قدرت کا اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا معجزہ ظاہر ہو جائے اور اس غیبی کرشمہ کو دیکھ کر ملکہ یہ سمجھ جائے کہ بارگاہِ نبوت کے سامنے بڑی سے بڑی سلطنت اور بڑی سے بڑی شان و شوکت ہیچ ہے اور دُنیا سے اس کا دل بیزار ہو جائے اور تخت اور سلطنت سے اس کا دل خالی ہو جائے اس لیے تخت مذکور کے منگوانے کا ارادہ فرمایا۔ جنوں میں ایک دیو نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس لا موجود کروں گا قبل اس کے کہ آپ علیہ السلام اپنی اس جگہ سے اٹھیں اور بیٹک میں اس پر قادر ہوں اور امانت دار ہوں یعنی میں اس تخت کو آپ علیہ السلام کے دربار برخاست کرنے سے پہلے لے آؤں گا اور جو جواہرات اس میں لگے ہوئے ہیں ان میں خیانت نہیں کروں گا۔
سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتا ہوں تو بولا وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا اور اسم اعظم جانتا تھا کہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں اس تخت کو آپ علیہ السلام کے پاس لا کر رکھ دوں قبل اس کے کہ آپ علیہ السلام کی نگاہ آپ علیہ السلام کی طرف واپس آئے یعنی آپ علیہ السلام نظر اٹھا کر جہاں تک دیکھ سکتے ہیں۔ دیکھئے اور آپ علیہ السلام کی نظر اپنی جگہ واپس آنے سے پہلے ہی میں اس تخت کو آپ کے سامنے حاضر کر دوں گا اللہ نے مجھے اتنی قوت اور قدرت دی ہے کہ میں اس کو اس قدر جلد لا سکتا ہوں اور امین ہوں اللہ نے مجھ کو امانت کی صفت بھی عطاء کی ہے میں اس تخت کے لعل و جواہر میں کسی قسم کی خیانت نہ کروں گا یہ شخص اولیاء اللہ میں سے تھا اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کون سی کتاب تھی اور کون سا علم تھا اس کی تحقیق ناممکن اور محال ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتبِ الٰہیہ کا عالم تھا اور اسماء الٰہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۴ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹)
سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دُعا فرمائیے آپ اگر اللہ سے دُعا کریں گے تو حاضر ہو جائے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُعا کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۱۷۵ ج ۶)
پس سلیمان علیہ السلام نے جب اس تخت کو طرفۃ العین میں اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ سب میرے پروردگار کا فضل اور احسان ہے کہ اس طرح طرفۃ العین میں میرے ایک خادم کے ذریعہ تخت میرے سامنے لا کر رکھ دیا گیا یہ محض اس کا فضل ہے جس میں اسباب ظاہری کو بالکل دخل نہیں تخت کا اس طرح یکدم حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے ایک صحابی کی کرامت تھی اور یہ امر

کوئی محال نہیں بلقیس کا تخت بیشک ایک بڑا جسم تھا مگر کرۂ آفتاب سے تو بڑا نہ تھا پس جو خدا کرۂ شمس کو ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی حرکت دے سکتا ہے تو اسے ایک تخت کو حرکت دینا کیا مشکل ہے کیونکہ تخت کو آفتاب سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرّہ کو آفتاب سے ہے الغرض سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو سامنے رکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ تاکہ میرا امتحان کرے کہ میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو شخص شکر کرے وہ اپنے فائدہ کے لیے کرے گا کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے اور عاقبت میں اس کا صلہ بہشت ہے اور جو ناشکری کرے تو وہ میرے پروردگار کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا کیونکہ میرا پروردگار بے نیاز اور بے پرواہ ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں اور وہ بڑا اکرم کرنے والا ہے بلا کسی استحقاق کے کرم کرتا ہے۔

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے صحابی کی کرامت تھی کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آ رہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح تخت کا سامنے لا کر رکھ دیا جانا اللہ کی عظیم نعمت تھی سلیمان علیہ السلام اسی وقت نعمت سے منعم کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کے شکر میں مشغول ہو گئے اور یہ بتلا گئے کہ منعم حقیقی کو ہمارے شکر کی حاجت نہیں وہ تو غنی کریم ہے ہم جو شکر کر رہے ہیں وہ اپنے فائدہ کے لیے کر رہے ہیں اور جو نعمت مل رہی ہے وہ محض اس کا کرم ہے خدا پر کسی کا کوئی حق نہیں۔

فائدہ: اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔

پس جب وہ تخت ملکۂ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور میں پہنچ گیا تو فرمایا کہ تخت کی وضع اور ہیئت کو بلقیس کے امتحان کے لیے بدل ڈالو تاکہ دیکھیں کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہنچان لیتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو اس قسم کے تغیر و تبدل سے شناخت نہیں کر سکتے دیکھیں کہ اس کی عقل کی رسائی ہوتی ہے یا نہیں۔

نکتہ: عرش اور تخت، سلطنت اور بادشاہت کی صورت ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کی ہیئت بدلنے کا حکم دیا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ سابق سلطنت کی ہیئت اب بدل چکی ہے۔ کفر کی گزشتہ سلطنت ختم ہوئی اب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے بلقیس کو یہ جدید سلطنت عطاء کی جا رہی ہے کہ جو اسلامی ہے اور سلیمان علیہ السلام کے زیر سایہ ہے نجاشی رحمۃ اللہ علیہ شاہِ حبشہ کے مسلمان ہو جانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بادشاہت کو برقرار رکھا۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے اس کی سلطنت اور بادشاہت کو برقرار رکھا۔

پس جب بلقیس آ گئی اور سلیمان علیہ السلام کے حضور میں پہنچ گئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے جس کو تو اپنے محل میں چھوڑ کر اور جس پر قفل لگا کر آئی ہے اور جس پر پہرے لگا کر آئی ہے تو بلقیس نے بہت ہوشیاری سے جواب دیا اور بولی گویا کہ وہی ہے نہ یہ کہا کہ بعینہٖ وہی ہے اور نہ یہ کہا کہ یہ وہ نہیں۔ گویا کہ قید اس لیے لگائی کہ بہمہ وجوہ وہی نہ تھا کیونکہ اس کی ہیئت بدلی ہوئی تھی اس سے اس

کی عقل اور فراست ثابت ہوئی کہ اہل دربار میں سے کوئی اس کو جھٹلا نہ سکے اگر وہ یہ کہہ دیتی کہ ایسا ہی ہے یا ایسا نہیں ہے تو لوگوں کو اس کے جھٹلانے کا موقع مل جاتا اس لیے اس نے یہ جواب دیا کہ گویا یہ وہی تخت ہے اور بعد ازاں یہ کہا اور ہم کو اس معجزہ سے پہلے ہی آپ علیہ السلام کی نبوت اور حقانیت کا اور خدا کی قدرت کا کہ وہ جہاں چاہے کسی کے تخت کو منتقل کر دے علم ہو چکا تھا ہمیں اس معجزہ کی چنداں حاجت نہ تھی۔ ہم کو آپ علیہ السلام کی نبوت کا اور خدا کی قدرت اور وحدانیت کا پہلے ہی یقین ہو گیا تھا اور ہم دل سے مسلمان ہو چکے تھے یہ بھی اس کے فہم اور فراست کی دلیل ہے کہ اس نے معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی سمجھ لیا کہ یہ برگزیدہ ہستی خدا کا نبی ہے اور حاضری سے پہلے اس کی تصدیق کی اور اسلام لے آئی اور اب تک تو جو ایمان لانے میں دیر ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت نے اور جھوٹے معبودوں کی پرستش نے اور قومی تقلید نے اس کو ایمان لانے سے باز رکھا۔ بے شک اب سے پہلے کافروں کی قوم سے تھی۔ قوم کی دیکھا دیکھی کفر اور شرک میں مبتلا تھی مگر عاقل تھی جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہو گئی اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ بلقیس پر شانِ نبوت اور شان معجزۂ کرامت تو ظاہر ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب اس کو سلطنت کی بھی شان و شوکت دکھلانی چاہیے تاکہ اس پر یہ واضح ہو جائے کہ میری سلطنت اس کی سلطنت کے سامنے ہیچ ہے۔ چنانچہ ایک شیش محل تیار کرایا اور اس کا فرش صاف اور شفاف شیشہ کا بنوایا اور اس کے نیچے پانی بھر کر اس میں مچھلیاں چھوڑ دیں۔ چنانچہ صحن میں پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب پانی ہے۔ درمیان صحن کے سلیمان علیہ السلام کا تخت رکھا گیا اور بلقیس کو اندر بلایا گیا بلقیس جب دروازہ پر پہنچی تو کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو پھر جب بلقیس نے اس صحن کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے یعنی پانی کا حوض ہے اس لیے اس نے اندر گھسنے کے لیے اپنے پائنچے اوپر اٹھائے اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولیں سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تحقیق یہ محل ہے جو سفید شیشوں سے جڑا ہوا ہے پانی نہیں اس سے اس کو اپنی عقل کا قصور معلوم ہوا۔ اور یہ پتہ چلا کہ جس شاہانہ ساز و سامان پر مجھ کو ناز تھا یہاں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر موجود ہے اور عجب نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شیشہ کے فرش سے اس کو متنبہ کیا ہو کہ آفتاب اور ستاروں کی چمک کو دیکھ کر ان کو خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسا کہ آدمی شیشہ کی چمک کو دیکھ کر پانی گمان کرے ﴿ كَسَرَابٍۭ بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ﴾ (النور: ۳۹) شیشہ پانی نہ تھا بلکہ پانی کا مظہر تھا۔ اسی طرح آفتاب اور ماہتاب نورِ الٰہی کا مظہر اور آئینہ ہیں۔ معاذ اللہ خدا نہیں اس پر بلقیس بولی کہ اے میرے پروردگار بیشک میں نے سورج کو پوج کر اپنی جان پر ظلم کیا کہ اس کی ظاہری چمک کو دیکھ کر اس کو معبود بنا لیا اور اب میں کفر اور شرک سے تائب ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بن گئی تاکہ اللہ کے نبی کی معیت اور مرافقت سے مجھ کو دین اور دُنیا کی اور مزید نعمتیں ملیں۔

غرضیکہ ملکۂ سبا مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد واپس ہو گئی۔ یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہوا باقی ملکۂ سبا کے اسلام لانے کے بعد کیا ہوا تو قرآن و حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں البتہ علماء تفسیر و سیر میں یہ مشہور [1] ہے کہ ملکۂ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرما لیا۔ ملکۂ سبا غیر شادی شدہ تھی اور نکاح کے بعد اس کو اپنے ملک جانے کی اجازت دے دی اور گاہے گاہے خود وہاں تشریف لے جاتے۔ واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم

---

[1] والمشهور انه عليه السّلام تزوجها واليه ذهب جماعة من اهل الاخبار تفسير روح المعاني ص ۱۸۹ ج ۱۹۔

لطائف و معارف

حق جل شانہٗ نے اس قصہ میں سلیمان علیہ السلام کے جن معجزات اور کرامات کا ذکر فرمایا اس قسم کے معجزات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حق تعالیٰ نے عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپؐ سے کلام کرنا اور اُونٹ کا آپؐ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عین خطبہ میں یا ساریۃ الجبل کہنا اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا میدان کارزار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سننا روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف کیے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہوگئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے۔ دریائے نیل خشک ہوگیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہوگیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا
اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح کہ بندگی کرو اللہ کی؛ پھر
هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝٤٥ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ
وہ تو دو جتھے ہو کر لگے جھگڑنے۔ کہا اے قوم! کیوں شتاب مانگتے ہو برائی
قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝٤٦
پہلے بھلائی سے؟ کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے؟ شاید تم پر رحم ہو۔
قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ
بولے ہم نے بد قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو۔ کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے کوئی نہیں تم
قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝٤٧ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ
لوگ جانچے جاتے ہو۔ اور تھے اس شہر میں نو شخص خرابی کرتے

فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ
ملک میں اور سنوار نہ کرتے۔ بولے آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی، مقرر رات کو پڑیں ہم اس پر اور
اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾
اس کے گھر پر، پھر کہہ دیں گے اس کا دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں۔
وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ
اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب، اور ان کو خبر نہیں۔ پھر دیکھ! کیسا
كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾
ہوا آخر ان کے فریب کا؟ کہ اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو ساری۔
فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ڈھے ہوئے ان کے انکار سے۔ البتہ اس میں نشانی ہے ایک لوگوں کو جو
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾
جانتے ہیں۔ اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے۔

قصۂ چہارم۔ حضرت صالح علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا... الی... وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾﴾

ربط: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ملکۂ بلقیس باوجودیکہ ایک عورت تھی مگر اس کو ایک چھوٹے جانور یعنی ہُدہُد سے ہدایت ہوگئی اور قوم ثمود کو باوجود مرد ہونے کے ناقہ جیسے بڑے حیوان سے ہدایت نہ ہوئی کہ چند مفسدوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر شبخون مارنے کا ارادہ کیا مگر ان کو قضائے الٰہی کی خبر نہ تھی کہ وہ ان کی گھات میں ہے کہ یکایک قضائے الٰہی نے ان پر شبخون مارا اور سب کے سب ہلاک ہوگئے اس قصہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اب آئندہ آیات میں لوگوں کی عبرت اور نصیحت کے لیے صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے برادری کے بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اور یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کی ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ سو چاہیے تو یہ تھا کہ سب کے سب ایمان لے آتے مگر خلاف توقع اچانک ان میں دو فریق ہوگئے جو دین کے بارہ میں جھگڑنے لگے ایک فریق کہتا تھا کہ صالح علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں ان پر ایمان لے آنا چاہیے اور دوسرا فریق یہ کہتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ بہرحال ایک فریق ایمان لے آیا اور دوسرے

فریق نے تکذیب کی۔ صالح علیہ السلام نے منکرین اور مکذبین کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ سرکشوں نے کہا کہ وہ عذاب کہاں ہے جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا ﴿وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (الاعراف:۷۷) صالح علیہ السلام نے فریق مکذب سے کہا: اے میری قوم! بھلائی سے پہلے عذاب کے مانگنے میں کیوں جلدی کرتے ہو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ سے رحمت مانگو۔ بلا اور عذاب کیوں مانگتے ہو۔ استعجال عذاب کی بجائے استعجالِ رحمت کیوں نہیں کرتے تم لوگ اپنے کفر سے بارگاہِ خداوندی میں توبہ اور استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول ہو اور تم پر عذاب نازل نہ ہو۔ صالح علیہ السلام ان کو نصیحت کرتے جاتے تھے مگر وہ گمراہی میں بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ بولے کہ اے صالح! ہم نے تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو منحوس پایا جب سے یہ مذہب نکلا ہے اس وقت سے قوم میں تفرقہ پڑ گیا اور قوم میں نااتفاقی ہو گئی جس کا اصل سبب تم ہو۔ تمہاری وجہ سے قوم میں پھوٹ پڑ گئی یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری نحوست سے ہم قحط میں مبتلا ہو گئے۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری نحوست کا اصل سبب تو اللہ کے علم میں ہے میں تو اللہ کی طرف سے حق اور ہدایت لے کر آیا ہوں اور ظاہر ہے کہ حق اور ہدایت تو سراسر موجب خیر و برکت ہے۔ البتہ حق اور ہدایت سے انحراف اور حق کی تکذیب اور اس کی مخالفت نحوست کا سبب ہے۔ لہٰذا نحوست کا الزام مجھ پر اور اہلِ ایمان پر غلط ہے۔ نااتفاقی وہ مذموم ہے کہ جو حق اور ہدایت کی مخالفت سے پیدا ہو۔ تمہاری ساری نحوست اور قحط کی مصیبت تمہارے اعمالِ کفریہ و شرکیہ کی وجہ سے ہے جو ایمان اور توبہ اور استغفار سے دور ہو سکتی ہے۔ ایمان اور ہدایت نحوست کا سبب نہیں بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو کہ دیکھیں کہ تم توحید کو اختیار کرتے ہو یا شرک کو۔ بیشک مصائب تقدیر الٰہی کے موافق جاری ہوتے ہیں لیکن ان سے مقصود بندوں کی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ اور اس شہر میں کافر اور منکر تو بہت تھے لیکن کافروں کے سرغنہ اور سردار نو شخص تھے جو ملک میں فساد ڈالتے تھے اور ذرا بھی اصلاح نہیں کرتے تھے۔ اگر فساد کے ساتھ کچھ اصلاح بھی ملی ہوئی ہو تو کچھ اُمید کی جاسکتی ہے مگر یہ لوگ تو خالص مفسد تھے آپس میں کہنے لگے تم سب اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم ضرور بالضرور رات میں صالح پر اور اس کے متعلقین اور متوسلین پر چھاپہ ماریں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے پھر جب مقتول کا ولی اور وارث ہم سے خون کا مطالبہ کرے گا تو ہم اس سے یہ کہہ دیں گے کہ ہم وہاں موجود ہی نہ تھے اور قسم کھا کر یہ کہہ دیں گے کہ ہم بالکل سچے ہیں اور ان مفسدوں نے اس طرح سے ایک مکر کیا یعنی صالح علیہ السلام کے قتل کرنے کی ایک خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی ان کے مقابلہ میں ایک تدبیر کی اور وہ ایسی خفیہ تھی کہ وہ بالکل اس سے آگاہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ ''مکر'' کے معنی لغت میں تدبیر خفی کے ہیں انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی تدبیر کی اور ہم نے اس کے برعکس ان کے ہلاک کرنے کی تدبیر کی۔ پس دیکھ لو کہ ان کے مکر اور تدبیر کا کیا انجام نکلا اور ان کی توقع کے بالکل خلاف نتیجہ نکلا کہ ہم نے ان کو اور تمام قوم کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ یہ نو آدمی جو صالح علیہ السلام کی گھات میں بیٹھے تھے ان پر تو پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گرا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے اور باقی قوم آسمانی عذاب سے یعنی فرشتہ کی چنگھاڑ سے ہلاک ہوئی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ (الاعراف:۹۱) ﴿وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ﴾ (ھود:۶۷) پس دیکھ لو کہ یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے خالی پڑے ہیں۔ بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو ہماری قدرت کو کچھ جانتے ہیں اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چار ہزار تھے۔

وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۴﴾

اور لوط کو جب کہا اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی؟ اور تم دیکھتے ہو۔

اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَہۡوَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ

کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتیں چھوڑ کر۔ کوئی نہیں! تم لوگ

تَجۡہَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡۤا اٰلَ لُوۡطٍ

بے سمجھ ہو۔ پھر اور جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے نکالو لوط کے گھر والوں کو

مِّنۡ قَرۡیَتِکُمۡ ۚ اِنَّہُمۡ اُنَاسٌ یَّتَطَہَّرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗۤ

اپنے شہر سے۔ یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو

اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ۫ قَدَّرۡنٰہَا مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ۚ

مگر اس کی عورت۔ ٹھہرا دیا تھا ہم نے اس کو رہ جانے والوں میں۔ اور برسایا ہم نے ان پر برساؤ۔

فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۵۸﴾ ع

پھر کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا۔

قصہ پنجم۔ حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ ... الٰی ... فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۵۸﴾﴾

ربط: حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ جب باز نہ آئے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے لوط علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیجیے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم اس بے حیائی کے کام کے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے ہو۔ یہ بے حیائی کی حد ہے کہ کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے اغلام اور لواطت کرتے ہو اور ذرا شرماتے نہیں۔ کیا تم از راہ شہوت عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ جو سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے جس کی قباحت اور خباثت میں کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ تم جاہل قوم ہو۔ تم کو لذت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ عورت سے جماع کرتے وقت رحم منی کو جذب کرتا ہے جو باعث لذت ہوتا ہے اور لواطت میں یہ انجذابی کیفیت

نہیں ہوتی بلکہ محل نجاست ہونے کی وجہ سے موجب نفرت و کراہت ہے۔ پس کچھ نہیں تھا ان کی قوم کا جواب سوائے اس قول کے کہ نکال دو لوط کے کنبہ کو اس بستی سے یہ لوگ بہت پاک بنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ محل نجاست میں قضاء حاجت کرنا طہارت اور نظافت کے خلاف ہے اور اپنے آپ کو پاکیزہ جانتے ہیں اور ہم کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ پس ہم نے بھی اس بستی کی تطہیر کا ارادہ کر لیا کہ لوط کو اور ان کے متعلقین کو اس بستی سے نکال لیا سوائے ان کی بیوی کے کہ جس کے لیے ہم نے مقدر کر دیا تھا کہ وہ ان باقی رہنے والوں میں سے ہے جو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ہم نے اس قوم پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی یعنی ان پر پتھر برسائے پس بہت بری بارش ہوئی ان لوگوں پر جن کو نزول عذاب سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے اپنی جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے نبی کے ڈرانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔

شروع سورت سے لے کر یہاں تک نبوت و رسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات کی بحث تھی۔ اب آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ
تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔ بھلا اللہ بہتر یا
اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾
جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

خاتمۂ قصص بر حمد و شکر بر ہلاکت اعداء لئام و سلام بر برگزیدگان خداوند انام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے دشمنوں کی ہلاکت اور بربادی کے چند واقعات ذکر کیے اب یہ حکم دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کا شکر کرو کہ کفار اور مشرکین ہلاک اور برباد ہوئے خدا کے نافرمانوں کی ہلاکت اور بربادی اور اہل حق کی فتح و نصرت حق جل شانہٗ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے اور سلام بھیجو خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر جن کو اللہ نے عزت دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کو کامیاب فرمایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر سلام بھیجا جائے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور شرک کی بناء پر ہلاک ہوئے اس لیے آئندہ آیات میں انواع و اقسام کے دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ (دیکھو صاوی ص ۲۰۱ ج ۳)

اس سورت کے نصف اوّل میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر فرمائے۔ اب اس کے بعد نصف دوم میں دعوت و تبلیغ کا طریقہ اور دلائل توحید اور مبدأ اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! جب یہ واقعات آپ ﷺ نے بیان کر دیئے اور ان کو سنا دیئے تو کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کیا اور اللہ کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب کیا یعنی انبیاء کرام علیہم السلام پر اور ان کے اصحاب پر جن کی بدولت یہ گندگی اور نجاست دور ہوئی۔ ان واقعات میں غور کر کے بتلاؤ کہ کیا وہ خدا بہتر ہے جس کی قدرت کا یہ حال ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جن کو تم الوہیت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی ظاہر ہے کہ قادر مطلق بلاشبہ عاجز مطلق سے بہتر ہے۔ پس اس عقلی دلیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اب آئندہ آیات میں چند کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ مشرکین ان میں غور کر کے بتلائیں کہ اللہ بہتر ہے یا یہ بت بہتر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورت میں قوم ثمود اور قوم لوط کی ہلاکت کا ذکر کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو اشقیاء کو ہلاک کرتا ہے اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی مدد کرتا ہے اور اے پیغمبر ﷺ! یہ بھی کہہ دیجیے کہ اللہ دونوں جہان کی سلامتی ان لوگوں کو دیتا ہے کہ جو اس کی بارگاہ میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں اور اس اصطفاء اور برگزیدگی کے مدارج اور مراتب ہیں۔ مرتبۂ اعلیٰ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی برگزیدگی کا ہے بعد ازاں ان مسلمانوں کی برگزیدگی کا ہے جنہوں نے انبیاء و مرسلین کی مدد اور نصرت کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کیا اور بالخصوص جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی مدد اور نصرت کی اور اس کا اوّلین مصداق مہاجرین اوّلین ہیں پھر انصار کرام اور مہاجرین اوّلین کے مقابلہ میں وہ اشقیاء کفار ہیں جو اعلاء کلمۃ الکفر میں ساعی اور کوشاں رہے۔

الغرض اصطفاء کے درجات میں اصطفاء کا اعلیٰ درجہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہے اور دوسرا درجہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ... اِلٰی اٰخر الآیۃ﴾ (فاطر: ۳۲) اس لیے اس قسم کی تمام آیتوں کی تفسیر سلف صالحین نے آنحضرت ﷺ کے اصحاب کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے کہ ﴿وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی﴾ سے آنحضرت ﷺ کے اصحاب مراد ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

الحمد للہ کہ اُنیسویں پارہ کی تفسیر سے اخیر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۱ھ میں فراغت نصیب ہوئی۔

فللہ الحمد اولا و آخرًا

الحمد للہ پانچویں جلد مکمل ہوئی۔ چھٹی جلد بیسویں پارے سے شروع ہوگی۔